قیدیوں کے حقوق

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

IFA PUBLICATIONS

ایفا پبلیکیشنز

جدید فقہی تحقیقات

قیدیوں کے حقوق

[اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے اٹھارہویں فقہی سمینار منعقدہ
مؤرخہ ۲۸ فروری تا ۲/مارچ ۲۰۰۹ء کو مدورائی میں
پیش کیے گئے علمی، فقہی اور تحقیقی مقالات ومناقشات کا مجموعہ]

ایفا پبلی کیشنز

نام کتاب	:	قیدیوں کے حقوق
صفحات	:	۷۲۲
قیمت	:	
کمپوزنگ	:	محمد سیف اللہ
سن طباعت	:	۲۰۱۰ء

ناشر

ایفا پبلی کیشنز

۱۶۱-ایف جوگابائی، جامعہ نگر، نئی دہلی-۱۱۰۰۲۵

ای میل: ifapublications@gmail.com

فون وفیکس: 26981779، 26983728

مجلس ادارت

۱- مولانا مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی
۲- مولانا محمد برہان الدین سنبھلی
۳- مولانا بدر الحسن قاسمی
۴- مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
۵- مولانا عتیق احمد بستوی
۶- مفتی محمد عبید اللہ اسعدی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست

باب چہارم: مختصر مقالات

باب پنجم: تحریری آراء

پیش لفظ

دنیا میں اس وقت اگر مظلوم گروہوں کو شمار کیا جائے تو شاید ان میں سب سے پہلا نام قیدیوں کا ہوگا؛ حالاں کہ بین الاقوامی سطح پر قیدیوں کے لئے قوانین اور معاہدات موجود ہیں اور ہمارے ملک میں بھی نہ صرف ایسے قوانین موجود ہیں؛ بلکہ وقتاً فوقتاً معزز عدالتیں بھی اس سلسلہ میں ہدایات جاری کرتی رہی ہیں؛ لیکن ان سب کے باوجود پوری دنیا میں قیدیوں کے ساتھ جو انسانیت سوز مظالم روا رکھے جارہے ہیں، وہ ان لوگوں کو لرزاں دیتے ہیں جو اپنے سینوں میں دل اور دلوں میں احساس اور انسانیت کی کوئی رمق رکھتے ہیں، امریکہ نے افغانستان اور عراق میں جو کچھ کیا اور گوانتانامو نیز ابوغریب جیلوں میں جو وحشیانہ سلوک روا رکھا گیا، اس نے شاید درندوں کو بھی شرمندہ کردیا ہو، خود ہمارے ملک ہندوستان میں ٹاڈا اور پوٹو کے نام پر بے قصور گرفتاریوں اور پولس حوالات نیز جیلوں میں قیدیوں کے ساتھ مظالم کے جو واقعات منظر عام پر آئے ہیں، وہ یقیناً ہر محب وطن ہندوستانی کے لئے شرمندگی کا باعث ہیں۔

اسلام میں مجرموں اور بعض حالات میں زیر تحقیق ملزموں کو قید کئے جانے کا تصور موجود ہے، سیدنا حضرت عمرؓ نے باضابطہ قیدیوں کے لئے جیل بنائی تھی، حضرت علیؓ نے مزید پختہ جیل بنائی؛ کیوں کہ اپنے اہل تعلق سے کٹ کر انسان کا رہنا اس کے لئے سزا بھی ہے اور اپنی اصلاح کے لئے ایک مہلت بھی؛ لیکن اسلام نے قیدیوں کے تمام انسانی حقوق کا پاس ولحاظ رکھا ہے اور ان کے ساتھ تشدد، ظلم وجور، ناانصافی اور اپنی صفائی اور رفع الزام کے حق سے محروم رہنے کی اجازت ہرگز نہیں دی ہے۔

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ تہذیب کے علم برداروں اور امن کے عالمی ٹھیکیداروں نے قانون کی دھجیاں بکھیر رکھی ہیں اور انسانی حقوق کو اس طرح پامال کیا ہے کہ شاید پاگل ہاتھی

بھی کسی کو اس طرح نہ روندتا ہو، اور ان سب کے باوجود الٹے اسلام اور مسلمانوں ہی کو ہدف بنایا جارہا ہے، نیز اسلام کی تصویر ایک شدت پسند اور مسلمانوں کا چہرہ ایک خون خوار کے چہرے کی حیثیت سے پیش کیا جارہا ہے، اس پس منظر میں اکیڈمی نے ضرورت محسوس کی کہ قیدیوں کے حقوق کے عالمی مسئلہ پر سمینار منعقد کیا جائے؛ تاکہ ایک طرف اس سلسلہ میں اسلامی تعلیمات کی وضاحت ہو اور دوسری طرف انسانی ضمیر کو بیدار کرنے کے لئے آواز بلند کی جائے۔

چنانچہ اکیڈمی کے اٹھارہویں سمینار کے لئے جو عنوانات منتخب کیے گئے ان میں ایک یہ بھی تھا، خوشی کی بات ہے اس اہم اور پیچیدہ موضوع پر پچاس کے قریب مقالات موصول ہوئے، سمینار میں موضوع کے مختلف پہلوؤں پر طویل بحثیں ہوئیں، جن نکات پر مقالہ نگاروں کے درمیان اختلاف رائے پایا جاتا تھا، ان میں اتفاق رائے تک پہنچنے کی کوشش کی گئی اور بحمداللہ متفقہ طور پر تجویزیں منظور ہوئیں، یہ تجویزیں اسلام کی منصفانہ تعلیمات کی آئینہ دار بھی ہیں اور اس وقت دنیا میں ترقی یافتہ طاقتیں قیدیوں کے ساتھ جس غیر انسانی سلوک کو روا رکھے ہوئی ہیں ان کے لئے دعوت وتذکیر بھی۔

اس مجموعہ میں علماء اور ارباب افتاء کے مقالات کے علاوہ ماہرین کی تحریریں، طے پانے والی تجاویز اور تبادلۂ خیال کے دوران ہونے والے مناقشات سب شامل ہیں اور اس طرح یہ اپنے موضوع پر دستاویزی حیثیت کا حامل مجموعہ ہے۔ عزیز گرامی مولانا صفدر زبیر ندوی (رفیق شعبہ علمی) نے ماشاءاللہ بہتر طور پر اس مجموعہ کی تصحیح وترتیب کی خدمت انجام دی ہے، فجزاہ اللہ خیر الجزاء۔

دعا ہے کہ اللہ تعالی اسے قبول عام وتام عطا فرمائے اور مقاصد کے اعتبار سے ثمر آور بنائے۔ وباللہ التوفیق وھو المستعان۔

۵ر محرم الحرام ۱۴۳۱ھ
۲۳ر دسمبر ۲۰۰۹ء

خالد سیف اللہ رحمانی
(خادم اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا)

پہلا باب

تمہیدی امور

سوالنامہ

قیدیوں کے حقوق

اسلام کی تمام تعلیمات اور شریعت اسلامی کے تمام احکام کی بنیاد عدل اور احسان پر ہے، اس میں دوستوں اور دشمنوں، اپنوں اور بیگانوں کے درمیان کوئی فرق روا نہیں رکھا گیا ہے، اور ہر ایک کے لئے انصاف کا ایک ہی پیمانہ مقرر کیا گیا ہے، اس وقت دنیا میں جو طبقات انصاف سے محروم ہیں اور ان کے ساتھ نہایت غیر انسانی سلوک کیا جاتا ہے، ان میں قیدی بھی ہیں، ہمارے ملک میں اور عالمی سطح پر بھی قیدیوں کے ساتھ بدسلوکی کی ایسی روح فرسا خبریں آتی ہیں، جنہیں سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، ان حالات میں ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ قیدیوں کے حقوق کے سلسلہ میں اسلام کی منصفانہ تعلیمات پیش کی جائیں، چنانچہ اس سلسلہ میں درج ذیل سوالات قابل توجہ ہیں:

۱- کیا کسی ملزم کو اس کے جرم کا ثبوت فراہم ہوئے بغیر قید کیا جاسکتا ہے اور اگر بطور احتیاط کے قید کیا جائے تو کیا اس کے لئے کوئی مدت مقرر کی جاسکتی ہے؟

۲- درج ذیل امور سے متعلق قیدیوں کو کیا حقوق حاصل ہیں؟

الف- مذہبی امور (عبادت کرنا، مذہبی کتابوں کا مطالعہ، دوسرے قیدیوں کے درمیان دعوت دین، اس کی مذہبی تعلیمات کے مطابق اس کے لئے غذا فراہم کرنا، وہ جس مذہب پر عقیدہ رکھتا ہے اس مذہب کی مقدس شخصیتوں اور کتابوں وغیرہ کی بے احترامی سے گریز)

ب- جسمانی ضروریات (مناسب غذا، صاف پانی، علاج، حفظان صحت کے لئے

ورزش وتفریح، بیوی سے تعلق، ایسی تنگ جگہ میں قیدیوں کو رکھنے کا مسئلہ جہاں کھڑا ہونا یا پاؤں پھیلا کر لیٹنا، یا دیوار کے باہر کسی چیز کا دیکھنا ممکن نہیں)

ج- عام سماجی حقوق (اخبارات پڑھنے، ریڈیو سننے، فون پر احباب واقارب سے گفتگو کرنے، دوسرے قیدیوں سے ملاقات، تعلیم اور ہنر سیکھنا وغیرہ)

د- اخلاقی امور (مردوں اور عورتوں کو الگ قید خانے، بالغوں اور نابالغوں کے لئے الگ قید خانے وغیرہ مسائل)

۳- قیدیوں سے سچی بات اگلوانے کے لئے کس حد تک دھمکانے کی اجازت ہے؟ کیا اس مقصد کے لئے درج ذیل سزائیں دی جاسکتی ہیں:

الف- قیدیوں کو بے لباس کر دینا　　ب- قیدیوں کو مار پیٹ کرنا

ج- انہیں الکٹرک شاٹ لگانا　　د- قیدیوں پر کتے چھوڑنا

ھ- قیدیوں کو سخت ٹھنڈک میں برف کی سلوں پر ڈال دینا

و- انہیں مسلسل جگے رہنے پر مجبور کرنا اور اس کے لئے اس کی جائے رہائش میں تیز روشنی یا تیز آواز کا انتظام رکھنا۔

۴- کیا قیدیوں کو زنجیروں میں جکڑا جاسکتا ہے یا انہیں ہتھکڑی پہنائی جاسکتی ہے، یا انہیں بیڑی ڈالی جاسکتی ہے؟

۵- کیا کسی مجرم کو اس کے خصوصی جرم کے پس منظر میں قید تنہائی دی جاسکتی ہے؟

۶- کیا جیل میں قیدیوں سے جبراً کام لیا جاسکتا ہے اور اگر کام لیا جائے تو کیا قیدی اس کام کی اجرت کے مستحق ہیں؟

۷- جن قیدیوں کا مقدمہ ابھی زیر سماعت ہے اور جن کے بارے میں سزائے قید کا فیصلہ ہو چکا ہے، قید خانوں میں سلوک کے اعتبار سے کیا ان دونوں میں فرق کیا جاسکتا ہے؟

۸- کیا زیر سماعت قیدیوں کو اتنے دنوں تک فیصلے سے پہلے قید میں رکھا جا سکتا ہے جو ان کے اوپر عائد فرد جرم کی اصل سزا ہے۔

۹- اگر ملزم کو قید میں رکھا گیا ہو اور بعد کو عدالت نے اسے بری قرار دیا تو کیا وہ زمانۂ قید میں ہونے والی ذہنی اذیت اور مالی ہرجانہ طلب کر سکتا ہے؟

۱۰- قیدی کو اپنے مقدمات کے سلسلہ میں وکیل سے رابطہ اور صفائی پیش کرنے کے کیا حقوق حاصل ہیں؟

۱۱- کیا خواتین قیدیوں کو اپنے ساتھ شیر خوار بچوں کو جیل میں رکھنے کا حق حاصل ہے؟

اکیڈمی کا فیصلہ

قیدیوں کے حقوق

عصر حاضر میں، بیرون ملک میں قیدیوں کے ساتھ بدسلوکی کے واقعات جس کثرت سے پیش آرہے ہیں، وہ ہر انسان دوست اور انصاف پسند شخص کے لئے لمحۂ فکریہ ہے، اس تناظر میں اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کا یہ سیمینار اسلامی واخلاقی نقطۂ نظر کو واضح کرتے ہوئے درج ذیل تجاویز منظور کرتا ہے:

۱) کوئی شخص جرم کا مرتکب ہو تب بھی اس کے انسان ہونے کی حیثیت باقی رہتی ہے، اسے اس کے جرم کی سزا ضرور ملنی چاہئے؛ لیکن وہ انسانی توقیر واحترام کے حق سے محروم نہیں ہو جاتا۔

۲) اگر کسی شخص پر جرم کا الزام ہو، تو جب تک وہ پایۂ ثبوت کو پہنچ نہیں جائے، اس کو مجرم قرار نہیں دیا جاسکتا اور نہ اس کے ساتھ مجرموں کا سا سلوک کیا جاسکتا ہے۔

۳) کسی الزام کی بنیاد پر قید کرنا جائز ہے؛ بشرطیکہ کسی قوی قرینہ سے ہی الزام کی تائید ہو رہی ہو، یا ملزم پر شک کئے جانے کی واضح علامتیں موجود ہوں اور ایسی صورت میں قید کی مدت عدالت کی صوابدید پر ہے؛ لیکن یہ مدت اتنی طویل نہ ہونی چاہئے، جو کسی ثابت شدہ جرم پر دی جاتی ہے۔

۴) قیدیوں کے حقوق:

(الف) بلاتفریق مذہب جملہ قیدیوں کو اپنے اپنے مذہب کے مطابق عبادت وعمل کی آزادی حاصل ہوگی، نیز اس کی مذہبی تعلیمات کے مطابق اس کے لئے غذا فراہم کی جائے گی

اور وہ جس مذہب پر عقیدہ رکھتا ہے، اس مذہب کی مقدس شخصیتوں اور کتابوں وغیرہ کی بے احترامی سے گریز کیا جائے گا۔

(ب) قیدیوں کو جسمانی ضروریات — مثلاً: مناسب غذا، صاف پانی اور موسم کے لحاظ سے کپڑے، نیز علاج و معالجہ کی سہولیات — فراہم کی جائیں گی، ان کو حفظان صحت کے لئے ورزش کی اجازت ہوگی، قیدیوں کو ایسی تنگ جگہ میں رکھنا درست نہیں، جہاں ٹھیک سے کھڑا ہونا یا پاؤں پھیلا کر لیٹنا ممکن نہ ہو یا ہوا اور روشنی کا مناسب نظم نہ ہو۔

(ج) قیدیوں کو سماجی حقوق — مثلاً: تعلیم و ہنر سیکھنے، عام حالات میں دیگر قیدیوں سے ملاقات کرنے اور عزیز و اقارب سے رابطہ کرنے کے حقوق — حاصل ہوں گے، جہاں تک ریڈیو اور ٹی وی کا تعلق ہے تو یہ عموماً تفریحی چیزوں کا حصہ ہوتی ہیں؛ لہذا اس کی اجازت دینا ضروری نہیں؛ البتہ اخبارات پڑھنے کی اجازت دینا حکومت کی صوابدید پر ہے۔

(د) مردوں اور عورتوں کو الگ الگ قید خانوں میں رکھا جائے اور اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ عورتوں کے حصہ کی نگراں افسر بھی خاتون ہی ہو، زنانہ قید خانہ میں اندرونی دیکھ بھال کا کام بھی عورتیں ہی سنبھالیں اور اسی طرح نابالغ اور بالغ قیدیوں کو بھی الگ الگ رکھا جائے۔

۵) قیدیوں سے سچی بات اگلوانے کے لئے قیدیوں کا نارکو الائسس کرنا، انہیں بے لباس کرنا، الکٹرک شاک لگانا، ان پر کتے چھوڑنا، ان کو برف کی سلوں پر ڈالنا، انہیں مسلسل جگے رہنے پر مجبور کرنا اور اس کے لئے ان کی جائے رہائش میں تیز روشنی کرنا یا تیز آواز سنانا یہ تمام امور ناجائز، غیر اخلاقی اور غیر انسانی ہیں، اسی طرح ایسی سزائیں جن سے کسی عضو کو نقصان پہنچے، یا اس کے تلف ہو جانے کا اندیشہ ہو یا ذہنی و دماغی صحت متاثر ہونے کا خطرہ ہو، بھی

حرام ہے۔

۶) قیدیوں کو زنجیروں میں جکڑنا ، ہتھکڑی پہنانا یا بیڑی ڈالنا شرعاً ناجائز ہے ، البتہ اگر قیدی خطرناک اور عادی مجرم ہو ، جس کے فرار ہونے کا یا خود کو یا دوسروں کو نقصان پہنچانے کا اندیشہ ہو تو اس کو قابو میں رکھنے کے لئے قانون کی حدود میں مناسب تدبیر اختیار کی جاسکتی ہے۔

۷) اگر مصلحت متقاضی ہو تو مجرم کو اتنے دنوں کی قید تنہائی دی جاسکتی ہے ، جس کی میڈیکل آفیسر اجازت دے ، اور یہ اتنی طویل نہ ہو کہ قیدی ذہنی مریض ہو جائے۔

۸) جبری کام لیا جانا اگر سزا کا حصہ ہو تو بطور تعزیر قیدی سے اس کے حسب طاقت جبری کام لیا جاسکتا ہے اور اس صورت میں شرعاً وہ اجرت کا مستحق نہ ہوگا ؛ البتہ حکومت اپنے قانون کے تحت اجرت دے تو یہ اس کے لئے حلال ہوگی ، بصورت دیگر وہ اجرت کا مستحق ہوگا۔

۹) زیر سماعت قیدیوں کو اصولی طور پر بے قصور تصور کیا جائے ، ایسے قیدی مجرم نہیں ؛ بلکہ ملزم ہوتے ہیں ، ان کے ساتھ مجرموں جیسا رویہ ہرگز نہ اختیار کیا جائے ؛ لہذا ان سے جبری کام لینا درست نہیں اور دیگر قیدیوں کے مقابلہ میں ان کے ساتھ اچھا سلوک ضروری ہے۔

۱۰) زیر سماعت قیدیوں کو سماعت سے پہلے اتنے دنوں تک قید میں رکھنا جو ان کے اوپر عائد فرد جرم کی اصل سزا کے برابر ہے ، درست نہیں ، نیز فیصلے یا تحقیق حال میں تاخیر نہیں ہونی چاہئے کہ دورانِ مقدمہ قید کی مدت سزا کی مدت سے لمبی ہو جائے اور اگر ایسا ہو تو اسے فوراً رہا کر دیا جائے۔

۱۱) بے قصور قیدی کو زمانہ قید میں ہونے والی ذہنی اذیت کا مالی ہرجانہ دینا واجب ہے۔

۱۲) قیدی کو مقدمات کے سلسلہ میں وکیل سے رابطہ کرنے ، اپنے عزیز و

اقارب سے مشورہ کرنے اور اپنی صفائی پیش کرنے کے سارے حقوق حاصل ہوں گے۔

۱۳) خواتین قیدیوں کو اپنے ساتھ شیر خوار بچوں کو جیل میں رکھنے کی اجازت ہوگی۔

۱۴) اجلاس نے محسوس کیا کہ ملک میں قید خانوں اور قیدیوں کے تعلق سے جو قوانین اور قواعد نافذ ہیں، ان میں اکثر ان امور کا لحاظ رکھا گیا ہے، جو اسلامی نقطۂ نظر سے اوپر بیان کئے گئے ہیں؛ تاہم عملاً ان کو بہت کم نافذ کیا جاتا ہے؛ اس لئے یہ اجلاس مطالبہ کرتا ہے کہ مذکورہ تمام حقوق قیدیوں کو عملی طور پر دیے جائیں، اجلاس میں اس احساس کا بھی اظہار ہوا کہ عام طور پر کسی ٹھوس شہادت کے بغیر قانون اور سپریم کورٹ کی ہدایات کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے شہریوں کو گرفتار کیا جاتا ہے، گذشتہ چند سالوں میں مسلم نوجوانوں کی اس طرح گرفتاری کے متعدد واقعات ہو چکے ہیں، جنہیں گرفتار کرنے کے بعد اذیت پہنچائی جاتی ہے، ٹارچر کیا جاتا ہے، کئی دنوں تک اپنی تحویل میں رکھنے کے بعد پولیس ان کی گرفتاری درج کرتی ہے اور عدالت میں پیش کرتی ہے، پولیس اور نفاذ قانون کے اداروں کے اس رویہ اور حکومت کی چشم پوشی کے نتیجے میں ملک میں اضطراب اور بے چینی کی کیفیت پیدا ہو رہی ہے اور ملک کی جمہوریت داغدار ہو رہی ہے؛ اس لئے یہ اجلاس مرکزی اور ریاستی حکومتوں سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ پولیس کو قانون وقواعد اور سپریم کورٹ کی ہدایات کا پابند بنائے، اس کی خلاف ورزی کرنے والے عہدہ داروں کے خلاف عبرتناک کارروائی کرے اور سخت ہدایات جاری کی جائیں کہ قوی اور ٹھوس بنیاد کے بغیر کسی کو گرفتار نہ کیا جائے اور تعذیب اور ٹارچر کا طریقہ بالکل ختم کر دیا جائے۔

۱۵) اجلاس کا یہ بھی احساس ہے کہ امریکہ اور بعض یورپی ممالک نے دہشت گردی کا بہانہ بنا کر مختلف مقامات پر جو عقوبت خانے بنائے ہیں اور جن میں وحشیانہ طریقہ پر ایذاء پہنچائی جاتی ہے، یہ بین الاقوامی میثاقات اور اصولوں کی کھلی خلاف ورزی اور انسانیت سوز

حرکت ہے، جس کا نوٹس اقوام متحدہ اور دیگر عالمی اداروں اور حقوق انسانی وشہری آزادیوں کی بین الاقوامی انجمنوں کو لینا چاہئے، ہم ان سب سے مطالبہ کرتے ہیں کہ ان عقوبت خانوں اور ان میں روا رکھے جانے والے مظالم کے خلاف آواز بلند کریں، عالمی ادارے ان ممالک کے خلاف تہدیدات عائد کریں اور انہیں بین الاقوامی قوانین پر عمل کرنے کے لئے مجبور کریں۔

۱۶) سمینار اس صورت حال پر گہری تشویش ظاہر کرتا ہے کہ ملک کے بعض علاقوں میں بار کونسلیں اور وکلاء ان لوگوں کا مقدمہ لینے سے انکار کر رہے ہیں، جن کے خلاف دہشت گردی کا الزام لگایا جاتا ہے؛ حالاں کہ قانونی دفاع ہر شخص کا حق ہے اور یہ ایک مسلمہ عالمی قانون ہے کہ ملزم کو مجرم کا درجہ نہیں دیا جاسکتا، نہ ملک کا قانون اس کی اجازت دیتا ہے اور نہ یہ اخلاقی وانسانی تقاضوں کے مطابق ہے، وکلاء اور یہ ادارے انصاف قائم کرنے کے لئے ہیں، ان کا ایسی غیر منصفانہ حرکتوں کا مرتکب ہونا نہایت افسوسناک ہے؛ اس لئے سمینار وکلاء برادری اور بار کونسلوں سے بھی مطالبہ کرتا ہے کہ وہ ایسے غیر قانونی رویہ سے گریز کریں اور حکومت سے بھی مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اس کا سد باب کرے۔

تلخیص مقالات:

قیدیوں کے حقوق

مولانا صفدر زبیر ندوی

اسلامک فقہ اکیڈمی کے اٹھارہویں فقہی سمینار کے موضوعات میں ایک موضوع ''قیدیوں کے حقوق'' کو بھی بحث کے لئے رکھا گیا ہے، یہ موضوع موجودہ حالات کے تئیں اہم بھی ہے اور قابل مباحثہ بھی، اس سلسلے میں پورے ہندوستان سے علماء و ماہرین کے تقریباً تیس مقالات اور تحریریں آئی ہیں، جن کا خلاصہ ذیل میں پیش کیا جارہا ہے:

بعض حضرات نے لفظ ''حق'' اور لفظ ''قید'' پر بھی طویل بحثیں کی ہیں، اور قیدیوں کے ساتھ (خواہ وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں) نرمی کا برتاؤ اور حسن سلوک اور ان کے ساتھ عدل وانصاف کرنے کو اسلام کی ایک خصوصی صفت کے طور پر پیش کیا ہے، مثلاً قرآن میں ہے:

''ولا یجرمنّکم شنآن قوم علی أن لا تعدلوا، اعدلوا ھو أقرب للتقوی'' (سورۂ مائدہ:۸) (مقالہ: مولانا محمد شاہجہاں ندوی، مفتی سید باقر ارشد قاسمی)۔

اسی طرح قرآن کی یہ آیت بھی ہے:

''ویطعمون الطعام علی حبہ مسکیناً ویتیماً وأسیرًا'' (سورۂ انسان:۸) (مقالہ: مولانا محمد شاہجہاں ندوی، مفتی اقبال احمد قاسمی)۔

اسی طرح آپ ﷺ نے قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید فرمائی ہے، چنانچہ جب حضرت ثمامہ بن اثال قید کر کے آپ ﷺ کے پاس لائے گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"أحسنوا إساره" (آداب الحرب فی الاسلام للشیخ محمد الخضر الحسین/۲۸) (مقالہ: مولانا محمد شاہجہاں ندوی)۔

اور آپ ﷺ نے بدر کے قیدیوں کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرنے کی ہدایت کرتے ہوئے صحابہ سے فرمایا: "استوصوا بالأساری خیرا" (طبرانی کبیر)۔ اس حدیث کے ضمن میں ابن کثیر نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ان قیدیوں میں مصعب بن عمیر کے بھائی ابوعزیز بن عمیر بھی تھے، وہ خود کہتے ہیں کہ میں جن کے پاس تھا وہ حضور ﷺ کی ہدایت کا اس درجہ خیال رکھتے تھے کہ وہ لوگ تو خود کھجور پر اکتفا کر لیتے اور مجھے خاص طور سے روٹی کھلاتے، مجھے شرم آتی اور روٹی ان کو لوٹا دیتا، لیکن وہ دوبارہ مجھے دے دیتے اور کہتے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم فرمایا ہے (السیرۃ النبویہ لابن کثیر ۲/۴۵۸، مجمع الزوائد ۶/۸۶) (مقالہ: مولانا محمد شاہجہاں ندوی، مولانا اختر امام عادل قاسمی، مفتی سید باقر ارشد قاسمی، شاہ محمد تفضل علی جلال آبادی)۔

اسی طرح فقہاء کے یہاں بھی قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید آئی ہے، چنانچہ امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں: "الأسیر من أسری المشرکین لا بد أن یطعم ویحسن إلیه حتی یحکم فیه......"، اسی طرح حضرت علیؓ نے فرمایا: "یحبس عنهم شره وینفق علیه من بیت مالهم" (کتاب الخراج/۱۴۹، ۱۵۰) (مقالہ: مولانا محمد شاہجہاں ندوی)۔

حبس کی تعریف

"الحبس لغة: الإمساک وهو ضد التخلية"۔

"أما فی الشرع فهو تعویق الشخص ومنعه من التصرف بنفسه سواء کان فی البیت أو فی مسجد، أو کان یتوکل الخصم أو وکیله، وملازمته له" (القضاء ونظامہ/ص ۵۵۰) (مقالہ: مولانا عبدالرشید قاسمی، مفتی اقبال احمد قاسمی)۔

قرآن کی آیت: "إنما جزاء الذین یحاربون الله ورسوله ویسعون فی

الأرض فساداً أن يقتّلوا أو يصلّبوا أو تقطّع أيديهم وأرجلهم من خلاف أو ينفوا من الأرض" (سورۂ مائدہ: ۳۳) کے تحت یہ صراحت موجود ہے: "فإن المراد بالنفي الحبس، هذا على رأى الأحناف، فإن المراد بالنفي من الأرض عندهم الحبس والسجن، لأن الشخص المحبوس يفارق بيته وأهله......" (القضاء و نظامہ ص ۵۵۱) (مقالہ: مولانا عبدالرشید قاسمی)۔

"وقال مالک أيضا والكوفيون: نفيهم سجنهم فينفي من سعة الدنيا إلى ضيقها فصار كأنه إذا سجن فقد نفي من الأرض إلا من موضع استقرار" (الجامع لأحکام القرآن للقرطبی ۶/ ۱۵۳) (مقالہ: مفتی محمد جعفر ملی رحمانی، مولانا راشد حسین ندوی)۔

"وقال الحنفية وجماعة من الشافعية والحنابلة وابن العربي من المالكية: إن المراد به الحبس لأن النفي من جميع الأرض محال – وإلى بلد آخر فيه إيذاء وهو ليس نفيا من الأرض بل من بعضها، والله تعالى يقول: "من الأرض" فلم يبق إلا الحبس، لأن المحبوس في حقيقته بمنزلة المخرج من الدنيا" (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/ ۲۸۶) (مقالہ: مفتی محمد جعفر ملی رحمانی)۔

مولانا اقبال احمد ٹنکاروی نے قید کو عقوبت کی ایک قسم قرار دیا ہے، اور عقوبات کی تین قسمیں حدود، قصاص اور تعزیر کو بیان کرتے ہوئے قید کو اسی تعزیر سے جوڑا ہے، اور بدائع کے حوالے سے قید کا اصطلاحی معنی یہ ذکر کیا ہے: "هو منع الشخص من الخروج إلى أشغاله و مهماته الدينية والاجتماعية" (بدائع الصنائع ۷/ ۱۷۴)۔

اور نفس کی قید کی مشروعیت پر آیات قرآنی: ۱- "فشدوا الوثاق......"، ۲- "وخذوهم واحصروهم......" اور ۳- "أو ينفوا من الأرض" سے استدلال کیا ہے۔ اسی طرح اس حدیث: "إذا أمسک الرجل الرجل وقتله الآخر فيقتل الذي قتل ويُحبس الذي أمسک" (دارقطنی، نیل الاوطار)، اور واقعہ ابولبابہ اور واقعہ ثمامہ بن اثال

سے استدلال کیا ہے۔

پھر موصوف نے بدائع کے حوالے سے اور مولانا رحمت اللہ ندوی نے معین الحکام کے حوالے سے حبس کی دو قسمیں حبس التعزیر اور حبس الاستیثاق سے کی ہے، اور پھر اس کے بعد حبس الاستیثاق کی تین قسمیں کی ہیں: حبس التہمۃ، حبس الاحتراز اور حبس تنفیذ العقوبۃ۔ حبس التہمت کی مثال میں حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ جو دو قیدی تھے ان کو پیش کیا ہے۔ حبس الاحتراز کی مثال میں خود حضرت یوسف علیہ السلام کی قید کو پیش کیا ہے، اور حبس تنفیذ العقوبۃ کے سلسلہ میں قبیلہ بنو قریظہ کے غداروں کو روکے رکھے جانے کی مثال پیش کی ہے۔

۱- ثبوت جرم کے بغیر کسی کو قید کرنا اور اس کے قید کئے جانے کی مدت

سوال: کیا کسی ملزم کو اس کے جرم کا ثبوت فراہم ہوئے بغیر قید کیا جاسکتا ہے، اور اگر بطور احتیاط کے قید کیا جائے تو کیا اس کے لئے کوئی مدت مقرر کی جاسکتی ہے؟

الف- اکثر مقالہ نگار حضرات کی رائے ہے کہ ملزم کو جرم کا ثبوت فراہم ہوئے بغیر تحقیق کی غرض سے بطور احتیاط قید میں رکھا جاسکتا ہے (مقالہ: مولانا محمد شاہجہاں ندوی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، قاضی محمد ہارون مینگل، مولانا عبد الرشید قاسمی، مولانا اقبال احمد ٹنکاروی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا افتخار احمد مفتاحی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مفتی اقبال احمد قاسمی، مفتی شیر علی گجراتی، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا لطیف الرحمٰن فلاحی، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا رحمت اللہ ندوی، شاہ محمد تفضل علی جلال آبادی، مولوی محمد مغفور باندوی)۔

ان حضرات کے دلائل ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:

قرآن

۱- "تحبسونهما من بعد الصلاة" (سورۂ مائدہ:۱۰۶)۔

۲-"حتی إذا أثخنتموهم فشدوا الوثاق" (سورۂ محمد: ۴)۔

۳-"إنما جزاء الذين يحاربون الله ورسوله......أو ينفوا من الأرض" (سورۂ مائدہ: ۳۳)۔

۴-"واللاتی یأتین الفاحشة من نسائكم فاستشهدوا عليهن أربعة منكم فإن شهدوا فأمسكوهن في البيوت" (سورۂ نساء: ۱۵)۔

۵-"وخذوهم واحصروهم" (سورۂ توبہ: ۵)۔

حدیث

۱-"إن النبی ﷺ حبس رجلا فی تهمة ثم خلّی عنه" (ترمذی، کتاب الدیات، رقم: ۱۴۱۷، نسائی، رقم: ۴۸۷۶، ابوداؤد، کتاب الاقضیۃ، رقم: ۳۶۳۰)۔

۲-لمعات میں ہے: "فیه أن حبس المدعی علیه مشروع قبل أن تقام البینة" (تحفۃ الأحوذی ۴/۶۷۷)۔

۳-"عن أزهر بن عبد الله الحرازی أن قوما من الكلاعيين سرق لهم متاع فاتهموا أناسا من الحاكة فأتوا النعمان بن بشير صاحب النبی ﷺ فحبسهم أياما ثم خلّی سبيلهم فأتوا النعمان فقالوا خلّيت سبيلهم بغير ضرب ولا امتحان فقال النعمان ماشئتم إن شئتم أن أضربهم فإن خرج متاعكم فذاك وإلا أخذت من ظهوركم مثل ما أخذت من ظهورهم فقالوا هذا حكمك فقال هذا حكم الله و حكم رسوله ﷺ" (ابوداؤد: کتاب الحدود ۴/۱۳۵)۔

۴-"إذا أمسك الرجل الرجل وقتله الآخر فيقتل الذی قتل، ويحبس الذی أمسك" (بیہقی، دارقطنی)۔

۵-"روی أن النبی ﷺ حبس أحد رجلين من غفار أُتهما بسرقة بعيرين، وقال للآخر: اذهب فالتمس فذهب وعا دبهما" (مصنف عبدالرزاق)۔

۲-"عن أبی ہریرة أن النبی ﷺ حبس فی تہمة یوما ولیلة استظہاراً واحتیاطاً "(الأحکام السلطانیۃ للقاضی أبی یعلی ر ۲۴۲)۔

فقہ

۱-"ویسوغ ضرب ہذا النوع من المتہمین، کما أمر النبی ﷺ الزبیر بتعذیب المتہم الذی غیب مالہ حتی أقر بہ،......أشہب بن عبد العزیز قاضی مصر فإنہ قال: یمتحن بالحبس والضرب، ویضرب بالسوط مجرداً"(الطرق الحکمیۃ فی السیاسۃ الشرعیہ رص ۱۱۴)۔

۲-"وإذا ثبت الحق للمدعی أمرہ بدفع ما علیہ فإن أبی حبسہ فی الثمن والقرض والمہر المعجل وما التزمہ بالکفالة لأنہ جزاء الظلم"(البحر الرائق ۲/۲۷۶)(مقالہ: مولانا افتخار احمد مفتاحی)۔

۳-"الذی علیہ جمہور الفقہاء فی المتہم بسرقة ونحوہا أن ینظر...... وأما أن یکون مجہول الحال فیحبس حتی یکشف أمرہ، قیل شہراً، وقیل باجتہاد ولی الأمر"(ردالمحتار ۳/ ۲۱۴)۔

۴-"بخلاف الحبس فإن الحبس للتہمة مشروع"(بدائع الصنائع ۵/ ۵۱۸)۔

۵-"فإذا لم یوجد الخصومة لم تقبل شہادتہم ولکن یحبس السارق، لأن اخبارہم أورث تہمة، ویجوز الحبس بالتہمة"(بدائع ۶/ ۳۱)۔

۶-"من یتہم بالقتل والسرقة وضرب الناس یحبس ویخلد فی السجن إلی أن تظہر التوبة"(فتاوی قاضیخاں ۳/ ۴۸، ہندیہ ۲/ ۱۶۹)۔

۷-"قال جماعة من الفقہاء لمشروعیة الحبس بدلیل أن النبی ﷺ حبس رجلا فی تہمة ثم خلی عنہ، وہذا ہو الحبس الاحتیاطی"(الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۷/ ۵۵۹۲)۔

مفتی محمد جعفر ملی صاحب اور مولانا ابرار حسن ایوبی ندوی ملزم کے سلسلہ میں تفصیل بیان کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ متہم دو حال سے خالی نہیں ہوتا، یا تو وہ معروف الحال ہوگا یا مجہول الحال۔ پھر معروف الحال دو حال سے خالی نہیں، یا تو معروف بالبر والصلاح والتقوی ہوگا یا معروف بالفسق والفجور ہوگا۔ تو جس شخص کا صلاح وتقوی معلوم ہوا یسے شخص کو محض تہمت کی بنا پر گرفتار کرنا جائز نہیں۔ "روی أبو یوسف أن رسول اللہ ﷺ لا یأخذ الناس بالقرف (التہمة)" (کتاب الخراج رص ۳۳۴، التحذیر من الأخذ بالتہمة)۔ اور جس کا فسق وفجور معلوم ہو اسے گرفتار کرنا جائز ہی نہیں بلکہ اولی ہے۔ لیکن جس شخص کا صلاح وتقوی یا فسق وفجور معلوم ومشہور نہ ہو اسے انکشاف حال تک قید میں رکھنا درست ہے (الموسوعة الفقہیہ ۱۶/ ۲۹۳، مجموعہ فتاوی ابن تیمیہ ۳۵/ ۳۹۰)۔

اور مولانا محمد شاہجہاں ندوی کہتے ہیں کہ قید کے لئے شرط یہ ہے کہ کسی قوی قرینہ سے الزام کی تائید ہورہی ہو، یا ملزم پر شک کئے جانے کی واضح علامتیں ہوں، یا ملزم بدکرداری کے ساتھ معروف ہو (ردالمحتار ۶/ ۱۲۶، الاحکام السلطانیہ للماوردی ر ۲۲۰)، اور اگر ملزم کے خلاف کوئی صحیح قرینہ نہ ہو تو ایسے ملزم کو قید کرنا جائز نہیں ہے۔

مفتی محمد مقصود رامپوری، مولانا راشد حسین ندوی کا کہنا ہے کہ ملزم کو جرم ثابت ہوئے بغیر قید کرنا درست نہیں ہے مگر یہ کہ مجرم کے بھاگ جانے یا غائب ہوجانے کا خطرہ ہو تو اس کو قید کرنا جائز ہے، مگر اس سے کام نہ لیا جائے۔

مولانا خورشید انور اعظمی اور مولانا راشد حسین ندوی کے بقول قید کرنے کا حکم اسی صورت میں ہے جبکہ یہ الزام ایسا ہو کہ اس سے حد کا ثبوت ہوتا ہو تو ملزم کو بلا تحقیق قید کرنا درست نہیں ہوگا (مقالہ: مولوی محمد مغفور باندوی)

"لم یشرع الحبس بتہمة ما یوجب التعزیر حتی لو ادعی رجل علی آخر شتیمة فاحشة أو أنہ ضربہ وأقام شہودا لا یحبس قبل أن یسأل عن

الشهود ويحبس في الحدود" (فتح القدیر ۵/ ۱۱۷) (مقالہ: مولانا خورشید انور اعظمی)۔

"وحبس المتهمين تعزيرا لهم جائز بخلاف ما إذا شهدوا بالدين لا يحبس المشهورعليه به قبل ظهور عدالة الشهود، لأن أقصى العقوبات بعد ثبوت العدالة والقضاء بموجب الشهادة الحبس فلا يجوز أن يفعله قبل ثبوت الحق بخلاف ما هنا، فإن بعد الثبوت عقوبته أغلظ" (فتح القدیر ۵/ ۸) (مقالہ: مولانا راشد حسین ندوی)۔

لیکن مولانا راشد حسین ندوی اس کا اضافہ کرتے ہیں کہ جن لوگوں کو الزام کی بنیاد پر قید کرنا جائز ہے ان کا بھی شرعی طور سے متہم ہونا شرط ہے، اور شرعاً تہمت اسی وقت معتبر مانی جائے گی جب ایک عادل یا دو مستور اس کے خلاف گواہی دیں، یا وہ شر و فساد میں مشہور ہو اور قاضی کو اس کا علم ہو۔

"ذكروا في كتاب الكفالة أن التهمة تثبت بشهادة مستورين أو واحد عدل، فظاهره أنه لو شهد عند الحاكم واحد مستور وفاسق بفساد شخص ليس للحاكم حبسه، بخلاف ما إذا كان عدلا أو مستورين فان له حبسه، بحر، قلت: ومثله مالوكان المتهم مشهور بالفساد فيكفي فيه علم القاضي" (شامی ۳/ ۲۰۶، البحر الرائق ۵/ ۴۲) (مقالہ: مولانا راشد حسین ندوی، شاہ محمد تفضل علی)۔

مولانا نعیم اختر قاسمی نے ہدایہ کے حوالہ سے کہا کہ اگر تہمت کا تعلق حدود و قصاص سے ہو تو ایک عادل یا دو مستور شخص کی گواہی پر اسے قید میں رکھا جا سکتا ہے۔ اور یہ قید بطور احتیاط ہے۔

حافظ ابن قیم کے حوالہ سے شامی میں ہے: "ولو حلفنا كل واحد منهم وأطلقناه مع العلم باشتهاره بالفساد في الأرض وكثرة سرقاته وقلنا لا نأخذ إلا بشاهدي عدل كان مخالفا للسياسة الشرعية" (رد المحتار ۳/ ۱۸۸ باب التعزیر) (مقالہ: مولانا خورشید احمد اعظمی)۔

لیکن قید بطور تعزیر میں مکمل جرم ثابت ہونے اور دو گواہوں کی گواہی کے بعد ہی قید کیا جاسکتا ہے، اس سے پہلے نہیں۔

"بخلاف الحبس فی باب الأموال لأنه أقصی عقوبة فلا یثبت إلا بحجة کاملة" (ہدایہ ۳/۱۱۵)۔

بعض حضرات مثلاً مفتی محبوب علی وجیہی، مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا محمد ذکاء اللہ شبلی اور مفتی سید باقر ارشد قاسمی کا کہنا ہے کہ کسی ملزم کو ثبوت جرم کے بغیر قید کرنا درست نہیں ہے۔

لیکن اگر مجرم کے بھاگ جانے یا غائب ہوجانے کا خطرہ ہو تو اس کو قید کرنا جائز ہے (مقالہ: مفتی محبوب علی وجیہی)۔

اور ایسے ملزم کو قید میں رکھا جاسکتا ہے جو مختلف جرائم میں مشہور ہو (مقالہ: مولانا ابوسفیان مفتاحی، مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی)۔

اگر الزام زیادہ سنگین ہو تو ایسے ملزم کو اس کے گھر یا محلے میں نظر بند کیا جاسکتا ہے (مقالہ: مولانا محمد ذکاء اللہ شبلی)۔

مفتی سید باقر ارشد قاسمی کے بقول ثبوت کی فراہمی تک ملزم کو نگرانی میں رکھا جاسکتا ہے، اور اس کے لئے موصوف یہ رائے دیتے ہیں کہ الگ سے تفتیش خانے بنائے جائیں جہاں پر جبر وتشدد اور وحشت کا ماحول نہ ہو اور وہ جیل خانوں اور قید خانوں کی طرح بھی نہ ہوں، اس جگہ پر ملزم سے صرف پوچھ تاچھ کی جاسکے اور اس کو روک کر رکھا جائے تاکہ فرار نہ ہوسکے۔

مولانا ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی فرماتے ہیں کہ واضح علامات اور یقینی بنیادوں پر ہی مجرم کو قید کیا جانا چاہئے، "ثم بدا لهم من بعد ما رأوا الآيات ليسجننه"، سید قطبؒ کہتے ہیں: "علی أن الإسلام لا یشدد فی العقوبة هذا التشدید إلا بعد تحقیق الضمانات الوقائیة المانعة من وقوع الفعل ومن توقیع العقوبة إلا فی الحالات

الثابتة التی لاشبهة فيها" (فی ظلال القرآن ۱۸/ ۲۴۸۹)۔ اوراس لئے بھی کہ بغیر قطعی دلائل کے قید کرنا اس پر ایک طرح کا ظلم ہے۔ "روی عن النبی علیه السلام أنه قال من بلغ حدا فی غیر حد فهو من المعتدین" (البیہقی: کتاب الحدود، کتاب الآثار لمحمد بن الحسن)۔

ب- قید کی مدت کے سلسلہ میں بعض مقالہ نگار حضرات کا کہنا ہے کہ ملزم کے قید کی مدت ولی الامر یا حاکم یا عدالت کی صوابدید پر ہے (مقالہ: مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، قاضی محمد ہارون مینگل، مفتی جمیل احمد نذیری، مفتی شیر علی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا راشد حسین ندوی، شاہ محمد تفضّل علی جلال آبادی، مولانا اقبال احمد ٹنکاروی، مولانا ابرار حسن ایوبی ندوی)۔

ان حضرات کے مستدلات میں سے چند دلائل ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:

۱- "قال الزیلعی: ولیس فی التعزیر شیٔ مقدر وإنما هو مفوض إلی رأی الإمام علی ما تقتضی جنایتهم فإن العقوبة فیه تختلف باختلاف الجنایة" (شامی ۶/ ۱۰۶) (مقالہ: مولانا خورشید انور اعظمی)۔

۲- "وللإمام أن یجتهد فی تعزیر المفسد ویفعل ما رأی من العقوبة" (مرقاۃ المفاتیح ۴/ ۹۲) (مقالہ مولانا خورشید انور اعظمی)۔

۳- "من یتهم بالقتل والسرقة وضرب الناس یحبس ویخلد فی السجن إلی أن یظهر التوبة" (الفتاوی الخانیہ ۴/ ۴۸۰) (مقالہ: مولانا خورشید انور اعظمی، شاہ محمد تفضّل علی)۔

۴- "وتقدیر مدة الحبس راجع إلی الحاکم کما لا یخفی" (البحر الرائق ۵/ ۴۳) (مقالہ: مولانا نعیم اختر قاسمی، مولوی محمد مغفور باندوی)۔

۵- "کذلک والی الحرب ووالی الحکم یفعل کل منهما ما اقتضته ولایته الشرعیة مع رعایة العدل والتقید بالشریعة" (الطرق الحکمیة فی السیاسة الشرعیة/ ۱۱۵، مجموع فتاوی ابن تیمیہ ۳۵/ ۴۰۲) (مقالہ: قاضی محمد ہارون مینگل، مولانا ابرار حسن ایوبی ندوی)۔

جن حضرات نے مدت حبس کا دارومدار ملزم کی ذات کو مانا ہے، ان کے نزدیک مجہول الحال ملزم کو علی اختلاف فقہاء زیادہ سے زیادہ ایک ماہ تک قید میں رکھا جاسکتا ہے، اور جو ملزم معروف بالفجور ہو تو جب تک اس کے معاملہ کی تحقیق وتفتیش نہ ہو جائے اسے قید میں رکھا جاسکتا ہے، خواہ موت تک ہی اسے قید میں کیوں نہ رکھنا پڑے (مقالہ: مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا محمد شاہجہاں ندوی، مولانا ابرارحسن ایوبی ندوی وغیرہ)۔

ان حضرات نے الموسوعۃ الفقہیہ (۱۶/ ۲۹۵)، تبصرۃ الحکام (۲/ ۱۴۷)، المغنی لابن قدامہ (۹/ ۳۲۸) وغیرہ کی عبارات کو اپنا مستدل بنایا ہے۔

"وقال بعض الفقهاء: إن أكثر مدة يحبس فيها المتهم المجهول الحال يوم واحد، وحددها قوم بيومين وثلاثة، وأجاز آخرون بلوغها شهراً۔ أما المتهم المعروف بالفجور والفساد فأكثر مدة حبسه ماتقتضيه ظهور حاله والكشف عنه ولو حبس حتى الموت وهذا هو الظاهر من مذاهب فقهاء الأمصار من الحنفية" (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/ ۲۹۵)۔

اکثر مقالہ نگار حضرات نے اس میں تفصیل کی ہے اور کہا ہے کہ اس سلسلہ میں اقل مدت کی کوئی حد نہیں ہے، اور اکثر مدت حاکم کے اجتہاد پر مبنی ہے، بعض فقہاء کے یہاں ایک دن، بعض کے نزدیک دو دن یا تین دن اور بعض کے نزدیک ایک مہینہ ہے (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/ ۲۹۴-۲۹۵) (مقالہ: مفتی محمد جعفر ملی رحمانی)۔

مولانا راشد حسین ندوی اور مفتی اقبال احمد قاسمی، مولانا عبدالرشید قاسمی کہتے ہیں کہ مدت قید کا دارومدار ملزم کی ذات، الزام کی نوعیت اور دوسرے خارجی عوامل سے بھی ہے، یہاں تک کہ عمر قید کی بھی سزا دی جاسکتی ہے۔

دلائل

۱- "بأن ادعى عليه رجل ذنبا أو دينا فحبسه ليعلم صدق الدعوى

بالبينة، ثم لما لم يقيم البينة خلي عنه اى تركه عن الحبس بأن أخرجه منه والمعنى خلى سبيله عنه"(مرقاة المفاتیح ۳۱۸/۷)(مقالہ: مولانا راشد حسین ندوی)۔

۲-"وإما أن يكون مجهول الحال فيحبس حتى يكشف أمره، قيل شهرا وقيل باجتهاد ولي الأمر"(ردالمحتار ۲۱۴/۳)(مقالہ: مولانا راشد حسین ندوی، مفتی اقبال احمد قاسمی، مولانا عبدالرشید قاسمی، مولانا محمد شاہجہاں ندوی)۔

۳-"ومن يتهم بالقتل والسرقة وضرب الناس أحبسه وأخلده في السجن حتى يتوب (قوله حتى يتوب) المراد حتى تظهر امارات توبته إذ لا وقوف لنا على حقيقتها، ولا يقدر بستة أشهر إذ قد تحصل التوبة قبلها وقد لا تظهر بعدها، كذا حققه الطرسوسي وأقره ابن الشحنة"(شامی ۲۰۶/۳، منحۃ الخالق ۴۲/۵)(مقالہ: مولانا راشد حسین ندوی، مفتی اقبال احمد قاسمی، شاہ محمد تفضّل علی، مولانا عبدالرشید قاسمی)۔

۴-"وتختلف مدة الحبس في التعزير باختلاف أسبابه وموجباته ولذا فلا يمكن تقديره قال ابن فرحون في تبصرة الحكام فحبس التعزير راجع إلى اجتهاد الحاكم يقدر ما يرى أنه ينزجر به"(القضاء ونظامہ/۵۵۶)(مقالہ: مفتی اقبال احمد قاسمی، مولانا عبدالرشید قاسمی)۔

۵-"وإذا مضى على حبسه شهرا أو شهران أو ثلاثة ولم ينكشف حاله في اليسار و الإعسار خلي سبيله لأن هذا الحبس كان لاستبراء حاله وإبداء عذره، و الثلاثة الأشهر مدة صالحة لاشتهار الحال وإبداء العذر"(بدائع الصنائع ۲۸۰/۷)(مقالہ: مولانا لطیف الرحمٰن فلاحی)۔

۶-"وفي لفظ البيهقي: أن النبي ﷺ حبس رجلا في تهمة ساعة من النهار "(القضاء ونظامہ/ص ۵۵۱ بحوالہ ترمذی وابوداؤد)(مقالہ: مولانا عبدالرشید قاسمی)۔

۷-"واختلفوا في مقدار الحبس في التهمة، هل هو مقدر أو مرجعه

إلی اجتهاد الإمام؟ علی قولین ذکرهما القاضی أبو یعلی والقاضی الماوردی وغیرهما، وقیل هو مقدر بشهر وهو قول أبی عبد الله الزبیری، وقیل هو غیر مقدر وهو اختیار الماوردی" (مجموع فتاوی ابن تیمیہ ۳۵/ ۳۹۸) (مقالہ: مولانا ابرار حسن ایوبی ندوی)۔

۸-"عن أبی هریرة أن النبی ﷺ حبس فی تهمة یوما ولیلة استظهاراً واحتیاطاً" (الأحکام السلطانیۃ للقاضی ابی یعلی/ ۲۴۲) (مقالہ: مولانا اشتیاق احمد اعظمی)۔

۹-"وأما قدر مدة الحبس فیختلف باختلاف أسبابه وموجباته فحبس التعزیر راجع إلی اجتهاد الحاکم بقدر ما یری أنه ینزجر به، وقال أبو عبد الله الزبیری من الشافعیة یتقدر بشهر للاستبراء والکشف وستة أشهر للتأدیب والتقویم" (تبصرۃ الحکام ۲/ ۲۴۰) (مولوی محمد مغفور باندوی)۔

مفتی سید باقر ارشد قاسمی کا کہنا ہے کہ کوئی خاص مدت کی تخصیص نہیں کی جاسکتی، ثبوت فراہم ہونے تک اس کو روک رکھا جائے اور جلد از جلد ثبوت حاصل کر کے ملزم کا فیصلہ کردیا جائے۔

مولانا رحمت اللہ ندوی وغیرہ نے مدت حبس پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، وہ کہتے ہیں کہ اقل مدت بعض شافعیہ کے یہاں جمعہ کی نماز کے لئے جانے سے روک دینا ہے، اور یہ مقصد بذات خود محبوس کو تصرف سے روک دینے سے بھی پورا ہوجاتا ہے، اکثر مدت کے بارے میں جمہور فقہاء کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اکثر مدت حبس کی حد متعین نہیں ہے، بلکہ اس کا اختیار قاضی کو ہے، کہ وہ مجرم کے حسب حال طے کرے۔

"والصحیح أن التقدیر مفوض إلی رأی القاضی لاختلاف أحوال الأشخاص فیه" (فتح القدیر ۶/ ۳۷۹)۔

اور شافعیہ کے یہاں ایک قول کے مطابق چھ ماہ، دوسرے قول کے مطابق ایک سال،

اور تیسرے قول میں اکثر مدت کی کوئی تحدید وتعیین نہیں ہے (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/ ۲۸۹)۔

اسی طرح موصوف نے حبس دوام کے جواز پر حضرت عثمان غنیؓ کا ضابی بن حارث کو موت تک قید کرنے اور حضرت علیؓ کے اس فیصلے کو کہ جو شخص کسی کو پکڑے تاکہ دوسرا اسے قتل کردے تو پکڑنے والے کو موت تک قید کردیا جائے، کو استدلال کے طور پر پیش کیا ہے (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/ ۲۸۹، الأحکام السلطانیہ/ ۲۲۰)۔

۲-مذہبی امور، جسمانی ضروریات، عام سماجی حقوق اور اخلاقی امور سے متعلق قیدیوں کے حقوق

الف-مذہبی امور:

سوال: مذہبی امور (عبادت کرنا، مذہبی کتابوں کا مطالعہ، دوسرے قیدیوں کے درمیان دعوت دین، اس کی مذہبی تعلیمات کے مطابق اس کے لئے غذا فراہم کرنا، وہ جس مذہب پر عقیدہ رکھتا ہے اس مذہب کی مقدس شخصیتوں اور کتابوں وغیرہ کی بے احترامی سے گریز)۔

تقریباً تمام ہی مقالہ نگاروں کا کہنا ہے کہ قیدیوں کو ان کے مذہبی امور میں مکمل آزادی حاصل ہوگی، عبادت، مذہبی کتابوں کا مطالعہ، دوسرے قیدیوں کے درمیان دعوت دین، مذہب کے مطابق غذا فراہم کرنا، یہ سب چیزیں اس میں شامل ہیں، اسی طرح قیدی کے مذہب کی مقدس شخصیات اور کتابوں وغیرہ کی بے احترامی سے گریز کیا جائے گا (مقالہ: مولانا ابوبکر قاسمی، مولانا محمد اشرف عباس قاسمی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مفتی محمد مقصود رامپوری، مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، مولانا محمد ذکاء اللہ شبلی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی شیر علی گجراتی، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مولانا محمد شاہجہاں ندوی، قاضی محمد ہارون مینگل، مفتی سید باقر ارشد قاسمی،

مولانا ابرار حسن ایوبی ندوی، مولانا عبدالرشید قاسمی، مولانا اقبال احمد ٹنکاروی، شاہ محمد تفضّل علی، مولانا لطیف الرحمٰن فلاحی، مفتی اقبال احمد قاسمی، مولانا راشد حسین ندوی، مفتی محمد جعفر ملی رحمانی، مفتی انور علی اعظمی، مولوی محمد مغفور باندوی)۔

ان حضرات کے دلائل درج ذیل ہیں:

قرآن

۱-"ولا تسبوا الذين يدعون من دون الله فيسبوا الله عدوا بغير علم" (سورۂ انعام:۱۸۰) (مقالہ: مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا محمد اشرف عباس قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا ابرار حسن ندوی، مولانا اقبال احمد ٹنکاروی، مولانا راشد حسین ندوی)۔

۲-"لا إكراه في الدين" (سورۂ بقرہ:۲۵۶) (مقالہ: مولانا ابوبکر قاسمی، مفتی سید باقر ارشد قاسمی)۔

۳-حضرت یوسف علیہ السلام نے جیل میں قیدیوں کو دعوت دین دی تھی (مقالہ: مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا محمد اشرف عباس قاسمی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا ظفر الاسلام صدیقی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا محمد شاہجہاں ندوی، قاضی محمد ہارون مینگل، مولانا اقبال احمد ٹنکاروی، مفتی اقبال احمد قاسمی، مفتی محمد جعفر ملی رحمانی)۔

حدیث

۱-توراۃ کے سلسلہ میں آپ ﷺ نے فرمایا: "لا نصدق ولا نكذب" (......) (مقالہ: مولانا رحمت اللہ ندوی)۔

فقہ

۱-"لا يمنع من التصرفات الشرعية" (بدائع الصنائع ۱۸۰/۶) (مقالہ: مولانا

افتخار احمد مفتاحی)۔

۲-"ينبغي تمكين المحبوس من الوضوء والصلاة ولا تجوز معاقبته بالمنع منهما"(الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/۳۲۷،شامی ۸۵/۳۷۸)(مقالہ:مولانا خورشید انور اعظمی،مولانا اقبال احمد ٹنکاروی،مفتی محمد جعفر ملی رحمانی)۔

۳-"لا تدعنّ في سجونكم أحدا من المسلمين في وثاق لا يستطيع أن يصلي قائما ولا تبيتن في قيد إلا رجلا مطلوبا بدم"(کتاب الخراج/۱۶۲)(مقالہ: مولانا اقبال احمد ٹنکاروی)۔

۴-"كان يسمع سجناء في السجون الإسلامية بإدخال الكتب والأقلام والأوراق للقراء ة والكتابة"(احکام السجن/۳۸۳ بحوالہ البدایہ لابن کثیر ۱۴/۱۴۰)(مقالہ:مولانا اقبال احمد ٹنکاروی)۔

بعض حضرات نے کچھ امور کا استثناء کیا ہے، چنانچہ:

☆مولانا رحمت اللہ ندوی کہتے ہیں کہ مذہبی تعلیمات کے مطابق غذا فراہم کرنا اس کے حقوق میں نہیں، بلکہ صاف ستھری غذا قید خانہ کا ذمہ دار اپنی سہولت کے اعتبار سے مہیا کرے گا۔

☆مولانا اختر امام عادل قاسمی کا کہنا ہے کہ دوسرے قیدیوں کے درمیان دعوت دین کا کام حاکم کی صوابدید پر موقوف ہونا چاہئے، اس لئے کہ دعوت اس کی بنیادی یا مذہبی ضرورت میں شامل نہیں ہے۔

☆مولانا خورشید انور اعظمی کے نزدیک یہ حقوق اس وقت دیئے جائیں گے جبکہ یہ حقوق مقصد حبس سے متعارض نہ ہوں، مثلاً کسی کو عبادت کے لئے بار بار قید سے نکالنا پڑے تو اس کی اجازت نہیں ہے۔

"ولا يخرج لجمعة ولا جماعة ولا لحج فرض فغيره أولى ولا لحضور جنازة ولو كان بكفيل"(درمختار ۸/۵۶)۔

(ب) جسمانی ضروریات

سوال: جسمانی ضروریات (مناسب غذا، صاف پانی، علاج، حفظان صحت کے لئے ورزش وتفریح، بیوی سے تعلق، ایسی تنگ جگہ میں قیدیوں کو رکھنے کا مسئلہ جہاں کھڑا ہونا یا پاؤں پھیلا کر لیٹنا، یا دیوار کے باہر کسی چیز کا دیکھنا ممکن نہیں)۔

تقریباً تمام ہی مقالہ نگار اس پر متفق ہیں کہ قیدی کے لئے مناسب غذا، صاف پانی، اور موسم کے حساب سے کپڑے اور علاج ومعالجہ کی سہولت فراہم کی جائے گی، اور بیوی سے ملنے کی اجازت دی جائے گی، اور اگر قیدی عورت ہو تو شوہر سے ملنے کی اجازت ہوگی۔

دلائل درج ذیل ہیں:

۱- "ويطعمون الطعام على حبه مسكيناً و يتيماً و أسيراً" (سورۂ انسان: ۸)۔

۲- آپ ﷺ نے غزوہ احزاب میں قید کئے گئے لوگوں کے بارے میں جبکہ گرمی بہت تھی فرمایا: "أحسنوا إسارهم وقيلوهم واسقوهم، وقال: لا تجمعوا عليهم حرّ هذا اليوم وحر السلاح واسقوهم وقيّلوهم" (بدائع ۷/ ۱۲۰)۔

۳- "ولا يمنع الطبيب والخادم من الدخول عليه لمعالجته وخدمته" (فتح القدیر ۵/ ۴۷۱)۔

۴- "ولا يمنع من الجماع إن احتاج إليه فتدخل امرأته أو جاريته عليه إن كان فيه موضع سترة" (البحر الرائق ۶/ ۲۸۳، مجمع الانہر ۳/ ۲۲۸، ہندیہ ۳/ ۴۱۸، معین الحکام/ ۱۹۸)۔

۵- "ومنع المساجين مما يحتاجون إليه من الغذاء والكساء والصحة جور يعاقب الله عليه كما دل عليه حديث الهرة" (القضاء ونظامہ/ ۵۵۸)۔

بعض حضرات نے شرط کے ساتھ ہی بعض امور کی اجازت دی ہے، مثلاً:

☆ مولانا راشد حسین ندوی، مولانا ابرار حسن ایوبی ندوی کہتے ہیں کہ اگر اس بات کا اندیشہ ہے کہ ورزش نہ کرنے پر صحت بگڑ جائے گی تو بقدر ضرورت ورزش کی اجازت دی جاسکتی

ہے،صرف تفریحاً ورزش کی اجازت نہیں ہوگی۔

☆ مولانا خورشید احمد اعظمی کا کہنا ہے کہ حفظان صحت کے لئے ورزش اور تفریح حاکم کی صوابدید پر منحصر ہے۔

☆ مولانا خورشید انور اعظمی کہتے ہیں کہ ورزش وتفریح کا موقع دیا جائے گا،بشرطیکہ قید خانے کے نظام میں کوئی خلل واقع نہ ہو اور مصلحت قید کے خلاف بھی نہ ہو۔

☆ مولانا محمد اشرف عباس قاسمی کا کہنا ہے کہ حفظان صحت کے لئے ورزش وتفریح قیدیوں کا کوئی حق واجب نہیں،قیدیوں کے جرائم کی نوعیت کے اعتبار سے اس کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔

☆ مولانا لطیف الرحمٰن فلاحی لکھتے ہیں کہ ورزش اور تفریح اور بیوی سے تعلق کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

☆ مولانا عبدالرشید قاسمی کہتے ہیں کہ بیوی سے تعلق اور عام سماجی امور میں مجرم اور جرم کی حیثیت سے مشروط آزادی ہونی چاہئے ورنہ قید کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔

☆ مولانا محمد شاہجہاں ندوی کہتے ہیں کہ حکومت پر لازم ہے کہ قید خانہ میں مناسب جگہ کی تعمیر کرائے، جہاں قیدیوں کو چار ماہ میں ایک بار پردہ پوش طریقہ سے اپنی جنسی خواہش پوری کرنے کا موقع دیا جائے۔

☆ مولانا ابوسفیان مفتاحی کے بقول قیدیوں کو بیوی سے تعلق کی اجازت نہ دی جائے۔

اسی طرح قیدیوں کو کسی ایسی تنگ جگہ میں رکھنا جہاں اس کے لئے ٹھیک سے کھڑا ہونا یا بیٹھنا یا پاؤں پھیلا کر لیٹنا ممکن نہ ہو شرعاً جائز نہیں، کیونکہ یہ اس کے بنیادی حقوق کے منافی ہے(مقالہ: شاہ محمد تفضّل علی، مفتی سید باقر ارشد قاسمی، قاضی محمد ہارون مینگل، مولانا محمد شاہجہاں ندوی، مولانا ظفر الاسلام صدیقی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا افتخار احمد مفتاحی، مولانا محمد اشرف عباس قاسمی، مولانا اختر امام عادل قاسمی، مولانا ابوبکر قاسمی، مولانا اقبال

احمد ٹنکاروی، مولوی محمد مغفور باندوی)۔

"لا يجوز الحبس في مكان يمنع فيه المحبوس الطعام والشراب، أوفي مكان حار أو تحت الشمس أو في مكان بارد، أوفي بيت تسد نوافذه وفيه دخان أو يمنع من الملابس في البرد فإن مات المحبوس فالدية على الحابس" (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/ ۳۲۰، فتح القدیر ۷/ ۲۶۰)۔

☆ لیکن مولانا ابرار حسن ایوبی ندوی کا کہنا ہے کہ ایسی سزائیں مخصوص حالت میں اور محدود مدت کے لئے دینے کی اجازت تو دی جاسکتی ہے لیکن اس طرح سزا دینا کہ اعضاء تلف ہو جائیں بالکل جائز نہیں۔

☆ مولانا خورشید احمد اعظمی اور مولانا راشد حسین ندوی قیدی کے متعنت ہونے کی شرط لگاتے ہیں۔

☆ مولانا سلطان احمد اصلاحی کے بقول قیدیوں کو تکلیف دہ تنگ جگہ میں رکھنے کی گنجائش اقبال جرم کی مخصوص ضرورت سے ہی ہوسکتی ہے۔

(ج) عام سماجی حقوق

سوال: عام سماجی حقوق (اخبارات پڑھنے، ریڈیو سننے، فون پر احباب واقارب سے گفتگو کرنے، دوسرے قیدیوں سے ملاقات، تعلیم اور ہنر سیکھنا وغیرہ)۔

اکثر مقالہ نگار حضرات کا اس پر اتفاق ہے کہ قیدیوں کو عام سماجی حقوق مثلاً اخبارات پڑھنے، ریڈیو سننے، فون پر گفتگو کرنے، نیز دوسرے قیدیوں سے ملاقات، تعلیم اور ہنر سیکھنے کے حقوق حاصل ہوں گے (مقالہ: مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا ابوبکر قاسمی، مفتی محمد جعفر ملی رحمانی، مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، مولانا محمد ذکاء اللہ شبلی، مولانا افتخار احمد مفتاحی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مفتی شیر علی گجراتی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مولانا محمد شاہجہاں ندوی، قاضی محمد ہارون مینگل، مفتی سید باقر ارشد قاسمی، مفتی انور علی اعظمی)۔

دلیل کے طور پر درج ذیل عبارتیں ذکر کی گئی ہیں:

۱-"استوصوا بالأساری خیرا" (المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث:۹۷۷) (مقالہ: مفتی محمد جعفر ملی رحمانی)۔

۲-غزوہ بدر کے قیدیوں سے بچوں کو تعلیم دلوانا اور کتابت سکھلانا خود حضور پاک ﷺ کے عمل سے ثابت ہے (مقالہ: مولانا ابوبکر قاسمی)۔

۳-"لا یمنع من الاکتساب ولا یمنع المسجون من دخول أهله وجیرانه علیه ولکن لا یمکنون أن یمکثوا ثمة طویلا" (مبسوط ۹۰/۲۰، بدائع ۱۸۱/۶، فتاوی عالمگیری ۴۱۸/۳) (مقالہ: مولانا ابوبکر قاسمی، مولانا اقبال احمد ٹنکاروی، مولانا محمد شاہجہاں ندوی)۔

اس کے برعکس بعض حضرات نے ان امور کو مختلف شرطوں کے ساتھ مشروط کیا ہے، ان کی آراء ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

☆ مولانا اختر امام عادل قاسمی اور مفتی جمیل احمد نذیری کہتے ہیں کہ قیدیوں کو عام سماجی امور کی اجازت تو ہوگی، لیکن اگر کسی وجہ سے حاکم وقت بعض قیدیوں کے لئے اس کو خلاف مصلحت سمجھے تو اس پر پابندی عائد کر سکتا ہے۔

☆ مولانا اقبال احمد ٹنکاروی اور شاہ محمد تفضّل علی کے بقول حاکم وقت کے لئے اگر مصلحت کے خلاف نہ ہو تو قیدیوں کو فون، ریڈیو، اخبار وغیرہ مہیا کر سکتے ہیں (احکام السجن ر ۲۹۷)۔

☆ مولانا راشد حسین ندوی اور مولانا خورشید انور اعظمی لکھتے ہیں کہ قیدی کی دلداری اور استئناس کے لئے کسی کے داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے، اسی طرح دل بہلانے کے لئے فون کرنے کی بھی اجازت نہیں ہونی چاہئے۔

"ولا یمکن أحد أن یدخل علیه للاستئناس إلا أقاربه وجیرانه لاحتیاجه للمشاورة، ولا یمکثون عنده طویلا" (شامی ۳۴۹/۴، ہندیہ ۴۱۸/۳)۔

اسی طرح اخبارات پڑھنا، ریڈیو سننا وغیرہ کا تعلق تفریحی مشاغل سے ہے اور ان سے

استئناس حاصل ہوتا ہے اس لئے اس کی بھی اجازت نہیں ہوگی۔

☆ مولانا خورشید انور اعظمی مزید یہ کہتے ہیں کہ تعلیم یا کسی ہنر کے سیکھنے کی بھی بظاہر اجازت نہیں ہونی چاہئے اس وجہ سے کہ اس میں مشغول ہوجانے کے بعد قیدی کے لئے جو کیفیت مطلوب ہے وہ مفقود ہوجائے گی۔

☆ مولانا سلطان احمد اصلاحی کا کہنا ہے کہ مذکورہ تمام چیزوں کی اجازت ہوسکتی ہے، لیکن فون سے احباب واقارب سے گفتگو کی اجازت مطلق نہیں دی جاسکتی ہے۔

☆ مولانا خورشید احمد اعظمی کا کہنا ہے کہ یہ امور مجرم کی نوعیت اور قاضی کی صوابدید پر موقوف ہے۔

☆ مولانا محمد شاہجہاں ندوی کے نزدیک مخصوص حالات میں عام سماجی حقوق سے قیدیوں کو محروم کیا جاسکتا ہے۔

"ینبغي أن یحبس في موضع خشن لا یتبسط له في فراش ولا وطاء، ولا أحد یدخل علیه لیستأنس لیضجر قلبه بذلک" (المبسوط ۲۰/۱۰۷)۔

☆ مولانا عبد الرشید قاسمی کے مطابق اس میں مجرم اور جرم کی حیثیت سے مشروط آزادی ہونی چاہئے ورنہ قید کا مقصد ہی فوت ہوجائے گا۔

☆ مولانا لطیف الرحمٰن فلاحی اور مولوی محمد مغفور باندوی کہتے ہیں کہ قیدیوں کو عام سماجی حقوق کی مراعات نہیں دی جائے گی۔

☆ مولانا محمد اشرف عباس قاسمی کہتے ہیں کہ اگر قید کا مقصد محض نظر بند کرنا اور عام لوگوں سے دور رکھنا ہے تو ایسے قیدیوں کو اخبارات اور ریڈیو کی اجازت ہوگی، اور اگر قید کا مقصد کسی حق کی وصولی کے لئے اس پر دباؤ بنانا ہے تو اسے ایسی سہولیات فراہم نہ کی جائیں، "لأنه لیضجر قلبه فیسارع للقضاء" (فتح القدیر ۷/۲۶۰)۔

☆ مولانا ابرار حسن ندوی کا کہنا ہے کہ اخبارات پڑھنے اور ریڈیو سننے سے روکا جائے گا،

اس لئے کہ یہ امور حوائج ضروریہ میں سے نہیں ہیں۔

(د) اخلاقی امور

سوال: اخلاقی امور (مردوں اور عورتوں کو الگ قید خانے، بالغوں اور نابالغوں کے لئے الگ قید خانے وغیرہ کے مسائل)۔

تقریباً تمام ہی مقالہ نگاروں کی یہ رائے ہے کہ مرد قیدیوں اور عورت قیدیوں کو الگ الگ قید خانوں میں رکھا جائے، اسی طرح نابالغ اور بالغ قیدیوں کو بھی الگ الگ رکھا جائے، اور بعض مقالہ نگاروں نے خنثیٰ مشکل کو بھی علاحدہ قید خانے میں رکھے جانے کا ذکر کیا ہے۔

ان حضرات نے بطور دلیل یہ عبارتیں ذکر کی ہیں:

۱-بنو قریظہ کے قیدیوں کے سلسلہ میں نبی کریم ﷺ کا جو معمول رہا اسے زرقانی (۲/ ۱۳۶) نے اس طرح بیان کیا ہے:

"أنه حبس رجال بني قريظة في ناحية وجعل نساء هم وذريتهم في ناحية أخرى"۔

۲-"وينبغي أن يكون للنساء محبس علاحدة تحرزا عن الفتنة، وعن أبي حنيفة أن المرأة تحبس في محبس النساء ولكن يحفظها الرجال"(فتاوی ہندیہ ۳/ ۴۱۴)۔

۳-"ويجعل للنساء سجن على حدة نفيا لوقوع الفتنة "(البحر الرائق ۶/ ۲۷۳،شامی ۵/ ۳۷۹،الدر المختار ۸/ ۵۸)۔

۴-"نص الفقهاء على أن يكون للنساء محبس على حدة إجماعا ولا يكون معهن رجل لوجوب سترهن وتحرزا من الفتنة، والأولى أن تقوم النساء على سجن مثيلاتهن فإن تعذر ذلک جاز استعمال الرجل المعروف بالصلاح

علي محبسهن ليحفظهن وهو المروى عن أبي حنيفة، وإذا لم يكن هناك سجن معد للنساء حبست المرأة عند أمينة خالية عن الرجال أو ذات رجل أمين كزوج أو أب أو ابن معروف بالخير والصلاح"(الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/ ۳۱۷، فتاوی ہندیہ ۳/ ۴۸۶)۔

۵-"تدل أكثر النصوص على أن يكون حبس الحدث في بيت أبيه أو وليه على أنه يجوز حبسه في السجن إلا إذا خشي عليه ما يفسده فيتوجب حبسه عند أبيه لا في السجن"(الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/ ۳۱۸)۔

بعض حضرات نے کچھ چیزوں کا اضافہ کیا ہے، مثلاً:

☆ مفتی انور علی اعظمی اور مولانا اشتیاق احمد اعظمی کہتے ہیں کہ زیر حراست بچوں کو الگ رکھنا چاہئے اور حتی الامکان فوری طور پر عدالتی کارروائی کے لئے پیش کیا جانا چاہئے، اسی طرح خواتین کو بھی الگ رکھا جائے اور ان کے لئے خواتین ملازمین کا بندوبست کرنے کی بھی ضرورت ہے۔

☆ مولانا اختر امام عادل قاسمی اور مولانا رحمت اللہ ندوی کا کہنا ہے کہ مردوں اور عورتوں کو نہ صرف یہ کہ الگ الگ رکھا جائے بلکہ عورتوں کے حصے کا نگراں افسر بھی کسی عورت کو ہونا چاہئے، اگر اس قسم کی عورت میسر نہ ہو تب صلاح وتقوی میں معروف شخص کا انتخاب ہونا چاہئے (المبسوط ۲۰/ ۹۰، فتاوی ہندیہ ۳/ ۴۱۴، جواہر الاکلیل للآبی ۲/ ۹۳، الموسوعہ الفقہیہ ۱۶/ ۳۱۷)۔

☆ جبکہ مولانا ابرار حسن ایوبی ندوی کا کہنا ہے کہ اندرونی دیکھ بھال کا کام عورتیں سنبھالیں اور باہر سے حفاظت کی ذمہ داری اہل تقوی مردوں کی ہو۔

اور بچوں کے بارے میں موصوف کا کہنا ہے کہ فقہاء بچوں کو اصلاً قید کرنے کے قائل نہیں ہیں، اور جو حضرات قائل ہیں ان کا کہنا ہے کہ حبس کی سزا تادیباً ہوگی معاقبۃً نہیں۔

"ولا يحبس الصبي إلا بطريق التاديب لئلا يتجاسر إلى مثله إذا باشر شيئا من أسباب التعدى قصداً فلو خطأً فلا"(ردالمحتار ۸/ ۱۲۳، ہندیہ ۳/ ۴۱۳)۔

☆لیکن مولانا راشد حسین ندوی کہتے ہیں کہ اس عبارت سے خاص مقاصد کے تحت بچوں کی گرفتاری کا جواز معلوم ہوتا ہے۔

اس کی تفصیل کرتے ہوئے شاہ محمد تفضّل علی لکھتے ہیں کہ نابالغ اگر کوئی ایسا جرم کرے جو عام حالات میں موجب تعزیر ہوتا ہے تو اگر بچہ کی عمر ۱۰ سال سے کم ہے تو اس پر تعزیر عقوبت جاری نہیں کی جائے گی، البتہ وہ تعزیر تادیب کا مستحق ہوگا۔

"إلا الصبى العاقل فإنه يعزر تأديبا لاعقوبة، لأنه من أهل التأديب، ألا ترى إلى ماروى عنه ﷺ أنه قال: "مروا صبيانكم بالصلاة إذا بلغوا سبعا، واضربوهم عليها إذا بلغوا عشرا"، وذلك بطريق التاديب والتهذيب لا بطريق العقوبة" (بدائع الصنائع ۷/۶۳)۔

۳- سچی بات اگلوانے کے لئے قیدیوں کو دھمکانا

سوال: قیدیوں سے سچی بات اگلوانے کے لئے کس حد تک دھمکانے کی اجازت ہے؟ کیا اس مقصد کے لئے درج ذیل سزائیں دی جاسکتی ہیں:

الف- قیدیوں کو بے لباس کردینا۔ ب- قیدیوں کو مار پیٹ کرنا۔

ج- انہیں الکٹرک شاک لگانا۔ د- قیدیوں پر کتے چھوڑنا۔

ھ- قیدیوں کو سخت ٹھنڈک میں برف کی سلوں پر ڈال دینا۔

و- انہیں مسلسل جگے رہنے پر مجبور کرنا اور اس کے لئے ان کی جائے رہائش میں تیز روشنی یا تیز آواز کا انتظام رکھنا۔

تقریباً تمام ہی مقالہ نگار اس بات سے متفق ہیں کہ قیدیوں سے سچی بات اگلوانے کے لئے قیدیوں کو بے لباس کردینا، انہیں الکٹرک شاک لگانا، ان پر کتے چھوڑنا، ان کو برف کی سلوں پر ڈالنا، انہیں مسلسل جگے رہنے پر مجبور کرنا، اور ان کی جائے رہائش میں تیز روشنی کرنا یا تیز آواز

بجانا، یہ تمام امور ناجائز ہیں اور حقوق انسانی منشور کے خلاف ہے۔ اور ایسی سزائیں جن سے کسی عضو کو نقصان پہنچے یا اس کے تلف ہونے کا اندیشہ ہو تو حرام ہیں۔

اس سلسلہ میں ان حضرات نے درج ذیل دلیلیں دی ہیں:

۱-"إن رسول الله ﷺ قال:......فإنه لا يعذب بالنار إلا رب النار" (ابوداؤد، کتاب الجہاد، باب فی کراہیۃ حرق العدو بالنار) (مقالہ: مولانا راشد حسین ندوی وغیرہ)۔

۲-"لا ينبغي للقاضي أن يضرب محبوسا في دينه ولا في غيره ولا يصفد ولا يقيد ولا يغل ولايمد ولا يجرد ولا يقيمه في الشمس" (فتاوی ہندیہ ۳/ ۴۱۴، البحر الرائق ۶/ ۲۷۴) (مقالہ: مولانا ابوبکر قاسمی، مولانا اختر امام عادل قاسمی، مفتی محمد جعفر ملی رحمانی، مولوی محمد مغفور باندوی)۔

۳-"التمثيل بالجسم، وضرب الوجه ونحوه، والتعذيب بالنار ونحوها، التجويع والتعريض للبرد ونحوه، والتجريد من الملابس وأمور أخرى تحرم المعاقبة بها" (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/ ۳۲۶، بدائع الصنائع ۷/ ۱۲۰) (مقالہ: مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا اختر امام عادل قاسمی)۔

۴-"وليس للطالب أن يقيم الملزوم في الشمس أو على الثلج أو في موضع يضرّبه" (معین الحکام/ ۱۹۹) (مقالہ: مولانا رحمت اللہ ندوی، مولوی محمد مغفور باندوی)۔

۵-"لا يغلّ ولا يجرد" (ردالمحتار ۴/ ۳۵۰) (مقالہ: مولانا ابوبکر قاسمی، مولانا اختر امام عادل قاسمی، مفتی محمد جعفر ملی رحمانی، مولانا راشد حسین ندوی، شاہ محمد تفضّل علی)۔

۶-"تحرم المعاقبة بالتجريد من الثياب لما في ذلك من كشف العورة" (الاحکام السلطانیۃ/ ۲۳۹) (مقالہ: مولانا ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی)۔

۷-"ولا يجوز خنق المحبوس وعصره وغطه في الماء......لا يجوز الحبس في مكان يمنع فيه المحبوس الطعام والشراب، أو في مكان حار أو

تحت الشمس أو في مكان بارد، أو في بيت تسدّ نوافذه وفيه دخان أو يمنع من الملابس في البرد" (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/۳۲۷) (مقالہ: مولانا ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، شاہ محمد تفضّل علی)۔

بعض حضرات نے بعض سزاؤں کی اجازت دی ہے، جیسا کہ:

☆ مولانا اشتیاق احمد اعظمی اور مفتی انور علی اعظمی لکھتے ہیں کہ تعزیراً اتنی پٹائی ہوسکتی ہے جو حد سے کم ہو اور وہ طرفین کے نزدیک ۳۹ کوڑے اور امام ابو یوسف کے نزدیک ۷۵ کوڑے ہیں۔

"ويرى أبو حنيفة ومحمد أن الحد الأعلى في التعزير تسعة وثلاثون سوطا، بينما يرى أبو يوسف أنه خمسة وسبعون سوطاً" (التشریع الجنائی الاسلامی ۲/۶۹۰)۔

☆ مولانا رحمت اللہ ندوی اور مولانا محمد اشرف عباس قاسمی کے نزدیک سچی بات اگلوانے کے لئے قیدی کو مارنے پیٹنے کا جواز ہے، اور اس پر انہوں نے کئی دلیلیں نقل کی ہیں:

۱- جنگ بدر کے لئے جاتے ہوئے جب صحابہ کرام قریش کے اونٹوں کے پاس سے گزرے تو وہاں ایک لڑکے کو پکڑ لیا اور اس سے ابوسفیان کے بارے میں پوچھا، جب اس لڑکے نے لاعلمی ظاہر کی اور بتانے سے انکار کیا تو صحابہ نے اسے مارا...... (عون المعبود، جلد ۷، کتاب الجہاد)۔

۲- "ليّ الواجد يحلّ عرضه وعقوبته" سے بھی قیدی کو سخت بات کہنے اور اس کو سزا دینے کا جواز معلوم ہوتا ہے۔

۳- ملزم کو دھمکی دینے کا جواز حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کی حدیث میں مذکور واقعہ سے معلوم ہوتا ہے۔

☆ مولانا محمد ذکاء اللہ شبلی کہتے ہیں کہ سچی بات معلوم کرنے کے لئے مناسب تدبیر اختیار کرنے کی اجازت ہوگی۔

☆ مولانا افتخار احمد مفتاحی کا کہنا ہے کہ معمولی الکٹرک شاک لگائی جاسکتی ہے، اس سے غالباً جسم کی مشینریوں پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

☆مفتی محمد مقصود رامپوری اور مولانا ابوسفیان مفتاحی کا کہنا ہے کہ سچی بات حاصل کرنے کے لئے ان کی مار پیٹ کرنا صحیح ہے بشرطیکہ ہلاکت کا اندیشہ نہ ہو، قاضی ہارون مینگل نے اس میں "یضرب بالسوط مجردا" کی صراحت کی ہے۔

☆مولانا راشد حسین ندوی اور مولانا ابرار حسن ایوبی ندوی کہتے ہیں کہ اگر کوئی خطرناک مجرم ہو اور اس کے پاس کوئی راز ہو اور برہنگی کے بغیر اس راز کو معلوم کرنا ممکن نہ ہو تو بدرجہ مجبوری اس کی بقدر ضرورت اجازت ہوگی، اور بطور دلیل یہ حدیث پیش کی ہے:

"سمعت عليا يقول: بعثني رسول الله ﷺ أنا والزبير والمقداد فقال: انطلقوا......فاذا نحن بالظعينة، فقلنا: هلمي الكتاب، قالت: ما عندي من كتاب، فقلت: لتخرجن الكتاب أو لنلقين الثياب" (بخاری: کتاب المغازی، ابوداؤد: کتاب الجہاد)۔

☆مولانا نعیم اختر قاسمی اور شاہ محمد تفضل علی کا کہنا ہے کہ جرم کی سنگینی اور مجرم کی خصوصی نوعیت کو دیکھتے ہوئے یہ مسئلہ حاکم اور ذمہ دار کی صوابدید پر منحصر ہونا چاہیے۔

☆مولانا خورشید انور اعظمی کہتے ہیں کہ اگر ملزم ایسا ہے کہ اپنے الزام کے تعلق سے مشہور و معروف ہے یا دوسرے مضبوط قرائن اس الزام کی تصدیق کرتے ہوں تو مارنے کی اجازت ہوگی۔

☆مولانا محمد شاہجہاں ندوی نے معمولی درجہ میں مار پیٹ کی اجازت دی ہے، اور استدلال اس حدیث سے کیا ہے جس میں منقول ہے کہ سعیہ نے حی بن اخطب کے سونے اور زیورات کے ذخیرہ کو غزوہ خیبر کے موقع سے چھپا لیا، اور آپ ﷺ کے دریافت کرنے پر جواب دیا: "أذهبته النفقات والحروب" اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: "العهد قريب والمال أكثر من ذلك"، اور پھر آپ ﷺ نے سعیہ کو حضرت زبیر کے حوالہ کیا، انہوں نے اسے ہلکی ضرب لگائی تو اس نے سچی بات اگل دی اور مال کی جگہ بتادی (ابوداؤد: کتاب الامارۃ،

حدیث نمبر: ۳۰۰۶، جامع الاصول ۲ / ۶۴۲)۔

قاضی ہارون مینگل نے کہا کہ اگر الیکٹرک شاک لگانے کی تکلیف ضرب سوط سے زیادہ نہ ہو تو گنجائش ہے۔

۴- قیدیوں کو زنجیر، بیڑی یا ہتھکڑی لگانا:

سوال: کیا قیدیوں کو زنجیروں میں جکڑا جا سکتا ہے یا انہیں ہتھکڑی پہنائی جا سکتی ہے، یا انہیں بیڑی ڈالی جا سکتی ہے؟

بعض مقالہ نگار حضرات کے نزدیک قیدی کے اگر بھاگنے کا اندیشہ ہو تبھی بیڑی یا ہتھکڑی ڈالا جا سکتا ہے بصورت دیگر زنجیروں میں جکڑنا یا ہتھکڑی اور بیڑی ڈالنا ناجائز ہے (مقالہ: مفتی اقبال احمد قاسمی، مولانا ابرارحسن ایوبی ندوی، شاہ محمد تفضّل علی، مولانا محمد شاہجہاں ندوی، قاضی محمد ہارون مینگل، مفتی سید باقر ارشد قاسمی، مولانا عبدالرشید قاسمی، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا افتخار احمد مفتاحی، مولانا اقبال احمد ٹنکاروی، مفتی محمد جعفر ملی رحمانی، مولانا اختر امام عادل قاسمی، مولانا ابوبکر قاسمی، مولوی محمد مغفور باندوی)۔

دلائل

۱-"عجب الله تعالى من قوم يدخلون الجنة في السلاسل" (بخاری، حدیث نمبر: ۳۰۱۰) (مقالہ: مولانا ابرارحسن ایوبی ندوی، مولانا محمد شاہجہاں ندوی، مفتی سید باقر ارشد قاسمی، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا رحمت اللہ ندوی)۔

۲-"ولا يغل إلا إذا خاف فراره فيقيد" (شامی ۶ / ۵۸، مجمع الأنہر ۳ / ۲۲۴) (مقالہ: مفتی اقبال احمد قاسمی، مولانا ابرارحسن ایوبی، مولانا عبدالرشید قاسمی، مولانا ابوبکر قاسمی، مولوی محمد مغفور باندوی)۔

۳-"ولا يقيد ولا يغل ولا يجرد ولا يؤاجر ولا يقام بين يدى صاحب

الحق إهانة وفي المنتقى إذا خاف فراره قيده، كذا في البزازية، و فيها إذا خيف أنه يفر من السجن يحول إلى سجن اللصوص......"(البحر الرائق ۶/۲۸۳، ہندیہ ۳/۴۱۴)(مقالہ: شاہ محمد تفضل علی، مولانا راشد حسین ندوی، مفتی محمد جعفر ملی رحمانی)۔

بعض حضرات نے حسب ضرورت جرم اور مجرم کی نوعیت کے اعتبار سے اس کی اجازت دی ہے (مقالہ: مفتی انور علی اعظمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا لطیف الرحمٰن فلاحی، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا محمد ذکاء اللہ شبلی، مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی)۔

دلائل

۱-"حتى إذا أثخنتموهم فشدوا الوثاق"(سورۂ محمد:۴)(مقالہ: مفتی انور علی اعظمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا اقبال احمد ٹنکاروی، مفتی محمد جعفر ملی رحمانی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی)۔

۲-حضرت سودہؓ سے روایت ہے:"فرجعت إلى بيتي ورسول الله ﷺ فيه، وإذا أبو يزيد سهيل بن عمرو في ناحية الحجرة مجموعة يداه إلى عنقه بحبل"(ابوداؤد ۳/۵۶)(مقالہ: مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا راشد حسین ندوی)۔

۳-"عن أبي هريرةؓ قال بعث النبي ﷺ خيلا قبل حمامة فجاء ت برجل من بني حنيفة يقال له ثمامة بن أثال فربطوه بسارية من سواری المسجد"(مسلم، حدیث نمبر:۴۵۴۳، احکام القرآن للمفتی محمد شفیع ۴/۲۱۱)(مقالہ: مولانا ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مفتی سید باقر ارشد قاسمی، مولانا راشد حسین ندوی)۔

۴-"وللآسر أن يشد وثاقه إن خاف انفلاته أو لم يأمن شره كما يجوز

عصب عينيه أثناء نقله لمنعه من الهرب" (الموسوعۃ الفقہیہ ۴/۱۹۷) (مقالہ: مولانا اشتیاق احمد اعظمی)۔

بعض حضرات نے ایسا کرنے کو مطلق جائز قرار دیا ہے، اور وہی دلیلیں دی ہیں جو اوپر گذر چکیں (مقالہ: مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا محمد اشرف عباس قاسمی، مفتی محمد مقصود رامپوری)۔

۵-قیدیوں کو قید تنہائی کی سزا دینا

سوال: کیا کسی مجرم کو اس کے خصوصی جرم کے پس منظر میں قید تنہائی دی جاسکتی ہے؟

تقریباً تمام ہی مقالہ نگاروں نے لکھا ہے کہ خصوصی جرم کے پس منظر میں بعض قیدیوں کو قید تنہائی کی سزا دیے جانے کی گنجائش ہے۔

دلائل

۱-"وعلى الثلاثة الذين خلفوا حتى إذا ضاقت عليهم الأرض بما رحبت وضاقت عليهم أنفسهم وظنوا أن لاملجأ من الله إلا إليه ثم تاب عليهم ليتوبوا إن الله هو التواب الرحيم" (سورۂ توبہ:۱۱۸) (مقالہ: مفتی اقبال احمد قاسمی)۔

۲-"ويجوز للحاكم عزل السجين وحبسه منفردا في غرفة يقفل عليه بابها إن كان في ذلك مصلحة" (فتاوی ابن تیمیہ ۱۵/۳۱۰، المغنی ۸/۱۲۴، الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/۳۱۹) (مقالہ: مولانا اختر امام عادل قاسمی، مفتی محمد جعفر ملی رحمانی، مولانا رحمت اللہ ندوی، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مولانا محمد شاہجہاں ندوی، مولانا خورشید انور اعظمی، شاہ محمد تفضّل علی)۔

۳-"يطين عليه الباب ويترك له ثقبة يلقى له الخبز والماء، وقيل: الرأي فيه للقاضي" (ردالمحتار ۸/۵۴، البحر الرائق ۶/۲۷۴) (مقالہ: مفتی محمد جعفر ملی رحمانی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا عبدالرشید قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی

اقبال احمد قاسمی، شاہ محمد تفضّل علی)۔

☆ البتہ قید تنہائی کی صورت میں اس کے دیگر مذہبی، سماجی اور جسمانی حقوق دیئے جانے چاہئیں (مقالہ: مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مفتی انور علی اعظمی)۔

☆ لیکن مفتی سید باقر ارشد قاسمی کا خیال ہے کہ قید تنہائی کی اجازت نہ ہونی چاہئے، کیونکہ اس سے قیدی کی صحت متاثر ہوتی ہے۔

۶- قیدیوں سے جبراً کام لینا اور اس کے کام کی اجرت

سوال: کیا جیل میں قیدیوں سے جبراً کام لیا جاسکتا ہے اور اگر کام لیا جائے تو کیا قیدی اس کام کی اجرت کے مستحق ہیں؟

☆ اس سلسلہ میں مقالہ نگاروں کی رائیں مختلف ہیں، لیکن اکثر حضرات اس طرف گئے ہیں کہ قیدیوں سے جبراً کام لیا جاسکتا ہے بشرطیکہ کام ان کی طاقت سے باہر نہ ہو، اور یہ سزا کے طور پر ہوگا اس لئے وہ اجرت کے بھی مستحق نہیں ہوں گے (مقالہ: مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، مولانا اختر امام عادل قاسمی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا لطیف الرحمٰن فلاحی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا محمد اشرف عباس قاسمی، مولانا محمد شاہجہاں ندوی، مفتی جمیل احمد نذیری وغیرہ)۔

۱-"واختلفوا في منعه من الكسب والأصح المنع" (البحر الرائق ۶/۲۷۶)۔

۲-"وفي شرح أدب القضاء عن السرخسي أنه الصحيح من المذهب، لأن الحبس مشروع ليضجر ومتى تمكن من الاكتساب لا يضجر فيكون السجن له بمنزلة الحانوت" (شامی ۸/۵۷)۔

۳-سوال (۷۴۹) جیل خانہ میں دری وغیرہ اور اکثر چیزیں قیدیوں سے تیار کرائی جاتی ہیں جس کی اجرت و معاوضہ کچھ نہیں مقرر ہے بلکہ سزائے جرم میں یہ امر مفہوم ہوتا ہے، اس صورت میں جیل خانہ کی بنی ہوئی جانماز یا کمبل وغیرہ پر نماز درست ہوگی یا نہیں؟

الجواب: استیلاء سے سرکار مالک ہو جاتی ہے، لہذا اس کا خریدنا اور برتنا سب جائز ہے (امداد الفتاوی ۱/ ۷۹۲)۔

☆ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ اگر قیدی کو کام پر مجبور کیا جائے تو اجرت کا مستحق ہوگا (مقالہ: ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا اقبال احمد ٹنکاروی، مولانا افتخار احمد مفتاحی، مفتی سید باقر ارشد قاسمی، مولانا ابرار حسن ایوبی ندوی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولوی محمد مغفور باندوی)۔

۱- حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے: "كان ناس من الأسرى يوم بدر لم يكن لهم فداء فجعل رسول الله ﷺ فداء هم أن يعلموا أولاد الأنصار الكتابة" (مسند احمد بن حنبل، حدیث نمبر: ۲۲۱۶) (مقالہ: مولانا ابرار حسن ایوبی ندوی)۔

۲- "وعن الثاني يوجره لقضاء دينه (قوله عن الثاني) عبارة النهر ولا يوجر خلافا لما عن الثاني" (شامی ۴/ ۳۵۰) (مقالہ: مولانا راشد حسین ندوی)۔

☆ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ کسی بھی قیدی سے جبراً کام نہیں لیا جا سکتا (مقالہ: مولانا محمد ذکاء اللہ شبلی، مفتی محمد جعفر ملی رحمانی، مولانا ابوبکر قاسمی، قاضی محمد ہارون مینگل، مولانا خورشید انور اعظمی وغیرہ)۔

"ولا يقيد ولا يقام ولا يؤاجر، لأن هذه عقوبات زائدة ماورد الشرع بها، لا يقام يعني لا يؤمر بالقيام بين يدى صاحب المال إهانة له فإن ذلك مع عقوبة، ولا يؤاجر من غير اختياره، لأن ذلك نوع حجر عليه، ولا يجوز ذلك في ماله، فلأن لا يجوز في نفسه بطريق الأولى" (المبسوط ۲۰/ ۹۸)۔

☆ مفتی محمد مقصود رامپوری کا کہنا ہے کہ اگر ایسے قیدی سے کام لیا گیا جس کا جرم ثابت نہ ہوا اور عدالت نے اسے بری کر دیا تو پھر وہ قیدی اجرت کا مستحق ہوگا۔

☆ مولانا رحمت اللہ ندوی کہتے ہیں کہ اس کی اجرت بشرطیکہ کام بطور سزا نہ ہو، قید خانہ

کے قانون اور عرف ورواج پر موقوف ہوگی۔

☆ جبکہ مولانا سلطان احمد اصلاحی کے بقول بہتر ہوگا کہ اس کو کام کے معاوضہ سے بالکل محروم نہ رکھا جائے۔

☆ اسی طرح مولانا محمد اشرف عباس قاسمی اور مفتی اقبال احمد قاسمی کہتے ہیں کہ حکومت کو چاہئے کہ اس پر کچھ اجرت مقرر کردے جس سے قیدیوں کو کسی حد تک راحت حاصل ہو۔

☆ اور مولانا عبدالرشید قاسمی اور شاہ محمد تفضّل علی کے نزدیک قاضی یا حاکم کی صوابدید پر قیدیوں سے کام لینا اور اس کی اجرت موقوف ہوگا۔

۷-ملزم قیدی اور مجرم قیدی کے درمیان امتیاز برتنا

سوال: جن قیدیوں کا مقدمہ ابھی زیر سماعت ہے اور جن کے بارے میں سزائے قید کا فیصلہ ہو چکا ہے، قید خانوں میں سلوک کے اعتبار سے کیا ان دونوں میں فرق کیا جا سکتا ہے؟

تقریباً تمام مقالہ نگاروں کا کہنا ہے کہ زیر سماعت قیدیوں اور جن کا فیصلہ ہو چکا ہے ان قیدیوں کے درمیان قید خانوں میں سلوک کے اعتبار سے فرق کیا جائے گا (مقالہ: مفتی انور علی اعظمی، مفتی جمیل احمد نذیری، قاضی محمد ہارون مینگل، مولانا محمد ذکاء اللہ شبلی، مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی محمد جعفر ملی رحمانی، مفتی محمد مقصود رامپوری، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا ابرار حسن ندوی، مولانا محمد شاہجہاں ندوی، شاہ محمد تفضّل علی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا عبدالرشید قاسمی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مفتی سید باقر ارشد قاسمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، مولانا اختر امام عادل قاسمی، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا افتخار احمد مفتاحی، مولوی محمد مغفور باندوی)۔

دلائل

۱-"والمعمول به في القديم تتميز حبس الوالي الذي يضم أهل الريبة

والفساد(الموقوفين) عن حبس القاضي الذي يضم المحكومين ويختلف سجن الوالي عن سجن القاضي"(الموسوعة الفقهیہ ۱۶/۳۱۸)(مقالہ: مولانا خورشید انور اعظمی، شاہ محمد تفضّل علی)۔

۲-"عن عائشة رضي الله عنها قالت: أمرنا رسول الله ﷺ أن ننزل الناس منازلهم"(مسلم ۱/۴)(مقالہ: مفتی محمد جعفر ملی رحمانی)۔

۳-"كتب عمر بن عبد العزيز إلى أمراء الأجناد: وانظروا من في السجون ممن قام عليه الحق فلا تحبسه حتى تقيمه عليه، ومن أشكل أمره فاكتب إليّ فيه، واستوثق من أهل الدعارات، فإن الحبس لهم نكال، ولا تعد في العقوبة......وإذا حبست قوما في دين فلا تجمع بينهم وبين أهل الدعارات في بيت واحد ولا حبس واحد "(الطبقات الکبری لابن سعد ۵/۳۵۶)(مقالہ: شاہ محمد تفضّل علی)۔

لیکن اس کے برعکس بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ:

☆ زیر سماعت قیدیوں کو بے قصور تصور کیا جائے، ایسے قیدی مجرم نہیں بلکہ ملزم ہوتے ہیں، لہذا ان سے کام بھی نہ لیا جائے اور ان کے ساتھ برا سلوک بھی نہ کیا جائے (مفتی انور علی اعظمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، قاضی محمد ہارون مینگل، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا عبد الرشید قاسمی)۔

"وإن الأصل في المتهم البراء ة حتى تثبت إدانته "(الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷/ ۵۴۶۳)۔

☆ مفتی اقبال احمد قاسمی کے نزدیک زیر سماعت قیدیوں کو جن کو محض الزام یا اتہام اور شبہ کی بنا پر قید کرلیا گیا ہو اگر ان کا ریکارڈ پہلے سے داغدار نہیں ہے تو ان کو قید میں رکھنا ہی شرعاً درست نہیں ہے۔

☆ مولانا ابوبکر قاسمی کا کہنا ہے کہ جیل خانہ میں ہر قسم کے قیدیوں کے ساتھ یکساں

سلوک کیا جائے گا۔

☆ مولانا راشد حسین ندوی کے نزدیک دونوں قسم کے قیدیوں کے ساتھ سلوک میں کوئی فرق نہیں رکھا جائے گا، البتہ صرف چور، جاسوس اور اس جیسے متہمین پر کچھ ایسی مزید سختیاں جائز ہیں جو ثبوت جرم کے بعد باقی نہیں رکھی جائیں گی۔

۸-اصل سزا سے زائد دنوں تک فیصلے سے پہلے قید میں رکھنا

سوال: کیا زیر سماعت قیدیوں کو اتنے دنوں تک فیصلے سے پہلے قید میں رکھا جا سکتا ہے جو ان کے اوپر عائد فرد جرم کی اصل سزا ہے؟

☆ اکثر حضرات اس پر متفق ہیں کہ زیر سماعت قیدیوں کو فیصلے سے پہلے اتنے دنوں تک قید میں رکھنا جو ان کے اوپر عائد فرد جرم کی اصل سزا کے برابر ہے درست نہیں ہے (مقالہ: مولانا اختر امام عادل قاسمی، مولانا ابوبکر قاسمی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا عبد الرشید قاسمی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، شاہ محمد تفضّل علی، مفتی اقبال احمد قاسمی، مفتی محمد مقصود رامپوری، قاضی محمد ہارون مینگل، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا افتخار احمد مفتاحی، مفتی محمد اشرف عباس قاسمی، مولوی محمد مغفور باندوی)۔

☆ اکثر فقہاء کے نزدیک فیصلہ سے قبل متہم کے قید کی مدت حاکم یا قاضی کی صوابدید پر منحصر ہے (مقالہ: مولانا اختر امام عادل قاسمی، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا خورشید احمد اعظمی)۔

☆ فیصلہ میں یا تحقیق حال میں تاخیر نہیں ہونی چاہئے بلکہ جلد از جلد معاملہ کو نپٹانے کی کوشش ہونی چاہئے (مقالہ: مولانا راشد حسین ندوی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مفتی سید باقر ارشد قاسمی، مولانا افتخار احمد مفتاحی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا محمد شاہجہاں ندوی)۔

اجمالی دلائل

۱-"فیحبس حتی یکشف أمره، وقیل شهرا"(ردالمحتار ۲/۱۰۸)(مقالہ: مولانا اختر امام عادل قاسمی، مولانا عبدالرشید قاسمی، مفتی اقبال احمد قاسمی)۔

۲-"لا حد لأقل مدة الحبس أما أكثره فيرجع فيه إلى اجتهاد الحاكم حتى ينكشف حال المتهم وقد نسب ابن تيمية هذا القول إلى مالک وأصحابه وأحمد ومحققي أصحابه و أصحاب أبي حنيفة ونص المالكية لا يطال و قال بعض الفقهاء......يوم واحد و حددها بيومين وثلاثة وأجاز آخرون بلوغها شهرا"(الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/۲۹۴)(مقالہ: مولانا اختر امام عادل قاسمی، مولانا ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی)۔

۳-"والثالث أن للأمير أن يعجل حبس المتهوم للكشف والاستبراء، واختلف في مدة حبسه لذلک، فذكر عبد الله الزبيرى من أصحاب الشافعي أن حبسه للاستبراء والكشف مقدر بشهر واحد لا يتجاوزه، وقال غيره: بل ليس بمقدر وهو موقوف على رأى الإمام واجتهاده وهذا أشبه، وليس للقضاة أن يحبسوا أحدا إلا بحق وجب"(الأحکام السلطانیۃ/۲۲۰)(مقالہ: مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مفتی انور علی اعظمی)۔

۴-"مر ولا تک جميعا بالنظر فى أمر أهل الحبوس فى كل أيام فمن كان عليه أدب، أدّب و أطلق، ومن لم يكن له قضية خلّى عنه"(کتاب الخراج لأبی یوسف/۱۵۷)(مقالہ: مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا محمد شاہجہاں ندوی)۔

☆ بعض مقالہ نگاروں کا کہنا ہے کہ زیر سماعت قیدیوں کو فیصلے سے پہلے ان پر عائد فرد جرم کی سزا کے برابر یا اس سے زائد دنوں تک قید میں رکھا جاسکتا ہے(مقالہ: مولانا ابوسفیان

مفتاحی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مفتی محمد جعفر ملی رحمانی، مولانا محمد ذکاء اللہ شبلی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا محمد شاہجہاں ندوی)۔

جبکہ مفتی محمد جعفر ملی رحمانی اور مولانا ابرارحسن ندوی متہم ملزم کے معروف بالفسق والفجور یا مجہول الحال ہونے کی قید لگاتے ہیں۔

دلائل

۱-"ويحبس الدعارون الذين هم مخوفون على المسلمين، وأهل الفساد، حتى تعرف منهم التوبة......" (الفتاوی الہندیہ ۳/ ۴۱۴) (مقالہ: مولانا محمد شاہجہاں ندوی)۔

۲-"أما المتهم المعروف بالفجور والفساد فأكثر مدة حبسه بحسب ما يقتضيه ظهور حاله والكشف عنه ولو حبس حتى الموت وهذا هو الظاهر في مذاهب فقهاء الأمصار من الحنفية والمالكية والشافعية والحنابلة" (الموسوعہ الفقہیہ ۱۶/ ۲۹۵) (مقالہ: مفتی محمد جعفر ملی رحمانی)۔

۳-"ثم الحاكم قد يكون مشغولا عن تعجيل الفصل وقد يكون عنده حكومات سابقة فيبقى المطلوب محبوسا معوقا من حين يطلب إلى حين يفصل بينه وبين خصمه وهذا حبس بدون التهمة ففي التهمة أولى" (مجموع فتاوی ابن تیمیہ ۳۵/ ۳۹۸) (مقالہ: مولانا ابرارحسن ایوبی ندوی)۔

۹-قید میں ہونے والی ذہنی یا جسمانی اذیت پر مالی ہرجانہ کا مطالبہ

سوال: اگر ملزم کو قید میں رکھا گیا ہو اور بعد کو عدالت نے اسے بری قرار دیا تو کیا وہ زمانہ قید میں ہونے والی ذہنی اذیت اور مالی ہرجانہ طلب کر سکتا ہے؟

زمانہ قید میں ہونے والی ذہنی اذیت پر مالی ہرجانہ طلب کرنے کے سلسلہ میں دونوں

رائیں پائی جاتی ہیں۔اکثر مقالہ نگار حضرات کے نزدیک اگر عدالت نے ملزم کو بری کر دیا تو وہ زمانہ قید میں ہونے والی ذہنی اور جسمانی اذیت پر مالی ہرجانہ کا مطالبہ کر سکتا ہے(مقالہ: مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا محمد ذکاء اللہ شبلی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا محمد شاہجہاں ندوی، قاضی محمد ہارون مینگل، مفتی سید باقر ارشد قاسمی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا افتخار احمد مفتاحی، مولانا ابوبکر قاسمی، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا اقبال احمد ٹنکاروی، مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، مولانا ابرار حسن ندوی، مولانا عبدالرشید قاسمی، مفتی اقبال احمد قاسمی، مولوی محمد مغفور باندوی)۔

دلائل

۱-"وإن عاقبتم فعاقبوا بمثل ماعوقبتم به"(سورۂ نحل:۱۲۶)(مقالہ: مولانا ابوبکر قاسمی، مولانا ابرار حسن ندوی)۔

۲-"فلا عدوان إلا على الظالمين"(سورۂ بقرہ:۱۹۳)(مقالہ : مولانا ابوبکر قاسمی)۔

۳-"فمن اعتدى عليكم فاعتدوا عليه بمثل ما اعتدى عليكم"(سورۂ بقرہ:۱۹۴)(مقالہ: مولانا ابرار حسن ندوی)۔

۴-"وجزاء سيئة سيئة مثلها"(سورۂ شوریٰ:۴۰)(مقالہ(مولانا ابرار حسن ندوی)۔

۵-"لا ضرر ولاضرار"(ابن ماجہ/ ۲۳۴۰)(مقالہ: مولانا ابرار حسن ندوی)۔

۶-"وجوب تعويض المضرور عن ضرره على حساب من سبب هذا الضرر"(موسوعۃ الفقہ الاسلامی المعاصر ۳/ ۳۴۸)(مقالہ: مولانا ابرار حسن ندوی)۔

۷-حضرت علیؓ نے شہادت کی بنیاد پر ایک شخص پر قطع ید کی سزا نافذ کر دی، تھوڑی دیر بعد وہ دونوں گواہ ایک دوسرے شخص کو پکڑ لائے اور کہا چور اصل یہ ہے پہلے غلطی ہو گئی۔حضرت علیؓ

بہت ناراض ہوئے اوران دونوں گواہوں سے اس پہلے شخص کو دیت دلوائی (موسوعۃ الفقہ الاسلامی المعاصر ۳/ ۳۴۹)(مقالہ: مولانا ابرار حسن ندوی، مولانا ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی)۔

۸-"وإن جنى على حر جناية نقص بها جمال أو منفعة ولا إرش لها مقدر ذكرنا أنه يجب فيهما حكومة" (المجموع للنووی ۲۰/ ۵۴۸)(مقالہ: مولانا عبدالرشید قاسمی، مفتی اقبال احمد قاسمی)۔

بعض حضرات نے کچھ شرطوں کے ساتھ ہرجانہ کے مطالبہ کی بات کہی ہے، چنانچہ:

☆ مولانا رحمت اللہ ندوی کہتے ہیں کہ اگر وہ مجہول الحال اور فاجر وفاسق نہ ہوتو ہرجانہ کا مطالبہ کرسکتا ہے۔

☆ مفتی جمیل احمد نذیری کا کہنا ہے کہ زیر سماعت قیدی یعنی ملزم کے ساتھ اگر مجرموں جیسا برتاؤ کیا گیا یا اسے بلاکسی معقول عذر کے لمبی مدت تک رکھا گیا تو ہرجانہ طلب کرسکتا ہے۔

☆ مولانا ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی اور مولانا راشد حسین ندوی کہتے ہیں کہ مدعی سے مالی ہرجانہ کا مطالبہ کیا جائے گا۔

☆ مولانا ظفر عالم ندوی اور مولانا اختر امام عادل قاسمی کے بقول اگر قیدی کو سزا کے مقررہ حدود سے بڑھ کر اور غیر انسانی سزادی گئی تو مالی ہرجانہ کے مطالبہ کا حق ہوگا۔

☆ شاہ محمد تفضّل علی کا کہنا ہے کہ دعوی کی پیروی یا اس کی جوابدہی میں مدعا علیہ کا جو مال خرچ ہوا اس کا مدعی سے مطالبہ کرسکتا ہے۔

مولانا محمود الحسن گنگوہی سوال نمبر ۸۰۱۵ کے جواب میں لکھتے ہیں: غلط دعوی کی جوابدہی میں جس قدر خرچ ہو وہ سب وصول کرنا درست ہے، جسمانی وروحانی اذیت اور بے آبروئی کا کوئی مالی ضمان نہیں (فتاوی محمودیہ ۱۶/ ۴۶۰)۔

☆ مولانا نعیم اختر قاسمی کے نزدیک ذہنی اذیت کا ہرجانہ طلب نہیں کرسکتا، البتہ مالی ہرجانہ کا مطالبہ درست ہے۔

☆مولانا خورشید انور اعظمی کہتے ہیں کہ یہ قید تعزیراً ہے اس لئے اسے ہرجانہ کے مطالبہ کا حق نہیں ہوگا، اور تقریباً یہی رائے مولانا سلطان احمد اصلاحی، مفتی محمد مقصود رامپوری، مولانا محمد اشرف عباس قاسمی اور مولانا خورشید احمد اعظمی کی ہے۔

☆مفتی محمد جعفر ملی رحمانی کا کہنا ہے کہ ذہنی اذیت کا تعلق عین سے نہیں ہے اس لئے مالی ہرجانہ طلب کرنا صحیح نہیں۔

۱۰-قیدی کو وکیل سے رابطہ کرنے اور اپنی صفائی پیش کرنے کا حق

سوال: قیدی کو اپنے مقدمات کے سلسلہ میں وکیل سے رابطہ اور صفائی پیش کرنے کے کیا حقوق حاصل ہیں؟

تمام مقالہ نگاروں کا اس پر اتفاق ہے کہ قیدی کو مقدمات کے سلسلہ میں وکیل سے رابطہ کرنے اور اپنے عزیز و اقارب سے مشورہ کرنے اور اپنی صفائی پیش کرنے کے سارے حقوق حاصل ہوں گے۔

دلائل

۱-"وأخي هارون هو أفصح مني لسانا فأرسله معي ردءًا يصدقني إني أخاف أن يكذبون" (سورۂ قصص ر ۳۴) (مقالہ: مولانا ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی)۔

۲-نبی اکرم ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا: "إذا تقاضى إليك رجلان فلا تقض للأول حتى تسمع كلام الآخر" (ترمذی ۱ر۲۴۸) (مقالہ: مولانا خورشید انور اعظمی)۔

۳-"ولا يمكن أحد أن يدخل عليه للاستئناس إلا أقاربه وجيرانه لاحتياجه للمشاورة" (درمختار ۵ر۳۷۷) (مقالہ: مولانا اختر امام عادل قاسمی، شاہ محمد تفضّل علی، مولانا راشد حسین ندوی، مفتی محمد جعفر ملی رحمانی، مولانا محمد شاہجہاں ندوی)۔

۴-"لو يعطى الناس بدعواهم لادعى ناس دماء رجال وأموالهم ولكن

البينة على المدعى عليه" (مشکوۃ ۳۲٦/۲) (مقالہ: مولانا خورشید انور اعظمی)۔

۵- "وتجوز الوكالة بالخصومة في سائر الحقوق لما قدمنا الحاجة، إذ ليس كل أحد يهتدى إلى وجوه الخصومات، وقد صح أن عليا رضى الله عنه وكّل فيها عقيلاً وبعد ما أسن وكّل عبد الله بن جعفرؓ" (المغنی ۲۷۰/۵، الہدایہ ۱۳٦/۳) (مقالہ: مولانا محمد اشرف عباس قاسمی، مولانا ابرار حسن ایوبی ندوی)۔

٦- "وذكر الموفق وغيره إجماع الأمة على جواز الوكالة في الجملة والحاجة داعية إليها، إذ لا يمكن كل أحد فعل ما يحتاج إليه بنفسه" (الملخص الفقہی للشیخ فوزان ٦۴/۲) (مقالہ: مولانا محمد اشرف عباس قاسمی)۔

۷- "إذا وكل عنه من يقوم مقامه في الخصومة بأن يدعى عنه دعوى صحيحة أو يجيب عن دعوى فإن ذلک جائز" (الفقہ علی المذاہب الأربعۃ ۱۷۷/۳) (مقالہ: مولانا ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی)۔

۸- "الوكالة في الشرع إقامة الشخص غيره مقام نفسه مطلقا أو مقيدا" (القضاء و نظامہ/٦۱۴) (مقالہ: مفتی اقبال احمد قاسمی، مولانا عبد الرشید قاسمی)۔

۹- "أما الوكالة بالخصومة كالمحاماة اليوم فتجوز في حقوق الناس لما روى عن على رضى الله عنه ولأن الحاجة تدعو إلى التوكيل فيها، إذ قد لا يحسن المرء الدفاع عن حقوقه أو يكره أن يتولى الخصومة بنفسه" (الفقہ الإسلامی وأدلتہ ۴۰۷۷/۵) (مقالہ: مولانا ابرار حسن ندوی)۔

۱۰- "إذا علم القاضي بأن الموكل عاجز عن البيان في الخصومة بنفسه يقبل منه التوكيل كذا في فتاوى قاضي خان" (فتاوی ہندیہ ۲۷٦/۳) (مقالہ: مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مفتی انور علی اعظمی)۔

بعض حضرات کی اس کے ساتھ اضافی رائے یہ ہے کہ:

☆ مقدمات کے سلسلہ میں اگر ضرورت ہوئی تو اسے قید خانہ سے نکلنے کی اجازت دی جائے گی (مقالہ: مولانا اختر امام عادل قاسمی وغیرہ)۔

☆ اس کے برخلاف مولانا خورشید احمد اعظمی کہتے ہیں کہ اس کے لئے اسے قید سے نکالا نہیں جائے گا۔

☆ جو قیدی وکیل کے اخراجات نہ برداشت کر سکے اس کے لئے قانونی نمائندگی کا بندوبست ریاست رحکومت پر لازم ہونا چاہئے (مقالہ: مفتی محمد جعفر ملی رحمانی، مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی)۔

☆ مولوی محمد مغفور باندوی کا کہنا ہے کہ اصول تو یہ ہے کہ ملزم اپنی صفائی خود ہی پیش کرے، لیکن اگر ملزم کے بار بار باہر آنے میں دشواری ہو یا خود اپنی صفائی پیش کرنے سے عاجز ہو تو ایسی صورت میں وکیل بنانا جائز ہوگا۔

☆ "إذا ادعی علی محبوس حقاً یخرجه القاضی بسماع الدعوی علیه والإجابة عنها ثم یرد إلی الحبس ولا یؤکل عنه أحدا فی الخصومة عند غیر المالکیة، فإن تعذر علی المحبوس الخروج جاز له استحسانا توکیل من یجیب عنه" (الموسوعۃ الفقہیہ ۳۲۶/۶)۔

۱۱- خواتین قیدیوں کا اپنے ساتھ شیر خوار بچوں کو رکھنا

سوال: کیا خواتین قیدیوں کو اپنے ساتھ شیر خوار بچوں کو جیل میں رکھنے کا حق حاصل ہے؟

تقریباً تمام ہی مقالہ نگاروں کی رائے ہے کہ خواتین قیدیوں کو اپنے ساتھ شیر خوار بچوں کو جیل میں رکھنے کی اجازت دی جائے گی۔

دلائل

۱- "والوالدات یرضعن أولادهن حولین کاملین" (سورۂ بقرہ: ۲۳۳)

(مقالہ: مولانا راشد حسین ندوی)۔

۲-"عن علي أنه فرق بين جارية وولدها فنهاه النبي ﷺ عن ذلك ورد البيع" (ابوداؤد مع شرحہ بذل المجہود ۴/۲۵) (مقالہ: مفتی انور علی اعظمی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا ابوبکر قاسمی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا راشد حسین ندوی، مولوی محمد مغفور باندوی)۔

۳-"وكان ﷺ يمنع التفريق في السبي بين الوالدة وولدها ويقول: من فرق بين والدة وولدها فرق الله بينه وبين أحبته يوم القيامة، وكان يؤتى بالسبي فيعطي أهل البيت جميعا كراهية أن يفرق بينهم" (زاد المعاد ۳/۱۱۴، المغنی ۱۰/۴۶۸، بدائع الصنائع ۵/۲۲۸) (مقالہ: مولانا ابرار حسن ندوی، مولانا ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، شاہ محمد تفضل علی)۔

۴-"ويحرم التفريق بين الأم والولد حتى يميز وفي قول حتى يبلغ" (الدر المنضود شرح سنن ابی داؤد ۴/۲۲۵) (مقالہ: مولانا ابرار حسن ایوبی ندوی)۔

۵-"من فرق بين والدة وولدها فرق الله بينه وبين أحبته يوم القيامة" (ترمذی ۱/۲۴۱) (مولانا ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مفتی محمد جعفر ملی رحمانی، مولانا اختر امام عادل قاسمی، مفتی اقبال احمد قاسمی، مولانا عبد الرشید قاسمی)۔

۶-"لا توله والدة عن ولدها" (رواہ البیہقی، نصب الرایہ ۳/۲۶۶) (مقالہ: مولانا اختر امام عادل قاسمی، شاہ محمد تفضل علی)۔

۷-"نهى رسول الله ﷺ أن يفرق بين الأم وولدها فقيل: يا رسول الله! إلى متى؟ قال: حتى يبلغ الغلام وتحيض الجارية" (دارقطنی ۳/۶۷) (مولانا اختر امام عادل قاسمی، شاہ محمد تفضل علی جلال آبادی)۔

بعض حضرات نے درج ذیل شرطوں کا بھی ذکر کیا ہے:

☆ مولانا ابوسفیان مفتاحی کہتے ہیں کہ اگر بچے کے لئے رہنے کی کوئی جگہ نہ ہو تو چار

سال کی عمر تک وہ اپنی ماں کے ساتھ جیل میں رہ سکتا ہے۔

☆ مولانا محمد شاہجہاں ندوی اور مولانا اقبال احمد ٹنکاروی کے نزدیک اگر بچہ ماں کے علاوہ کسی اور کا دودھ نہ لے یا اس کا باپ کسی دودھ پلانے والی کو اجرت پر رکھنے کے قابل نہ ہو تو بچہ کو ساتھ میں رکھنے کا حق ہوگا۔

☆ مولانا افتخار احمد مفتاحی کے بقول جب تک بچہ خود سے خورد و نوش اور دیگر انسانی ضروریات پر قادر نہ ہو جائے وہ اپنی ماں کے ساتھ جیل میں رہے گا۔

☆ مفتی اقبال احمد قاسمی وغیرہ لکھتے ہیں کہ اگر امرأۃ غامدیہ کے واقعہ سے استئناسا بچہ کے سمجھدار ہونے تک قید ہی کو ملتوی کر دیا جائے تو بہتر ہوگا۔

☆ مولانا خورشید احمد اعظمی کے نزدیک وہ بچہ کو اس کے باپ کی اجازت کے بعد ہی رکھ سکتی ہے، اور اگر باپ اس بچہ کی رضاعت اور غذا کا نظم کر لیتا ہے تو نہ رکھنا ہی زیادہ بہتر ہے۔

☆"**إذا أرادت المطلقة أن تخرج بولدها من المصر فليس لها ذلك لما فيه من الإضرار بالأب**"(ہدایہ ٢/٤١٦)۔ بچہ کو جیل میں رکھنے پر بھی یہ ضرر سامنے آتا ہے اس لئے اجازت نہیں ہونی چاہئے۔

عرض مسئلہ

قیدیوں کے حقوق

(سوال نمبر ا،۲)

مولانا سید اسرار الحق سبیلی ☆

راقم الحروف کو سوالنامہ "قیدیوں کے حقوق" کے سوال نمبر ا، ۲ سے متعلق عرض مسئلہ کے لئے اکیس مقالات اکیڈمی کی طرف سے موصول ہوئے۔

ا- کیا کسی ملزم کو اس کے جرم کا ثبوت فراہم ہوئے بغیر قید کیا جا سکتا ہے اور اگر بطور احتیاط کے قید کیا جائے تو کیا اس کے لئے کوئی مدت مقرر کی جا سکتی ہے؟

بیشتر مقالہ نگار حضرات کی رائے ہے کہ ملزم کو اس کا جرم ثابت ہوئے بغیر قید کیا جا سکتا ہے، ان کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں:

مفتی محبوب علی وجیہی، مفتی لطیف الرحمٰن فلاحی، قاضی محمد ہارون مینگل، مولانا افتخار احمد مفتاحی، مفتی اقبال احمد قاسمی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا عبد الرشید قاسمی، مفتی انور علی اعظمی، مفتی محمد جعفر ملی رحمانی۔

جبکہ مولانا راشد حسین ندوی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا خورشید احمد اعظمی اور مولانا محمد مغفور باندوی کی رائے ہے کہ صرف حدود و قصاص کے ملزم کو قید کرنا

☆ لکچرار جونیئر گورنمنٹ کالج میدک ایم پی۔

درست ہوگا، ان حضرات کے نزدیک ملزم ہونے کے لئے شرط ہے کہ اس کے خلاف دو مستور الحال یا ایک عادل شخص کی گواہی موجود ہو۔

مولانا اقبال دارالعلوم ماٹلی والا کی رائے ہے کہ قرائن کی موجودگی میں قید کرنا درست ہوگا، یا ملزم عادی مجرم ہو، لیکن نیک شخص کو بغیر بینہ کے قید نہیں کیا جاسکتا، جبکہ مولانا ابرار حسن ایوبی ندوی کا خیال ہے کہ دینداری اور تقوی میں مشہور شخص کو قید نہیں کیا جاسکتا، مجہول الحال اور فسق و فجور میں مشہور شخص کو قرائن کی بنیاد پر قید کیا جاسکتا ہے، مولانا ابوسفیان مفتاحی بھی صرف جرائم میں مشہور شخص کو قید کرنے کے قائل ہیں۔

اس کے برخلاف مفتی سید باقر ارشد قاسمی، مولانا محمد شاہجہاں ندوی اور ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی کا خیال ہے کہ بلا ثبوت کے قید کرنا جائز نہیں ہے، مفتی سید باقر ارشد قاسمی کا خیال ہے کہ ثبوت کی فراہمی تک ملزم کو تفتیش خانہ میں رکھا جاسکتا ہے، انہوں نے جبر وتشدد سے پاک تفتیش خانے بنوانے کی ضرورت پر زور دیا ہے۔

ان حضرات کا استدلال یہ ہے کہ بغیر ثبوت کے قید کرنا ظلم ہے، اور ظلم کی حرمت کے بارے میں حدیث قدسی ہے: "یا عبادی! إنی حرمت الظلم علی نفسی، وجعلته بینکم محرما فلا تظالموا" (مسلم)، اور مشہور حدیث ہے: "لو رجمت أحدا بغیر بینة لرجمت هذه" (بخاری)، اس سلسلہ میں انہوں نے فقہاء کی یہ عبارتیں بھی پیش کی ہیں:

۱- "ولهذا لم يشرع في التعزير بالتهمة قبل ثبوته كما شرع في الحد، لأنه من التعزير" (ہدایہ ۵۱۶/۲)۔

۲- "والشرع لا يرخص في معاقبة أصحاب التهم قبل إلمامهم بالسيئات" (غیاث الأمم: ۲۲۹)۔

جن حضرات نے مطلق قید کرنے کو درست قرار دیا ہے، ان کا استدلال ترمذی اور

ابوداؤد کی حدیث سے ہے:"عن بهز بن حكيم عن أبيه عن جده أن النبي ﷺ حبس رجلا في تهمة ثم خلى عنه" (ترمذی ١/٢٦١، ابوداؤد ٢/٥١١)۔

اور سیدنا علیؓ کا عمل ہے:"وعن علي أنه حبس متهمين حتى أقروا" (ابوداؤد ٢/٢٢١)۔

ان کے علاوہ ان حضرات کا استدلال فقہاء کی ان عبارتوں سے بھی ہے:

١-"فإذا لم يوجد الخصومة لم تقبل شهادتهم، ولكن يحبس السارق، لأن إخبارهم أورث تهمة، ويجوز الحبس بالتهمة" (بدائع الصنائع ٦/٣١)۔

٢-"وأما أن يكون مجهول الحال فيحبس حتى يكشف أمره" (ردالمحتار ٣/٢١٣)۔

٣-"من يتهم بالقتل والسرقة وضرب الناس يحبس ويخلد في السجن إلى أن تظهر التوبة" (فتاوی قاضی خان علی الہندیہ ٣/٣٨٠)۔

٤-اور حافظ ابن قیم کا بیان ہے:"ولو حلفنا كل واحد منهم وأطلقناه مع العلم باشتهاره بالفساد في الأرض وكثرة سرقاته، وقلنا: لا ناخذ إلا بشاهدى عدل كان مخالفا للسياسة الشرعية" (ردالمحتار ٣/١٨٨)۔

جن حضرات نے حدود وقصاص کے علاوہ تعزیری معاملات میں قید کرنے کو ناجائز قرار دیا ہے، ان کا استدلال فقہاء کی ان عبارتوں سے ہے:

١-"لم يشرع الحبس بتهمة ما يوجب التعزير، حتى لو ادعى رجل على آخر شتيمة فاحشة أو أنه ضربه وأقام شهود إلا يحبس قبل أن يسأل عن الشهود و يحبس في الحدود" (فتح القدیر ٥/١١٧)۔

٢- "بخلاف الديون حيث لا يحبس فيها قبل ظهور

العدالۃ" (ہدایہ ۵/۸)۔

۳-"بخلاف ما إذا شهدوا بالدين لا يحبس المشهود عليه به قبل ظهور عدالة الشهود، لأن أقصى العقوبات بعد ثبوت العدالة والقضاء بموجب الشهادة الحبس فلا يجوز أن يفعله قبل ثبوت الحق، بخلاف ماهنا، فإن بعد الثبوت عقوبته أغلظ" (فتح القدیر ۵/۸)۔

اس طرح یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ملزم کا جرم ثابت ہونے سے پہلے تہمت یا شک کی بنیاد پر قید کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے، اور یہی مصلحت کا تقاضہ ہے، لیکن صرف حدود وقصاص کے مقدمہ میں قید کرنے کی گنجائش ہوگی، تعزیری اور دیوانی مقدمات میں قید کرنے کی گنجائش نہیں ہوگی، کیونکہ نبی ﷺ نے قبیلہ غفار کے ایک شخص کو دو اونٹوں کی چوری کی تہمت میں قید کیا تھا، (جیسا کہ مولانا محمد مغفور باندوی نے اپنے مقالہ میں صراحت کی ہے) نیز تعزیری اور دیوانی مقدمات میں عموماً قید کی سزا دی جاتی ہے، لہذا جرم ثابت ہونے سے پہلے سزا دینا عدالت کے اصول کے خلاف ہے۔

اس سوال کا دوسرا جزء یہ ہے کہ "اگر بطور احتیاط کے قید کیا جائے تو کیا اس کے لئے مدت مقرر کی جاسکتی ہے؟"۔

اس کے جواب میں اکثر مقالہ نگار حضرات کی رائے ہے کہ قید کی کوئی مدت مقرر نہیں ہے، جرم کی تحقیق ہونے تک قید کیا جاسکتا ہے، اور یہ قاضی اور حاکم کی صوابدید پر موقوف ہے، البتہ مفتی انور علی اعظمی، مولانا عبد الرشید قاسمی اور مفتی اقبال احمد قاسمی نے قید کی مدت ایک ماہ بیان کی ہے، جیسا کہ علامہ شامی نے کتاب السرقہ میں لکھا ہے:

"فيحبس حتى يكشف أمره وقيل شهرا" (رد المحتار ۶/۱۴۷)۔

اور علامہ ماوردی نے "الاحکام السلطانیہ" میں بیان کیا ہے:

"واختلف فی مدة حبسه بذلك، فذكر عبد الله الزبيری من أصحاب الشافعي أن حبسه للأسراء والكشف مقدر بشهر واحد لا يتجاوزه، فقال غيره: بل ليس مقدر وهو موقوف علی رأی الإمام واجتهاده، وهذا أشبه" (الأحکام السلطانیہ/ ۲۲۰)۔

مولانا اقبال (دارالعلوم ماٹلی والا) نے لکھا ہے کہ ابن فرحون نے تبصرہ میں صراحت کی ہے کہ ایک سال سے کم حبس قصیر ہے، اور ایک سال سے زیادہ مدت حبس طویل ہے۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ قید کی مدت زیادہ لمبی نہیں ہونی چاہئے، قید کی مدت ایک یا چند ماہ مقرر کی جاسکتی ہے، تفتیش کے نام پر سالوں قید میں رکھنا اصول انصاف کے خلاف ہے۔

دوسرا سوال یہ ہے: "درج ذیل امور سے متعلق قیدیوں کو کیا حقوق حاصل ہیں؟

الف- مذہبی امور (عبادت کرنا، مذہبی کتابوں کا مطالعہ، دوسرے قیدیوں کے درمیان دعوت دین، اس کی مذہبی تعلیمات کے مطابق اس کے لئے غذا فراہم کرنا، وہ جس مذہب پر عقیدہ رکھتا ہے اس مذہب کی مقدس شخصیتوں اور کتابوں وغیرہ کی بے احترامی سے گریز)۔

اس بارے میں تمام مقالہ نگاروں کی متفقہ رائے ہے کہ قیدیوں کو مذکورہ حقوق حاصل ہوں گے، اس بارے میں انہوں نے مندرجہ ذیل نصوص سے استدلال کیا ہے:

مفتی سید باقر ارشد قاسمی نے مذہبی آزادی پر آیت شریفہ: "لا إكراه في الدين" (سورۂ بقرہ) سے استدلال کیا ہے، دوسرے قیدیوں کے درمیان دعوت دین پیش کرنے کے سلسلہ میں مولانا محمد شاہجہاں ندوی، مولانا اقبال، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا خورشید احمد اعظمی اور مفتی محمد جعفر ملی رحمانی نے سیدنا یوسف علیہ السلام کے جیل خانہ میں دعوت دین پیش کرنے کے قرآنی واقعہ سے استدلال کیا ہے: "يا صاحبي السجن ء أرباب متفرقون خير أم الله الواحد القهار" (سورۂ یوسف: ۳۹-۴۰)۔

اسی طرح مذہب کی مقدس شخصیتوں اور کتابوں کی بے احترامی سے گریز کے سلسلہ میں مولانا راشد حسین ندوی، مولانا ابرار حسن ایوبی ندوی، مولانا خورشید احمد اعظمی اور مولانا خورشید انور اعظمی نے قرآنی آیت: "ولا تسبوا الذين يدعون من دون الله فيسبوا الله عدوا بغير علم" (الانعام) پیش کی ہے۔

مولانا ابرار حسن ندوی اور مولانا اقبال نے قیدیوں کی مذہبی آزادی کے بارے میں سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ کا گورنروں کے نام ایک خط سے استدلال کیا ہے:

"لا تدعن في سجونكم أحدا من المسلمين في وثاق لا يستطيع أن يصلي قائما ولا أحدا في قيد، إلا رجلا مطلوبا بدم وأجروا عليهم من الصدقة ما يصلحهم في طعامهم وأدمهم" (موسوعۃ الفقہ الاسلامی المعاصر للشیخ عبدالحلیم عویس ۳/۲۷۰)۔

مولانا اقبال نے اس بارے میں شامی کی یہ عبارت پیش کی ہے:

"ويجب تمكين السجين من الماء للوضوء ونحوه، ويحرم منعه من ذلك" (ردالمحتار ۵/۳۷۸)، نیز انہوں نے مذہبی کتابوں کے مطالعہ کے بارے میں یہ عبارت پیش کی ہے:

"كان يسمح للسجناء في السجون الإسلامية بإدخال الكتب والأقلام والأوراق للقراءة والكتابة كما فعل هارون مع أبي العتاهية" (احکام السجن: ۳۸۳ بحوالہ البدایہ لابن کثیر ۱۴/۱۴۰)۔

حصہ ب کا سوال ہے: "جسمانی ضروریات (مناسب غذا، صاف پانی، علاج، حفظان صحت کے لئے ورزش وتفریح، بیوی سے تعلق، ایسی تنگ جگہ میں قیدیوں کو رکھنے کا مسئلہ جہاں کھڑا ہونا یا پاؤں پھیلا کر لیٹنا، یا دیوار کے باہر کسی چیز کا دیکھنا ممکن نہیں)"۔

قیدیوں کے لئے مناسب غذا کی فراہمی کے سلسلہ میں مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا

راشد حسین ندوی، مفتی انور علی اعظمی، مفتی محمد جعفر ملی رحمانی اور مولانا اقبال نے آیت: "ویطعمون الطعام علی حبه مسکینا ویتیما وأسیرا" (الدہر) پیش کی ہے، جبکہ مولانا ابرار حسن ایوبی ندوی نے سورۂ یوسف کی آیت: "لا یاتیکما طعام ترزقانه" سے بھی استدلال کیا ہے، مولانا عبدالرشید قاسمی نے بخاری کی مشہور حدیث پیش کی ہے:

"عذبت امرأة فی هرة حبستها حتی ما تت جوعا فدخلت منها النار" (بخاری)۔

اسی طرح مفتی سید باقر ارشد قاسمی اور مفتی جعفر ملی رحمانی نے معجم کبیر کی روایت پیش کی ہے:

"عن أبی عزیز بن عمیر أخ مصعب بن عمیر قال: کنت فی الأساری یوم بدر فقال رسول الله ﷺ: "استوصوا بالأساری خیرا" وکنت فی نفر من الأنصار، وکانوا إذا قدموا غدائهم وعشاء هم أکلوا التمر وأطعمونی الخبز بوصیة رسول الله ﷺ إیاهم"۔

مولانا خورشید انور اعظمی نے اس بارے میں سیدنا علیؓ کا فرمان پیش کیا ہے جو انہوں نے اپنے قاتل ابن ملجم کے بارے میں فرمایا تھا:

"أطعموه وأسقوه وأحسنوا أساره" (کنز العمال ۱۳/ ۱۹۷)۔

علاج کے بارے میں مولانا اقبال نے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا فرمان ذکر کیا ہے: "انظروا من فی السجون وتعهدوا المرضی" (ابن سعد ۵/ ۳۵۶) اور فتح القدیر کی یہ عبارتیں بھی پیش کی ہیں: "ولا یمنع الطبیب والخادم من الدخول علیه لمعالجته وخدمته......وأنه یخرج من سجنه للعلاج والمداوة لصیانته" (فتح القدیر ۵/ ۴۷۱)۔

حفظان صحت اور ورزش وتفریح کے سلسلہ میں مفتی محمد جعفر ملی رحمانی نے سنن کبری اور مسلم کی احادیث پیش کی ہیں:

"وكل شئ يلهوبه الرجل باطل إلا رمى الرجل بقوسه وتاديبه فرسه وملاعبته امراته، فإنهن من الحق، ومن ترك الرمى بعد ما علمه فقد كفر الذى علمه" (السنن الکبری للبیہقی ۱۰/۲۶۹)۔

"المومن القوى خير وأحب إلى الله من المومن الضعيف" (مسلم ۸/۲۶۰)۔

بیوی سے تعلق کے بارے میں مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا ابرار حسن ایوبی ندوی، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا شاہجہاں ندوی اور مولانا محمد مغفور باندوی نے بحر، مجمع الانہر، ہندیہ، شامی، فتح القدیر اور موسوعہ کی فقہی عبارتیں پیش کی ہیں:

"ولا يمنع من الجماع إن احتاج إليه فتدخل امراته أو جاريته عليه إن كان فيه موضع سترة" (البحر الرائق ۶/۲۷۶)، جبکہ مولانا لطیف الرحمن فلاحی نے ورزش، تفریح اور بیوی سے تعلق کی اجازت نہیں دی ہے۔

تمام مقالہ نگاروں کا اتفاق ہے کہ قیدی کو ایسی تنگ جگہ میں رکھنا جائز نہیں ہے جہاں کھڑا ہونا یا پاؤں پھیلا کر لیٹنا یا دیوار کے باہر کسی چیز کا دیکھنا ممکن نہ ہو، اس سلسلہ میں مولانا اقبال نے "احکام السجن" سے بحوالہ ابن ہبیرہ الوزیر نقل کیا ہے: **"لا أعرف أنه يجوز أحد من المسلمين جمع الكثير فى حبس يضيق عنهم غير متمكنين من الوضوء والصلاة"** (الافصاح ۲/۳۹)۔

اور مولانا خورشید احمد اعظمی نے عالمگیری کی یہ عبارت پیش کی ہے: **"ولا يجوز الحبس فى مكان يمنع فيه المحبوس الطعام والشراب أو فى مكان حار أو تحت الشمس،**

أو في مكان بارد، أو في بيت تسد نوافذه وفيه دخان" (فتاوی عالمگیری ۳/ ۴۱۴)۔

اس سلسلہ میں مولانا ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی اور مولانا مغفور باندوی نے وضاحت کی ہے کہ حبس شرعی تنگ جگہ میں قید کرنے کا نام نہیں ہے، بلکہ یہ شخصی تصرف سے روکنے کا نام ہے۔

"الحبس الشرعي ليس هو السجن في مكان ضيق، وإنما هو تعويق الشئ ومنعه من التصرف بنفسه" (فتاوی ابن تیمیہ ۳۵/ ۳۹۸)۔

البتہ مولانا خورشید انور اعظمی اور مولانا خورشید احمد اعظمی کا خیال ہے کہ سرکش قیدی کو بطور تعزیر تنگ و تاریک جگہ میں رکھنے کی اتنی دیر گنجائش ہوگی کہ اس کے جسم میں کوئی نقص پیدا نہ ہو، اس بارے میں انہوں نے بحر کی یہ عبارت پیش کی ہے:

"وإذا جلس المحبوس في السجن متعنتا لا يوفي المال قال الأرسانيدى يطين الباب ويترك له ثقبة يلقى منها الماء والخبز" (البحر الرائق ۶/ ۲۸۳)۔

سوال: ج- "عام سماجی حقوق (اخبارات پڑھنے، ریڈیو سننے، فون پر احباب و اقارب سے گفتگو کرنے، دوسرے قیدیوں سے ملاقات، تعلیم اور ہنر وغیرہ سیکھنا)"۔

بیشتر مقالہ نگاروں کا خیال ہے کہ قیدیوں کو مذکورہ حقوق حاصل ہوں گے، مفتی اقبال احمد قاسمی نے سورۂ یوسف کی آیت: "يوسف أيها الصديق أفتنافي سبع بقرات......" پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ قرآن کے بیان کردہ سیدنا یوسف علیہ السلام کے قید کے واقعہ سے کافی حد تک قیدیوں کے حقوق کا خلاصہ واضح ہوجاتا ہے، مفتی محمد جعفر ملی رحمانی نے اس بارے میں معجم کبیر کی روایت "استوصوا بالأسارى خيرا" پیش کی ہے، ان کے علاوہ مولانا اقبال، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مولانا افتخار احمد مفتاحی اور مفتی محمد جعفر ملی رحمانی نے فقہاء کی یہ عبارتیں پیش کی ہیں:

۱- "ولا يمنع المسجون من دخول أهله وجيرانه" (ہندیہ ۳/ ۴۱۸،

بدائع ۱۸۱/۶)۔

۲-"لا يمنع المحبوس من السلام على أصدقاءه والحديث معهم، إلا من يخشى أن يعلمه الحيلة فيمنع"(المبسوط للسرخسی ۹۰/۲۰)۔

۳-"وإن رأى الحاكم مصلحة في اطلاع المحبوس على أنواع الكتب والصحف الهادفة بالأنباء المهمة والأخبار المفيدة وتزويده بالثقافة، فله أن يفعل ذلك، ومثل هذا تمكينه من الإستماع إلى مذباع"(احکام السجن: ۴۹۷)۔

اس کے برخلاف مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا لطیف الرحمٰن فلاحی، مولانا ابوسفیان مفتاحی اور مولانا محمد مغفور باندوی کے نزدیک قیدیوں کو مذکورہ حقوق حاصل نہیں ہوں گے، ان حضرات کا خیال ہے کہ قید کا مقصد یہ ہے کہ قیدی کے دل میں بے چینی اور گھٹن محسوس ہو اور ہر لحہ اسے قید ہونے کا احساس ستائے، اخبار، ریڈیو اور ٹیلی فون جیسی تفریحی چیزوں سے قید کا مقصد فوت ہو جائے گا، چنانچہ انہوں نے بحر، ہندیہ، درمختار اور معین الحکام وغیرہ کی عبارتیں پیش کی ہیں:

"صفة الحبس أن يكون في موضع ليس فيه فراش ولا وطأ ولا يمكن أحد يدخل عليه للاستيناس إلا أقاربه وجيرانه ولا يمكثون"(البحر الرائق ۲۸۳/۶)۔

یہی رائے مولانا راشد حسین ندوی کی ہے، مگر انہوں نے ہنر اور تعلیم کی اجازت دی ہے، جبکہ مولانا خورشید احمد اعظمی کی رائے ہے کہ اگر جرم ہلکا ہو اور مجرم اشراف میں سے ہو تو مذکورہ چیزوں کے استعمال کی اجازت ہوگی، اور اگر مجرم فاسق وفاجر ہو اور جرم کا عادی ہو تو ان چیزوں کے استعمال کی اجازت نہیں ہوگی، مولانا شاہجہاں ندوی کا خیال ہے کہ مخصوص حالات میں عام سماجی حقوق سے محروم کیا جاسکتا ہے۔

اس کے بارے میں عرض ہے کہ قید کا اصل مقصد انسان کی آزادی کو ختم کرنا ہے، قید میں

ساری سہولیات مہیا کرنے کے باوجود قید خانہ سے باہر آزادی کی زندگی کا مزہ حاصل نہیں ہوسکتا، اور قید ہونے کی اذیت اپنی جگہ برقرار رہتی ہے، اس لئے ریڈیو، اخبارات اور ٹیلی فون کے استعمال سے قید کا مقصد فوت نہیں ہوتا، جس طرح علم اور ہنر سے روکنا مناسب نہیں، اسی طرح ریڈیو اور اخبارات علم کے حصول کا ذریعہ ہیں۔

سوال: د۔'' اخلاقی امور (مردوں اور عورتوں کے الگ قید خانے، بالغوں اور نابالغوں کے لئے الگ قید خانے وغیرہ کے مسائل)''۔

اس سوال کے جواب میں تمام مقالہ نگاروں کی رائے متفق ہے کہ مردوں، عورتوں اور نابالغ بچوں کو علاحدہ علاحدہ قید خانوں میں رکھنا ضروری ہے، کیونکہ سب کو مخلوط طور پر رکھنا شرعی و اخلاقی اعتبار سے بہت نقصان دہ ہے اور بہت سے فتنے پھیلنے کا باعث ہے۔

اس بارے میں مولانا اقبال (دارالعلوم ماٹلی والا) نے زرقانی کے حوالہ سے آپ ﷺ کا عمل بیان کیا ہے:

"أنه حبس رجال بني قريظة في ناحية وجعل نساء هم وذريتهم في ناحية أخرى"۔

مولانا محمد شاہجہاں ندوی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا محمد مغفور باندوی، مولانا افتخار احمد مفتاحی، مولانا اقبال، مولانا عبد الرشید قاسمی اور ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی نے اس بارے میں درمختار، بحر، ہندیہ اور مبسوط وغیرہ سے یہ عبارت پیش کی ہے:

"ويجعل للنساء سجن عليحدة نفيا للفتنة" (الدر المختار ۸/۵۸)، جب کہ مولانا محمد شاہجہاں ندوی نے نابالغ اور بالغ اور مخنث کے لئے علاحدہ قید خانہ کی بابت بغیر متن کے حاشیۃ الدسوقی (۲۸۰/۳) اور حاشیۃ الصیعری علی کفایت الطالب کا صرف حوالہ نقل کیا ہے۔

عرض مسئلہ

قیدیوں کے حقوق

(سوال نمبر ۳ تا ۱۱)

ڈاکٹر مفتی محمد فہیم اختر ندوی ☆

محترم شرکائے سیمینار!

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے اٹھارہویں سیمینار منعقدہ مدورائی مؤرخہ ۲۸ فروری تا ۲ مارچ ۲۰۰۹ء میں غور وخوض کے لئے دیگر موضوعات کے ساتھ ایک موضوع قیدیوں کے حقوق بھی مقرر کیا گیا۔ اس موضوع پر اکیڈمی کا سوالنامہ کل گیارہ سوالات پر مشتمل ہے۔ ان میں سے ابتدائی دو سوالات کو چھوڑ کر سوال نمبر ۳ تا سوال نمبر ۱۱ جملہ نو سوالات سے متعلق عرض مسئلہ تیار کرنے کی ذمہ داری راقم سطور کے سپرد کی گئی۔ سطور ذیل میں عرض مسئلہ پیش خدمت ہے۔

قیدیوں کے حقوق کے موضوع پر اکیڈمی کی جانب سے بھیجے گئے علمائے کرام کے مقالات کی کل تعداد ۲۱ ہے۔ ان میں سے بیشتر مقالات قدرے تفصیلی ہیں، جبکہ بعض حضرات نے اختصار کے ساتھ متعلقہ سوالات کے جوابات سپرد قلم فرمائے ہیں۔ ذیل کی سطور میں ہر سوال سے متعلق مقالہ نگار علمائے کرام کی آراء اور ان کے استدلال کی تفصیل پیش کی جارہی ہے۔ جہاں ضرورت محسوس ہوئی وہاں ترجیحی پہلو پر بھی روشنی ڈالی گئی۔

☆ شعبہ اسلامیات، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد۔

سوال نمبر ۳

''قیدیوں سے سچی بات اگلوانے کے لئے کس حد تک دھمکانے کی اجازت ہے؟ کیا اس مقصد کے لئے درج ذیل سزائیں دی جاسکتی ہیں؟

الف۔قیدیوں کو بے لباس کردینا
ب۔قیدیوں کو مار پیٹ کرنا
ج۔انہیں الکٹرک شاک لگانا
د۔قیدیوں پر کتے چھوڑنا
ھ۔قیدیوں کو سخت ٹھنڈک میں برف کی سلوں پر ڈال دینا
و۔انہیں مسلسل جگے رہنے پر مجبور کرنا اور اس کے لئے اس کی جائے رہائش میں تیز روشنی یا تیز آواز کا انتظام رکھنا۔

اس سوال کے (الف تا واؤ) چھ شق ہیں۔بیشتر مقالہ نگاروں نے تمام شقوں کے جوابات ایک ساتھ دئے ہیں ۔ جب کہ بعض اصحاب نے ہر ہر شق پر علاحدہ علاحدہ گفتگو کی ہے۔راقم مناسب محسوس کرتا ہے کہ ہر شق کے تعلق سے مقالہ نگاروں کی آراء اور ان کے دلائل علاحدہ علاحدہ ذکر کئے جائیں۔

الف-قیدیوں کو بے لباس کرنا

شق الف میں دریافت کیا گیا ہے کہ کیا قیدیوں سے سچی بات اگلوانے کے لئے انھیں بے لباس کردینے کی اجازت ہے؟

سوال کے الفاظ بتارہے ہیں کہ ابھی قیدی کے اوپر کسی جرم کا ثبوت نہیں ہوا ہے۔گویا زیر بحث مسئلہ میں قیدی ابھی صرف کسی شک یا الزام کے تحت زیر حراست ہے۔اور اثبات جرم کے مقصد سے اس سے تفتیش کی جارہی ہے۔اور تفتیش کے دوران اس پر دباؤ بنانے کے لئے اس کو بے لباس کیا جارہا ہے۔

اس جزئیہ کے جواب میں تمام مقالہ نگاروں کا متفقہ جواب ہے کہ بے لباس کرنے کا

عمل نہ صرف غیر شرعی اور ناجائز وحرام ہے، بلکہ یہ انتہائی درجہ حیاء سوز، غیر اخلاقی اور غیر انسانی عمل ہے۔ یہ انسان کی تذلیل اور توہین ہے۔ اور قیدی انسان بھی کرامت انسانی کا اسی طرح حقدار ہے جس طرح کوئی دوسرا عام انسان۔ اور یہ قیدی یہاں تو مجرم بھی نہیں صرف کسی شک کے تحت زیر حراست ہے۔ لہذا شریعت اسلامیہ ایسے غیر انسانی عمل کی قطعا اجازت نہیں دے سکتی ہے۔ کسی کو بے لباس کرنا اس کے ستر کے حصوں کو کھولنا ہے۔ اور اسلام میں ستر کے حصوں کو نہ تو کھولنا جائز ہے اور نہ ان کی طرف دیکھنے کی اجازت ہے۔ ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی نے اپنے مقالہ میں لکھا ہے کہ شریعت اسلامیہ تو ان لوگوں کو بھی بے لباس کرنے کی اجازت نہیں دیتی جن پر حدود اور قصاص نافذ کئے جارہے ہوں، تو صرف تفتیش کی خاطر اس عمل کی کیسے گنجائش ہوسکتی ہے۔ انھوں نے علامہ ماوردی کا اقتباس نقل کیا ہے: **تحرم المعاقبة بالتجريد من الثياب لما في ذلك من كشف العورة** (الاحکام السلطانیۃ ۲۳۹)۔ مفتی انور علی اعظمی نے جنگ جمل کے موقع پر حضرت علیؓ کا فرمایا ہوا قول نقل کیا ہے: "**لا يقتل أسير ولا يكشف ستر و لا يؤخذ مال، وهو القدوة في هذا الباب**" (ہدایہ ۵۸۹/۲)۔ مفتی باقر ارشد قاسمی نے صحیح بخاری کے حوالہ سے ذکر کیا ہے کہ بدر کے قیدیوں میں سے حضرت عباس کو کپڑے کی ضرورت تھی تو انھیں قمیص فراہم کی گئی۔

اس رائے سے عمومی حالت میں اتفاق کرتے ہوئے تین مقالہ نگار مولانا ابرار حسن ایوبی ندوی، مولانا نعیم اختر قاسمی اور مولانا راشد حسین ندوی نے رائے دی ہے کہ قیدیوں سے راز اگلوانے کے مقصد کی خاطر البتہ ان کو بے لباس کرنے کی دھمکی دی جاسکتی ہے۔ مولانا راشد حسین نے یہ اضافہ کیا ہے کہ اگر خطرناک مجرم سے برہنگی کے بغیر راز سے پردہ اٹھانا ممکن نہ ہو تو بدرجہ مجبوری اور بقدر ضرورت اس کی اجازت ہوگی۔ ان حضرات نے اس پر استدلال حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کے واقعہ سے کیا ہے کہ انھوں نے فتح مکہ کی مہم کا راز ایک عورت کے ذریعہ مکہ بھیجنا

چاہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی ہدایت پر حضرات علی، مقداد بن اسود اور زبیر بن العوام اسکے تعاقب میں گئے اور خط طلب کرتے ہوئے دھمکی دی کہ: "لتخرجن الکتاب أو لنلقین الثیاب (بخاری کتاب المغازی)۔ اس عورت کو جب احساس ہوگیا کہ بصورت دیگر وہ اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنا کر ہی دم لیں گے، "فلما رأت الجد منه" (سیرت ابن ہشام) تو اس نے اپنے بالوں کی چوٹی سے خط نکال کردے دیا۔

لیکن راقم سطور کے نزدیک ان تینوں حضرات کا یہ استدلال زیر بحث مسئلہ میں مفید مطلب نہیں ہے۔ اور اس واقعہ سے تفتیش کے دوران ملزم کو بے لباس کرنے کی اجازت ثابت نہیں ہوتی ہے۔ کیونکہ اس واقعہ میں رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو اس بات کی اطلاع دی تھی کہ وہ عورت اپنے ساتھ خط لے جارہی ہے۔ عورت کے پاس خط کی موجودگی یقینی تھی، اور وہ خط کا انکار کررہی تھی، تو اس کے پاس سے خط نکالنے کی ایک ہی صورت تھی کہ اس کی جسمانی تلاشی لے کر خط برآمد کیا جائے۔ لہذا صحابہ کرام نے اسے جسمانی تلاشی کی دھمکی دی۔ اور اگر وہ پھر بھی انکار کرتی رہتی تو یقیناً دھمکی پر عمل کرتے ہوئے خط برآمد کیا جاتا۔ زیر بحث مسئلہ میں زیر حراست قیدی کی تلاشی یا اس کے جسم سے کسی چیز کی برآمدگی مطلوب نہیں ہوتی ہے۔ اگر ایسا کوئی موقع ہوتا تو ممکن ہے بے لباسی کی گنجائش بدرجہ مجبوری نکل آتی۔ یہاں تو ایک بے گناہ شخص کو بے لباس کرنے کے پیچھے مقصد یہ ہے کہ اس کو ذہنی اور نفسیاتی طور پر اس طرح توڑ دیا جائے اور اس کی ایسی تذلیل کی جائے کہ وہ جرم کا اقرار کرلے، یا زیادہ صحیح لفظوں میں تفتیش کار کی ہر بات تسلیم کرلے۔ اسلام ایسی تذلیل اور بے گناہ پر ایسی زیادتی کی اجازت نہیں دیتا۔

ب- قیدیوں کو مار پیٹ کرنا

سوال کے شق (ب) میں پوچھا گیا ہے کہ کیا اس غرض کے لئے قیدیوں کی مار پیٹ کی جاسکتی ہے؟

اس سوال کے جواب میں اکثر مقالہ نگاروں کی رائے ہے کہ حدود شرع میں رہتے ہوئے معمولی مار پیٹ کی جاسکتی ہے۔ یعنی مار پیٹ ایسی نہ ہو جس کا اثر جسم کے اندر تک پہنچ جائے یا جس سے کوئی عضو تلف ہو جائے۔ مفتی انور علی نے قید لگائی ہے کہ یہ مار پیٹ حد شرعی کے درجہ سے کم یعنی ۳۹ کوڑے تک ہو۔ قاضی ہارون مینگل نے کہا ہے کہ یضرب بالسوط مجردا۔ مولانا لطیف الدین فلاحی نے یہ لکھا ہے کہ قیدی اگر عورت ہے اور وہ حاملہ یا نفاس کی حالت میں ہے تو اس حالت میں اس کے ساتھ مار پیٹ نہیں کی جائیگی، بلکہ اس کے وضع حمل اور نفاس سے پاکی کا انتظار کیا جائے گا۔

مار پیٹ کے جواز پر استدلال متعدد حضرات نے غزوہ بدر کے اس واقعہ سے کیا ہے کہ قریش کے دو آدمی بعض صحابہ کے ہاتھ لگے۔ انھوں نے ان دونوں کو پکڑ کر ابوسفیان کے بارے میں پوچھا۔ جب ان دونوں نے لاعلمی دکھائی تو صحابہ نے ان کی پٹائی کی تو وہ کہنے لگے، ہاں ہم جانتے ہیں۔ جب پٹائی بند ہوئی تو پھر لاعلمی ظاہر کرنے لگے۔ حضور اکرم ﷺ نماز پڑھ رہے تھے، فارغ ہو کر آپ نے فرمایا: ''**إذا صدقاکم ضربتموهما وإذا کذباکم ترکتموهما والله إنهما لقریش**'' (مسلم ۲/۱۰۲، سیرت ابن ہشام ۱/۶۱۶)۔ مولانا ابرار حسن ایوبی نے لکھا ہے کہ امام ابوداؤد نے اس واقعہ پر ترجمۃ الباب قائم کیا ہے ''**باب الأسیر ینال منه ویضرب**''، اس سے بھی اس کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ مولانا شاہ جہاں ندوی اور مولانا عبد الرشید قاسمی نے مار پیٹ کے جواز میں غزوہ خیبر کے اس واقعہ سے استدلال کیا ہے کہ جب حیی بن اخطب کے سونے اور زیورات کے ذخیرہ کو اس کے چچا نے چھپا لیا اور آپ ﷺ کے دریافت کرنے پر جواب دیا کہ ''**أذهبته النفقات والحروب**'' تو آپ ﷺ نے اسے حضرت زبیر بن عوام کے حوالہ کیا اور فرمایا: ''**دونک هذا فمسه الزبیر بشيء من العذاب فدلهم علی المال**'' (شامی ۶/۱۴۷)۔

ج-قیدیوں کوالکٹرک شاک لگانا

سوال کے اس شق کے جواب میں تمام مقالہ نگاران متفق ہیں کہ زیرحراست قیدیوں کو تفتیش کی غرض سے الکٹرک شاک لگانا جائز نہیں ہے۔ البتہ صرف دو مقالہ نگاروں نے یہ فرض کرتے ہوئے الکٹرک شاک کی اجازت دی ہے کہ اس کی تکلیف 'ضرب شوط' (کوڑے مارنے) سے کم ہے، یا یہ کہ الکٹرک شاک جسم کی مشنریوں پر اثر نہیں کرتا۔ چنانچہ قاضی ہارون مینگل نے لکھا ہے کہ شاک کی تکلیف ضرب سوط سے کم ہو تو گنجائش ہے، ورنہ اس کی شرعا اجازت نہیں ہے۔ اور مولانا افتخار احمد نے لکھا ہے کہ معمولی لکٹرک شاک لگائی جاسکتی ہے کیونکہ اس سے غالبا جسم کی مشنریوں پر اثر نہیں پڑتا۔

راقم سطور عرض کرتا ہے کہ یہاں ان دونوں حضرات کی اجازت نہ صرف مشروط ہے بلکہ اس تصور پر مبنی ہے کہ الکٹرک شاک کی تکلیف معمولی اور کوڑے کی تکلیف سے بھی کم ہے۔ لیکن حقیقت حال اس تصور کا ساتھ نہیں دیتی۔ واقعہ یہ ہے کہ الکٹرک شاک جو ٹارچر کا ایک مروجہ اور بھیانک طریقہ ہے، نہ صرف شدید اذیت ناک ہے، بلکہ بعض حالات میں جسم کے اعضائے رئیسہ اور اعصابی نظام کے لئے شدید خطرناک ثابت ہوتا ہے۔ اس کے نتیجہ میں جسم کے خلیات متاثر ہوتے ہیں اور سر و چہرہ پر شاک لگانے سے دماغی خلیات کو نقصان پہنچتا ہے۔ دراصل الکٹرک شاک سے پہنچنے والے نقصان میں قیدی کی جسمانی صحت کے ساتھ الکٹرک شاک کے وولٹیج اور اس کے دورانیے کا دخل ہوتا ہے۔ یہاں غور کرنے کی بات یہ بھی ہے کہ جہاں قیدیوں کے ساتھ ناقابل تصور حد تک انسانیت سوز ظلم روا رکھا جاتا ہو، وہاں یہ کیسے تصور کیا جاسکتا ہے کہ الکٹرک شاک لگانے والا اس کو معمولی کوڑے سے بھی کم تکلیف پہنچانا چاہتا ہے۔

مولانا راشد حسین ندوی نے لکھا ہے کہ آگ سے صرف جلن ہوتی ہے، نیز آگ سے صرف وہی حصہ متاثر ہوتا ہے جسے جلایا جائے، لیکن بجلی سے جلن کے ساتھ جسم کو جھٹکا بھی لگتا ہے،

اس سے پورا جسم متاثر ہوتا ہے اور موت تک کا خطرہ رہتا ہے۔

الکٹرک شاک کے عدم جواز پر مقالہ نگاروں نے تعذیب بالنار کی ممانعت والی حدیث سے استدلال کیا ہے۔ چنانچہ مولانا باقر ارشد قاسمی نے لکھا ہے کہ الکٹرک شاک بھی جلانے کے زمرے میں آتا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ کسی کو جلا کر مارا جائے ۔مولانا شاہ جہاں ندوی اور مولانا ابرار ایوبی ندوی نے ہندیہ کی عبارت: ولا ینبغی للقاضی ان یضرب محبوسا.... ولا یقیمہ فی الشمس (۳/۴۱۴) نقل کر کے لکھا ہے کہ جب دھوپ میں رکھنے کی اجازت نہیں ہے تو الکٹرک شاک لگانا تو اس سے بڑھ کر اذیت ناک ہے۔

د- قیدیوں پر کتے چھوڑنا

تفتیش کی غرض سے قیدیوں پر کتے چھوڑنا تمام مقالہ نگاروں کی متفقہ رائے میں وحشیانہ اور غیر انسانی حرکت ہے، اور اس کی وجہ سے قیدی کو شدید ذہنی اور جسمانی اذیت پہنچ سکتی ہے۔لہذا اس کی قطعا اجازت نہیں ہوسکتی ہے۔مولانا شاہ جہاں ندوی نے لکھا ہے کہ امام مالک سے پوچھا گیا کہ قیدی کو تیل اور گبریلے (بھونرے کی مانند پردار کالا کیڑا جو گوبر میں ہوتا ہے) کے ذریعہ سزا دی جا سکتی ہے؟ تو آپ نے جواب دیا: حلال نہیں، سزا یا تو کوڑا ہے یا قید ہے (اسنی المطالب ۴/۹)۔مولانا راشد حسین ندوی اس کے عدم جواز پر استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ کتے چھوڑنے سے قیدی کو زخم آسکتے ہیں نیز اس عمل سے مثلہ ہو جانے کا قوی امکان ہے اور قیدی کو ایسی ضرب کی جس سے ہڈی ظاہر ہو جائے اور مثلہ کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

ھ- سخت ٹھنڈک میں برف کی سلوں پر ڈال دینا

اس شق کی حرمت پر بھی سارے مقالہ نگار متفق ہیں، کیونکہ یہ عمل بھی غیر انسانی اور سخت اذیت ناک ہے۔مولانا لطیف الدین فلاحی نے اس ضمن میں بدائع کی یہ عبارت نقل کی ہے:

"إن لا يكون في إقامة الجلدات خوف الهلاك، لأن هذا الحد شرع زجرا لا مهلكاً، فلا يجوز الإقامة في الحر الشديد والبرد الشديد لما في الإقامة فيهما خوف الهلاک" (۷/۹۵)۔اور مولانا راشد ندوی نے ہندیہ کی عبارت نقل کی ہے:"ليس للطالب أن يقيم في الشمس أو على الثلج أو في موضع يضر به" (ہندیہ ۴/۴۱۶)۔ مولانا باقر ارشد قاسمی نے لکھا ہے کہ یہ جان کی ہلاکت کی کوشش ہے اور بے رحمی کی انتہاء ہے۔

و۔ مسلسل جگے رہنے پر مجبور کرنا

قیدیوں کو مسلسل جگے رہنے پر مجبور کرنے کے لئے ان کی جائے رہائش میں تیز روشنی یا تیز آواز کا نتظام رکھنا، تین حضرات علماء کرام کے سوا تمام مقالہ نگاروں کے نزدیک غیر انسانی، اذیت ناک اور تباہ کن ہے، اس لئے یہ عمل بھی ناجائز اور حرام ہے۔صرف قاضی ہارون مینگل، مولانا راشد ندوی اور مولانا ابرار حسن ایوبی ندوی نے اسکی مشروط اجازت دی ہے۔قاضی مینگل کہتے ہیں کہ اس میں نا قابل برداشت ایذاء کی کوئی شکل بظاہر نہیں نظر آتی، اس لئے اس کی گنجائش ہے، وہ آگے لکھتے ہیں: بشرطیکہ مزید کوئی نا قابل برداشت سزا اس میں شامل نہ ہو۔مولانا ایوبی کہتے ہیں کہ اسے عارضی اور وقتی سزا کے طور پر استعمال کر سکتے ہیں۔اور مولانا راشد حسین ندوی کا خیال ہے کہ بظاہر محدود مدت کے لئے اس کی اجازت ہوگی۔آگے دونوں حضرات لکھتے ہیں کہ اگر اس سزاء سے اعضاء شل ہو جائیں یا نفسیاتی یا جسمانی مرض میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ ہو تو اس کا شمار بھی ممنوع طریقوں میں ہوگا۔

مؤخر الذکر دونوں حضرات نے جزوی جواز پر استدلال چند واقعات سے کیا ہے۔ایک یہ کہ حضرت سودہؓ کی روایت میں ہے کہ ابو یزید سھیل بن عمرو کا ہاتھ ان کی گردن میں ملا کر باندھ دیا گیا تھا۔تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بظاہر وہ سو نہیں سکے ہوں گے۔اسی طرح ثمامہ بن اثال کو

تین دنوں تک مسجد نبوی کے ستون سے باندھ کر رکھا گیا تھا۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح بندھے رہنے پر انھیں آسانی سے نیند نہیں آئی ہوگی۔ نیز غزوہ بدر کے قیدیوں کو جس طرح جکڑا گیا اس سے حضرت عباس کی کراہ کی آواز آتی رہی، تو بظاہر انھیں بھی نیند نہیں آئی ہوگی۔

راقم سطور عرض کرتا ہے کہ یہاں دو باتیں قابل غور ہیں: اول یہ کہ ان تینوں حضرات کی آراء پر غور کرنے واضح ہوتا ہے کہ زیر بحث مسئلہ میں مسلسل جگائے رہنے کے ذریعہ جس نوع کی اذیت کو سوال کے اندر پیش نظر رکھا گیا ہے، اور جس کی حرمت پر بقیہ تمام مقالہ نگار متفق ہیں، اس صورت کے عدم جواز سے ان تینوں حضرات کو بھی اختلاف نہیں ہے۔ اسی لئے ان تینوں حضرات نے نہ صرف جواز کے ساتھ یہ شرط لگائی ہے کہ مزید کوئی ناقابل برداشت سزا اس میں شامل نہ ہو، اور اسے عارضی اور وقتی طور پر استعمال کیا جائے، بلکہ ساتھ ہی یہ تنبیہ بھی کی ہے کہ اگر اس سے اعضاء کے شل ہونے اور جسمانی یا نفسیاتی مرض میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو تو یہ ممنوع ہوگا۔ دوسرے یہ کہ ان حضرات نے اوپر اپنے استدلال میں جن واقعات کا حوالہ دیا ہے، ان میں سے کسی واقعہ میں قیدی کو سونے سے محروم کرنے اور مسلسل جگائے رکھنے کی کوشش نہیں کی گئی ہے۔ انھیں عام حالات کے تحت صرف باندھ کر رکھا گیا تھا۔ یہ بات تو قابل فہم ہو سکتی ہے کہ باندھنے کی وجہ سے انھیں آسانی سے نیند نہیں آئی ہو۔ لیکن یہاں زیر بحث مسئلہ میں قیدی کو نیند سے محروم کرنا ہی مقصود ہے۔ اور اس کی ترکیب کے طور پر ایسا طریقہ اپنایا جا رہا ہے جو ذہنی و نفسیاتی اور جسمانی طور پر تباہ کر دینے والا ہے۔ نیند تو انسان کی ایسی ہی ضرورت اور مجبوری ہے جیسی کھانا پینا اور جیسی رفع حاجت کرنا۔ اگر قیدی کو کھانے پینے اور رفع حاجت سے مسلسل روکے رکھا جائے تو اس کی کیا صورت حال بنے گی؟ مسلسل نیند سے محروم کرنے پر انسان کے اعضاء شل ہو جائیں گے۔ اسی طرح اس کی جائے رہائش میں تیز روشنی اور تیز آواز کا انتظام اس کی صحت او رقوت سماعت ہی کو متاثر نہیں کرے گا، بلکہ اس کو دماغی طور پر مفلوج بنا کر رکھ دے گا۔

سوال نمبر ۴

کیا قیدیوں کو زنجیروں میں جکڑا جا سکتا ہے، یا انھیں ہتھکڑی پہنائی جا سکتی ہے، یا انھیں بیڑی ڈالی جا سکتی ہے؟

اس سوال کے جواب میں تمام مقالہ نگار حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہ قیدیوں اور مجرمین کے حالات پر منحصر ہے۔ چنانچہ عام حالات میں قیدیوں کو ہتھکڑی اور بیڑی وغیرہ پہنانا درست نہیں ہے۔ کیونکہ یہ بے ضرورت ظلم و زیادتی ہے۔ ہاں البتہ اگر مجرم خطرناک ہو اور اس سے نقصان پہنچنے کا یا قید خانہ سے اس کے فرار ہونے کا اندیشہ ہو، یا عدالت لیجاتے وقت راستہ سے فرار ہونے کا اندیشہ ہو تو ایسے مخصوص حالات میں ہتھکڑی لگائی جا سکتی ہے۔ مولانا جعفر ملی نے المبسوط کی عبارت نقل کی ہے: "**ولا يقيد ولا يقام ولا يؤاجر، لأن هذه عقوبات زائدة ما ورد الشرع بها**" (باب الحبس فی الدین)۔

بوقت ضرورت ہتھکڑی لگانے کے جواز پر متعدد حضرات نے استدلال کیا ہے۔ مولانا ظفر الاسلام صدیقی لکھتے ہیں: غزوہ بنی قینقاع میں حضرت منذر بن جذامہ کو تمام قیدیوں کو ہتھکڑی لگانے کا کام سونپا گیا تھا۔ اسی طرح ثمامہ بن اثال کو مسجد کے ستون سے باندھا گیا تھا۔ خود قرآن کریم میں قیدیوں کو باندھنے کا ذکر ہے: "**حتى إذا أثخنتموهم فشدوا الوثاق**" (سورہ محمد)۔ مولانا خورشید احمد اعظمی نے ابو داؤد شریف کے حوالہ سے حضرت سودہ کی حدیث نقل کی ہے: "**فرجعت إلى بيتي ورسول الله ﷺ فيه وإذا أبو يزيد سهيل بن عمرو في ناحية الحجرة مجموعة يداه إلى عنقه بحبل**" (۵۶/۳)۔ مولانا ابرار ایوبی نے لکھا ہے کہ بخاری میں ترجمۃ الباب ہے: باب الاساری فی السلاسل۔ اور ابوداؤد میں ہے: باب فی الاسیر یوثق۔ مولانا جعفر ملی نے مصنف عبد الرزاق سے حدیث نقل کی ہے: "**لما أسر العباس في الأسارى يوم بدر سمع رسول الله ﷺ أنينه وهو في الوثاق....**" (کتاب المغازی)۔

سوال نمبر ۵

کیا کسی مجرم کو اس کے خصوصی جرم کے پس منظر میں قید تنہائی دی جاسکتی ہے؟

اس سوال کے تحت مولانا باقر ارشد قاسمی نے لکھا ہے کہ قید تنہائی کی اجازت نہیں ہے، کیونکہ اس سے قیدی کی صحت متاثر ہوتی ہے، اور یہ شریعت کو گوارہ نہیں۔ ان کے علاوہ تمام مقالہ نگار حضرات اس رائے سے متفق ہیں کہ اگر مصلحت متقاضی ہو تو مجرم کو قید تنہائی دی جاسکتی ہے۔ مولانا خورشید انور نے موسوعہ کی یہ عبارت نقل کی ہے: "يجوز للحاكم عزل السجين وحبسه منفردا في غرفة يقفل عليها بابها إن كان في ذلك مصلحة" (۱۶/ ۹۱۳)۔ مولانا خورشید احمد نے یہ عبارت نقل کی ہے: "يطين الباب ويترك له ثقبة يلقى منها الماء والخبز، وقال القاضي: الرأى فيه إلى القاضي" (البحر الرائق ۶/ ۷۶)۔ مولانا اقبال احمد نے لکھا ہے کہ غزوہ تبوک کے موقع پر پیچھے رہ جانے والے (متخلفین) صحابہ کے ساتھ جو معاملہ کیا گیا وہ قید تنہائی جیسا معاملہ تھا۔

سوال نمبر ۶

کیا جیل میں قیدیوں سے جبرا کام لیا جاسکتا ہے اور اگر کام لیا جائے تو کیا قیدی اس کام کی اجرت کے مستحق ہیں؟

اس سوال کی دو شقیں ہیں: شق اول یہ ہے کہ جبری کام لینا کیسا ہے؟ اور شق دوم میں یہ دریافت کیا گیا ہے کہ اگر کام لیا جائے تو وہ اجرت کا مستحق ہوگا یا نہیں؟

ان دونوں شقوں کے تعلق سے شرکائے سیمینار کی رائیں مختلف ہیں:

☆ ایک رائے یہ ہے کہ جیل میں قیدی سے جبری کام لینا درست نہیں ہے۔ لیکن اگر کوئی بامقصد کام لیا جاتا ہے تو وہ اجرت کا مستحق ہوگا۔ یہ رائے مولانا ظفر الاسلام، مولانا خورشید

انور اعظمی، مولانا افتخار احمد، مولانا راشد ندوی، مولانا مغفور باندوی، مولانا عبد التواب اور قاضی ہارون مینگل صاحبان کی ہے۔ ان حضرات کا استدلال یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کی راجح رائے یہ ہے کہ جیل میں قیدی کو کام کی اجازت نہیں ہوگی، ورنہ قید خانہ دوکان بن جائیگا۔ مولانا راشد ندوی نے شامی کا یہ جزئیہ بھی اپنی تائید میں نقل کیا ہے: "وعن الثاني يوجر لقضاء دينه" (۳۵۰/۴)۔

☆ مولانا اشتیاق اعظمی، مفتی محبوب علی اور مفتی انور علی نے یہ صراحت کی ہے کہ زیر سماعت قیدیوں سے کام نہیں لیا جائے گا، اور اگر کام لیا گیا تو اجرت دی جائے گی۔

☆ دوسری رائے یہ ہے کہ جبری کام لینے کی اجازت نہ ہوگی اور اسے اجرت کا استحقاق بھی نہیں ہوگا۔ یہ رائے مولانا جعفر ملی اور مولانا خورشید احمد کی ہے۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ عقد کے لئے طرفین کی رضامندی ضروری ہوتی ہے، جبری کام میں طرفین کی رضامندی مفقود ہے۔ تو اس سے جبری عقد اجارہ لازم آئے گا، جو درست نہیں ہے۔

☆ تیسری رائے یہ ہے کہ اگر کام لینے میں مصلحت ہو تو قیدی کی صحت کا خیال رکھتے ہوئے کام لیا جاسکتا ہے، اور اسے اجرت ملے گی۔ یہ مولانا ابرار حسن ایوبی، مولانا اقبال ٹنکاوی اور مولانا ابوسفیان مفتاحی کی رائے ہے۔

☆ چوتھی رائے یہ ہے کہ جبری کام لیا جانا سزا کا حصہ ہے، اس لئے بطور تعزیر جبری کام لینا درست ہے، یہ رائے مولانا عبد الرشید قاسمی، مولانا اقبال قاسمی، مولانا لطیف الرحمٰن فلاحی، مفتی محبوب علی، مولانا شاہ جہاں ندوی، مولانا نعیم اختر، مفتی انور علی اور مولانا باقر ارشد قاسمی کی ہے۔ اس رائے کے قائلین میں سے مولانا نعیم اختر اور مفتی انور علی کے نزدیک اسے اس کام کی اجرت ملے گی اور دیگر حضرات کے نزدیک قاضی کی صوابدید کے مطابق یا تو اجرت نہیں ملے گی یا کم ملے گی۔

راقم سطور عرض کرتا ہے کہ جبری کام لیا جانا اور قیدی کو اپنی مرضی سے کام کی اجازت ملنا دو مختلف باتیں ہیں۔ امام ابو حنیفہ کی جو راجح رائے اوپر نقل کی گئی، اس کا تعلق قیدی کو اپنی مرضی سے کام کرنے کی اجازت سے ہے، اسی لئے اس عبارت میں آگے کہا گیا کہ پھر تو قید خانہ اس کے لئے دوکان بن جائے گا۔ اور قید کا مقصد یعنی زجر و توبیخ فوت ہو جائے گا۔ لیکن زیر بحث سوال اس بات سے متعلق ہے کہ کیا قیدی سے بالجبر کام لیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

اس سلسلہ میں راقم یہ عرض کرتا ہے کہ قید خانہ کے اندر لئے جانے والے کام کی نوعیت دو ہے: اول یہ کہ روزمرہ کی ضروریات مثلاً صفائی، کھانا پکانا اور اس جیسے کام لئے جائیں۔ دوسری نوعیت یہ ہے کہ کوئی ہنر، قابلیت، تعلم جیسے کام میں اس مقصد سے لگایا جائے کہ قیدیوں کی اس طرح اصلاح بھی ہو، اور دوران قید وہ ایسی اضافی قابلیت اور ہنرمندی وغیرہ سیکھ لیں، جو آئندہ جیل سے باہر نکلنے کے بعد اچھی زندگی گذارنے میں ان کے لئے معاون بن سکیں۔ اس دوسری نوعیت کے کاموں پر موجودہ دور میں خصوصی توجہ دی جارہی ہے۔ اور اسی نوعیت کے کاموں کے تعلق سے اجرت کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ پہلی نوعیت کا کام ایک نوع کی مشقت ہے، اور یہ ذمہ داری صرف قید بامشقت کی صورت میں جبری دی جا سکتی ہے۔ جن حضرات مقالہ نگار نے جبری کام لئے جانے کی اجازت دی ہے اور اجرت کے استحقاق سے منع کیا ہے، ان کے نزدیک اس سے مراد اسی پہلی نوعیت کا کام محسوس ہوتا ہے۔ دوسری نوعیت کا کام یعنی ہنر وغیرہ کی تعلیم اور اس سے متعلق کاموں میں مصروفیت قیدی کے لئے مفید اور بامقصد ہے، اور اس کی بالکل اجازت ہونی چاہئے، نیز انھیں اپنے ان کاموں پر اجرت بھی ملنی چاہئے۔ اکثر مقالہ نگار حضرات نے اسی نوع کے کاموں پر اجرت کے استحقاق کی رائے دی ہے۔

سوال نمبر ۷

جن قیدیوں کا مقدمہ ابھی زیر سماعت ہے اور جن کے بارے میں سزائے قید کا فیصلہ

ہو چکا ہے، قید خانوں میں سلوک کے اعتبار سے کیا ان دونوں میں فرق کیا جا سکتا ہے؟

اس مسئلہ پر مقالہ نگاران متفق ہیں کہ زیر سماعت قیدی چونکہ ابھی مجرم نہیں ہے، تحقیق حال کے بعد وہ بے قصور بھی ثابت ہو جاتا ہے، اس لئے اس کے ساتھ وہ سلوک روا نہیں رکھا جائے گا جو ایسے قیدیوں کے ساتھ کیا جاتا ہے جن کا جرم ثابت ہو چکا ہے اور بطور سزا جیل میں ہیں۔ پس زیر حراست قیدی کو مجرم کے ساتھ نہیں رکھا جائے گا، اور ان کی حراست کی کیفیت بھی ہلکی ہوگی۔

اس رائے پر استدلال کرتے ہوئے مولانا عبدالرشید قاسمی اور مولانا اقبال قاسمی نے شیخ وہبہ زحیلی کی یہ عبارت نقل کی ہے: إن الاصل في المتهم البراءة حتى تثبت ادانته" (الفقہ الاسلامی ۷/ ۵۳۶۴)۔ مولانا خورشید انور نے موسوعہ کی عبارت نقل کی ہے: "والمعمول به في القديم تميز حبس الوالي الذي يضم أهل الريبة والفساد (الموقوفين) عن حبس القاضي الذي يضم المحكومين، و يختلف سجن الوالي عن سجن القاضي" (۱۶/ ۳۱۸)۔

صرف مولانا راشد ندوی کی رائے ہے کہ دونوں قسم کے قیدیوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہوگا۔ دراصل انھوں نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ چونکہ قید صرف حدود و قصاص کے متہم کو ہی کچھ شرطوں کے ساتھ کیا جا سکتا ہے اور جلد ہی ان کے معاملہ کا فیصلہ کیا جائے گا۔ فیصلہ ہونے کے بعد ان کی سزائیں دوسری ہوں گی۔ لہذا جو لوگ قید میں ہیں، ان کی سزا قید نہیں ہے، یا تو وہ عدم ثبوت کی بنا پر بری ہوں گے، یا ثبوت کے بعد سزا کے مستحق۔ لہذا ان کو دوران قید نہ تو سہولت دی جا سکتی ہے کہ جرم کا الزام سنگین ہے اور نہ ہی ان کے ساتھ بدسلوکی کی جا سکتی ہے کہ وہ شرعی سزا پر اضافہ ہوگا۔ پس ان دونوں حالتوں میں ان کے ساتھ سلوک دوران قید یکساں رہے گا۔

سوال نمبر ۸

کیا زیر سماعت قیدیوں کو اتنے دنوں تک فیصلے سے پہلے قید میں رکھا جا سکتا ہے جو ان کے اوپر عائد فرد جرم کی اصل سزا ہے۔

اس سوال کے جواب میں متعدد مقالہ نگاروں نے کہا ہے کہ حراست کی مدت ہرگز اتنی نہ ہونی چاہیے جو جرم کی سزا ہے (مفتی انور علی، مولانا اشتیاق احمد، مولانا ہارون مینگل، مولانا خورشید احمد، مولانا عبدالرشید قاسمی)۔ بعض حضرات نے اسے ظلم وزیادتی اور ناجائز بتایا ہے، کیونکہ ضمانت پر رہائی کا راستہ موجود ہے (مولانا اقبال قاسمی، مولانا مغفور باندوی)۔ کچھ مقالہ نگاروں نے اس صورت کو نادر یا اسلامی ریاست میں ناقابل وقوع قرار دے کر بات ختم کردی ہے (مولانا راشد ندوی، مولانا نعیم اختر)۔ کئی مقالہ نگاروں نے اس سوال کا واضح جواب نہیں دیا ہے۔

مولانا ظفر الاسلام صدیقی کا کہنا ہے کہ دوران مقدمہ کی مدت سزا کی مدت سے لمبی ہو جائے تو اسے فوراً رہا کر دینا چاہیے۔ اور مولانا باقر ارشد قاسمی کی رائے ہے کہ ایسی صورت میں اگر جرم ثابت ہوا تو بری ہو جائے گا، ورنہ ہرجانہ لے گا۔

مولانا ابرار ایوبی، مولانا اقبال ٹنکاوی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا خورشید انور، مولانا جعفر ملی اور مولانا شاہ جہاں ندوی کے نزدیک خاص صورتوں میں اور متہم مجہول الحال کو کشف حال تک قید میں رکھنے کی ضرورت پیش آسکتی ہے، اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ البتہ خواہ مخواہ تاخیر درست نہیں ہے۔

سوال نمبر ۹

اگر ملزم کو قید میں رکھا گیا ہو اور بعد کو عدالت نے اسے بری قرار دیا تو کیا وہ زمانہ قید میں ہونے والی ذہنی اذیت اور مالی ہرجانہ طلب کر سکتا ہے؟

اس بابت مقالہ نگاروں کی دو علاحدہ علاحدہ رائیں ہیں: ایک رائے یہ ہے کہ یہ قید تعزیری ہے، لہذا اسے مالی ہرجانہ کے مطالبہ کا حق نہیں ہے۔ یہ بات مولانا خورشید انور، مولانا خورشید احمد اور مفتی محبوب علی نے کہی ہے۔ مولانا نعیم اختر، مولانا راشد ندوی اور مولانا مغفور باندوی نے کہا ہے کہ صرف ذہنی اذیت کا ہرجانہ درست نہیں ہے۔ البتہ اگر قید میں کوئی جسمانی نقصان پہنچتا ہے تو اس کا معاوضہ طلب کیا جاسکتا ہے۔

دوسری رائے یہ ہے کہ ایسی صورت میں وہ مالی ہرجانہ طلب کرسکتا ہے۔ کیونکہ بسا اوقات باصلاحیت نوجوانوں کو صرف شک کی بنیاد پر اٹھالیا جاتا ہے، یا دشمنی کی خاطر نقصان پہنچانے کے لئے جھوٹے مقدمات میں پھنسا دیا جاتا ہے، اور اس میں عمر کا قیمتی مرحلہ اور تعلیم وغیرہ ضائع ہو جاتی ہے۔ یہ رائے مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا اقبال قاسمی، مولانا باقر ارشد، مولانا ظفر الاسلام، مولانا شاہ جہاں ندوی، مولانا ابرار ایوبی، مولانا عبد التواب، مفتی انور علی، مولانا اشتیاق احمد اور مولانا عبد الرشید قاسمی صاحبان کی ہے۔ راقم سطور بھی اسی رائے کو راجح سمجھتا ہے، کیونکہ ایسی صورت میں نہ صرف اس کو ذہنی اذیت پہنچتی ہے، بلکہ زبردست مالی نقصان بھی ہوتا ہے، عزت اور نیک نامی پر دھبہ لگ جاتا ہے، سماج میں اس کو کئی پہلو سے شدید نقصان لاحق ہو جاتا ہے۔ لہذا اس کو اس ہمہ جہتی نقصان کا پورا معاوضہ اور ہرجانہ ملنا چاہئے۔ اس ہرجانہ اور معاوضہ سے اس کے نقصان کی کچھ حد تک تلافی ہو سکے گی، اور سماج میں اس پر لگ جانے والے داغ کی کسی حد تک صفائی بھی ہو سکے گی۔

دوسری رائے کے قائلین کا استدلال درج ذیل ہے:

☆ منافع کا ضمان عند الاحناف گو کہ نہیں ہوتا، لیکن یہاں فساد زمانہ کو دیکھتے ہوئے اور ظلم کے سد باب کے لئے تلف منفعت کا ضمان دلانا عین مصلحت ہے۔ (مولانا اقبال قاسمی، مولانا شاہ جہاں ندوی، مولانا عبد الرشید قاسمی، مولانا ظفر الاسلام اعظمی)

2052

☆ حضرت علیؓ کا واقعہ کہ دولوگوں کی گواہی پر حضرت علیؓ نے چور کا ہاتھ کٹوا دیا۔ بعد میں دونوں گواہان نے کہا کہ مجرم کی شناخت میں غلطی ہوگئی۔ چور دوسرا شخص ہے، تو حضرت علیؓ سخت ناراض ہوئے، دونوں گواہوں کی شہادت کو باطل قرار دیا، اور متاثرہ شخص کو ان دونوں گواہان سے دیت دلوائی (مولانا ابرار ایوبی۔ موسوعۃ الفقہ الاسلامی المعاصر ۳/۲۴۹)۔

سوال نمبر ۱۰

قیدی کو اپنے مقدمات کے سلسلہ میں وکیل سے رابطہ اور صفائی پیش کرنے کے کیا حقوق حاصل ہیں؟

اس سوال کے جواب میں تمام مقالہ نگاران متفق ہیں کہ قیدی کو وکیلوں تک رسائی، اور صفائی پیش کرنے کے تمام حقوق حاصل ہوں گے۔ کیونکہ عام طور پر لوگ عدالت میں صفائی پیش کرنے کے طور طریقوں سے واقف نہیں ہوتے۔ نیز انھیں اپنے اوپر عائد الزام کے تعلق سے صلاح ومشورہ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

☆ مولانا خورشید انور نے اس پر استدلال کرتے ہوئے یہ حدیث نقل کی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا: "إذا تقاضی إلیک رجلان فلا تقض للأول حتی تسمع کلام الآخر" (ترمذی ۱/۲۴۸)۔

☆ مولانا اشتیاق احمد نے فتاوی عالمگیری کی عبارت نقل کی ہے: "إذا علم القاضي بأن الموکل عاجز عن البیان فی الخصومة یقبل منه التوکیل، کذا فی فتاوی قاضی خان" (۳/۲۷۶)۔

سوال نمبر ۱۱

کیا خواتین قیدیوں کو اپنے ساتھ شیرخوار بچوں کو جیل میں رکھنے کا حق حاصل ہے؟

بیشتر مقالہ نگاروں کی رائے ہے کہ بچہ کو ماں سے علاحدہ نہیں کیا جائے گا۔ اور ماں کو اجازت ہوگی کہ وہ شیر خوار بچہ کو اپنے ساتھ رکھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ماں کو اور اس کے شیر خوار بچہ سے جدا جدا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ مولانا اقبال قاسمی نے لکھا ہے کہ بچہ مدت رضاعت تک ماں کے پاس رہے گا۔ مولانا افتخار احمد کے نزدیک اس وقت تک رہے گا، جب تک وہ خورد ونوش پر قادر نہ ہو جائے۔ مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا اشتیاق احمد، مولانا عبدالرشید اور مفتی انور علی کے نزدیک چار سال تک رہے گا۔

مولانا خورشید احمد اعظمی اور مولانا باقر ارشد قاسمی کی رائے ہے کہ اگر بچہ ماں کے دودھ کے بغیر رہ سکتا ہے، یا باپ رضاعت وغذا کا نظم کر لیتا ہے تو بچہ کو جیل میں ماں کے پاس رکھنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ کیونکہ جیل کا ماحول بچہ کے لئے مفید نہیں ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ بچہ کے مفاد کی وجہ سے مطلقہ کو شہر سے باہر بچہ کو لے جانے کی اجازت نہیں دی جاتی ہے۔

دوسرا باب

تعارف مسئلہ

تعارف مسئلہ

قیدیوں کے حقوق - ایک تعارف

جناب عبدالرحیم قریشی ☆

کسی مجرم یا ملزم کو قید میں رکھنے کے دو اہم مقاصد ہیں: ایک یہ کہ معاشرے کی جرائم سے حفاظت کی جائے اور دوسرے یہ کہ مجرم کو قید سے چھوٹنے کے بعد قانون کا احترام و پابندی کرنے والا شہری بنایا جائے، پہلے مقصد کا تعلق زمانہ حال سے اور دوسرے مقصد کا تعلق مستقبل سے ہے۔ ان مقاصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ ضروری سمجھا گیا کہ معاشرے کو جرائم سے پاک اور محفوظ رکھنے کیلئے جہاں مجرمین کو ایک مدت کیلئے معاشرے سے الگ تھلگ کردیا جائے وہیں سنگین جرائم کی صورت میں مجرمین کو ایسی سزا دی جائے جس سے دوسرے عبرت حاصل کرسکیں۔

دوسرے مقصد یعنی قید کے دوران اس بات کی کوشش کہ قید خانے سے نکلنے کے بعد مجرم اب ایک بہتر اور اچھا شہری بنے یہ ضروری سمجھا گیا کہ قیدیوں کی جسمانی قوت اور صحت کو برقرار رکھا جائے اور کوشش کی جائے کہ دوران قید جسمانی قوت باقی رہے اور صحت متاثر نہ ہو۔ اسی طرح یہ بھی ضروری سمجھا گیا کہ قیدی کی اخلاقی حالت کو سدھارا جائے اُس میں اچھے اور برے کام میں امتیاز کرنے کی صلاحیت پیدا کی جائے اور برے کام سے اور جرائم سے نفرت کا جذبہ پیدا کیا جائے۔ قید کے سلسلہ میں اس کو بھی ضروری تصور کیا گیا کہ قیدیوں کی زمرہ بندی کی

☆ اسسٹنٹ جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ۔

جائے تا کہ عادی مجرموں اور بری طینت کے قیدیوں کی صحبت سے ان کو بچایا جائے کہ عادی مجرم اور سنگین جرم کرنے والے دوسرے قیدیوں پر اثر انداز نہ ہوسکیں۔ مستقبل کی بہتری کیلئے قید خانے میں تعلیم وتربیت اور خصوصاً پیشہ وارانہ تربیت کے انتظام کو ضروری سمجھا گیا تا کہ یہ قیدی سزا کاٹ کر چھوٹنے کے بعد اپنے پیر پر کھڑے ہونے کے قابل بن سکیں۔

قیدیوں سے برتاؤ کے بارے میں اقل ترین معیاری رولس (قواعد) اقوام متحدہ کی پہلی کانگریس نے منظور کیئے جو جنیوا میں ۱۹۵۵ء میں منعقد ہوئی تھی۔ ان قواعد کے توثیق یونیسکو نے ۱۹۵۷ء اور بعد ازاں ۱۹۷۷ء میں کی۔ ہندوستان میں برطانوی حکومت نے ۱۸۹۴ء میں قید خانون کا قانون یعنی The Prision Act مدون کیا۔ اسکے بعد ۱۹۰۰ء میں ایک اور قانون The Prisioner Act بنایا گیا ان قوانین کے تحت ریاستی (صوبائی) حکومتوں کو تفصیلی رولس مرتب کرنے کا اختیار دیا گیا۔ زیر نظر مضمون میں آندھرا پردیش کی ریاست میں نافذ The Andhra Pradesh Prision Rules (دی آندھرا پردیش پریزن رولس) کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ دیگر ریاستوں میں اُمید ہے کہ تھوڑے بہت فرق کے ساتھ ایسے ہی قواعد بنائے گئے ہوں گے۔

قیدیوں کی زمرہ بندی

اقوام متحدہ کے مرتبہ اقل ترین معیادی رولس کے تحت جہاں یہ بنیادی اُصول بیان کیا گیا کہ ان رولس کے اطلاق میں مکمل غیر جانبداری برتی جائے اور نسل، رنگ، جنس، زبان، مذہب، سیاسی یا دیگر نظریات، قومیت اور کسی سماجی طبقے سے تعلق، جائیداد، پیدائش وغیرہ کی بنیاد پر کوئی امتیاز نہ برتا جائے وہیں اس بات کی ضروری قرار دیا گیا ہے کہ جنس، عمر مجرمانہ سرگرمیوں کے ریکارڈ، قید کیے جانے کی قانونی وجہ اور برتاؤ کی دیگر ضرورتوں کے پیش نظر زمرہ

بندی کی جائے (رول نمبر ۸) چنانچہ ہمارے ملک میں بھی قید قانوں کے قواعد کے تحت تفصیلی زمرہ بندی موجود ہے، جو درج ذیل ہے۔

۱) خاتون قیدیوں کو مرد قیدیوں سے اس طرح الگ رکھا جائے کہ مرد قیدی ان کو نہ دیکھ سکے اور ان سے بات چیت نہ کر سکے۔

۲) مرد قیدیوں میں (۲۱) سال سے کم عمر کے قیدیوں کو اس سے بڑی عمر کے قیدیوں سے الگ کیا جائے اور علحدہ رکھا جائے۔

۳) (۲۱) سال سے کم عمر کے قیدیوں میں سے ان کو الگ کیا جائے جو ابھی بالغ نہیں ہوئے اور ان کا علحدہ انتظام کیا جائے۔

۴) سزا یافتہ مجرموں کو زیر سماعت قیدیوں (Undertrial) یعنی غیر سزا یافتہ قیدیوں سے الگ کیا جائے اور علحدہ رکھا جائے۔

۵) سیول قیدیوں کو فوجداری قیدیوں سے الگ رکھا جائے (سیول قیدی سے مراد وہ ہیں جنھیں رقمی جرمانہ ادا نہ کرنے کی وجہ سے قید کی سزا دی گئی یا کسی کے قرض کے نہ ادا کرنے پر قرض دینے والے نے اس پر مقدمہ کر کے قید کی سزا دلوائی یا وہ جو لگان یا کسی ٹیکس کی نہ دہندگی کی وجہ سے قید میں رکھے گئے۔) (دفعہ ۷ دی پرنیرن ایکٹ) اس زمرہ بندی کے علاوہ بھی ایک اور نوعیت کی زمرہ بندی ہے

۱) وہ قیدی جنھیں قید سادہ کی سزا سنائی گئی۔

۲) وہ قیدی جنھیں مشقت کی سزا سنائی گئی۔

۳) وہ قیدی جنھیں مدت العمر کی قید کی سزا سنائی گئی۔

۴) وہ قیدی جنھیں سزائے موت کا حکم سنایا گیا۔

طبقہ واری تقسیم

علاوہ ازیں قیدیوں کے تین طبقات قرار دیئے گئے ہیں ان طبقات کی تقسیم کیلئے دیگر باتوں کے علاوہ معیار زندگی اور سماجی مرتبے کو بنیاد بنایا گیا ہے۔ برطانیہ میں سماجی اونچ نیچ کا طبقہ واری نظام (Fuedal System) نافذ تھا اور ہندوستان میں بھی تقریباً تمام ہی فرقوں میں کسی نہ کسی نوعیت کی طبقہ واری تقسیم تھی اور طبقہ واری اونچ نیچ کا تصور موجود تھا۔ اس طبقہ واری تقسیم کے تحت کلاس اے قیدیوں کو کافی سہولتیں حاصل ہیں۔ اور وہ قیدی جو عادی مجرم نہ ہوں اور جو سماجی رتبے تعلیم اور طرز زندگی کی وجہ سے اعلیٰ معیار کی زندگی گذارتے رہے ہوں اور جو کسی ایسے جرم میں ملوث نہ ہوں جو ظالمانہ ہوں جس میں اخلاقی گراوٹ ہو جو عورتوں اور بچوں کے خلاف کیا گیا ہو یا جو دھماکہ اشیاء اور آتشی اسلحہ کے جرم سے متعلق ہو۔ ایسے مجرمین اے کلاس برتاؤ کے مستحق ہوں گے۔ بی کلاس کیلئے بھی تقریباً شرائط یہی ہیں۔ البتہ ایک عادی مجرم بھی بی کلاس کا قیدی قرار دیا جا سکتا ہے۔

مختلف زمروں کے قیدیوں سے برتاؤ اور انکے حقوق کا جائزہ لینے سے پہلے اے بی اور سی کلاس قیدیوں کے ساتھ سلوک کا جائزہ لیں گے۔ اے کلاس قیدی کو اس بات کی اجازت ہوگی کہ وہ پھل اور میوہ خرید سکیں یا منگوا سکیں اور اسی طرح تغذیہ بخش اشیاء جیسے بسکٹ، کوکو اور اوٹیلن خریدیں یا منگوا سکیں انکو اس بات کی بھی اجازت ہوگی کہ محنت اور کام کے اوقات سے ہٹ کر اوقات میں اپنے ملبوسات پہن سکیں اور سونے کیلئے اپنا بستر منگوا سکیں۔ اے کلاس قیدی کو ہر ہفتہ ایک خط لکھنے یا وصول کرنے کی اجازت ہوگی اور پندرہ دن میں ایک مرتبہ قریبی رشتہ داروں اور دوستوں سے ملاقات کی اجازت ہوگی۔ اگر اے کلاس قیدی کو قید با مشقت کی سزا سنائی گئی ہو تو اسکے کردار، سابقہ طرز زندگی، صلاحیت اور صحت کے تمام معاملات پر غور کرتے ہوئے اسی نوعیت کی محنت کا کام لیا جائے گا۔ اے کلاس قیدی کو پکوان اور کھانے پینے کیلئے برتن منگوانے کی

اجازت ہوگی۔شیو بنانے کیلئے ریزر یا استرہ رکھنے کی اجازت ہوگی اور صابن سر کے بالوں کیلئے تیل، مالش کا تیل، ٹوتھ پیسٹ یا ٹوتھ پاوڈر اور برش استعمال کرنے کی اجازت ہوگی۔لیکن یہ چیزیں اسکو اپنے پیسوں سے حاصل کرنا ہوگا۔اے کلاس قیدی کو دیئے جانے والے فرنیچر میں ایک چار پائی ایک میز ایک کرسی ایک کموڈ، ہاتھ منہ دھونے کیلئے بیسن اور ایک برتن، پانی کیلئے جگ، پڑھنے کی کتابوں کیلئے بک شیلف اور رات میں پڑھنے کیلئے لیمپ یا الکٹرک بلب دیا جائے گا۔اپنے آرام کیلئے کسی اور فرنیچر کی ضرورت ہوگی تو وہ اپنے خرچ پر منگوا سکتا ہے۔کوشش یہ ہوگی کہ اے کلاس کے ہر قیدی کو ایک الگ کوٹھری ملے۔

بی کلاس کے قیدیوں کو تقریباً وہی سہولتیں حاصل ہوں گی جو اے کلاس کے قیدیوں کو حاصل ہیں البتہ بی کلاس کے ہر قیدی کو الگ کوٹھری نہیں دی جائے گی بلکہ یہ وارڈ میں رکھے جائیں گے۔اور وارڈ میں ہر ایک کیلئے میز کی بجائے ایک بڑا میز ہوگا جسکے اطراف کرسیاں یا بنچیس قیدیوں کیلئے ہوں گے۔بی کلاس کے قیدیوں کو اپنے گھر سے پکوان اور کھانے کے برتن منگانے کی سہولت حاصل نہ ہوگی۔اے کلاس کی کوٹھریاں قید خانے کے وارڈس اور کمروں کو بند کیئے جانے کے وقت کے بعد بھی مزید ایک گھنٹے تک کھلی رہیں گی جبکہ بی کلاس کے وارڈس عام وقت کے ساتھ ہی بند کئے جائیں گے۔اے کلاس کے ہر قیدی کو ایک آئینہ دیا جائے گا جبکہ بی کلاس کے وارڈس میں ایک یا دو آئینے لگائے جائیں گے۔اے کلاس اور بی کلاس دونوں طبقات کے قیدیوں کو اپنے صرفے پر مچھر دان منگوانے کی اجازت ہوگی۔

اے اور بی کلاس کی خاتون قیدیوں کو کانچ کی چوڑیاں پہننے کی اجازت ہوگی اور شادی شدہ ہندو خاتون قیدی منگل سوتر پہنی رہ سکیں گی۔

اے اور بی کلاس کے ان قیدیوں کو جنھیں اپنی ہی کوٹھری یا اپنے ہی وارڈ میں کام دیا جائے گا ان کو میڈیکل آفیسر کی سفارش پر ایک گھنٹہ کھلی ہوا میں چہل قدمی اور ایکسر سائز کی

اجازت ہوگی۔

اے اور بی کلاس کے قیدیوں کو اپنے خرچے سے روزنامہ اخبارات ورسائل اور کتابیں منگانے کی اجازت ہوگی۔

سی کلاس کے قیدی کو ان تمام سہولتوں سے جو اے کلاس اور بی کلاس کے قیدیوں کو فراہم کی جاتی ہیں استفادہ کا کوئی حق نہ ہوگا۔

مذہبی عقائد اور اخلاقی ضابطہ کا احترام

اقوام متحدہ کے مرتبہ اقل ترین معیاری رولس میں ایک بنیادی اصول یہ بتایا گیا ہے کہ قیدیوں کے مذہبی عقائد اور اخلاقی ضوابط کا احترام کیا جائے گا۔یہی بات ہمارے ملک کے قواعد میں بھی ملتی ہے کہ ہندوؤں کو سر پر شینڈھی رکھنے کی اجازت ہوگی لیکن اسکی گولائی ساڑھے سات سنٹی میٹر سے زائد اور لانبائی پندرہ سنٹی میٹر سے زائد نہ ہوسکے گی۔تمام قیدیوں کی مونچھیں اور داڑھیاں کتر کے باریک کی جائیں گی لیکن مسلمانوں کو ۵،۲ سنٹی میٹر تک لانبی داڑھی رکھنے کی اجازت ہوگی۔سکھوں کے بالوں کو نہ کاٹا جائے گا نہ چھوٹا کیا جائے گا البتہ میڈیکل آفیسر کسی میڈیکل وجہ سے ایسا چاہے تو بال چھوٹے کئے جاسکتے ہیں اور کاٹے جاسکتے ہیں (رول نمبر ۲۵۶ (۲))۔

صبح قیدیوں کو نیند سے بیدار کرنے کیلئے پربھات پھیری کا انتظام ہوگا یہ پربھات پھیری تین تا پانچ قیدیوں پر مشتمل ہوگی جو ایسے بھجن گاتے ہوئے پھریں گے جو غیر مذہبی اور غیر فرقہ وارانہ نوعیت کے ہوں گے (رول نمبر ۲۵۹ (بی))۔

رول (۲۸۶) (ا) میں کہا گیا ہے کہ قیدیوں کے مذہبی اور ذات پات پر مبنی احساسات میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کی جائے گی ایسی مداخلت کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔اسی

رول کی شق نمبر (۲) میں کہا گیا ہے کہ کسی مذہبی یا ذات واری تقریب یا رسم کیلئے قیدیوں کا اجتماع کرنے کی قطعاً اجازت نہیں ہوگی شق نمبر (۳) میں ان مواقع کا ذکر کیا گیا ہے جب کہ قیدیوں کو برت یا روزہ رکھنے کی اجازت ہوگی۔ مسلمانوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ ماہ رمضان کے (۳۰) دن محرم کی (۱۰) تاریخ کو (۱۵) شعبان کو اور (۹) ذی الحجہ کو روزے رکھ سکیں گے۔ شق نمبر (۴) میں مذہبی یا خیراتی اداروں اور افراد کی جانب سے جیل خانے کے سپرنٹنڈنٹ سے اجازت لے کر میڈیکل آفیسر کے معائنہ کے بعد تہوار، عید اور دیگر تقریبات کے موقعوں پر پھل اور مٹھائیاں قیدیوں میں تقسیم کرنے کی سہولت فراہم کی گئی ہے۔ رول (۲۹۳) میں کہا گیا ہے کہ کسی امام، پجاری یا پادری کو کسی قیدی تک پہنچنے کی کوئی اجازت نہیں ہوگی۔ البتہ یہ اپنے عقیدے اور اپنے مسلک کے اس قیدی سے مل سکیں گے جسکو موت کی سزا سنائی گئی ہو۔ ایک ہی مذہب کے ہونے کے باوجود اگر فرقہ الگ ہو تو یہ اجازت حاصل نہیں ہوگی تا آنکہ قیدی اپنی مرضی سے ایسے مذہبی پیشوا سے ملنے کی خواہش ظاہر کرے۔

جہاں مذہبی پیشوا کی قیدیوں سے ملاقات ممنوع ہے وہیں رول (۲۹۲) کے تحت اخلاقی نوعیت کے لیکچرس کی اجازت حاصل ہے اس شرط پر کہ اخلاقی تعلیم کے لبادے میں مذہب بدلنے کی نیت سے کسی مذہبی عقیدے کا پرچار نہ کیا جائے۔ ایسے لیکچر دینے والوں کا انتخاب پولیس کمشنر یا ڈسٹرکٹ کلکٹر کے مشورے سے قید خانوں کا انسپکٹر جنرل کرے گا۔ جیل کے سپرنٹنڈنٹ کی یہ کوشش ہوگی کہ معروف اداروں کے ٹیچرس اور لیکچررس کو جیل کی چھٹیوں اور اتوار کے دن قیدیوں کے استفادہ کیلئے غیر سیاسی موضوعات پر لیکچر دینے کی دعوت دے۔ کسی ٹیچر یا لیکچرر کو ایسے لیکچر کیلئے جیل کے سپرنٹنڈنٹ سے لیکچر کا موضوع بتا کر قبل از قبل باضابطہ اجازت حاصل کرنی ہوگی جیل سپرنٹنڈنٹ کی جانب سے مدعو کئے گئے ٹیچرس اور لیکچررس کو قاعدے کے مطابق شرح پر سواری الاونس دیا جائے گا۔

رول (۳۰۴) کے ذریعے کسی قیدی کے مذہب تبدیل کرنے یا عقیدہ تبدیل کرنے کی کوشش کی ممانعت ہے اسی طرح دوسروں کے مذہبی جذبات اور عقیدے کو عمداً ٹھیس پہنچانے کی ممانعت بھی کی گئی اور قیدیوں کو پابند کیا گیا ہے کہ وہ ذات پات یا مذہبی احساسات کی بنیاد پر کوئی مطالبہ یا ایجی ٹیشن نہ کریں۔

قیدیوں کی تعلیم وتربیت کے سلسلے میں رول (۲۹۴) میں یہ کہا گیا ہے کہ ایسے سزا یافتہ قیدیوں کیلئے جو دلچسپی رکھتے ہوں تعلیمی سہولتیں فراہم کی جائیں گی رول (۲۹۵) کے تحت ہر سنٹرل جیل اور ڈسٹرکٹ جیل میں ابتدائی تعلیم کا اسکول رہے گا۔ جس میں مطلوبہ لیاقت رکھنے والے ٹیچرس کام کریں گے اور اس میں اسکول کی تمام سہولتیں دستیاب ہوں گی۔ (۲۹۶) کے تحت یہ بتایا گیا ہے کہ ابتدائی (Elementry) درجات کی تعلیم کے آگے زیر سماعت (غیر سزا یافتہ) قیدیوں کیلئے علحدہ کلاس منعقد ہوگی۔ اور جو قیدی ابتدائی درجات سے آگے پڑھنا چائیں انہیں ضروری کتابیں اور دیگر سہولتیں فراہم کی جائیں گی۔ اسی دفعہ میں یہ بھی کہا گیا کہ ڈسٹرکٹ ایجو کیشن آفیسر اور اسکے اسٹنٹ قید خانے کے اسکول کا معائنہ کیا کریں گے اور تعلیم میں دلچسپی رکھنے والوں کی ضرورتوں کا جائزہ لے کر قید خانے کے حکام کو مشورہ دیں گے۔ علاوہ ازیں کسی فن یا ہنر کی تربیت کا بھی انتظام ہوگا اور اس پیشہ وارانہ تعلیم کی اہمیت اور ضرورت کو جیل کے حکام پیش نظر رکھیں گے۔

حفظان صحت وطبی امداد

اقوام متحدہ کے مرتبہ معیاری اقل ترین رولس میں اس بات کو ضروری قرار دیا گیا کہ صفائی کا خاص خیال رکھا جائے اور حوائج فطریہ سے فراغت کیلئے جو انتظام ہو وہ صاف ستھرا اور عمدہ ہو۔ غسل اور نہانے کی سہولتیں فراہم کی جائیں اور قید خانے کے تمام حصوں کو ہر وقت صاف

ستھرا رکھا جائے۔ (رولس ۱۲، ۱۳ اور ۱۴) قیدیوں کی صحت کے تعلق سے قواعد میں اس پر زور دیا گیا ہے کہ صحت اور صفائی کے نقطہ نظر سے مناسب مقدار میں پانی کا انتظام کیا جائے اور جوائج ضروریہ کے ٹائلیٹ اور اسکی چیزیں صاف ستھری ہوں نیز سر اور داڑھی کے بالوں کو اچھی حالت میں رکھنے کی سہولت فراہم کی جائے۔ اور جو شیو کرتے ہیں انکو اسکی سہولت فراہم کی جائے۔ (رولس نمبر ۱۵، ۱۶)۔

طبی خدمات کے تعلق سے قاعدہ بتایا گیا ہے کہ ہر قید خانے میں کم از کم مطلوبہ لیاقت رکھنے والا میڈیکل آفیسر ہونا چاہیئے جو نفسیاتی امراض کے بارے میں بھی جانتا ہو۔ بیمار قیدیوں کو قید خانے کے دواخانے میں یا سیول دواخانوں میں منتقل کیا جائے دانتوں کے ڈاکٹر کی خدمات بھی دستیاب رہیں۔ جن قید خانوں میں خاتون قیدیوں کیلئے انتظام ہو وہاں قبل زچگی اور بعد زچگی علاج و نگہداشت کا معقول انتظام ہو۔ کوشش ہو کہ بچے کی پیدائش قید خانے کی بجائے اس کے باہر کسی ہسپتال میں ہو۔ اور اگر بچے کی پیدائش قید خانے میں ہو جائے تو اس کا ذکر پیدائش کے صداقت نامے (برتھ سرٹیفکیٹ) میں نہ کیا جائے۔ قید خانے میں تربیت یافتہ نرسنگ اسٹاف شیر خوار بچوں کی دیکھ بھال اور نگہداشت کیلئے رکھا جائے (رولس ۲۲، ۲۳)۔

میڈیکل آفیسر کے بارے میں ان رولس میں یہ کہا گیا ہے کہ کسی قیدی کے قید خانے میں داخلے کے ساتھ ہی میڈیکل آفیسر اس کا طبی معائنہ کرے گا اور اسکے بعد جب ضرورت محسوس ہو طبی معائنہ کیا جائے گا۔ ایسے قیدیوں کو جن میں متعدی امراض کا شبہ پایا جائے ان کو دیگر قیدیوں سے علحدہ کیا جائے گا۔ ہر قیدی سے محنت و کام لینے کی صلاحیت کا تعین میڈیکل آفیسر کرے گا۔ میڈیکل آفیسر قیدیوں کی جسمانی اور دماغی صحت کا خیال رکھے گا اور تمام بیمار قیدیوں کا روز معائنہ کرے گا۔ کسی قیدی کی جسمانی یا دماغی صحت مسلسل قید یا قید کی کسی حالت کیوجہ سے متاثر ہونے کی صورت میں ایسے قیدی کے بارے میں قید خانے کے انتظامی عہدہ دار کو اطلاع

دے گا (رولس نمبر ۲۴، ۲۵)۔

میڈیکل آفیسر کی یہ بھی ذمہ داری ہوگی کہ وہ باقاعدگی کے ساتھ قیدیوں کو دی جانے والی غذا کی مقدار و کیفیت، قید خانے میں صفائی اور حفظان صحت کا انتظام ہوا روشنی، گرمی وار ٹائلیٹس کے انتظام، قیدیوں کے کپڑوں اور بستر کی موزونیت، قیدیوں کیلئے فزیکل ایکسرسائیز اور اسپورٹس کے انتظام کا معائنہ کرے اور ان امور کے تعلق سے قید خانے کے انتظامی عہدہ دار کو مشورہ دے۔ یہ انتظامی عہدہ دار اس مشورے پر فوری عمل کرے گا اور قدم اٹھائے گا اور اگر ایسا قدم اٹھانا اسکے اختیارات میں نہ ہو تو فوری میڈیکل آفیسر کے مشورے کے ساتھ اپنی رپورٹ اعلیٰ عہدہ دار کو روانہ کرے گا۔

حفظان صحت اور طبی خدمات کے تعلق سے اقوام متحدہ کے مرتبہ ان اصولوں کو ملک کے قانون اور قواعد میں پیش نظر رکھا گیا ہے اور ہر قید خانے میں صفائی ستھرائی کے انتظام کے ساتھ میڈیکل آفیسر کا تقرر کیا جاتا ہے۔

ہتھکڑیوں اور بیڑیوں کا استعمال

اقوام متحدہ کے مرتبہ معیاری اقل ترین رولس کے رول نمبر ۳۳ میں یہ کہا گیا ہے کہ بطور سزا کسی قیدی کو ہتھکڑیوں، بیڑیوں اور زنجیروں میں جکڑا نہیں جائے گا اور قیدی کی نقل وحرکت کو روکنے کیلئے زنجیروں اور آہنی اشیاء کا استعمال نہیں کیا جائے گا۔ لیکن جیل سے باہر کسی قیدی کو منتقل کرنے کے دوران یا میڈیکل آفیسر کے ڈائرکشن پر جو طبی وجوہات سے دیا گیا ہو یا کسی قیدی کو خود اپنے آپکو زخمی کر لینے یا دوسرے کو زخمی کرنے یا کسی شئے کو نقصان پہنچانے سے روکنے کیلئے ہتھکڑی بیڑی یا زنجیر کا استعمال کیا جا سکتا ہے۔

آندھرا پردیش پریزن رولس میں کہا گیا ہے کہ ہتھکڑیوں اور بیڑیوں کا استعمال کسی

قیدی پر سزا کے طور پر نہیں کیا جائے گا۔ البتہ تحفظ کے نقطہ نظر سے ہتھکڑی لگائی جاسکتی ہے اور بیڑیاں پہنائی جاسکتی ہیں (رول نمبر ۳۱۱)۔

دی پریزن ایکٹ ۱۸۹۴ء کی دفعہ ۵۶ کے تحت قید خانے کے سپرنٹنڈنٹ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اگر وہ کسی قیدی کی حالت یا اسکے کردار یا اسکی سلامتی کے نقطہ نظر سے ضروری سمجھے تو وہ ہتھکڑی بیڑی یا زنجیر اس قیدی کو پہنانے کا حکم دے سکتا ہے۔ اسی قانون کی دفعہ (۵۷) میں بتایا گیا ہے کہ جن قیدیوں کو تا عمر قید کی سزا دی جائے قید خانے میں داخلے کے بعد ان کو پہلے تین مہینے بیڑیاں پہنا کر رکھا جاسکتا ہے اور سپرنٹنڈنٹ قید خانوں کے انسپکٹر جنرل سے توثیق حاصل کر کے تین مہینے کے بعد بھی بیڑیاں پہنائے رکھنے کا حکم دے سکتا ہے۔ دیگر قیدیوں کے بارے میں دفعہ ۵۸ میں کہا گیا ہے کہ فوری ضرورت کے حالات کے سوا کسی قیدی کو لوہے یا کسی میکانیکل آلہ میں جکڑا نہیں جائے گا۔ آندھرا پردیش پریزن رولس کے تحت رول نمبر (۵۴۶) میں کہا گیا ہے کہ کسی قیدی کو بیڑی نہیں پہنائی جائے گی بجز ایسی صورت کہ جبکہ یہ قیدی نظم وضبط توڑنے والا 'تشدد پر آمادہ ہو یا خطرناک بن گیا ہو۔ قید خانے کے سپرنٹنڈنٹ کو اس بات کا اختیار ہوگا کہ کھلی جیل میں رکھے گئے تمام یا کسی قیدی کو بیڑیاں پہنانے کے ہدایت دے کہ ایسی جیل دیواروں کے حصار میں نہیں ہوتیں۔ دفعہ (۵۴۸) کے تحت کسی قیدی کو ہتھکڑی پہنائی جاسکتی ہے اگر قید خانے کے سپرنٹنڈنٹ کے رائے میں ایسا کرنا خود قیدی کی حفاظت یا کسی اور وجہہ سے ضروری ہو۔ اسی رول کے تحت یہ بھی اجازت دی گئی ہے کہ تشدد پر آمادہ اور خطرناک خاتون قیدی کو بھی ہتھکڑی پہنائی جاسکتی ہے۔ اگر خاتون قیدی کے بارے میں یہ اندیشہ ہو کہ وہ خود کو زخمی کرلے گی تو ایسی صورت میں بھی اسکو ہتھکڑی پہنائی جاسکتی ہے لیکن تھوڑے تھوڑے وقفہ سے ہتھکڑی کھولنا ضروری ہے تا کہ بازو اور ہاتھ کو آرام ملے۔ ان صورتوں کے علاوہ کسی اور صورت میں کسی خاتون قیدی کو ہتھکڑی نہیں پہنائی جاسکتی۔ رول (۵۴۹) کے تحت کسی خاتون کے علاوہ کسی بچہ قیدی' سیول

قیدی یا ایسے قیدی کو بیڑیاں نہیں پہنائی جاسکتی جسکی عمر یا جسمانی کمزوری یا شدید بیماری کی بناء پر میڈیکل آفیسر نے یہ رائے دی ہو کہ اسکو بیڑیاں پہنانا مناسب نہیں ہے۔ رول (۵۵۰) میں بتایا گیا ہے کہ درج ذیل قیدیوں کو بیڑیاں نہیں پہنائی جائیں گی۔

الف) ایسا قیدی جسکی مدت قید چھ مہینے سے کم رہ گئی ہو۔

ب) ایسا قیدی جو اپنی قید کی معیاد کا تین چوتھائی حصہ کاٹ چکا ہو۔

ج) ایسا قیدی جو کسی تعزیری جرم میں ماخوذ ہو لیکن عدالت نے ابھی اسکو سزا نہ سنائی ہو۔

د) وہ قیدی جسکو سزائے موت سنائی گئی ہو۔

اگر جیل خانے کا سپرنٹنڈنٹ ان میں سے کسی قیدی کو بیڑیاں پہنانا ضروری سمجھے تو اسکو تحریر میں ان وجوہات کا ذکر کرنا پڑے گا جن کی بناء پر وہ انکو بیڑیاں پہنانا ضروری سمجھتا ہے۔

دی پریزن ایکٹ کی دفعہ (۴۶) کی رو سے سول قیدی کو ہتھکڑیاں بیڑیاں پہنانے سے مستثنی قرار دیا گیا ہے۔

مختلف زمروں کے قیدیوں کے حقوق

الف) سیول قیدی

دی پریزن ایکٹ ۱۸۹۴ء کی دفعہ (۳۱) کے تحت ایک سیول قیدی کو چند شرائط کے تحت اپنی غذا اپنے کپڑے اپنا بستر اور دیگر ضروریات کی اپنی چیزیں حاصل کرنے اور استعمال کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ دفعہ (۳۳) کے تحت کہا گیا ہے کہ اگر سیول قیدی اپنے طور پر یہ چیزیں حاصل نہ کر سکے تو قید خانے کا سپرنٹنڈنٹ اسکو کپڑے اور بستر فراہم کرے گا۔ دفعہ (۳۴) کے تحت ایک سیول قیدی سپرنٹنڈنٹ کی اجازت سے کام یا محنت کر سکتا ہے اور اس کام کی پوری اجرت پاسکتا

ہے۔ دفعہ (۴۰) کے تحت سیول قیدی کو ملاقاتیوں سے ملنے کی اجازت دی جا سکے گی۔

آندھرا پردیش پریزنس رولس کے تحت کسی سیول قیدی کو اگر اسکی مرضی نہ ہو تو کام یا محنت کرنے پر نہیں لگایا جا سکتا۔ اور سیول قیدی کو سیول قید خانے میں یا قید خانے کے علحدہ حصے میں جو سول قیدیوں کیلئے مختص ہو رکھا جائے گا مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر سول قیدی کو ایک کمرہ یا ایک کوٹھڑی دی جائے۔ جو سول قیدی قرض کی نادہندگی کی وجہ سے قید میں بھیجا گیا ہو اسکو یہ حق ہوگا کہ اپنے خلاف عدالت کی ڈگری حاصل کرنے والے شخص کو کپڑے اور بستر فراہم کرنے کیلئے کہے۔ بہ صورت دیگر جیل خانے کا سپرنٹنڈنٹ جو کپڑے فراہم کرے گا وہ ایک سوتی جوڑے ایک چٹائی یا ایک سوتی کارپیٹ اور ایک چادر پر مشتمل ہوگا۔ سرما کے مہینوں میں ایک اونی بلانکیٹ یا ایک کمبل دی جائے گی (رولس ۷۰۴ تا ۷۰۷)

رول (۷۱۰) کے تحت ایک سیول قیدی جیل کے باہر سے صرف پکوان کا راشن منگا سکتا ہے۔ پکا ہوا کھانا نہیں منگا سکتا۔ رول (۷۱۷) میں یہ بتایا گیا ہے کہ قرض کی نادہندگی کی بناء پر قید کی سزا پانے والے کو قید خانے میں اس وقت تک داخل نہیں کیا جائے گا جب تک کہ اسکی غذا کے ماہانہ اخراجات اسکے کھلانے پلانے کے انتظام کا خرچ اسکو لانے لیجانے کے اخراجات جمع نہ کروا دیئے جائیں۔ اور وقفہ وار ادائیگی کی صورت میں اگر وقت پر اس قیدی کے اخراجات کی ادائیگی نہ ہو تو جیسے ہی پچھلی ادائیگی کی معیاد پوری ہوگی اسکو رہا کر دیا جائے گا۔

ب) زیر سماعت (غیر سزا یافتہ) قیدی

اقوام متحدہ کے مرتبہ معیاری اقل ترین رولس میں رول (۸۴) میں کہا گیا ہے کہ ان قیدیوں کو جب تک کہ انکے خلاف عدالت کا فیصلہ نہیں ہوتا اور انھیں مجرم نہیں قرار دیا جاتا بے قصور تصور کیا جائے گا۔ اقوام متحدہ کے ان رولس میں رول ۸۴ تا رول ۹۳ میں انکے مختلف

حقوق بیان کئے گیئے ہیں اور ایسے حقوق ان قیدیوں کو ملک کے قانون اور ملک میں رائج رولس کے تحت حاصل ہیں۔

دی پریزن ایکٹ ۱۸۹۴ء کی دفعہ (۲۷) میں کہا گیا ہے کہ ان قیدیوں کو سزا یافتہ قیدیوں اور سیول قیدیوں سے الگ اور دور رکھا جائے گا۔ دفعہ (۳۱) کے تحت ان کو اپنی غذا' اپنے کپڑے' اپنا بستر اور دیگر ضرورتوں کی اپنی چیزیں حاصل کرنے اور استعمال کرنے کی اجازت ہوگی۔ اگر یہ چیزیں وہ اپنے طور پر حاصل نہ کرنا چاہیں تو قید خانے کا سپرنٹنڈنٹ انکو کپڑے اور بستر فراہم کرے گا جس طرح کے ایسی صورت میں سیول قیدیوں کو فراہم کیا جاتا ہے ۔دفعہ (۴۰) کے تحت انھیں بھی ملاقاتیوں سے ملنے کی اجازت ہوگی۔

آندھرا پردیش پریزن رولس کے تحت غیر سزا یافتہ قیدیوں کو دو طبقوں میں تقسیم کیا جائے گا اسپشیل (خاص) اور آرڈیزی (عام)) اسپشل کلاس ان پر مشتمل ہوگی جو اپنے سماجی رتبے' تعلیم اور اپنی زندگی کی عادتوں کے لحاظ سے اعلیٰ معیار کی زندگی گذارنے کے عادی ہوں۔ اس تعلق سے قید میں بھیجنے والی عدالت اپنی سفارش ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کو لکھے گی اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی توثیق کے بعد کسی غیر سزا یافتہ قیدی کو اسپشیل کلاس کی سہولتیں ملیں گی۔ (رول ۷۳۰)

اگر زیر سماعت قیدی کی معافی یافتہ گواہ (Approver) بننے کی درخواست کو عدالت منظوری دیدے تو اسکو تمام اوقات دوسروں سے علحدہ رکھا جائے گا اور جس کیس میں ماخوذ ہے اس کیس سے متعلق دیگر قیدیوں سے ملنے' بات کرنے ربط قائم کرنے سے روک دیا جائے گا (رول ۷۳۱)۔

ایسے کسی قیدی کو کام یا محنت پر نہیں لگایا جائے گا۔ (رول نمبر ۷۳۲)

ایسے قیدی باہر سے پکوان کی اشیاء منگا سکیں گے۔ لیکن اگر وہ ایسا نہ کر سکتے ہوں تو قید خانے سے انکو کھانا فراہم کیا جائے گا۔ اسپشیل کلاس کے قیدی کو اے کلاس کے معیار کا اور

آرڈنیری کلاس کے قیدی کو سی کلاس کے معیار کا کھانا دیا جائے گا۔ (رول ۷۳۳)

ان قیدیوں کو اپنے سر کے بال منڈھوانے یا چھوٹے کرانے یا چہرے کی ایسی شیو بنانے یا اپنے حلیہ کو اس طرح تبدیل کرنے کی اجازت نہ ہوگی جس سے انکی شناخت مشکل ہوجائے (رول ۷۳۵)

جہاں تک ممکن ہوسکے ایسے ہر قیدی کو ایک کوٹھڑی فراہم کی جائے گی۔ قید خانے کے اس حصے کا صحن کئی حصوں میں تقسیم کیا جائے گا جو اس سے پہلے جیل میں آچکے ہیں ان کا حصہ الگ ہوگا۔ بلوغت کی عمر میں داخل ہونے والوں کا حصہ بالغوں سے الگ ہوگا۔ اسپشل کلاس کا حصہ آرڈنیری کلاس سے الگ ہوگا۔

ج) قید سادہ کی سزا پانے والے قیدی

دی پریزن ایکٹ ۱۸۹۴ء کی دفعہ (۳۶) میں بتایا گیا ہے کہ ایسے قیدی کو بھی قید خانے کا سپرنٹنڈنٹ کام یا محنت پر لگائے گا مگر اس کام یا محنت سے غفلت کی بناء پر اس کو سزا نہیں دی جائے گی البتہ اسکی غذا کی مقدار اور کیفیت میں تبدیلی کی جاسکے گا۔

دی آندھرا پردیش پریزن رولس کے تحت اگر سپرنٹنڈنٹ ایسے قیدی کو کسی کام یا محنت پر لگائے اور وہ قیدی اطمینان بخش انداز میں کام انجام دے تو اسکی بنیاد پر معیاد قید میں کمی کی جاسکے گی (رول ۷۵۴)

ایسے قیدی کو خود اپنے وارڈ کی صفائی کرنی ہوگی اپنے کپڑوں کو دھونا ہوگا اپنے کپڑوں اور بستر کو صاف ستھرا رکھنا ہوگا اور ہر روز اپنے بستر کو تہہ کرنے کے بعد اگر موسم اجازت دے تو دھوپ میں رکھنا ہوگا اور انھیں خود کا اور دوسرے قیدیوں کا کھانا پکانے پر لگایا جاسکے گا۔ البتہ دوسرں کے گھٹیا کام کرنے اور نیچے درجے کا کام کرنے پر انھیں مجبور نہیں کیا جائے گا (رول ۷۵۵)۔

ان کو ہر روز صبح ایک گھنٹے تک چہل قدمی یا ایکسرسائیز کرنی ہوگی اور میڈیکل آفیسر کے مشورے کی صورت میں شام میں ایکسرسائیز یا چہل قدمی کرنا ہوگا (رول ۷۵۶)۔

ان کو اپنے خود کے کپڑے پہننے کی اجازت ہوگی۔ اگر یہ کپڑے ناکافی ہوں تو قید خانوں کے کپڑوں سے اسکی تلافی کی جائے گی۔ اگر ایسا قیدی فوجی ہو تو کسی صورت فوجی یونیفارم پہننے کی اجازت نہیں ہوگی (رول ۷۵۷)۔

د) قید تنہائی کی سزا پانے والے قیدی:

دی پریزن ایکٹ کی دفعہ (۲۹) میں کہا گیا کہ ایسے قیدی کی کوٹھڑی میں رابطے کے وسائل فراہم کئے جائیں اور دن میں کم سے کم ایک مرتبہ میڈیکل آفیسر یا اسٹنٹ سرجن اس کا معائنہ کریں۔

دی آندھرا پردیش پریزن رولس کے رول نمبر (۷۶۰) میں بتایا گیا ہے کہ کسی سال میں (۸۱) دن قید تنہائی سے بڑھ کر قید تنہائی کی سزا نہیں دی جاسکتی۔ رول (۷۶۳) میں کہا گیا ہے کہ کسی قیدی کو قید تنہائی میں اسی وقت رکھا جائے جبکہ میڈیکل آفیسر یہ تصدیق کرے کہ یہ قیدی قید تنہائی کو برداشت کرنے کے قابل ہے۔ رول (۷۶۶) کے تحت میڈیکل آفیسر کے مشورے پر صحت کی برقراری کی کے نقط نظر سے ایسے قیدی کو کھلی ہوا میں ایکسرسائیز کرنے کی اجازت ہوگی، رول (۷۶۷) میں کہا گیا ہے کہ ایسے قیدی کا بستر ون کے اوقات میں اس کی کوٹھڑی سے باہر نکال کر دھوپ میں رکھا جائے گا۔ اور رول (۷۶۸) کے تحت اس کوٹھڑی کو اچھی طرح صاف ستھرا رکھنا ضروری ہے۔ رول (۷۶۹) کے تحت سپرنٹنڈنٹ، جیلر، میڈیکل آفیسر اور اسٹنٹ سرجن کی ذمہ داری قرار دی گئی ہے کہ وہ روزانہ ہر ایسے قیدی سے ملیں اور معائنہ کریں۔

ھ) عمر قید کی سزا پانے والے قیدی

رول (۱۷۷) کی رو سے ایسے قیدیوں کے لئے بڑے قید خانوں میں جنھیں سنٹرل پریزن قرار دیا گیا ہو علیحدہ رکھنے کا انتظام کیا جائے گا۔ اور ان کو کسی کام یا محنت میں لگانے کے سلسلہ میں اس بات کو بھی پیش نظر رکھا جائے گا کہ یہ کئی ہنر حاصل کر سکیں۔ خاندان کے معاملات میں دلچسپی لینے کی ہمت افزائی کی جائے گی اور اس غرض کیلئے افراد خاندان سے ملاقات اور ان کو خط لکھنے اور ان کے خطوط وصول کرنے کے زیادہ مواقع فراہم کئے جائیں گے۔

و) موت کی سزا پانے والے قیدی:

دی آندھرا دیش پریزن رولس میں کہا گیا ہے کہ ایسے قیدی کو کالی کوٹھری (Condemned Cell) میں رکھا جائے گا اور حکومت سے خصوصی منظوری حاصل کیئے بغیر انکو قید خانے کے دواخانے میں بھی منتقل نہیں کیا جائے گا۔ کسی کو کوٹھری تک جانے اور رابطہ پیدا کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ یہ اجازت صرف سپرنٹنڈنٹ، جیلر، میڈیکل آفیسر اور جیل کے ان ملازمین کو حاصل ہوگی جنھیں اس قیدی کی دیکھ ریکھ کیلئے مقرر کیا گیا ہو۔ رات میں اس کوٹھری میں روشنی رہے گی اور ایک وارڈر کوٹھری پر نظر رکھے گا۔ اگر میڈیکل آفیسر ضروری قرار دے تو اس قیدی کو سخت نگرانی میں ہر دن کھلی ہوا میں ایکسر سائیز کرنے کی اجازت دی جائے گی۔ ایسی سزا پانیوالی خاتون قیدی کو ہتھکڑی اور بیڑی نہیں پہنائی جائے گی۔ بجز اسکے کہ سپرنٹنڈنٹ کی رائے میں اس خاتون قیدی کے بارے میں خود کو شدید طور پر زخمی کر لینے کا اندیشہ ہو۔ سزائے موت کی تعمیل کے وقت قیدی کے مرد رشتہ داروں میں سے کسی ایک کو اور معزز حضرات میں سے زیادہ سے زیادہ (۱۲) اصحاب کو بلایا جا سکتا ہے۔ اس موقع پر حاضر رہنے کی کوئی درخواست کرے تو سپرنٹنڈنٹ اس درخواست کو نا منظور کر سکتا ہے۔

اس قیدی کے تعلق سے قواعد کی ترتیب میں اس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ موت کی سزا ٹل جائے۔ چنانچہ سزا کے خلاف اپیل کرنے کی تمام سہولتیں فراہم کرنے کی ذمہ داری سپرنٹنڈنٹ کی قرار دی گئی ہے اور اسی طرح تمام عدالتی چارۂ کار کی تکمیل کے بعد بھی موت کی سزا برقرار رہے تو حکومت کو رحم کی درخواست روانہ کرنے کا کام سپرنٹنڈنٹ کی ذمہ داری بتائی گئی ہے۔ اور سزا کی تعمیل اسی وقت ہو سکے گی جبکہ تحریری طور پر حکومت کا فیصلہ سپرنٹنڈنٹ کو پہنچے۔ ٹیلیفون یا ٹلیگراف سے اطلاع پر سزائے موت نہیں دی جا سکے گی۔

ز) خاتون قیدی:

دی پریزن ایکٹ ۱۸۹۴ء کے تحت خاتون قیدیوں کیلئے بالکل علحدہ انتظام کا ذکر آچکا ہے۔ اور یہ بات بھی آچکی ہے کہ خاتون قیدیوں کو ہتھکڑی یا بیڑی نہیں پہنائی جائے گی۔

دی آندھراپردیش پریزن رولس کے تحت خاتون قیدیوں میں مزید تقسیم ہوگی۔ عادی مجرمین کو علحدہ کیا جائے گا۔ کم عمر اور بلوغت کی عمر میں داخل ہونے والیوں کو علحدہ کیا جائے گا اور اسی طرح عصمت فروشی کرنے والیوں اور فحاشی کیلئے عورتوں اور لڑکیوں کو فراہم کرنے والیوں کو دوسروں سے بالکل الگ کیا جائے گا۔ (رول ۸۱۷)

کسی خاتون قیدی کو کسی عذر کے تحت اپنے وارڈ یا کوٹھری کو چھوڑنے کی اجازت نہیں ہوگی اور انھیں اپنے حصے سے باہر نہیں نکالا جائے گا بجز اسکے کہ اس خاتون قیدی کو رہا کیا جارہا ہو یا حاضری کیلئے عدالت کو لیجایا جارہا ہو یا کسی خاص وجہ سے جبکہ یہ حکم سپرنٹنڈنٹ دے۔ جب بھی کسی خاتون قیدی کو زنانہ حصے سے باہر لے جایا جائے گا تو اسسٹنٹ میاٹرن (Asst Matron) یا خاتون وارڈر اسکی واپسی تک یا اسکے جیل چھوڑنے تک اسکے ساتھ رہے گی (رول ۸۱۸)۔

کسی بالغ مرد کو زنانہ وارڈ میں داخل ہونے کی اجازت نہ ہوگی۔ بجز اسکے کہ کوئی عائد کردہ ڈیوٹی کو انجام دینے کیلئے داخل ہونا پڑے۔ (رول ۸۱۹)

خاتون قیدی کو زنانہ حصے کی صفائی ستھرائی کے کام پر لگایا جا سکے گا۔ اور اس زنانہ حصے میں کسی صورت کوئی مرد صفائی کرنے والا داخل نہ ہو سکے گا۔ (رول ۸۲۴)

خاتون قیدی کی رہائی سے قبل ہی اسکے رشتہ داروں کو اطلاع نامہ بھیجا جائے گا تا کہ وہ رہائی کے وقت قید خانے پر حاضر رہیں۔ اگر رہائی کے وقت کوئی فرد خاندان یا دوست نہ آئے تو سپرنٹنڈنٹ خاتون وارڈر کی نگرانی میں اسکو اپنے گھر روانہ کر سکتا ہے۔ (رول ۸۲۶)

ایک خاتون قیدی کے ساتھ اس کا بچہ اگر کسی رشتہ دار کی نگرانی میں نہ دیا جا سکے تو (۵) پانچ سال کی عمر ہونے تک وہ اپنی ماں کے ساتھ رہ سکتا ہے۔ اسی طرح قید کے دوران پیدا ہونے والا بچہ پانچ سال کی عمر تک اپنی ماں کے ساتھ رہ سکتا ہے۔ (رول ۸۲۸)

شادی شدہ ہندو خاتون قیدی کو چوڑیاں پہننے پیشانی پر کم کم لگانے، گلے میں منگل سوتر پہننے اور ناک میں نتھ رکھنے کی اجازت ہوگی۔

ح) بلوغت کی عمر میں پہنچنے والے قیدی:

یہ زمرہ ان قیدیوں کیلئے ہے جن کی عمر (۱۶) سال سے زیادہ اور (۲۱) سال سے کم ہو۔ ان کے تعلق سے قید خانے کے حکام کی یہ ذمہ داری قرار دی گئی ہے کہ وہ ان کی اصلاح کرنے اور جرم کی طرف انکے رجحان کو ختم کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں اور اس کے لئے وہ تمام طریقے اختیار کریں جنگی قانون کے تحت ان کو اجازت ہے۔

جنگی قیدیوں کے حقوق

جنگ اور لڑائی کے دوران پکڑے گئے دشمن کے لوگوں کے تعلق سے چاہے وہ سپاہی

ہوں کہ غیر سپاہی ان کو گرفتار کرنے والی حکومت یا اسکی فوج کا رویہ اس ملک کے تمدن کے مطابق رہا ہے۔ اکثر صورتوں میں ان کو قتل کر دیا جاتا تھا تاکہ یہ پھر کبھی مقابلے میں نہ آسکیں۔ یا پھر ان سے معاشی فائدہ اٹھانے کے خاطر ان کو غلام بنالیا جاتا اور جانوروں کی طرح ان سے کام لیا جاتا۔ اکثر صورتوں میں عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے گریز کیا جاتا۔ تاریخ میں ایسے واقعات بھی ہیں کہ جنگ عورت یا عورتوں کیلئے چھیڑی گئیں۔ شہر روم کے بانیوں نے (Sabine) کی عورتوں سے اپنی جنسی ہوس مٹانے کیلئے جنگ کی اور ان کو قیدی بنایا۔ (Troy) کی ہیلن کیلئے جنگ کی داستان یوروپ کے کلاسیکی ادب کا حصہ ہے۔ جنگی قیدیوں کے بارے میں اسلام نے دنیا کو ایک نئی راہ دکھائی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا غزوۂ بدر کے قیدیوں کے ساتھ سلوک انسانی تاریخ میں ایک ہم سنگ میل اور ایک نئے باب کا آغاز ہے۔ اسلام میں جنگی قیدیوں کو غلام ضرور بنایا گیا لیکن اسلام میں غلامی اس غلامی سے بالکل مختلف ہے جس کا رواج یوروپ اور امریکہ میں رہا ہے۔ اس پر بہت کچھ کہا جا سکتا اور لکھا جا سکتا ہے لیکن صرف اس بات پر اکتفا کرتا ہوں کہ ہندوستان میں مسلمانوں کا دور حکومت غلاموں کے خاندان سے شروع ہوا اور مصر میں غلاموں کی حکومت (ممالیک مصر) عالم عرب کی تاریخ کا ایک روشن باب ہے جسمیں کہ ایک حکمران ملک الظاہر بے برس نے جو خود غلام تھا تاتاریوں کے لشکر جرار کو عین جالوت کے مقام پر ایسی شکست دی کہ اسکے بعد تاتاریوں کو کسی مسلم ملک پر حملہ کی جرأت نہ ہو سکی۔

جنگی قیدیوں کے بارے میں قانون کی تاریخ انیسویں صدی عیسوی سے شروع ہوتی ہے۔ ۱۷۹۳ء سے لے کر ۱۸۱۵ء تک نپولین کے فاتحانہ عزائم نے سارے یوروپ کو جنگ میں مبتلا کر دیا۔ اسی دوران برطانیہ اور امریکہ کے درمیان جنگ چھڑی جبکہ امریکہ نے برطانیہ کے تسلط سے علحدہ ہونے کا اعلان کیا۔ ان جنگوں کی تباہ کاریوں نے یہ خیال پیدا کیا کہ جنگوں کو بھی کسی نہ کسی قانون اور قاعدے کا پابند کرنا چاہیئے کہ بے ضرورت اور غیر ضروری طور پر انسانی

ہلاکت اور تباہ کاری نہ ہو۔ اور جنگ کے نقصانات کم سے کم ہوں۔ اس تعلق سے ۱۸۵۶ء میں یورو پی ممالک نے پیرس اعلامیہ کو منظور کیا۔ اگست ۱۸۶۴ء میں جنیوا میں بطور خاص میدان جنگ میں زخمی ہونے والے سپاہیوں کے مسائل پر غور کیا گیا۔ ۱۸۹۹ء میں ہیگ میں کانفرنس منعقد ہوئی۔ ۱۹۰۴ء میں ایسے پانی کے جہازوں کو جو ہسپتال کے طور پر سمندر میں گشت کر رہے ہوں نشانہ نہ بنانے پر اتفاق ہوا۔ ۱۹۰۷ء میں ہیگ میں ایک کانفرنس منعقد ہوئی۔

۱۸۹۹ء میں جو امن کانفرنس ہیگ میں منعقد ہوئی اس میں ایک میثاق The Hague (Convention) منظور کیا گیا جو چار اہم دفعات اور تین اعلانات پر مشتمل تھا۔ ان دفعات اور اعلانات کا اہم مقصد یہ تھا کہ یورو پی اقوام کے درمیان نزاعات کے پُر امن تصفیہ ہو۔ بحری جنگ کو قواعد کا پابند بنایا جائے اور ہوا میں سے دھما کو اشیاء زمین پر گرانے یا بیلون کے ذریعہ دھما کو اشیاء کے ذریعہ کسی عمارت یا آبادی کو نشانہ بنانے پر پابندی لگائی جائے۔ اس کنونشن میں جنگی قیدیوں سے متعلق کوئی خاص بات نہیں کی گئی تھی۔ اس سے پہلے ۱۸۶۴ء میں جنیوا کنونشن میں اس پر اتفاق ہوا تھا کہ دشمن کے زخمی، بیمار سپاہیوں اور غیر سپاہیوں کا علاج کیا جائے گا۔ اور نگہداشت کی جائے گی۔ ہلاک ہونے والے دشمنوں کی نعشیں جمع کی جائیں گی اور دوران جنگ میڈیکل گاڑیوں پر حملہ نہیں کیا جائے گا اور میڈیکل آلات کو تباہ نہیں کیا جائے گا۔

۱۹۰۷ء میں ہیگ میں ایک اور کانفرنس منعقد ہوئی جس میں (۱۲) دفعات پر مشتمل دستاویز منظور کی گئی۔ اس دستاویز میں بھی کوئی قابل ذکر دفعہ جنگی قیدیوں کے بارے میں نہیں ہے۔ اس میں بحری جنگ کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے اور دفعات بحری جہازوں اور خصوصاً جہازوں کی حفاظت کے نقطہ نظر سے مرتب کی گئی ہیں۔

۱۹۲۸ء میں ایک اور کانفرنس جینوا میں منعقد ہوئی جس میں جنگ میں دم گھٹا دینے والی گیاس اور بکٹر یا کو ہتھیار کے طور پر استعمال کرنے کی ممانعت کی گئی۔ ۱۹۲۹ء میں جنگی قیدیوں

کے بارے میں ایک میثاق مرتب کیا گیا۔ جو جنگی قیدیوں کے حقوق کے بارے میں ایک اہم دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں مزید ترمیم کے بعد جنیوا ہی میں ۱۹۴۹ء کو ایک اور میثاق مرتب کیا گیا جو جنگی قیدیوں کے بارے میں جنیوا کنونشن کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ ایک طویل دستاویز ہے جو (۱۴۳) آرٹیکل پر مشتمل ہے۔ اس دستاویز کو اقوام متحدہ کے تقریباً تمام ہی ممالک نے تسلیم کرلیا ہے۔ اسکے باوجود حقیقت یہ ہے کہ اس دستاویز کے نکات پر عمل بہت کم ہوتا ہے۔

ریاست ہائے متحدہ امریکہ نے اپنی سرزمین سے باہر کیوبا کے علاقے گوانتانا موبے میں جو کیمپ بنا رکھا ہے اور اس کیمپ میں افغانستان پر حملہ کے بعد یہاں مختلف افغانیوں پاکستانیوں برطانوی مسلمانوں اور دیگر کو قید رکھ کر ٹارچر کیا گیا اور انکے ساتھ ایسا طرز عمل اختیار کیا گیا جو جنیوا کنونشن کے بالکل خلاف ہے اس کی بڑی دردناک داستانیں میڈیا میں آچکی ہیں۔ اور تہذیب وتمدن کے ہر اصول سے گری ہوئی صدر بش کی حکومت کے اس طرز عمل سے خود امریکی عوام میں اتنی ناراضگی پیدا ہوئی کہ نئے منتخبہ صدر مسٹر بارک اوباما کو یہ اعلان کرنا پڑا کہ وہ صدارت کا عہدہ سنبھالنے کے بعد فوری طور پر اس عقوبت خانے کو بند کردیں گے۔ نائن الیون کے واقعہ کے بعد ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے صدر نے یہ اعلان کیا تھا کہ دہشت گردوں نے دنیا کے سب سے زیادہ متمدن ملک کو نشانہ بنایا ہے لیکن وہ خود اور ان کی حکومت کتنی متمدن ہے اس کا اندازہ عراق میں امریکہ نے جو کچھ ابوغریب قید خانے میں کیا اس سے ہوتا ہے کہ ان سے زیادہ غیر متمدن اور وحشی آج کے دور میں کوئی اور نہیں۔ اس قید خانے کی انچارج خاتون جنرل اور اس قید خانے میں متعین خاتون امریکی سپاہی نے جو کچھ کیا اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کا یہ نام نہاد متمدن ترین ملک اور اسکی فوج انسانی شرم وحیا سے بھی عاری ہے۔

جنیوا کنونشن (۱۹۴۹ء) کے کچھ اہم خدوخال یہاں پیش کیئے جاتے ہیں۔

اس دستاویز کے آرٹیکل (۴) میں جنگی قیدی کی تعریف بیان کی گئی ہے جسمیں کئی

زمرے ہیں اور یہ تعریف بڑی طویل ہے۔ آرٹیکل نمبر (۳) میں یہ کہا گیا ہے کہ وہ تمام اشخاص جن کا تعلق فوج ہی سے کیوں نہ ہو لڑائی میں جنھوں نے عملی حصہ نہ لیا ہو یا جنھوں نے ہتھیار ڈال دیئے ہوں یا وہ جو زخموں یا بیماری کیوجہ سے لڑائی میں حصہ لینے کے قابل نہ ہوں ان کے ساتھ نسل، رنگ، مذہب، جنس وغیرہ کے امتیازات کو برتے بغیر بہر صورت انسانیت نوازی کا سلوک کیا جائے گا۔ اور اس غرض کیلئے درجہ ذیل امور کو اس دستاویز میں ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

الف) ایسے شخص کی شخصیت یا اس کی زندگی کے خلاف تشدد بطور خاص قتل، جسمانی اعضاء کی قطع و برید اور ٹارچر۔

ب) یرغمال بنانا

ج) اہانت آمیز اور گھٹیا رویے کے ذریعہ عزت نفس کو مجروح کرنا وغیرہ

زخمی اور بیمار جنگی قیدیوں کو جمع کر کے نگہداشت اور علاج کیلئے غیر جانبدار ادارے جیسے انٹرنیشنل ریڈ کراس کے حوالے کیا جائے گا۔

اس کنونشن کے آرٹیکل (۱۴) میں کہا گیا ہے کہ جنگی قیدیوں کے ساتھ ہر وقت انسانیت نواز سلوک کیا جانا چاہیئے ایسا سلوک قطعاً نہ کیا جائے جس سے کسی جنگی قیدی کی صحت کو خطرہ لاحق ہو۔ کسی جنگی قیدی کے اعضاء کو کاٹا یا بگاڑا نہیں جائے گا اور نہ اس پر کسی قسم کا میڈیکل یا سائنسی تجربہ کیا جائے گا۔

تشدد دھمکیوں اور اہانت آمیز حرکات سے جنگی قیدیوں کو بچایا جائے گا اور جنگی قیدیوں کے خلاف کوئی انتقامی کاروائی نہیں کی جائے گی۔ (آرٹیکل۔ ۱۳)

قید میں کوئی جسمانی ٹارچر نہیں کیا جائے گا اور ذہنی اذیت نہیں پہنچائی جائے گی۔ اور اگر کوئی جنگی قیدی پوچھ تاچھ کے دوران کوئی جواب دینے سے انکار کرے تو اس کو دھمکی دی جائے گی

نہ اس کی اہانت کی جائے گی نہ اس کے ساتھ کوئی ناگوار سلوک کیا جائے گا۔ ایسے جنگی قیدیوں کو جو اپنی جسمانی اور ذہنی حالت کی وجہ سے اپنی شناخت وغیرہ بتانے کے قابل نہ ہو ان کو میڈیکل سروس کے حوالے کیا جائے گا ان کی شناخت کو معلوم کرنے کیلئے دوسرے طریقے اختیار کیے جائیں گے۔ جنگی قیدیوں سے پوچھ تاچھ اور تفتیش اس زبان میں کی جائے گی جسکو وہ سمجھ سکتے ہوں۔ (آرٹیکل ۔ ۱۷)

میدان جنگ سے جنگی قیدیوں کی منتقل انسانی رویے کے ساتھ عمل میں لائی جائے گی اور جس طرح اپنی فوج کو ایک مقام سے دوسرے مقام کو منتقل کیا جاتا ہے ویسا ہی عمل جنگی قیدیوں کے ساتھ روا رکھا جائے گا۔ اس عمل کے دوران جنگی قیدیوں کے کھانے اور پینے کیلئے پانی کا مناسب انتظام ہوگا اور ضروری کپڑے فراہم کرنے کے ساتھ ان کی طبی نگہداشت بھی ہوگی۔ (آرٹیکل ۔ ۲۰)

جنگی قیدیوں کے کیمپ کے اوپر .P.W یا .P.G اس طرح لکھا جائے گا کہ اوپر سے بھی آسانی سے دکھائی دے۔ لیکن یہ حروف جنگی قیدیوں کے کیمپ کے سوا کہیں اور استعمال نہیں کیئے جائیں گے۔ جنگی قیدیوں کے کیمپ پر مخالف ملک یا کوئی اور ملک بم نہیں گرائے گا۔ اس دستاویز میں آرٹیکل ۲۵ سے آرٹیکل ۲۸ تک جنگی قیدیوں کیلئے رہائش غذا اور لباس سے متعلق دفعات ہیں۔ دفعہ ۲۹ سے دفعہ ۳۲ ان کی صحت کی برقراری اور انکی میڈیکل نگہداشت سے متعلق ہے۔ دفعہ ۳۴ سے دفعہ ۳۸ تک کی دفعات میں ان قیدیوں کے مذہبی عقائد میں عدم مداخلت اور انکو مذہبی عبادتوں کی اجازت اور عبادتوں کے سلسلہ میں مذہبی پیشوا کے تقرر کی بات کہی گئی ہے۔ دفعہ ۴۹ سے لے کر دفعہ ۵۷ تک جنگی قیدیوں سے کس نوعیت کا کام لیا جا سکتا ہے اس کا تذکرہ ہے اور اس بات کا بھی ذکر ہے کہ جنگی قیدی اپنی فوج میں جس رتبے کا حامل رہا ہے اس کو پیش نظر رکھا جائے۔ اس دستاویز کے آرٹیکل (۶۹) میں کہا گیا ہے کہ جنگی قیدیوں کو گرفتار

کرنے کے ساتھ ہی یہ ملک کسی دوسرے ملک کے ذریعہ گرفتار شدہ قیدیوں کے ملک کو یہ اطلاع پہنچائے گا۔ آرٹیکل (۷۱) میں جنگی قیدی کو اپنا خط یا کارڈ روانہ کرنے اور وصول کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ اس بارے میں تفصیل کئی دفعات میں بیان کی گئی ہے۔

جنیوا کنونشن کی دستاویز جنگی قیدیوں کے بارے میں اس بات پر زور دیتی ہے کہ جنگی قیدیوں سے انسانیت نوازی کا سلوک کیا جائے اور یہ دستاویز ان کو نقصان پہنچانے، ان کی اہانت کرنے اور ٹارچر کرنے سے چاہے یہ ٹارچر جسمانی ہو یا ذہنی منع کرتی ہے۔

ضمیر کے قیدی / سیاسی قیدی (PRISONER OF CONSCIENCE)

ضمیر کے قیدی کو عرف عام میں سیاسی قیدی کہا جاتا ہے۔ یہ اصلاح ایمینسٹی انٹرنیشنل کی ایجاد ہے اور اس کی تعریف کا دائرہ بہت وسیع تھا نسل، مذہب، رنگ، زبان، جنس وغیرہ کے اختلاف کی بنیاد پر کسی کی نقل و حرکت پر پابندی لگائی جانے یا اس کو گھر میں نظر بند یا قید خانے میں قید کر دیا جائے تو اس کو ضمیر کا قیدی قرار دیا جاتا تھا مگر اب یہ اصطلاح ان اشخاص کے لئے استعمال کی جاتی ہے جنھیں سیاسی یا مذہبی نظریہ اور خیالات کی وجہ سے نظر بند یا قید کیا جاتا ہے اس میں یہ شرط بھی ہے کہ اس شخص نے اپنے نظریہ یا خیال سے اتفاق کرنے والوں کو تشدد پر ابھارا نہ ہو۔ عام طور پر ایسے شخص کو سیاسی قیدی کہا جاتا ہے۔

ان قیدیوں کے تعلق سے عالمی، ملکی یا ریاستی (صوبائی) سطح پر کوئی قانون موجود نہیں ہے۔ عالمی ادارہ ایمینسٹی انٹرنیشنل ایسے قیدیوں کے بارے میں متعلقہ حکومتوں سے نمائندگی کرنے کے علاوہ عالمی رائے عامہ کو بنانے کی کوشش کرتی ہے۔

دنیا کے بعض لیڈر بھی سیاسی قیدی رہے ہیں۔ زندہ شخصیتوں میں نیلسن منڈیلا کا نام لیا جاسکتا ہے جنھیں نسلی امتیاز کی پالیسی کی مخالفت کی وجہ سے جنوبی افریقہ کی سفید فام حکومت نے

ایک طویل عرصہ تک (۱۹۶۲ء -۹۹ء) قید میں رکھا۔ موجودہ شخصیتوں میں کیوبا کی عظیم شخصیت فیڈل کاسٹرو کا نام بھی آتا ہے۔ جنھیں ان کے کمیونسٹ نظریات کی وجہ سے اس وقت کی حکومت نے قید میں رکھا تھا۔

ہمارے ملک سے تعلق رکھنے والی مشہور عالمی شخصیت مہاتما گاندھی بھی نسل امتیاز کے خلاف خیالات کے اظہار کے لئے جنوبی افریقہ میں اور ہندوستان کی آزادی کا مطالبہ کرنے کے لئے ہندوستان میں انگریزی حکومتوں کے حکم پر قید کئے گئے۔

سیاسی قیدیوں کی ایک قسم وہ ہے جنھیں ایسے قوانین کے تحت جن میں بغیر مقدمہ چلائے نظر بند یا قید کرنے کا اختیار حکومت کو دیا گیا ہو قید یا نظر بند کیا جاتا ہے ہمارے ملک میں بھی ایسے قوانین رائج رہے ہیں۔ احتیاطی نظر بندی کے قانون (PREVENTIVE DETENTION ACT) کے تحت کئی شہریوں کو ڈیفنس آف انڈیا رولس کے تحت بہت بڑی تعداد میں سیاسی لیڈر اور سماجی کارکن قید کئے گئے جن میں بڑا تناسب مسلمانوں کا تھا۔ ایمرجنسی کے دوران غیر کانگریس سیاسی قائدین کو جیلوں میں بند کیا گیا۔ ایمرجنسی میں بہت سے دستوری حقوق معطل ہو جاتے ہیں۔ عام حالات میں ایسے کسی قانون میں یہ گنجائش رکھنا ضروری ہوتا ہے کہ ایسے قیدی کو اس کی قید کی وجوہات تحریری طور پر فراہم کی جائیں گیں۔ ان کے خلاف وہ اس کمیٹی سے نمائندگی کر سکتا ہے جو اس طرح کی قید اور نظر بندیوں پر نظر ثانی کے لئے تشکیل دی جاتی ہے اور اس کمیٹی میں عدلیہ کی نمائندگی بھی ہوتی ہے۔ اگر یہ کمیٹی یہ رائے دے کہ وجوہات' قید و نظر بندی کے لئے کافی نہیں ہیں تو حکومت کو ایسے قیدی کو رہا کرنا پڑتا ہے

دیگر سیاسی قیدیوں کے لئے کوئی قانونی چارہ کار اس میں نہیں رہتا کہ عام طور پر ان کو کسی جرم میں ماخوذ بتا کر قید کیا جاتا ہے اور ان کی رہائی کا دارومدار اس فوجداری کیس کے فیصلہ پر ہوتا ہے جس میں کافی وقت لگتا اور دیر ہو سکتی ہے۔

قیدیوں کے ساتھ برتاؤ کا عالمی معیار

جناب سالار محمد خان☆

اس مضمون میں قیدیوں کے ساتھ برتاؤ سے متعلق عالمی برادری کے تسلیم شدہ معیارات پر عام فہم زبان میں ایک عمومی نظر ڈالی گئی ہے اور عمومیت کو مدنظر رکھتے ہوئے کسی خاص حق یا اصول کو بیان کرنے والے دستاویزات اور معاہدات کا الگ سے حوالہ دینے سے گریز کیا گیا ہے۔

عالمی قانونی ضابطے کے مطابق قیدیوں کے ساتھ حسن معاملہ کا بنیادی ہدف یہ ہے کہ وہ معاشرے میں از سر نو شریفانہ زندگی گزارنے کے اہل ہو جائیں، چنانچہ حراست یا قید و بند کی کارروائی کا اس طرح منظم و معقول ہونا لازمی ہے جس سے کہ جتنا جلد ہو سکے قیدیوں کو معاشرے میں معمول کی زندگی گزارنے کے لیے بلا خوف و تردد آزاد کیا جا سکے۔

بہت سے ملکوں میں قیدیوں کا ازدحام ایک گمبھیر مسئلہ ہے، ریاستیں قیدیوں کے تئیں اپنی ذمہ داریوں کو نبھانے میں خود کو بے بس محسوس کرتی ہیں، مطلب یہ ہے کہ قیدیوں کے بنیادی حقوق انسانی کے تحفظ کی نہ تو ضمانت دی جاتی ہے اور نہ ہی معاشرے میں انھیں ضم کر کے ان کو ایک ذمہ دار شہری بنانے کا مقصد پوری طرح حاصل ہو پاتا ہے۔ زیر سماعت قیدیوں کا مسئلہ بھی کافی اہمیت کا حامل ہے، قانون کی نگاہ میں وہ معصوم ہوتے ہیں۔ بہت سے ملکوں میں قیدیوں کی اکثریت اسی

☆ ایڈووکیٹ ہائی کورٹ دہلی۔

زمرے سے تعلق رکھتی ہے، بسا اوقات ان کا تناسب ۷۰۔۸۰ فیصد تک پہنچ جاتا ہے۔

اسی بنا پر یہ سوچ پروان چڑھ رہی ہے کہ قید خانہ ایک مہنگا نظام ہے اور آخری تدبیر کے طور پر ہی اسے استعمال کرنا چاہئے جبکہ عدالت کے سامنے یہ واضح ہو جائے کہ غیر حراستی سزا مناسب نہیں ہوگی۔

دسمبر ۱۹۹۰ء میں جنرل اسمبلی نے اقوام متحدہ کے معیاری ادنی قوانین برائے غیر حراستی اقدامات (ٹوکیو قوانین) کو منظوری دے دی جسے اس سلسلے میں ایک اہم پیش رفت تصور کیا جارہا ہے، ان قوانین سے اقتصادی کاروائی، خدمت خلق، معافی، سزا ملتوی کرنے اور کام وغیرہ کے مقصد سے عارضی یا مشروط رہائی وغیرہ کی صورت میں رہنمائی حاصل ہوتی ہے، غیر حراستی اقدامات کو اپنانے کی اصل وجہ انسانی حقوق، مجرم کی باز آبادکاری، معاشرے کا تحفظ اور جرم کے شکار افراد کے مفادات ہیں۔

قیدیوں کے ساتھ برتاؤ کے عالمی رہنما اصول عموماً معاہدوں کی شکل میں موجود ہیں، خالص قانون کی زبان میں ایسے معاہدے جن کی توثیق یا منظوری حکومتوں نے دے دی ہو، نیز عالمی روایتی قوانین کی حیثیت بھی لازمی آئین کی ہوتی ہے، اقوام متحدہ کا دستور العمل (Charter) قانوناً ایک لازمی معاہدہ ہے جس کے فریق تمام رکن ممالک ہیں۔

دیگر کچھ اہم معاہدے حسب ذیل ہیں:

۱- عالمی معاہدہ برائے اقتصادی، معاشرتی اور ثقافتی حقوق۔

۲- عالمی معاہدہ برائے شہری اور سیاسی حقوق۔

۳- معاہدہ برائے حقوق اطفال۔

۴- ٹارچر اور دیگر بے رحم، غیر انسانی یا ذلت آمیز سلوک وسزا کے خلاف معاہدہ۔

۵- نسلی امتیاز وتفریق کی تمام قسموں کے خاتمے کے لئے عالمی معاہدہ۔

۶- خواتین کے خلاف امتیاز وتفریق کی تمام شکلوں کے خاتمے کے لئے معاہدہ۔

۷- نسل کشی کے جرائم کا ارتکاب کرنے والے افراد واقوام کو سزا دلوانے اور اس کی روک تھام کے لئے کیا گیا معاہدہ۔

اس کے علاوہ ایک زمانے تک اگر ریاستیں احساس ذمہ داری کے ساتھ کسی مخصوص طریقہ کار کو اپناتی ہیں تو اسے بھی عالمی آئین کے ایک اصول کے طور پر تسلیم کرلیا جاتا ہے اور اس پر عمل آوری حکومتوں کے لئے لازم بن جاتی ہے خواہ اسے کسی مخصوص معاہدے میں لکھا گیا ہو یا نہ لکھا گیا ہو، اسے ہی روایتی عالمی قانون کہتے ہیں۔

دیگر بہت سے قانونی دستاویزات ایسے بھی ہیں جو خصوصاً ان ملازمین کے فرائض و واجبات کی نشاندہی کرتے ہیں جن کو آزادی سے محروم کردیئے گئے لوگوں پر ذمہ دار بنایا گیا ہے، ان میں قانون نافذ کرنے والے افسروں کے لئے ضابطۂ اخلاق (۱۹۷۹)، ڈاکٹروں اور طب سے جڑے دیگر افراد بالخصوص فزیشین کی ذمہ داریوں سے متعلق اصول وقواعد، ٹارچر اور دیگر بے رحم، غیر انسانی یا ذلت آمیز سلوک وسزا سے قیدیوں اور نظر بند افراد کی حفاظت (۱۹۸۲) طاقت وہتھیار کے استعمال کے لئے بنیادی اصول وضوابط (۱۹۹۰)، ان رہنما اصولوں پر اقوام متحدہ کے توسط سے عالمی برادری کا اتفاق ہو چکا ہے۔

علاقائی حقوق انسانی کے بہت سے دستاویزوں کو ان عالمی معیاروں کے ضمیمے کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔ یورپ میں ان کی مثالیں یہ ہیں؛ حقوق انسانی اور بنیادی آزادی کے تحفظ کی خاطر کیا گیا معاہدہ (۱۹۵۳)، ٹارچر اور غیر انسانی یا ذلت آمیز سلوک وسزا کی روک تھام کے لئے یورپی معاہدہ (۱۹۸۹)، یورپین آئین قید خانہ (۱۹۸۷)، امریکن معاہدہ برائے حقوق انسانی پر عمل درآمد ۱۹۹۸ میں شروع ہوا جبکہ افریقی دستور العمل برائے انسانی حقوق پر عمل کا آغاز

۱۹۸۶ میں ہوا، کسی بھی علاقے کی عدلیہ کو ایک مفید مرجع کی حیثیت حاصل ہے، جس کے ذریعہ یہ پتہ لگایا جاسکتا ہے کہ الگ الگ ریاستیں عالمی معیاروں کو کس حد تک نافذ کرتی ہیں، امریکہ میں بین امریکی عدالت برائے انسانی حقوق اس کردار کو ادا کرتی ہے جبکہ یورپ میں اس طرح کی ضرورتیں یورپین عدالت برائے انسانی حقوق پورا کرتی ہے۔

ایذا رسانی مخالف معاہدہ کے تحت اقوام متحدہ ایک اختیاری پروٹوکول کو منظوری دینے کی راہ پر گامزن ہے، اس سے ماہرین کی ایک جماعت کے ذریعہ مقامات حراست کے مسلسل معائنہ کا ایک نظام قائم ہو سکے گا، اس کے ساتھ ساتھ جانچ پڑتال کرنے والی آزاد وملکی جماعتوں کی رہنمائی میں ان جگہوں کے اطمینان بخش ومتواتر جائزے کا بھی نظم ہو سکے گا۔

حکومتی نظام میں قید خانوں کا مقام

مجرموں کو قید کرنا عدالت کی تعزیری کارروائی کا ایک حصہ ہے، عالمی قانون میں مسلمہ اصول ہے کہ قیدیوں کو شہری اقتدار کی طرف سے متعین کردہ ججوں کے فیصلے پر جیل بھیجا جانا چاہئے، یہ بھی لازم ہے کہ قید خانے کا نظام شہری حکومت کے کنٹرول میں ہو، فوجوں کا اس پر کوئی تسلط نہ ہو۔

مسلح افواج کے کسی رکن کو اس کی ملازمت کے دوران قید خانے کی انتظامیہ کا سربراہ بنائے جانے کی صورت میں حکومت پر اس امر کو یقینی بنانا واجب ہے کہ وہ شخص ایک عام شہری کی حیثیت سے نہ کہ فوج کے ایک رکن کے طور پر اپنے فرائض انجام دے گا۔

مزید برآں قید خانے کی انتظامیہ اور پولس میں واضح دوری ہونی چاہئے۔ پولس پر عموماً جرائم کی چھان بین اور مجرموں کو پکڑنے کی ذمہ داری ہوتی ہے، جب کسی شخص کو نظر بند یا قید کرلیا جائے تو جتنا جلد ہو سکے اسے عدالت کے عہدیداروں کے سامنے پیش کیا جانا چاہئے، پھر

اسے قید خانے میں ڈال کر یا نظر بند رکھ کر مزید تفتیش کی جائے۔

کسی انسان کو آزادی جیسی عظیم نعمت سے محروم رکھنا ہی ایک سخت سزا ہے، قید فی نفسہ بہت سے حقوق سے بے انتہا محرومی کا نام ہے، چنانچہ ضرورت اس بات کی ہے کہ واضح اور متعین حالات ہی میں صرف عدالت کے بااختیار افراد کو قید و بند کی سزا دینے کا مجاز ہونا چاہئے جبکہ دوسرا کوئی معقول متبادل نہ ہو۔

قیدی انسان ہی تو ہیں! انکی عزت نفس اور آدمیت کو ملحوظ رکھا جانا چاہئے

جمہوری معاشرے میں قانون سماج کے بنیادی اقدار و بہتر روایات کو تحفظ فراہم کرتا ہے اور استحکام بخشتا ہے۔ ان میں سب سے اہم انسانوں کی فطری عزت نفس کا احترام ہے چاہے ان کا معاشرتی وانفرادی رتبہ کچھ بھی ہو۔

انسانیت کے اس احترام کی ایک بڑی آزمائش معاشرے کے ان معیارات میں پنہاں ہے جن کو وہ ایسے لوگوں کے لئے جنہوں نے تعزیری قانون کی خلاف ورزی کی ہے یا جن پر قانون شکنی کا الزام لگایا گیا ہے اختیار کرتے ہیں۔

تمام انسانوں کو قابل احترام سمجھنے کے اس اصول کو چاہے ان کا جرم بہت ہی سنگین کیوں نہ ہو مشہور و معروف سابق قیدی اور جنوبی افریقہ کے سابق صدر نیلسن منڈیلا نے بڑے ہی اچھوتے انداز میں پیش کیا ہے:

''لوگ کہتے ہیں کہ کسی قوم کے قید خانے میں زندگی گزارے بغیر کوئی بھی انسان اس قوم کو اچھی طرح نہیں سمجھ سکتا، کسی بھی قوم کی اخلاقیات کا اندازہ اس بات سے نہیں لگایا جا سکتا کہ وہ اپنے ممتاز ترین شہریوں کے ساتھ کیسا برتاؤ کرتی ہے بلکہ یہ دیکھنا چاہئے کہ معاشرے کے ادنی سے ادنی طبقہ کے ساتھ اس کا طرز عمل کیسا ہے؟''

عالمی معیار کے مطابق جن لوگوں کو قید یا نظر بند کیا جاتا ہے، ایسا نہیں کہ وہ انسان باقی نہیں رہتے خواہ ان کا جرم بہت ہی سنگین کیوں نہ ہو جس کا ان پر الزام لگایا گیا ہے یا جس کا انکو مرتکب پایا گیا ہے، نظر بند یا مقید اشخاص کو بطور انسان ان کے تمام حقوق حاصل رہتے ہیں، سوائے ان حقوق کے جن کو انہوں نے آزادی سے محروم ہونے کے مخصوص نتیجے کی صورت میں کھودیا ہے۔ ان کے ساتھ وحشیانہ برتاؤ صرف اس لئے نہیں کیا جاسکتا کہ انہوں نے کوئی جرم کیا ہے یا ان پر مجرم ہونے کا الزام لگایا گیا ہے، قیدیوں کے ساتھ برا سلوک ہمیشہ ہی قانونا ممنوع رہا ہے۔

لہذا ظاہر ہے کہ تعذیب وتشدد اور دانستہ طور پر بے رحم غیر انسانی یا ذلت آمیز رویہ پر بندش ہونی چاہئے۔ اس ممانعت کا صرف یہی مطلب نہیں کہ براہ راست جسمانی و ذہنی ظلم وستم نہیں ہونا چاہئے بلکہ اس میں ہر وہ چیز شامل ہے جس کا سرا کسی نہ کسی صورت میں قیدیوں کے حقوق سے ملتا ہے۔ تعذیب وایذا رسانی کی ممانعت ان جگہوں کے لئے کافی اہم ہے جہاں تفتیش وتحقیق کی خاطر ملزموں کو رکھا جاتا ہے کیونکہ فوجداری مقدمات کو نمٹانے کی خاطر معلومات حاصل کرنے کے مقصد سے ان کو ٹارچر کا نشانہ بنایا جاسکتا ہے، چونکہ قیدیوں کو بند رکھا جاتا ہے اور عوام کی نگاہوں سے وہ دور رہتے ہیں، ان کے حقوق کی پامالی کا امکان یقیناً بہت بڑھ جاتا ہے۔

قید خانہ میں داخل کئے جانے کی کاروائی

عالمی قانون کا ماننا ہے کہ حق حیات، برے برتاؤ اور ٹارچر سے نجات کے لیے تحفظ کے ایک مخصوص ومتعین فریم ورک کا ہونا ضروری ہے۔ قید خانے یا حراست کے دیگر مقامات پر کسی کو پہلی بار لانے کے وقت جیل کے ملازمین کی ذمہ داریوں اور قید کئے جانے والے افراد کے حقوق کو دنیا کے بہت سے قانونی دستاویزوں میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے تاکہ

غیر عدالتی قتل، خودکشی، وحشیانہ برتاؤ اور ٹارچر وغیرہ کو روکا جا سکے، وہ زیر حراست، قبل سماعت اور سزا کے منتظر ہوں یا یہ کہ ان کو سزا مل چکی ہو۔ قیدیوں کی مخصوص جماعتوں مثلاً وہ افراد جن کا جرم اب تک ثابت نہ ہو سکا ہو، کمسنوں، نوجوانوں اور خواتین کے لئے بہت سے اضافی اصول وضوابط ہیں۔

قانون کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ تمام قیدی اس بات کا حق رکھتے ہیں کہ انہیں سرکار کی طرف سے قید وبند کے لیے منظور شدہ مقامات پر ہی رکھا جائے۔ نظر بند افراد اور قیدی تشدد کا شکار ہو جاتے ہیں خصوصاً اس وقت جب وہ پہلی بار قید خانے میں یا مقام حراست پر آتے ہیں۔ قیدیوں کی عزت ووقار کا خیال رکھتے ہوئے ملازمین قید خانے میں داخلہ کی کارروائی کو کس طرح انجام دیں، اس تعلق سے بہت سے ملکوں نے شاندار روایتیں قائم کی ہیں جو حسب ذیل ہیں:

۱- قید خانے میں لائے جانے والے ہر فرد کی حراست کے متعلق درست حکم نامے کی جانچ کرنا۔

۲- مقام حراست اور ممکن ہو تو مرکزی مقام دونوں پر تمام نظر بندوں کا ایک تازہ ترین رجسٹر رکھنا جس میں قیدیوں کی آمد کی تاریخ، وقت اور ان کے ذمہ داروں کی پوری تفصیلات ہو اور جہاں تک عدالتی شخصیتوں، دیگر با اختیار عہدیداروں اور حصول اطلاعات میں واقعی دل چسپی رکھنے والوں کی رسائی ہو۔

۳- قیدیوں کی شناخت کے لئے پوری تفصیلات رکھنا تاکہ یقین کے ساتھ بتایا جا سکے کہ ان کی حراست قانون کے دائرے میں ہے۔ یہ حقوق انسانی کی پامالی مثلاً غائب ہو جانا، ٹارچر، وحشیانہ برتاؤ اور غیر عدالتی قتل سے بچاؤ کے لئے بھی ضروری ہے۔

۴- رجسٹر مجلد ہو، اندراجات کی نمبرنگ کی جائے یعنی ہر وہ طریقہ اپنایا جائے جس سے کہ اس میں مذکور کسی ڈاٹا کو ختم نہ کیا جا سکے یا غیر متعلق ڈاٹا کا اس میں اندراج نہ ہو سکے۔

۵- جب کسی قیدی کا جرم ثابت نہ ہوا ہو، ایسی صورت میں حراست کے لئے لکھا ہوا قانونی منظوری ضروری ہے جس میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہو کہ وہ آدمی کس دن عدالت کے سامنے پیش ہوگا۔

۶- جتنا جلد ہو سکے تمام قیدیوں کو یہ موقع فراہم کرنا کہ وہ اپنے قانونی نمائندوں اور اہل خانہ کو اپنا اتہ پتہ بتا سکیں۔

۷- غیر ملکی قیدیوں خصوصاً جب انہیں سماعت سے قبل حراست میں لیا گیا ہو، ان کو ہر وہ سہولتیں فراہم کیا جانا چاہئے جس سے کہ وہ اپنے ملک کے نمائندوں سے رابطہ قائم کر سکیں اور مل سکیں۔ پناہ گزین قیدیوں کو بین الحکومتی اداروں کے بااختیار افراد سے ملنے اور رابطہ قائم کرنے کا حق حاصل ہے۔

۸- قید خانے میں آنے کے فوراً بعد ماہر ڈاکٹر سے قیدیوں کا چیک اپ۔

۹- اس امر کا انتظام کرنا کہ تمام قیدی قید خانے کے اصول وضوابط سے واقف ہو جائیں اور اگر ممکن ہو سکے تو ایک ایک کر کے سب کو دستور العمل کا ایک نسخہ دے دیا جائے۔

۱۰- جو قیدی علاقائی زبان نہیں بول سکتے، جو ان پڑھ یا معذور ہیں ان کی آگاہی کے لیے کوئی نہ کوئی راستہ ڈھونڈھنا چاہئے۔

۱۱- قیدیوں کو ان کے حقوق کے متعلق معلومات فراہم کرنا تا کہ وہ اپنے حقوق کا دعویٰ کر سکیں اور ظلم وجبر کی صورت میں شکایت کر سکیں۔

ضروریات زندگی

حکومت کے لیے ضروری ہے کہ وہ قیدیوں کے انسانی وقار کا لحاظ رکھے، اپنے واجبات کی ادائیگی کے لئے حکومت کو بہت سی مادی سہولیات فراہم کرنا چاہئے۔ ان مادی ضرورتوں میں مناسب رہائش، حفظان صحت کے اصول کے مطابق ماحول کا صحت بخش ہونا، لباس، بستر، غذا،

مشروبات اور ورزش شامل ہے۔ عالمی اصول وضوابط کی ہدایات کے مطابق جیل بھیجے جانے والے افراد پر ایک ہی سزا نافذ کی جاتی ہے اور وہ ہے آزادی سے محرومی، قیدیوں کو قید خانہ کے ملازمین اور دوسرے قیدیوں کی طرف سے بھی جسمانی و جذباتی ایذا رسانی، طبعی حالات یا بے توجہی کے سبب سخت بیماری یا موت سے محفوظ رکھنا ضروری ہے۔

عالمی قانون زندگی کے لئے باوقار اور انسانی حالات پیدا کرنے سے انحراف کی اجازت اس بنیاد پر نہیں دیتا کہ اس ملک کی عوام کا معیار زندگی کافی گرا ہوا ہے۔ قیدیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے میں ناکامی کی صورت میں کسی حکومت کو ایسے بہانے بنانے کی ہرگز اجازت نہیں دی جاسکتی۔

اس کا سبب واضح ہے کہ جس طرح ریاست کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ کسی کو اس کی آزادی سے محروم کرسکتی ہے وجہ جو بھی ہو، اسی طرح اس پر الزام ہے کہ وہ اس انسان کے ساتھ حسن سلوک کو یقینی بنائے۔

ریاست کی ایک بہت ہی اہم ذمہ داری یہ ہے کہ وہ تمام قیدیوں کو معقول غذا اور صاف پانی مہیا کرائے تاکہ وہ بھوک اور قلت خوراک سے پیدا ہونے والی بیماریوں کا شکار نہ ہوں۔

ہر قیدی کو کم از کم کتنی زمین فراہم کی جائے اس سلسلے میں عالمی قانونی دستاویزات خاموش ہیں۔ حالیہ برسوں میں ٹارچر، غیر انسانی اور ذلت آمیز برتاؤ یا سزا کی روک تھام کے لئے یورپین کمیٹی کی کونسل اس کو انجام دینے کے لئے کمربستہ ہے۔

سبھی قیدیوں کی رہائش کے لئے جگہ متعین کرتے وقت اس بات کا لحاظ رکھنا چاہئے کہ چوبیس گھنٹے میں کتنا وقت وہ اس میں گذارے گا۔ چھوٹی سی جگہ کم نقصان دہ ہے، اگر اسے صرف سونے کے لئے استعمال کیا جائے اور دن میں قیدی باہر کھلی فضا میں دوسرے کاموں میں مصروف ہو۔

قیدیوں کا ازدحام ایک بہت بڑا مسئلہ ہے، بہت سے ملکوں میں ازدحام کی حالت یہ ہے کہ قیدیوں کو جگہ یا بستر شیئر کر کے باری باری سونا پڑتا ہے، یہ بندوبست قابل قبول نہیں ہوسکتا، تمام قیدیوں کے لئے صاف ستھرا بستر اور سونے کی جگہ الگ ہونا چاہئے۔

ازدحام کا قیدیوں کی صحت پر بھی کافی برا اثر پڑتا ہے، مثلاً خطرناک متعدی بیماری جیسے ٹی بی وغیرہ میں مبتلا افراد ایسی تنگ تاریک جگہوں پر ہوسکتے ہیں جہاں ہوا اور روشنی کا انتظام مناسب نہ ہو جس کے سبب ان کے ساتھی قیدیوں کو بیماری لگنے کا شدید خطرہ ہوسکتا ہے۔

عالمی معیار کے مطابق ریاستوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ قیدیوں کی صحت وتندرستی اور موسم کا خیال کرتے ہوئے گرم وسرد اور صاف ستھرا کپڑا مہیا کرائے اور ایسی پوشاک فراہم کرنے سے پرہیز کرے جس سے ان کی بے عزتی ورسوائی ہوتی ہو۔ صفائی ستھرائی کے سارے وسائل قیدیوں کو مہیا ہونے چاہئیں۔

بہت سے ملکوں میں قیدیوں کو قید خانے کی طرف سے دیا گیا یونیفارم پہننا ہوتا ہے، قید خانے کی طرف سے اس یونیفارم کی فراہمی کو سیکورٹی اور مساوات کی بنیادوں پر جائز ٹھہرایا جاتا ہے، تاہم یہ مسلمہ اصول ہے کہ اس یونیفارم کو تعزیری نظام کا ایک جز نہیں ہونا چاہئے اور نہ ہی قیدیوں کو ذلیل ورسوا کرنے کے لئے اسے اپنانا چاہئے۔

پابندی کے ساتھ غسل کرنے کی ساری سہولتوں کا مہیا ہونا بھی ضروری ہے، بندوبست ایسا نہ ہو کہ اس سے قیدیوں کی ذلت ورسوائی ہوتی ہو مثلاً سب کے سامنے اسے غسل کرنے پر مجبور کرنا۔ صفائی ستھرائی اور قضائے حاجت کے انتظامات ایسے ہوں جن سے ان قیدیوں کی عزت ووقار پر کوئی حرف نہ آئے۔

خواتین قیدیوں کے تعلق سے ان کی مخصوص ضرورتوں اور نسائی شرم وحیا کو سامنے رکھ کر صفائی ستھرائی کا بندوبست ہونا چاہئے۔

قیدیوں کو روزانہ کھلی ہوا میں رہنے کے لئے مناسب وقت، چہل قدمی اور ورزش کرنے کا موقع ملنا چاہیے، ورزش کرنے کا حق ہر قسم کے قیدی کو حاصل ہونا چاہیے۔

مذہب

عالمی معیار آزادی مذہب کے حق کو تسلیم کرتا ہے، اس کے تمام اہل مذاہب کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کی اجازت ہونی چاہیے، عالمی قانون کا اصرار ہے کہ تمام مذہبی نمائندوں کو قیدیوں کی مذہبی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے قید خانے میں آنے کی اجازت ملنی چاہیے، یہ واضح ہے کہ آزادی سے محرومی کا یہ مطلب نہیں کہ قیدیوں کو اپنے مذہبی امور کی انجام دہی سے روکا جائے۔ یہ منظور کیا گیا ہے کہ قید خانوں کے عہدہ داروں کے لیے اس امر کو یقینی بنانا ضروری ہے کہ قیدیوں کو عبادت کرنے، مذہبی کتابوں کو پڑھنے اور اپنے مذہب کے مطابق کپڑا پہننے کا موقع ملے، ان کو مذہبی اجتماع کرنے اور مذہبی نمائندوں سے اجتماعی وانفرادی مقصد کے لیے ملنے کی اجازت ہونی چاہیے۔

عالمی معیار کے مطابق یہ مذہبی سہولتیں دنیا کے مشہور ومعروف مذاہب کے ماننے والے کے لیے ہی نہیں بلکہ سبھی چھوٹے بڑے مذاہب کے ماننے والے کے لئے ہیں، قید خانہ میں کسی مخصوص مذہب کی طرفداری نہیں ہونی چاہیے اور نہ ہی مذہبی امور کی انجام دہی کے لئے کسی قیدی کو مجبور کیا جانا چاہیے۔

قیدی اور طبی سہولیات

قیدیوں کو جسمانی وذہنی دونوں طرح کی صحت وتندرستی کا بنیادی حق حاصل ہے، وہ کم ازکم ان معیاری طبی سہولیات کے حقدار ہیں جو عوام الناس کو مہیا کرائی گئی ہیں، ان تمام بنیادی انسانی حقوق کے ساتھ ساتھ قیدی اپنی حالت وحیثیت کی بنا پر اضافی تحفظات کے مستحق ہوتے

ہیں، جب ریاست لوگوں کو ان کی آزادی سے محروم کرتی ہے، ایسی صورت میں انفرادی طور پر ضروری علاج و معالجہ اور باوقار انسانی حراست کے حالات پیدا کر کے ان کی صحت و تندرسی کی دیکھ بھال اس پر لازم ہو جاتی ہے۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ قیدی جس حالت میں قید خانہ آئے تھے ان کی حالت اس سے بدتر نہیں ہونی چاہئے، ریاست کی یہ پوری ذمہ داری بنتی ہے کہ جن لوگوں کی آزادی سلب کرنے کا اسے اختیار حاصل ہے ان کی صحت کی حفاظت کرے اور صحت خراب ہو جانے کی صورت میں اسے بحال کرے۔

جو قیدی منشیات کے عادی، ذہنی بیماری یا پہلے سے موجود بیماریوں کے شکار ہیں وہ خصوصی توجہ کے مستحق ہیں۔

قیام گاہ کے طبعی حالات، غذا اور حفظان صحت کے اصولوں کی پابندی اور صفائی ستھرائی کے انتظامات ایسے ہونے چاہئیں کہ بیماری نہ پھیل سکے اور بیماروں کی صحت یابی میں معاون کردار ادا کر سکے۔

بہت سے ملکوں میں قیدیوں کی ایک بڑی تعداد ٹی بی، ہپی ٹائٹس بی اور ایچ آئی وی ایڈز جیسی متعدی امراض میں مبتلا ہیں، قید خانہ کی انتظامیہ کا فرض منصبی ہے کہ وہ ایسی بیماریوں کو پھیلنے نہ دیں۔

کچھ عدالتی نظاموں میں طویل المیعاد یا غیر متعینہ مدت کی سزائیں قیدیوں میں عمر سے متعلق بہت سے امراض میں اضافہ کا سبب بن رہی ہیں، ریاست پر واجب ہے کہ وہ ایسے قیدیوں کو مناسب طبی سہولیات فراہم کرائے، بہت سے ممالک عوام الناس کو اعلیٰ معیار کی طبی سہولیات فراہم کرنے سے قاصر ہوتے ہیں، ان حالات میں بھی قیدی حتی الامکان بہتر سے بہتر طبی سہولیات کے مستحق قرار دیئے گئے ہیں۔

قیدیوں کا انفرادی علاج ومعالجہ

ملک کے عام طبی روایات کے مطابق ہی قیدیوں سے ان کی صحت کے بارے میں پوچھ تاچھ ہونی چاہئے ،طبی معاملات میں قیدی پرائیویسی کا حق رکھتے ہیں، ڈاکٹروں کے ساتھ ان کی ملاقات برائے علاج کا بھروسے مند ہونا ضروری ہے۔

حق اعتماد کا یہ بھی تقاضا ہے کہ قیدی ڈاکٹروں تک بلا واسطہ پہنچ سکیں۔ قیدیوں کا میڈیکل ریکارڈ میڈیکل آفیسر کے کنٹرول میں ہونا چاہئے اور قیدیوں کی پیشگی تحریری تصدیق کے بغیر ان کے ریکارڈ کو ظاہر نہیں کرنا چاہئے ، تشخیص امراض اور ڈاکٹروں کے ذریعہ چیک اپ کے نتیجہ میں قیدیوں کا علاج ومعالجہ قیدیوں کے مفاد میں ہونا چاہیے، اس سلسلے میں لیا جانے والا فیصلہ قید خانہ کی انتظامیہ کی سہولت اور اضافی خرچ پر مبنی نہیں ہونا چاہئے ، عالمی معیار کے مطابق پاگل قیدیوں کو عمومی قید خانے میں نہیں ڈالنا چاہئے بلکہ جتنی جلد ہو سکے انہیں ذہنی ونفسیاتی اداروں میں منتقل کر دینا چاہئے ، یہ بھی کہا گیا ہے کہ دوسری نفسیاتی امراض میں مبتلا قیدیوں کا علاج میڈیکل مینجمنٹ کے تحت نفسیاتی امراض کے لیے خاص کردہ اداروں میں ہونا چاہئے ، اگر مناسب ہو تو قید خانے کی طرف سے مہیا میڈیکل سروسز کے ذریعہ ان کا علاج کرایا جائے یا ان کی علاج کی نگرانی کی جائے۔

بہت سے ملکوں میں جان لیوا بیماریوں میں مبتلا قیدیوں کو وقت سے پہلے ہی چھوڑ دیا جاتا ہے، قید خانوں میں HIV/AIDS پھیلنے کے تعلق سے ۱۹۹۳ کو جنیوا میں تسلیم کیے گئے WHO کے قرارداد کے مطابق جو قیدی ایڈز میں پوری طرح سے جکڑ چکے ہیں، جتنا جلد ہو سکے انسانی ہمدردی کی بنیاد پر ان کو آزاد کر دینا چاہیے تا کہ وقار د آزادی کے ساتھ اپنے اہل خانہ کی معیت میں وہ موت کا سامنا کر سکیں۔

سیکورٹی اور سماجی مفادات کا توازن

عالمی قانونی دستاویزوں میں قیدیوں کو معاشرے میں باوقار زندگی گزارنے کا اہل بنانے کے مختلف پروگراموں اور سیکورٹی کے درمیان اعتدال وتوازن پر کافی زور دیا گیا ہے۔ قانونی کاغذات جسمانی بندھنوں جیسے ہتھکڑی، زنجیر، فولاد اور جکڑ بند لباسوں پر پابندی کے قائل ہیں، البتہ استثنائی صورتوں میں ان کا استعمال کیا جاسکتا ہے، قیدیوں کو فرار ہونے سے روکنے کے وسائل کا استعمال لازماً اور رسماً نہیں ہونا چاہئے۔

بہر صورت انفرادی طور پر ہر ایک قیدی کی طرف سے رسک کی جانچ پڑتال کے بعد ہی ان کا استعمال ہونا چاہئے۔ خطرناک قیدیوں کو قابو میں رکھنے کے لئے آخری تدبیر کے طور پر ان بندھنوں کا استعمال ہونا چاہئے، جیسے ہی اس انسان کا پرتشدد رویہ ختم ہو جائے ان بندھنوں کو فوری طور پر ہٹا دینا چاہئے، صرف استثنائی صورتوں ہی میں قیدیوں کو اپنے آپ کو نقصان پہونچانے سے بچانے کے لئے بندھنوں کا استعمال ہونا چاہئے، معقول حالت میں سیکورٹی کی بنیاد پر خواہ وہ کتنا ہی مضبوط کیوں نہ ہو باہری دنیا سے تعلق و رابطہ رکھنے سے قیدیوں کو محروم نہیں رکھا جاسکتا۔

نظم وضبط کو برقرار رکھنے کے طریقے اور سزائیں

بہت سے قیدی بہت خطرناک ہوسکتے ہیں، اور اپنے قیدی ساتھیوں اور قید خانہ کے ملازمین پر حملہ بھی کرسکتے ہیں، ایسی بھی نوبت آسکتی ہے کہ قیدیوں کی ایک جماعت مناسب و برحق اصولوں کو ماننے سے انکار کردیں یا قید خانہ کی انتظامیہ کی غلط کاریوں کے خلاف علم بغاوت بلند کردیں۔ عالمی قانون کا ماننا ہے کہ ایسی حالت سے نمٹنے کے لئے بالکل واضح اور متعین طریقہ کار ہونا چاہئے، یہ طریقے عالمی آئینی دستاویزوں کو سامنے رکھ کر بنائے جانے چاہئیں۔

اس حقیقت کو تسلیم کرنا بہت اہم ہے کہ قانون کی حکومت قید خانہ کے دروازہ پر ختم نہیں ہو جاتی، مثلاً جس شخص پر قید خانہ میں حملہ کیا جاتا ہے وہ قانون فوجداری کے تحفظ کا اسی طرح حقدار ہے جیسے کسی پر عوامی جگہ پر حملہ کیا جاتا ہے، قید خانوں کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ بند ادارے ہیں جن میں لوگوں کی ایک بڑی تعداد کو ان کی رضامندی کے بغیر بہت سی پابندیوں کے ساتھ رکھا جاتا ہے، یہ ناگزیر ہے کہ بعض اوقات قیدی قید خانہ کے اصول وضوابط اور قانون کی خلاف ورزی کئی اعتبار سے کریں، ایسی حالت سے نمٹنے کے لئے بالکل واضح اور متعین طریقے ہونے چاہئیں، کسی بھی قید خانہ میں جب کسی سنگین جرم کا ارتکاب کیا جائے یا اس طرح کے کسی حادثہ کا امکان ہو تو ایسی صورت میں سول سوسائٹی میں رائج نظام کو بروئے کار لایا جانا چاہئے، ایسے معاملات جن میں باہر کے عہدیداران شامل ہوں، انہیں ایسے معیار اپنانا چاہئے گویا وہ اس سے پہلے قیدی تھا ہی نہیں۔

نظم وضبط کے طریقوں کا مبنی بر عدل ہونا

نظم وضبط کے طریقوں کو فطری قانون عدل وانصاف کا احترام کرنا چاہئے، تمام قیدیوں کو پہلے سے ہی معلوم ہونا چاہئے کہ قید خانہ کے اصول وضوابط اور قوانین کیا ہیں؟ دوسرے الفاظ میں قیدیوں کے پاس کتاب الاحکام کا ایک نسخہ ہونا چاہئے جس میں اصول توڑنے کی صورت میں دی جانے والی سزا اور واجبات وممنوعات کی پوری فہرست ہونی چاہئے، ہمیشہ ہی سزائیں توڑے گئے اصول کے تناسب میں مبنی بر انصاف ہوں، ان اصولوں کو ایک قانونی دستاویز کی حیثیت دی جانی چاہئے۔

جس قیدی پر بھی اصولوں کی خلاف ورزی کا الزام لگایا جائے، اسے اپنے اوپر لگائے گئے الزام اور الزام لگانے والوں کے بارے میں پہلے ہی سے معلوم ہونا چاہئے، بلا تاخیر متعلقہ

ذمہ دار کو اس الزام کی سماعت کرنی چاہئے، قیدیوں کو بھی اپنا دفاع کرنے کے لئے مطلوبہ مدت کی مہلت دی جانی چاہئے، سماعت کے وقت وہ موجود ہو اور جیل کے عہدیداروں کی طرف سے پیش کردہ گواہوں سے سوال کر کے اسے اپنا دفاع کرنے کی اجازت ہونی چاہئے، اس معاملے کی سنوائی لائق وفائق عہدیداروں کے سامنے ہونی چاہئے، اگر قیدی پر لگایا گیا الزام ثابت ہو جائے تو اسے اعلیٰ عہدیدار سے اپیل کرنے کا حق ملنا چاہئے۔

فریاد و شکایت

قید خانہ کے اصولوں میں یہ گنجائش ہونی چاہئے کہ قیدی خصوصی درخواست کر سکیں اور اپنی شکایتیں درج کرا سکیں، شکایت کرنے اور درخواست دینے کے طریقے قیدیوں کو سمجھا دینا چاہئے، شکایت کرنے کی سہولیات بھی فراہم ہونے چاہئے۔

ان تمام باتوں کا لب لباب یہ ہے کہ قیدی اپنے مسائل قید خانہ کے ان ملازمین کے سامنے جو ان کے سب سے قریبی نگراں ہیں رکھ سکیں، اگر اس سطح پر معاملہ نہ سلجھ پائے تو قید خانہ کے اقتدار اعلیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہئے اور اگر اب بھی معاملہ نہ سلجھے تو قیدیوں کو قید خانہ سے باہر اعلیٰ عہدیداروں تک رسائی کا حق ملنا چاہئے۔

قید خانہ کے عہدیدار اس بات کو یقینی بنائیں کہ شکایت کرنے والے قیدیوں سے انتقام نہ لیا جائے، اس کے علاوہ ان کے اہل خانہ یا نمائندہ کو ان کی طرف سے پیروی کرنے کی اجازت ملنی چاہئے۔ نظم وضبط قائم کرنے کے اصول ایسے نہ ہوں کہ قیدیوں کو شکایت کرنا دشوار ہو جائے، قید خانہ کے ملازمین کے خلاف الزام تراشی کی صورت میں جب الزام بے بنیاد ثابت ہو جائے ان کو سزا نہ دی جائے۔

درخواست شکایت پر عمل درآمد فوری طور پر ہونا چاہئے، اگر ممکن ہو جوابی کارروائی کے لئے وقت متعین ہو جائے۔ ٹارچر اور برے برتاؤ کی شکایتوں کو فوری طور پر اس طرح نمٹایا جائے

کہ قیدیوں کا اعتماد برقرار رہے۔

اسی طرح مجرمانہ برتاؤ خواہ وہ قید خانہ کے ملازمین کی طرف سے کیا گیا ہو یا کسی دوسرے قیدی کی طرف سے، اسے فوراً سول سوسائٹی کی ایجنسی کے سپرد کر دینا چاہئے جو تعزیری جرائم کی تحقیق و استغاثہ کی ذمہ دار ہے۔ اسے تعزیری تحقیقات کے زمرے میں رکھا جائے یا اسے قید خانہ کے عہدیداروں کو منتقل کر دیا جائے، اس کا فیصلہ وہ ایجنسی کرے گی۔

باہری دنیا سے رابطہ: ملاقات، خطوط اور ٹیلیفون سے گفتگو

اپنے اہل خانہ سے رابطہ قائم کرنے کا حق قیدیوں کا ایک اہم حق ہے، یہ حق نہ صرف قیدیوں کو حاصل ہے بلکہ ان کے گھر والوں کو بھی یہ حق حاصل ہے جو قید خانہ میں نہیں ہیں، اپنے ماں باپ، بھائی بہن، بیٹا بیٹی سے رابطہ قائم کرنے کا حق جس طرح قیدی کو ہے اسی طرح ان لوگوں کو اس سے رابطہ قائم کرنے کا حق حاصل ہے۔

اس حق سے کما حقہ استفادہ کے لئے ضروری ہے کہ مقام حراست قیدی کے وطن کے علاقے ہی میں ہو۔ اس سبب سے یہ اور بھی اہم ہے کہ بہت سے قیدی کافی غریب ہوتے ہیں اور ان کے خاندان کے افراد لمبی مسافت کے سفری اخراجات کو برداشت نہیں کر سکتے۔

اپنے اہل خانہ اور دوستوں سے رابطہ قائم کرنے کا حق ہر طرح کے قیدی کو حاصل ہے چاہے وہ سزا یافتہ ہوں یا زیر سماعت، ملاقات کرنا خصوصاً اپنے قریبی رشتہ داروں سے انسان کا ایک بنیادی حق ہے، اسے رعایت کا نام نہیں دے سکتے۔

پھر بھی پرائیوٹ طور پر ہر وقت خاندان والوں کو قیدی سے ملنے کی اجازت دینا ممکن نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ قید خانہ کے بڑے کمروں میں ملاقات کا بندوبست کیا جاتا ہے، اس سلسلے میں اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ ملاقات براہ راست ہو، درمیان میں کوئی طبعی رکاوٹ نہ ہو۔ بنچ یا میز پر ملاقات ہو سکتی ہے، قیدیوں کو اپنے ملنے والوں کو چھونے کی اجازت ہونی

چاہئے الا یہ کہ اس کی ممانعت کی کوئی معقول وجہ ہو، بعض ملکوں میں ملاقات کی مدت ۱۵ منٹ ہوتی ہے اور قیدیوں اور ملنے والوں کے درمیان آہنی دیوار ہوتی ہے، عالمی معیار کے مطابق یہ درست نہیں ہے۔

قیدیوں سے ملاقات کرنے والے لوگوں کے ذریعہ غیر قانونی اشیاء بشمول ڈرگ اور ہتھیار کے اسمگلنگ کو روکنے کے لئے سیکورٹی کا معقول انتظام ہونا چاہئے، اس مقصد کے لئے قیدی اور ملنے والوں کی تلاشی ملاقات سے پہلے اور اس کے بعد ایک اہم احتیاطی اقدام ہے، تاہم ملنے والوں اور قیدیوں کے جذبات واحساسات کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

اقبال جرم کرانے کے مقصد سے قبل مقدمہ قیدیوں کے لئے ملاقاتوں پر پابندی لگانے کے لئے قید خانہ کے عہدیداروں کو چھان بین کرنے والی پولس اور استغاثہ کے ذمہ داروں کی درخواست کو منظور نہیں کرنا چاہئے۔

فیملی وزٹ کے علاوہ رابطے کی دوسری شکلیں بھی اہم ہیں، حتی الامکان آزادانہ طور پر خط بھیجنے اور پانے کا حق قیدیوں کو ملنا چاہئے، اور اگر ہوسکے تو فون کرنے اور فون ریسیو کرنے کا بھی موقع ملنا چاہئے۔

پوری دنیا میں اس بات کی ضرورت کا احساس بڑھتا جارہا ہے کہ ایک ایسا نظام ہونا چاہئے جس کے تحت قیدی اپنے اہل خانہ کے ساتھ ایک قلیل عرصہ کے لئے رہ سکیں، کچھ عدالتی نظاموں میں فیملی وزٹ یا طویل المیعاد وزٹ کا تجربہ اپنایا جارہا ہے، وسط ایشیا اور مشرقی یورپ کے بہت سے قید خانوں میں ان کے حدود کے اندر بہت سے چھوٹے چھوٹے اپارٹمنٹ ہیں جن میں بہتر گھنٹوں تک اہل خانہ کے ساتھ رہنے کی اجازت ہوتی ہے، مستحق قیدیوں کو ایک سال میں چار بار اس طرح کی ملاقاتوں کی اجازت دی جاسکتی ہے، عموماً بیک وقت تین یا چار ملاقاتیں ہوتی ہیں، میاں بیوی یا پارٹنر، باپ دادا یا بچوں کے ساتھ ملاقات ہوسکتی ہے۔ کناڈا اور ریاستہائے

متحدہ امریکہ کے چند قید خانوں کے نظام میں یہ سہولتیں مہیا ہیں۔

اس طرح کی فیملی ملاقاتیں جنسی ملاقاتوں سے مختلف ہیں، کچھ عدالتی نظاموں مثلاً ڈنمارک، سوئیڈن، نیدرلینڈ اور اسپین وغیرہ میں قیدیوں کو ایک فرد سے ملاقات کرنے کی اجازت ہوتی ہے، عموماً شریک حیات یا طویل المیعاد پارٹنر سے وہ تین گھنٹوں کے لئے خلوت کے ساتھ ایک چھوٹی سی جگہ میں جہاں ایک بستر اور صفائی ستھرائی کی دوسری سہولتیں ہوتی ہیں مل سکتے ہیں۔

لاطینی امریکہ کے بہت سے قید خانوں میں مرد قیدیوں کے لئے سنیچر و اتوار کے دن فیملی وزٹ کی اجازت ہوتی ہے، کچھ جگہوں پر خواتین قیدیوں کو بھی اس کی اجازت دی گئی ہے، اس طرح کی ملاقاتوں کے دوران کچھ حد تک خلوت وتنہائی کی فضا قائم کرنے کے لئے کمبل و چادر لٹکا دیئے جاتے ہیں۔

راجستھان اور ہندوستان کی کچھ دوسری ریاستوں میں کھلے جیلوں پر کام شروع ہوگیا ہے جہاں طویل المیعاد قیدی جو اپنی سزا کا ایک حصہ کاٹ چکے ہیں اور یہ ثابت کر چکے ہیں کہ ان سے کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوسکتا ان کو ان قید خانوں میں اپنے اہل خانہ کے ساتھ انفرادی رہائش گاہوں میں رہ سکتے ہیں، ایسے قیدی آس پڑوس کے کھیتوں میں کام کرتے ہیں یا دیگر مفید کاموں میں مصروف رہتے ہیں۔

بہت سے نظامہائے عدالت میں ایسے انتظامات کئے گئے ہیں جس سے کہ قیدی ویڈیو کانفرنسنگ کے ذریعہ اپنے گھر والوں سے بات کر سکیں، بہت سے اسباب کی بنا پر ایسا ہوسکتا ہے کہ کچھ قیدیوں سے ملاقات کرنے والا کوئی نہ ہو، ایسی صورت میں لوکل کمیونیٹی کے رضا کاروں کا ایک نظام ہونا چاہئے تا کہ وہ باہر کی دنیا سے رابطے کو برقرار رکھ سکیں۔

حالیہ برسوں تک قیدیوں کے نام آنے والے اور ان کی طرف سے جانے والے خطوط

کی جانچ پڑتال کرنے کا نظام تھا، اب اس میں کمی ہوتی جارہی ہے، اکثر صورتوں میں سرسری اور نمونے کے طور پر پڑھ لینے کو کافی سمجھا جاتا ہے پھر بھی ممنوعہ چیزوں کے لئے آنے والے خطوں کی جانچ پڑتال کی جاتی ہے، اس کی ایک مناسب صورت یہ نکالی گئی ہے کہ قیدیوں کی موجودگی میں ان کے نام آنے والے خطوط کو کھولا جاتا ہے۔ قید خانے کے ملازمین لفافے کو کھولتے ہیں، اگر کوئی ممنوعہ چیز نہیں ملتی ہے تو خط کو قیدی کے سپرد کردیا جاتا ہے۔ بہت سے جیلوں میں فون پر بات کرنا اور آنے والی کالوں کا جواب دینا ممکن ہے۔ چونکہ یہ رابطہ براہ راست ہوتا ہے، کچھ قیدخانوں میں تمام کالوں کو ریکارڈ کیا جاتا ہے اور ایک مخصوص مدت تک ٹیپ ریکارڈ کو رکھنے کا نظم کیا جاتا ہے۔ صرف انہی قیدیوں کی کالوں کو سنسر کرنے کی پابندی کی جاتی ہے جو سنگین مسائل کھڑا کر سکتے ہیں۔

کچھ قیدخانوں کے نظام میں ای میل کی بھی اجازت ہے، جیسے نئی دلی کے تہاڑ جیل میں غیر ملکیوں کے لئے اس کی اجازت ہے۔

وکیلوں اور قیدیوں کی فلاح و بہبود میں دلچسپی رکھنے والے افراد تک رسائی کا حق بھی کافی اہمیت کا حامل ہے، جن قیدیوں کے خلاف سماعت کا آغاز نہیں ہوا ہے ان کے لئے تو یہ اور اہم ہے، وہ قیدی بھی اسی زمرے میں آتے ہیں جن کا جرم ثابت ہو چکا ہو لیکن عدالتی کارروائی ابھی جاری ہو۔ اس حق سے استفادہ کا موقع معمول کے مطابق ملنا چاہئے۔

ٹیلی ویژن، ریڈیو اور مطالعہ کے لئے سہولیات کی فراہمی

قیدیوں کی اصلاح وفلاح اور معاشرے میں شریفانہ زندگی گزارنے کا اہل بنانے کے وسیع مقاصد کو سامنے رکھتے ہوئے عالمی معیاروں نے یہ طے کردیا ہے کہ پوری دنیا سے ان کے ربط و تعلق کے مواقع کو ختم نہیں کرنا چاہئے۔ لہذا اپنے خویش واقارب سے رابطہ میں رہنے کے

علاوہ قیدیوں کی رسائی اخبارات ورسائل، ٹیلی ویژن اور ریڈیو وغیرہ تک ہونی چاہئے تاکہ وہ باہر کی دنیا کے تازہ ترین واقعات وحادثات سے باخبر رہ سکیں۔ سنسر کی اجازت استثنائی صورتوں میں دی جاسکتی ہے۔

زیر سماعت قیدیوں اور غیر سزا یافتہ دیگر قیدیوں کا مسئلہ

بہت سے ملکوں میں قیدیوں کی ایک بڑی تعداد اور بعض اوقات ان کی اکثریت ایسی ہوتی ہے جن کے خلاف سزا کا حکم اب تک نہیں دیا گیا ہے، ان کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ ایسے قیدی ہیں جن پر عائد کئے گئے الزامات کی چھان بین ہورہی ہے یا وہ زیر سماعت، زیر مقدمہ یا عدالتی کاروائی کے آخری فیصلے کے منتظر ہیں۔

اس سلسلے میں سب سے اہم اصول یہ ہے کہ زیر مقدمہ قیدیوں کو دوران سماعت بے قصور تصور کیا جائے اس لئے کہ بہت سے معاملے میں چھان بین کے بعد وہ معصوم قرار پاتے ہیں، ایسا بھی ہوتا ہے کہ مجرم پائے جانے کی صورت میں قبل مقدمہ حراست کی مدت ان کو دی گئی سزا کی مدت سے زیادہ ہوتی ہے۔

تمام قبل مقدمہ قیدیوں کو باصلاحیت قانونی نمائندوں کی خدمات حاصل کرنے حق ملنا چاہئے۔ پہلی بار جو لوگ قید خانہ آتے ہیں وہ اپنی حالت اور دوسری بہت سی چیزوں کے تعلق سے اکثر الجھن اور غیر یقینی صورتحال کا شکار ہوجاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ انہیں آزاد قانونی صلاح و مشورہ کا مستحق سمجھا جاتا ہے، جو وکیلوں کے اخراجات برداشت کرسکتے ہیں ان کو ان تک رسائی ملنی چاہئے اور جو ایسا نہیں کرسکتے ان کے لئے قانونی نمائندگی کا بندوبست کیا جانا چاہئے۔

قیدیوں اور ان کے قانونی نمائندوں کے درمیان اتصال وروابطے میں قید خانے کے عہدیداروں کے ذریعہ مداخلت نہیں ہونی چاہئے، کسی قیدی اور اس کے وکیل کے درمیان

مراسلت کو سنسر کرنا بھی نامناسب ہے، اس شبہ کی اگر معقول وجہ ہو کہ فراہم کردہ سہولیات کا غلط استعمال ہو رہا ہے تو قیدیوں کی موجودگی میں آنے والے خطوط کو کھول کر دیکھا جا سکتا ہے کہ ان میں ممنوع چیزیں تو نہیں ہیں، اس طرح قیدیوں کی طرف سے باہر جانے والے خطوط کو مہر لگانے سے پہلے چیک کیا جا سکتا ہے، کسی بھی حال میں خطوط کے مضامین قید خانہ کے عہدیداروں کو پڑھنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی، قیدیوں اور ان کے نمائندوں کے درمیان ہونے والی گفتگو وغیرہ کو قید خانہ کے عہدیداروں کے ذریعہ خفیہ طور پر نہیں سنا جانا چاہئے، اپنے وکیلوں کے ساتھ قیدیوں کی ملاقات اتنی دور سے دیکھا جا سکتا ہے جہاں سے ان کی باتیں سنائی نہ دے سکے۔

زیر سماعت قیدی

قبل مقدمہ قیدیوں کو ایسے قیام گاہوں پر نہیں رکھا جانا چاہئے جہاں ایسے مجرموں کو رکھا گیا ہے جن کی سزا کا حکم صادر کیا جا چکا ہو، ان کی حراست کی کیفیت سزا یافتہ قیدیوں کی حراست کی کیفیت سے کمتر نہیں ہونا چاہئے، قبل سماعت قیدیوں کے لئے انفرادی اصول وضوابط ہونے چاہئے، ان کے لئے کام لازمی نہ ہو البتہ اپنی خوشی سے کام کرنے کا موقع انہیں ملنا چاہئے۔

غیر سزا یافتہ دیگر قیدی

بہت سے ملکوں میں لوگوں کو انتظامی اسباب کی بنا پر یا شہری قوانین کی خلاف ورزی کے الزم کے تحت حراست میں رکھا جاتا ہے، ان لوگوں کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ ہونا چاہئے جیسا برتاؤ ان قیدیوں کے ساتھ کیا جاتا ہے جن پر الزام ثابت نہ ہوا ہو۔

کمسن اور نوعمر قیدی

اس سلسلے میں قانون بالکل واضح ہے کہ بچہ کسے تصور کیا جائے، اتفاق برائے حقوق

اطفال کے آرٹیکل نمبر ا کی نگاہ میں اٹھارہ سال سے کم عمر کا ہر انسان بچہ ہے البتہ اس سے پہلے ہی پختگی حاصل کر لینے کی صورت میں پختگی سے جڑے قوانین کا انہیں مکلّف بنایا جاسکتا ہے، آزادی سے محروم کردیئے گئے کم سنوں کے تحفظ کے لئے اقوام متحدہ کے ذریعہ بنائے گئے قوانین کے قانون نمبر گیارہ کے مطابق اٹھارہ سال سے کم عمر کا ہر انسان کمسن کے زمرے میں شامل ہے۔

عالمی معیار کی ہدایات کی رو سے بچے ان تمام انسانی حقوق کی ضمانت کے حقدار ہیں جو بالغوں کو حاصل ہیں، اس کے علاوہ درج ذیل اصول وضوابط بطور خاص کمسن بچوں اور نوجوانوں کے لئے بنائے گئے ہیں:

۱- حراست میں لئے گئے بچوں کے ساتھ اس طرح پیش آنا چاہئے کہ ان کے احساس وقار وعزت کو فروغ ملے، سماج ومعاشرے میں وہ ضم ہوسکیں اور ان کے مفادات وضروریات کا بھرپور لحاظ ہوسکے۔

۲- آزاد کر کے اصلاح وتوبہ کا موقع دئے بغیر بچوں کو جسمانی، موت اور عمر قید کی سزا نہیں ملنی چاہئے۔

۳- زیر حراست بچوں کو بالغ قیدیوں سے الگ رکھنا چاہئے اور حتی الامکان فوری طور پر انہیں عدالتی کاروائی کے لئے پیش کیا جانا چاہئے۔

۴- زیر حراست بچوں کو اپنے اہل خانہ سے ملنے اور ان سے مراسلت کا موقع فراہم کرنے لئے خصوصی جدوجہد ہونی چاہئے۔

۵- زیر حراست بچوں کے تخلیہ کا خیال رکھا جائے اور اس امر کو یقینی بنایا جائے کہ ان کے سبھی ریکارڈ بھروسے مند ہوں اور انہیں محفوظ رکھا جائے۔

۶- لازمی اسکولی عمر کے بچوں کو تعلیم اور پیشہ ورانہ تربیت دی جانی چاہئے۔

۷- جن اداروں میں بچوں کو رکھا گیا ہے وہاں ہتھیار نہ لایا جائے۔

۸- نظم وضبط سے متعلق اصول وضوابط ایسے ہوں جن سے بچوں کے اندر عدل وانصاف، عزت نفس اور حقوق انسانی کے جذبے کو فروغ ملے اور ان سے ان کی عزت ووقار کے احترام میں کوئی فرق نہ آئے۔

۹- والدین کو کمسن بچوں کی موت، قید خانے سے ان کی خلاصی، منتقلی اور داخلے کی اطلاع ملنی چاہئے۔

خواتین قیدی

پوری دنیا میں کسی بھی نظام قید خانہ میں خواتین قیدیوں کا تناسب دو سے آٹھ فیصد کے درمیان ہے۔ جسمانی وجنسی زیادتیوں سے خواتین قیدیوں کو محفوظ رکھنے کی شدید ضرورت ہوتی ہے کیونکہ وہ بند ماحول میں رہتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ خواتین ملازمین کے ذریعہ ان کی نگرانی کی وکالت کی گئی ہے۔ ملازمین کے مرد ہونے کی شکل میں اقتدار اعلی کے عہدہ پر کسی خاتون کا فائز ہونا لازم ہے اور مردوں کے ساتھ خواتین کا ہونا بھی ضروری ہے۔

دوران قید استحصال وتشدد اور امتیاز وتفریق کی تمام شکلوں سے تحفظ کو یقینی بنانا قید خانہ کی انتظامیہ پر لازم ہے۔ قید خانہ میں موجود حاملہ خواتین اور دودھ پلانے والی ماؤں کی کیفیت کو سامنے رکھتے ہوئے ان کے لئے خصوصی رعایتوں کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔ اگر ممکن ہو سکے تو بچے کی پیدائش باہر کسی ہاسپیٹل میں ہو۔

عالمی معیاروں کا اصرار ہے کہ خواتین قیدیوں کی تلاشی لیتے وقت خصوصی احتیاط وحسن سلوک کا مظاہرہ کیا جائے، خواتین قیدیوں کی ذاتی واندرونی تلاشی کی صورت میں مرد ملازمین کی شرکت کا کوئی جواز ہی نہیں۔

خواتین قیدیوں کے تعلق سے نوزائیدہ اور شیر خوار بچوں کا مسئلہ بھی کافی اہمیت کا حامل

ہے۔ بہت سے ملکوں میں ماؤں کو قید خانے میں اپنے نوزائیدہ بچوں کو رکھنے کی اجازت ہے، شیر خوار بچوں کو ان کی ماؤں سے جدا کرنے کی مناسب عمر کیا ہے، یہ متعین کرنا بڑا مشکل ہے۔ کچھ قید خانوں کی انتظامیہ ماؤں کو اپنے بچوں کو ۹ یا اٹھارہ مہینوں کی عمر تک اپنے ساتھ رکھنے کی اجازت دیتی ہے، اگر بچے کے لئے رہنے کی کوئی اور جگہ نہ ہو تو چار سال کی عمر تک وہ اپنی ماں کے ساتھ رہ سکتا ہے۔

اس سلسلے میں یہ اشارہ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ روس کا تعزیری قانون ان ماؤں کے لئے جن کی سزاؤں کی مدت پانچ سال یا اس سے کم ہے، ان کے سب سے چھوٹے بچے کی عمر آٹھ سال ہونے تک سزا ملتوی کئے جانے کی اجازت دیتا ہے، مدت پوری ہونے کے بعد ایک بار پھر سزا پر نظر ثانی کی جاتی ہے تاکہ یہ فیصلہ کیا جاسکے کہ اس خاتون کو جیل بھیجا جائے یا نہیں، اس فیصلہ کا ایک اہم پیمانہ یہ ہوتا ہے کہ اس مدت میں اس خاتون نے کوئی دوسرا جرم کیا ہے یا نہیں۔

عمر قید یا طویل المیعاد سزا یافتہ قیدی

عمر قید یا دوسری طویل المیعاد سزائیں پائے ہوئے قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کے متعلق اگرچہ عالمی معاہدوں اور حقوق انسانی کے دستاویزوں میں متعینہ طور پر بہت کچھ نہیں کہا گیا ہے، اس کے باوجود اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ وہ بھی ان سبھی رعایتوں اور حقوق کے مجاز ہیں جو عام قیدیوں کو حاصل ہیں۔ طویل المیعاد قیدیوں کے ساتھ برتاؤ کی ضابطہ بندی کی خاطر ''عمر قید کے تعلق سے اقوام متحدہ کی سفارشات'' ایک بنیادی عالمی دستاویز ہے، ان سفارشات کے موافق ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ ''معاشرتی تعامل اور اتصال و رابطے کے مواقع'' نیز ''اجرت کے ساتھ کام کرنے، مطالعہ، مذہبی و ثقافتی امور کی بجا آوری، کھیل کود اور

خالی اوقات کے دوسرے مشاغل کے مواقع'' ان تمام قیدیوں کو فراہم کرے جو عمر قید کی سزا پا چکے ہیں۔ ان سفارشات سے یہ بھی نتیجہ نکالنا بالکل بجا ہے کہ دوسرے تمام طویل المعیاد قیدی بھی ان سہولیات کے مستحق ہیں۔

اسی طرح طویل المیعاد قیدیوں کے متعلق یورپین کاؤنسل کی رپورٹ سفارش کرتی ہے کہ ''نفع بخش کاموں کے مواقع'' دئے جائیں، اس رپورٹ کا یہ بھی کہنا ہے کہ ایسے قیدیوں کے ساتھ اس طرح برتاؤ کیا جائے کہ وہ سدھر جائیں اور باہر کی دنیا میں شریفانہ زندگی گذارنے کے لئے ان کو آزاد کرنے کا امکان بڑھ جائے۔

سزائے موت یافتہ قیدی

حقوق انسانی کا عالمی معیار حکومتوں کو اس بات کا پابند بناتا ہے کہ وہ سزائے موت پائے ہوئے قیدیوں کو وہ ساری سہولتیں مہیا کرائے جو عام قیدیوں کو حاصل ہیں، یہ بھی ضروری ہے کہ طعام وقیام، حفظان صحت کے وصول، ورزش، طبی سہولیات اور دوسرے قیدیوں سے تعلق رکھنے جیسے معاملات میں انہیں کمتر تصور نہ کیا جائے، ان قیدیوں کی قید خانے کے اندر حرکت پر غیر ضروری بندش نہیں ہونی چاہئے اور ان کے ساتھ برابرتاؤ صرف اس لئے نہیں ہونا چاہئے کہ وہ سزائے موت والے قیدی ہیں۔

ایسے قیدیوں کو کام، تعلیم اور دوسری ثقافتی سرگرمیوں کی سہولیات تک رسائی کے بغیر الگ تھلگ جگہوں پر مسلسل رکھنے کی کوئی بھی دلیل عالمی حقوق انسانی کی نگاہ میں غیر منطقی ہے۔ ان کو جو سزا دی گئی ہے صرف اس کی بنیاد پر کسی اضافی سزا کی اجازت نہیں دی جاسکتی، بلکہ ضرورت تو اس بات کی ہے کہ قید خانہ کی انتظامیہ ان ذہنی ونفسیاتی کرب واضطراب کو جسے عموماً ''Death row phenomenon'' (موت کا انتظار کررہے لوگوں کی ذہنی کیفیات کا

مظہر) کہتے ہیں، کم کرنے کی کوئی سبیل نکالے، ایسے قیدیوں کو اپنے ان وکیلوں سے رابطہ قائم کرنے کا پورا موقع ملنا چاہئے جو سزا کے خلاف اپیل کی پیروی کر رہے ہیں۔

کام اور فنی تربیت

عالمی قانون کے مطابق جبری یا لازمی محنت ممنوع ہے، تاہم یہ بھی ملحوظ رہے کہ قیدیوں کے سارے کام خود بخود اس زمرے میں نہیں آجاتے، سزا یافتہ قیدیوں کو کام کا مکلّف بنایا جاسکتا ہے بشرطیکہ درج ذیل تحفظات فراہم کئے جائیں۔

☆ کام بامقصد ہو

☆ کام سے ایسی فنی صلاحیتیں پیدا ہوتی ہوں جو قید سے چھٹکارے کے بعد مفید ثابت ہو

☆ قیدیوں کو کام کی اجرت ملنی چاہئے

☆ کام کی کیفیت عمومی ورک کلچر بالخصوص صحت و تندرسی اور تحفظات کے معیاروں کے مطابق ہونی چاہئے۔

☆ کام کے اوقات حد سے متجاوز نہ ہوں اور دوسری سرگرمیوں کے لئے بھی وقت بچے۔

قبل کارروائی قیدیوں کو کام کا پابند اگرچہ نہیں بنایا جاسکتا، تاہم ان کے لئے بھی کام کے مواقع فراہم ہونے چاہئے اور جہاں تک ممکن ہو سکے اس میں شرکت کے لئے ان کی حوصلہ افزائی ہونی چاہئے۔

مختلف طبقات کی ضروریات کا لحاظ

قانون کا عالمی معیار تمام ملکی فریقوں کا یہ فریضہ قرار دیتا ہے کہ وہ زبان، جنسی رجحانات، مذہب وثقافت، سماجی حیثیت، ذات برادری یا وطنیت پر مبنی اقلیتی فرقوں کا خصوصی

لحاظ کرے، قید خانہ کی انتظامیہ کے لئے اس امر کو یقینی بنانا بھی ضروری ہے کہ قیدیوں یا ملازمین میں سے کوئی بھی فرد اقلیتوں کے خلاف امتیازی برتاؤ کا رجحان پیدا نہ کر سکے۔

معاشرے میں قیدیوں کا انضمام

عالمی معیاروں کا اس امر پر اصرار ہے کہ قید خانوں کو ایسی جگہ کے طور پر استعمال کرنا چاہئے جو قیدیوں کو قید خانے سے خلاصی کے بعد معاشرے میں واپس آکر معمول کی زندگی گذارنے کا اہل بنانے میں معاون ہو۔ یہ قول مشہور ہے کہ سدھرا ہوا قیدی وہ نہیں جو قید خانہ میں رہنے کے طور طریق کو اچھی طرح سیکھ لے بلکہ وہ قیدی صحیح معنوں میں سدھرا ہوا ہے جو آزادی کے بعد قید خانہ سے باہر کی دنیا میں کامیابی کے ساتھ زندگی گذارنے کا اہل ہو جائے۔ جہاں تک ہو سکے قید و بند سے آزاد ہونے والے افراد کو معاشرے کا ذمہ دار شہری بنانے کے لئے ہر طرح کے وسائل و ذرائع کو بروئے کار لانا چاہئے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ قیدی جس حالت و کیفیت کے ساتھ قید خانہ میں داخل ہو وہاں سے نکلنے کے وقت ان کی حالت و کیفیت اس سے بدتر نہیں ہونی چاہئے۔

عالمی قانون کے تحت قیدیوں کے حقوق-ایک جائزہ

جناب عبدالرحیم بیجاپور☆

تعارف

قیدیوں کے حقوق سے بحث کرنے والے حقوق انسانی کے دستاویزات دو قسم کے ہیں؛ ان میں سے ایک کی پابندی لازمی ہے جبکہ دوسرے کی پابندی ضروری نہیں ہے۔ قید خانوں اور قیدیوں سے متعلق عمومی احکام وقوانین بہت سے عالمی بنیادی حقوق انسانی کے دستاویزات میں موجود ہیں۔ مثلا عالمی معاہدہ برائے شہری وسیاسی حقوق (ICCPR) میں مذکور ہے: "وہ تمام افراد جن کو اپنی آزادی سے محروم کردیا گیا ہے، ان کے ساتھ انسان کی فطری و پیدائشی عزت واحترام کا خیال رکھتے ہوئے انسانی سلوک کیا جانا چاہئے" ٹارچر اور دوسرے بے رحم غیر انسانی اور ذلت آمیز برتاؤ یا سزا کے خلاف اقوام متحدہ کا معاہدہ، ٹارچر اور غیر انسانی یا ذلت آمیز برتاؤ یا سزا کی روک تھام کے لئے یورپین معاہدہ ٹارچر اور سخت جسمانی سزاؤں کو ممنوع قرار دیتے ہیں۔ تیسرا جنیوا معاہدہ ۱۹۴۹ء (جنگی قیدیوں سے متعلق) اولین معاہدہ ہے جو قیدیوں کی ایک مخصوص قسم کے حقوق سے بحث کرتا ہے۔ مگر حیرت کی بات ہے کہ کوئی ایسا عالمی معاہدہ نہیں ہے جو صرف یا پوری تفصیل کے ساتھ قیدیوں کے حقوق یا ان کے ساتھ برتاؤ سے بحث کرتا ہو۔ قیدیوں

☆ ایم فل، پی، ایچ، ڈی (جے این یو) ایل ایل ایم، اسیکس (Essex) برطانیہ۔
پروفیسر، سماجی سیاسیات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی۔

کے ساتھ برتاؤ اور قید خانوں کی انتظامیہ کے متعلق اہم دستاویزات معاہدوں کی شکل میں نہیں ہیں اور یہی وجہ ہے کہ عالمی قانون کے تحت ان کی پابندی لازمی نہیں ہے، تاہم یہ مختلف رہنما اصول و قوانین قیدیوں اور قید خانوں کے تعلق سے ایک بہت ہی مؤثر اور مفصل عالمی رہنمائی کا ماخذ فراہم کرتے ہیں۔

قانون نافذ کرنے والے افسران اور قیدیوں کے حقوق سے متعلق چند اہم ترین غیر لازمی عالمی اور علاقائی دستاویزات درج ذیل ہیں:

☆ قیدیوں کے ساتھ برتاؤ کے لئے اقوام متحدہ کا علی الاقل معیاری قوانین ۱۹۷۷ء

☆ کسی بھی طرح کی تحویل یا قید میں رکھے گئے افراد کے تحفظ کی خاطر مجموعہ اصول

☆ قیدیوں کے ساتھ برتاؤ کے بنیادی اصول ۱۹۹۰

☆ نابالغ کی خطا کاریوں کی روک تھام کے لئے اقوام متحدہ کے رہنما اصول (ریاض رہنما اصول)

☆ نو عمر بچوں کو انصاف دلانے کے لئے اقوام متحدہ کا علی الاقل معیاری قوانین (بیجنگ قوانین)

☆ قانون نافذ کرنے والے افسران کے لئے ضابطہ اخلاق

اس مضمون کا مقصد حقوق انسانی پر مشتمل لازمی اور غیر لازمی دونوں طرح کے دستاویزات میں مذکور عالمی قانون کے تحت قیدیوں کے حقوق پر ایک مختصر جائزہ ہے۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا، بہت سے سے غیر لازمی دستاویزات ایسے ہیں جن کا تذکرہ جگہ کی قلت کی بنا پر اس مضمون میں نہیں کیا گیا ہے۔ ان میں سے کچھ کا تذکرہ ضروری ہے جو درج ذیل ہے:

اپنی آزادی سے محروم کر دئے گئے اطفال کی حفاظت کے لئے اقوام متحدہ کے اصول ۱۹۹۰ء، غیر حراستی اقدامات کے لئے اقوام متحدہ کے علی الاقل معیاری قوانین (ٹوکیو

قوانین)۱۹۹۰ء قانون نافذ کرنے والے افسران کے ذریعہ طاقت کے استعمال کے لئے بنیادی اصول وضوابط، ٹارچر اور دوسرے بے رحم غیر انسانی یا ذلت آمیز سلوک وسزا سے نظر بند افراد یا قیدیوں کو محفوظ رکھنے کے مقصد سے میدان صحت کے اشخاص کے رول کے متعلق طبی اخلاقیات کے اصول وضوابط ۱۹۸۲ء۔

جنیوا کے تیسرے معاہدے ۱۹۴۹ء کے تحت جنگی قیدیوں کے ساتھ برتاؤ

جنگی قیدی ریاست کے قیدی تصور کئے جاتے ہیں اور ریاست کو ہی انہیں نظر بند یا قید کرنے کا اختیار حاصل ہے، اس فرد و جماعت کو نہیں جنہوں نے انہیں گرفتار کیا ہے، قید کرنے کا اختیار جسے حاصل ہے، وہی عالمی قانون کے مطابق ان کے ساتھ حسن سلوک کا ذمہ دار ہے۔ قوانین جنگ کے متعلق جنیوا معاہدہ جنگی قیدیوں کے ساتھ برتاؤ کے تعلق سے بنیادی احکام مہیا کرتا ہے۔جنگی قیدیوں کے ساتھ غیر انسانی یا ذلت آمیز سلوک نہیں ہونا چاہئے، رنگ ونسل، جنس وجنسیت، مذہبی عقیدہ، سیاسی نظریہ یا اسی طرح دوسرے عوامل کے بہانے ان کے درمیان فرق و امتیاز کرنا روانہیں، ان کے خلاف انتقامی کارروائیاں ممنوع ہیں، ان کی حفاظت ہمہ وقت ضروری ہے، خصوصا تشدد، ڈرانے دھمکانے، تذلیل وتحقیر اور عوامی تجسس جیسے معاملات سے ان کو بچانا بھی ناگزیر ہے، جنگی قیدیوں کا عوام کے سامنے مظاہرہ بھی جائز نہیں۔

ان کو قید میں رکھنے والی بااختیار ریاست کی ذمہ داری ہے کہ ان کے لئے مناسب انداز میں سبھی ضروریات مفت فراہم کرے، جنیوا معاہدہ سوم جنگی قیدیوں کے قید کی کیفیت و نوعیت، ان کی محنت، حالت قید میں مالی وسائل، باہری دنیا اور وہ افسران جن کے ماتحت وہ ہیں ان کے ساتھ تعلقات اور قید کے خاتمہ کے متعلق مفصل قانونی بیانات پر مشتمل ہے۔

مسلح جنگ چھڑنے کے وقت اس میں شریک دونوں پارٹیوں کو اپنے مفادات کے

تحفظ کی خاطر کسی غیر جانبدار ریاست کو تحفظ کا اختیار دے دینا چاہئے، Protecting Power کا نظام اس امر کو یقینی بنانے کے لئے قائم کیا گیا ہے کہ مسلح تصادم میں شریک پارٹیاں جنیوا دستور کی تعمیل کر سکیں۔ Protecting Power کا بنیادی کام جنگی قیدیوں سے ملنا اور بغیر گواہی کے ان سے سوالات پوچھنا ہے، جنگی قیدیوں سے ملنے کی خاطر Protecting Power کے نمائندوں پر زمان و مکان کی کوئی بندش نہیں ہونی چاہئے، اس تعلق سے ناگزیر فوجی عوامل کی بنا پر صرف عارضی اور استثنائی شکل میں Detainig Power کو کسی طرح کی پابندی لگانے کی اجازت ہے۔ جنگی قیدیوں کے خلاف عدالتی کارروائی شروع کرنے کی صورت میں Detainin Power (جسے قید کرنے کا اختیار حاصل ہے) کی ذمہ داری ہے کہ وہ مقدمہ کے آغاز سے کم از کم تین ہفتہ قبل ہی Protecting Power کو اس کی اطلاع دے۔ Protecting Power (جسے قیدیوں کے تحفظ و مفاد کے لئے کام کرنے کا اختیار سونپا گیا ہے) عموماً اس پارٹی کے شہریوں جو دشمن کے کنٹرول میں ہیں، کے مفادات کی نگرانی کرتا ہے جس نے اس کو متعین کیا ہے۔ Protecting Power تنازع کے تصفیہ میں بھی حصہ لے سکتا ہے۔

اس نظام کی بنیادی کمزوری یہ ہے کہ Protecting Power کی تعیین کے سلسلہ میں مسلح تصادم میں شریک پارٹیوں کی باہمی رضامندی ضروری ہے، نتیجہ اس نظام سے بہت کم فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ اس سلسلے میں فالک لینڈ جنگ کی مثال دی جاسکتی ہے جس کے دوران سوئیٹزرلینڈ نے برطانیہ کی طرف سے اور برازیل نے ارجنٹینا کی طرف سے Protecting Power کا رول ادا کیا تھا۔ (کوریا، ویتنام یا ایران و عراق جنگ میں کسی Protecting Power کی تعیین نہیں ہو پائی تھی)

تصادم میں شریک پارٹیاں اگر Protecting Power پر رضامند نہ ہو سکے، اس صورت میں ریڈ کراس کی عالمی کمیٹی (ICRC) یا کوئی بھی انسان دوست تنظیم Protecting

Power کا رول ادا کرنے کے لئے آگے بڑھ سکتی ہے یا انسانی بنیادوں پر ایسے کام سرانجام دے سکتی ہے جو Protecting Power کی ذمہ داری ہوتی ہے، بہرحال پہلا مرحلہ درخواست اور دوسرا مرحلہ Detaninig Power کی رضامندی ہے۔

ICRC کو ایک اہم مقام حاصل ہے، Protecting Power کی تعیین ہو یا نہ ہو، Detaninig Power کی رضامندی کے ساتھ جنگی قیدیوں کے تحفظ اور فلاح و بہبود کی خاطر ICRC کو کام کرنے کی اجازت حاصل ہے۔

جنیوا معاہدۂ سوم کے احکام وقوانین کی تعمیل اس پر دستخط کرنے والی ریاستوں پر اگرچہ لازم ہے، اس کی خلاف ورزی بہت زیادہ ہوئی ہے۔اس معاہدہ شکنی کی ایک تازہ مثال عراقی قیدیوں کے ساتھ خصوصاً ابوغریب جیل میں امریکہ کی قیادت میں اتحادی فوجیوں کا ذلت آمیز سلوک ہے۔ بہت سی عالمی حقوق انسانی کی تنظیموں اور ICRC کی طرف سے شکایتوں کے نتیجے میں ۱۹ر جنوری ۲۰۰۴ء کو عراق میں تعینات امریکہ کے سینئر کمانڈر جنرل رکارڈو سالیز نے امریکہ کے سنٹرل کمانڈ سے اس معاملہ میں تحقیقات کرانے کی درخواست کی، میجر جنرل انٹونیو ایم ٹگوبا کو تحقیقات کے لئے متعین کیا گیا جنہوں نے ۲۶ر فروری ۲۰۰۴ء کو اپنی رپورٹ مکمل کر لی، اس رپورٹ کے مطابق: "یہ بات سچ ہے کہ منظم اور غیر قانونی طور پر ابوغریب جیل میں قیدیوں کے ساتھ حیا سوز، صریح ظلم وستم اور خباثت پر مبنی مجرمانہ برتاؤ کیا گیا" ان زیادتیوں میں بشمول دیگر اشیاء کے جسمانی ظلم وستم، مرد و عورت قیدیوں کو ننگا کر کے ان کی فوٹو گرافی اور ویڈیو گرافی، فوٹو گرافی کے لئے واضح مختلف جنسی ہیئتوں سے قیدیوں کو پوز دینے کے لئے مجبور کرنا، ان کے کپڑے اتروا کر لگاتار گھنٹوں عریاں رکھنا، مرد ایم پی گارڈ کا عورت قیدی کے ساتھ صحبت کرنا، فوجی کتوں کے ذریعہ ڈرانا دھمکانا شامل ہے۔ جب سی بی ایس (CBS) نے 60 Minutes 11" بتاریخ ۲۸ر اپریل ۲۰۰۴ء امریکہ کے فوجیوں کے ذریعہ عراقی قیدیوں پر ظلم وستم کی واضح

تصویریں دکھائیں، اس کے بعد ہی اس کی رپورٹ شائع ہوسکی۔

گونتناموبے میں ان قیدیوں کے ساتھ جو افغانستان میں Operation Enduring Freedom'' کے دوران پکڑے گئے تھے ان کے ساتھ تیسرے جنیوا معاہدہ کے مطابق برتاؤ کرنے سے اگرچہ امریکہ حکومت نے انکار کیا ہے پھر بھی اس نے عالمی رفاہ عام کے قانون خصوصاً تیسرے اور چوتھے جنیوا معاہدے (جنگ کے زمانہ میں شہری قیدیوں کے تحفظ سے متعلق) کی موزونیت کو کبھی چیلنج نہیں کیا ہے۔ عراقی شہریوں کو گرفتار کرنے، ان کو گونتناموبے میں قید کرکے ان کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ کی صورت میں رفاہ عام اور عدالتی چارہ جوئی کے قوانین کی بنیادی شرطوں کو نظر انداز کیا گیا ہے۔ عراقی قیدیوں کے تعلق سے تیسرے معاہدے کی اہم ترین قانونی شقوں کی خلاف ورزی کی گئی ہے جن کی رو سے جنگی قیدیوں کے ساتھ بہر صورت انسانی سلوک کرنا لازمی ہے، محفوظ قیدیوں کے ساتھ جسمانی یا اخلاقی زیادتی کرنا خصوصاً ان سے یا کسی فرد ثالث سے معلومات حاصل کرنے کی غرض سے ممنوع ہے (آرٹیکل ۳۱) اسی طرح قتل، جسمانی سزا یا ظلم و بربریت پر مبنی کوئی بھی عمل خواہ وہ شہریوں یا فوجیوں کے ذریعہ ہو ناجائز ہے (آرٹیکل ۳۲)۔ ابوغریب جیل میں شہری بھی تھے۔ جنیوا کے چوتھے معاہدہ کے مطابق جنگی قیدیوں اور شہریوں کے درمیان امتیاز لازمی ہے اور یہ کہ شہریوں کے ساتھ ان کے وقار کا لحاظ کرتے ہوئے انسانی برتاؤ کیا جائے۔ (آرٹیکل ۵، ۲۷، ۳۱ اور ۳۲)

کیوبا اور گونتناموبے (جہاں کے سبھی قیدی طالبان اور القائدہ سے تعلق رکھتے ہیں اور جن کو امریکہ غیر قانونی جنگ جو کہتا ہے) میں قائم امریکہ کے فوجی بیس میں بھی قیدیوں کے انسانی حقوق کو اسی طرح پامال کیا گیا ہے۔ ۲۰۰۲ء کے اوائل میں چند تنظیمیں (Centre for Constitutional Rights, The Human Rights Clinic at Columbia Law School, and the

(Centre for Justice and International Law نے انٹر امریکن کمیشن برائے انسانی حقوق سے درخواست کی کہ بشمول دیگر اشیاء کے امریکہ نے the American Declaration on the Rights and Duties of Man کی خلاف ورزی کی ہے کیونکہ وہ جنیوا کے تیسرے معاہدے میں مذکور ضروری اقدامات کی تعمیل میں ناکام رہی ہے اور اس نے عدالت تک رسائی کے بغیر لوگوں کو طویل المیعاد قید وحراست میں رکھے ہوئے ہے۔ امریکی حکومت انٹر امریکن کمیشن کی اس درخواست کی ان دیکھی کر رہی ہے" با اختیار ٹریبونل کے ذریعہ قیدیوں کو اس کی قانونی حیثیت دلانے کے لئے فوری طور پر ضروری کارروائی کی جائے"۔ ۲۰۰۲ء سے ۲۰۰۵ء کے دوران امریکی حکومت اور درخواست دہندگان نے کمیشن کو بہت سے بریف پیش کئے اور اس کے سامنے زبانی سماعتوں میں شرکت کی۔ اس مدت میں کمیشن نے اپنے مارچ ۲۰۰۲ء کے پیغام کو دہراتے ہوئے کئی فیصلے جاری کئے ہیں۔ کمیشن کا یہ بھی ماننا ہے کہ اس دوران جو پیش رفت ہوئی ہے بشمول امریکی سپریم کورٹ کے فیصلے، شعبہ دفاع کی پالیسی میں تبدیلیوں کے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کمیشن کے ابتدائی فیصلے میں مذکور امریکی ذمہ داریوں پر جزئی طور پر عمل درآمد ہوا ہے۔ کچھ مبصرین کی نظر میں اس پیش رفت کا سہرا کمیشن اور دوسری کچھ با اختیار عالمی تنظیموں کے سر جاتا ہے۔

کمیشن کے ساتھ تبادلہ خیال کے دوان امریکی حکومت نے ہمیشہ ہی یہ دلیل دی ہے کہ رفاہ عام کے عالمی قانون کی حیثیت مختلف ہے، قانون برائے انسانی حقوق کا اطلاق اس پر نہیں ہوسکتا۔ امریکہ کا یہ بھی کہنا تھا کہ کمیشن کو آئی ایچ ایل کی تشریح وتوضیح اور اسے لاگو کرنے کا قانونی اختیار حاصل نہیں ہے۔

یہاں پر گونتنا موبے میں مقید افراد کے تعلق سے انسانی حقوق کمیشن کا ذکر بے جا نہ ہوگا۔ ۲۰۰۶ء میں ICCPR کے تحت امریکی رپورٹ (UN doc. A/61/40(vol.1)) کے

مطالعہ کے نتیجے میں کمیشن کے چار اختتامی مشاہدات من وعن نقل کئے جاتے ہیں:

۱۲۔....ممبر ریاست کو فوراً خفیہ حراستی کارروائی کو ختم کرنا چاہیے اور سبھی خفیہ قید خانے بند کر دینا چاہیے، مسلح جنگ کے نتیجے میں مقید افراد تک ریڈ کراس کی عالمی کمیٹی کی مکمل رسائی ہونی چاہیے۔حکومت کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ قیدیوں کو مقام قید لحاظ کئے بغیر پوری طرح قانونی تحفظ فراہم کرے۔

۱۴۔رکن ریاست کو چاہیے کہ وہ گونتاموبے، افغانستان، عراق اور دوسری غیر ملکی سبھی جگہوں پر قائم مقامات حراست میں مشکوک اموت، ٹارچر، یا بے رحم غیر انسانی یا ذلت آمیز سلوک و سزا کے متعلق الزامات کی فوری اور غیر جانبدارانہ تحقیقات کرائے جن کے ذمہ دار اس کے اسٹاف ہیں (بشمول کمانڈر اور عارضی ملازمین کے)، ریاست اس امر کو یقینی بنائے کہ ملزم اشخاص پر مقدمہ چلائے جائے، ان کے جرائم کی کی سنگینی کے اعتبار سے ان کو سزا دی جائے۔اسے ایسے تمام اقدامات کرنے چاہیے جس سے ان جرائم کے ارتکاب پر قابو پایا جا سکے۔

۱۸۔معاہدہ کے آرٹیکل ۹ اور پیراگراف ۴ کے مطابق رکن ریاست کے لیے اس امر کو یقینی بنانا ضروری ہے کہ گونتاموبے میں زیرے حراست افراد کورٹ کے سامنے عدالتی چارہ جوئی کے حقدار ہیں جو بلا تاخیر یہ فیصلہ کرے گی کہ ان کی حراست قانونی ہے یا ان کو چھوڑنا ضروری ہے۔اس سلسلے میں حق بجانب کارروائی، انتظامیہ اور فوج سے آزاد جائزہ لینے والی عدالتوں، نظر بند افراد کے من پسند مشیروں، شہادتوں اور کارروائیوں تک رسائی کی ضمانت دی جانی چاہیے۔

۳۳۔کمیٹی اپنی اس سفارش پر پھر زور دے رہی ہے کہ مرد افسران کو خواتین کے کوارٹر میں جانے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے یا کم از کم ان کے ساتھ خواتین افسران بھی ہوں۔کمیٹی اس بات کی بھی سفارش کرتی ہے کہ ولادت کے وقت نظر بند خواتین کے ہاتھوں میں ہتھکڑی نہیں ہونی چاہیے۔

ICCPR اور قیدی

قیدیوں کے متعلق ICCRP کی بہت سی شقیں کافی واضح ہیں۔ آرٹیکل ۱۰ کے پیراگراف تین کے مطابق یہ ضروری ہے کہ نظام قید خانہ ''ایسا ہو کہ قیدیوں کے ساتھ معاملات کا بنیادی مقصد جو ان کی اصلاح اور معاشرے میں ان کو از سر نو زندگی گذارنے کا اہل بنانا ہے حاصل ہو سکے۔ قیدیوں کی اصلاح وفلاح پر معاہدے کے اصرار کو اس بات سے بھی تقویت ملتی ہے کہ جہاں تک ہو سکے سزا یافتہ اور ریمانڈ پر لئے ہوئے قیدیوں کے درمیان فرق ملحوظ رکھنے کی شرط لگائی گئی ہے۔ ریمانڈ قیدیوں کے ساتھ غیر سزا یافتہ افراد کی طرح مناسب سلوک کرنا چاہئے اور کم سن قیدیوں کو بالغوں سے الگ رکھنا چاہئے۔ آرٹیکل نمبر سات واضح انداز میں ٹارچر اور بے رحم غیر انسانی یا ذلت آمیز برتاؤ کو ممنوع قرار دیتا ہے اور آرٹیکل ۱۰ کے پیراگراف ایک کے مطابق'' آزادی سے محروم کئے گئے سبھی افراد کے ساتھ انسانی سلوک ہونا چاہئے کیونکہ بہر حال انہیں بنی نوع انسان کا ایک فرد ہونے کے ناتے احترام انسانیت کا فطری حق حاصل ہے''۔

ICCPR میں مفصل تعریفات نہیں ملتیں اور نہ ہی یہ اشارہ ملتا کہ ان واضح اصولوں کے مدنظر قیدیوں کے ساتھ سلوک کے معیار کیا ہیں؟ مثلاً ٹارچر کے امتناع میں ٹارچر کی تعریف یا اس کی ماہیت کی بابت کوئی رہنمائی نہیں ملتی، اسی طرح ''بے رحم غیر انسانی یا ذلت آمیز'' کی وضاحت نہیں کی گئی ہے۔ آرٹیکل ۱۰(ا) کا قطعی مفہوم کہ قیدیوں کے ساتھ انسانی سلوک ہونا چاہئے اور ان کی فطری عزت ووقار کا احترام کیا جائے غیر واضح ہے، اگر چہ HRC نے وضاحت کی ہے کہ یہ شرط رکن ریاستوں پر ایک مثبت فرائض عائد کرتی ہے جس کا منطقی نتیجہ ٹارچر یا دوسرے بے رحم غیر انسانی سلوک وسزا کی ممانعت ہے جس کا تذکرہ معاہدے کے آرٹیکل سات میں کیا گیا ہے، اسی طرح اپنی آزادی سے محروم کر دیے گئے افراد کے ساتھ ایسا برتاؤ نہیں کیا جا سکتا ہے، جو آرٹیکل سات کے مخالف ہو اور نہ ہی انہیں آزادی سے محرومی کے سبب پریشانیوں کے

علاوہ دوسری سختیوں اور بندشوں کا شکار نہیں بنانا چاہیے، جس طرح آزاد انسانوں کو عزت نفس کا حق حاصل ہے انہیں بھی ملنا چاہیے۔ آزادی سے محروم کردیئے گئے افراد اس معاہدے میں مذکور تمام حقوق کے مستحق ہیں، سوائے ان بندشوں کے جن سے بچنا کسی بند ماحول میں مشکل ہے۔

ICCR کے آرٹیکل سات اور اس میں متعین تصورات اور انہیں کس طرح قیدیوں پر لاگو کیا جائے کی رہنمائی بہت سے عالمی قانونی ماخذ سے مل سکتی ہے۔

بہت سے مواقع پر HRC نے پایا ہے کہ قید خانہ کی حالت مجموعی اعتبار سے نامناسب اور سخت ہے جو آرٹیکل ۷ کی خلاف ورزی ہے، ایک معاملہ میں HRC نے پایا کہ ایک قیدی کو کافی تنگ و تارک سیل (۲۰ رسکوائر میٹر میں تقریباً ۳۵ رقیدی) میں رکھا گیا تھا، اس نے فطری روشنی نہیں دیکھی تھی یہ سراسر حقوق انسانی کی خلاف ورزی ہے، پھر اسے اس سے بھی زیادہ تنگ و تاریک جگہ منتقل کردیا گیا جہاں اس سے سخت محنت کا کام لیا جاتا، معمولی خوراک دی جاتی، اور مسلسل اس سے پوچھ گچھ کی جاتی، اس کے ساتھ زیادتی کی جاتی اور سخت سزا دی جاتی، ایک دوسرے معاملے میں آرٹیکل میں ۷ کی خلاف ورزی سامنے آئی جس میں قیدی کو سخت اور اکثر ذلت آمیز حالت و کیفیت، نامناسب طبی سہولیات اور لگاتار قید تنہائی کا سامنا کرنا پڑتا تھا، اسے قید خانہ کے سب سے سرد حصے میں رکھا گیا تھا (قید خانہ خود سرد علاقے میں تھا) جس کے سبب اس کے گھٹیا کر مرض ناقابل برداشت ہوجاتا اور وہ ورزش کے لئے اپنی کوٹھری سے قلیل وقفہ کے لئے بھی باہر آنے سے معذور تھا۔

بہت سے معاملات میں HRC کے مطابق آرٹیکل دس کی خلاف ورزی ہوئی ہے جن میں قیدیوں کو اذیت ناک اور ذلت آمیز حالت میں رکھا گیا تھا، ان تمام معاملات کا عمومی نکتہ یہ ہے کہ ان حالات و کیفیات کا قیدیوں پر منفی اثر ہوتا ہے، یوروگوائے کے قیدیوں کے متعلق بہت سے فیصلوں میں HRC نے آرٹکل دس کی خلاف ورزی پائی ہے جن میں قیدیوں کو گارڈ کی طرف

سے مسلسل ستایا جاتا، لگاتار قید تنہائی کے ساتھ متواتر ان کا مشاہدہ کیا جاتا، اس میں نامناسب اشیاء خوردنی کی فراہمی اور ناکافی ورزش اور بند ماحول شامل ہے۔

بہت سے معاملات میں آرٹیکل دس اور سات کے مابین ہم آہنگی نہیں ہو سکی جس کا حق قیدیوں کو حاصل ہے، ٹارچر کے متعلق روئیداد مرتب کرنے والے اقوام متحدہ کے مخصوص نمائندے نے تبصرہ کیا ہے کہ ICCRP کی خلاف ورزی نتیجۃً آرٹیکل ۱۰(۱) کی خلاف ورزی ہے البتہ اس کے برعکس ہمیشہ سچ نہیں ہوتا۔ اس سے سمجھا جا سکتا ہے کہ آرٹیکل سات ایک متعین معیار فراہم کرتا ہے اگرچہ بہت ممکن ہے کہ دونوں کے درمیان ایک موہوم حد فاصل موجود ہو۔ مرتب نے اشارہ کیا ہے کہ بسا اوقات مبہم فرق کے بہت سے معقول اسباب ہو سکتے ہیں پھر بھی HRC کے لئے اس صورت حال کے تعلق سے منطقی طور پر مدلل تجزیہ فراہم کرنا باقی ہے۔

یورپین انسانی حقوق کے دستاویزات میں اس کے مساوی تصورات کی طرف اشارہ فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔ The European Commission on Human Rights کی رائے میں ''غیر انسانی برتاؤ'' وہ ہے جو دانستہ طور پر ذہنی یا جسمانی اذیت ومصیبت کا سبب بنے، جس کو مخصوص حالت میں جائز نہیں کہا جا سکتا''۔ کمیشن کا یہ بھی ماننا ہے کہ اگر سزا'' ذلت آمیز'' ہے تو ECHR کے آرٹیکل ۳ کے مقاصد کے لئے ذلت ورسوائی کا اس حد تک پہونچنا ضروری ہے جو جرائم کے ارتکاب کے لئے دی گئی سزاؤں کے نتیجہ میں ذلت ورسوائی سے الگ تھلگ ہو۔ اس اصول کے مطابق قید خانہ کی جانچ پڑتال موجودہ ان تمام حالات وخلفیات پر منحصر ہے جن کے تحت قیدیوں کو قید کیا گیا ہے۔ اس آرٹیکل کی خلاف ورزی اس وقت مانا جائے گا جب بدسلوکی میں ایک خاص سطح تک سختی پائی جائے۔ چنانچہ سکورٹی، اصول پسندی اور تحفظ کے مقصد سے انتظامی طور پر قیدیوں کو ایک دوسرے الگ رکھنا آرٹیکل ۳ کی خلاف ورزی نہیں ہے۔ اس دلیل کے سبب کمیشن کا ماننا ہے کہ تنہا قید کی بظاہر کچھ سخت مثالیں آرٹیکل ۳ کے خلاف نہیں ہیں۔ قیدیوں

کے حقوق پر لکھے گئے اہم انگریزی مقالوں کے مصنفین نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ فیصلے اس امر کے متقاضی ہیں کہ ''سکورٹی کی متخیلہ شرطوں اور انسان کے بنیادی حقوق میں توازن قائم کرتے وقت اکثر و بیشتر فیصلہ پہلی پارٹی کے حق میں ہوگا''۔

اس کے برخلاف قید خانہ کے ماحول کی بابت European Committe on Torture کا نظریہ زیادہ جامع اور مفصل ہے، ماحول کے مجموعی اثرات کے حوالے سے غیر انسانی اور ذلت آمیز کی وہ تعین کرتی ہے۔ برطانیہ میں اپنی پہلی آمد کے موقع پر کمیٹی نے انگریزوں کے بہت سے قید خانوں کی نوعیت وکیفیت کی کثیر جہتی اور مفصل چھان بین کی۔ بہت سے قید خانوں میں بھیڑ کے مجموعی اثرات، طہارت خانے (قیدی قضائے حاجت کے بعد اپنے فضلہ کو بالٹیوں میں ڈالتے تھے جنہیں متعینہ مدت کے بعد ہی ہٹایا جاتا تھا) کی کمی اور بدسلوکی کی بہت سی دوسری مثالوں کے تئیں کمیٹی نے اپنی گہری فکرمندی کا اظہار کیا۔ کمیٹی نے اس طرح کے حالات کو غیر انسانی اور ذلت آمیز کے زمرے میں رکھا ہے۔

اختیاری پروٹوکول کے تحت شکایتیں

ICCPR میں مذکور حقوق کے مقابلے اختیاری پروٹوکول کی کی توثیق اس میدان میں ہوری ہی پیش رفت کے تعلق سے کافی اہمیت کا حامل ہے۔ اس لئے کہ یہ لوگوں کو بشمول قیدیوں کے ICCPR کی مبینہ عہد شکنی کے خلاف United Nations Human Rights Committee سے شکایت کرنے کا اختیار عطا کرتا ہے۔ HRC سے کی گئی شکایتوں کو دور کرنے کے طور طریقوں پر کئی اعتبار سے تنقید کی گئی ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ HRC سے کی گئی شکایت کو قبول کرنے کے سخت احکام اختیاری پروٹوکول کے تحت شروع کی گئی کارروائیوں کو آخر کار غیر یقینی بنا دیتا ہے۔ قبولیت کا سب سے اہم اصول یہ شرط ہے کہ HRC کے سامنے شکایت اسی وقت درج

کی جاسکتی ہے جب کہ شکایت کنندہ نے موجودہ اپنی تمام ملکی تدبیریں اختیار کر چکا ہو۔ اس طرح کی شرط جو عموماً انسانی حقوق کے معاہدوں کا ایک جز ہے شکایت کنندہ کی یہ ذمہ داری قرار دیتا ہے کہ وہ اس بات کا ثبوت پیش کرے کہ اس نے "علاقائی قانون میں موجود سبھی تدبیریں جو اصولی طور پر نقصانات کی تلافی کے لئے مؤثر اور کارگر وسیلہ ہے" سے استفادہ کی پوری کوشش کر چکا ہے۔ HRC نے اس معیار کو اس لئے اختیار کیا ہے تاکہ وہ پتہ کر سکے کہ اختیاری پروٹوکول کے لئے شکایت کنندہ نے سبھی علاقائی تدبیریں اختیار کر چکا ہے۔ آیا کسی مخصوص تدبیر کو اختیار کیا جاسکتا ہے قبل اس کے کہ انہی حقائق پر مبنی شکایت HRC قبول کرے، بہت حد تک اس مسئلے میں تدبیر کی خصوصیت پر منحصر ہے۔ تاہم یہ شرط کہ تدبیر "موثر اور مناسب" ہو اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اس کے اندر ایسی خصوصیت کا ہونا لازمی ہے جس سے شکایت کنندہ کے مسئلہ کا حل کارگر طریقے سے نکل سکے۔

شکایت کے طور طریقے پر دوسری تنقید یہ کی جاتی ہے کہ HRC کا زیادہ تر کام اضافی طور پر مبہم ہے۔ کمیٹی کے قوانین میں حالیہ ترمیمات نے اس کے طریقے کے بہت سے مشکل پہلوؤں کو بدل دیا ہے۔ مثال کے طور پر اب کمیٹی کے فیصلے منظر عام پر آتے ہیں۔ درخواست دہندہ پر اب یہ پابندی نہیں رہی کہ وہ عرضی پیش کرنے کی حقیقت کو منظر عام پر نہ لائے۔ تاہم عمل تحکیم کے چند پہلو واضح نہیں ہیں اور کمیٹی زبانی سماعت نہیں کر سکتی۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ HRC کی کارروائیوں کی پبلسٹی اضافی طور پر کم ہوتی ہے اور عدالتی سماعتوں کی بہ نسبت اس کی عوامی تنقید و تفتیش کم ہو پاتی ہے۔ پھر بھی اس میں شبہ کی گنجائش بہت کم ہی ہے کہ HRC کے بہت سے فیصلوں پر سفارتی، سیاسی اور دانشورانہ نگاہ ڈالی گئی ہے اور یہ کہ حکومت عالمی برادری کے دباؤ میں HRC کے فیصلے کو نافذ کرتی ہے۔ لیکن یہ بات قابل ذکر ہے کہ HRC کے فیصلوں کو ماننا اقوام متحدہ کے رکن ریاستوں کے لئے لازمی نہیں ہے اور انہیں جبراً نافذ نہیں کیا جاسکتا۔

قیدیوں کے ساتھ برتاؤ کے لئے اقوام متحدہ کا علی الاقل معیاری قانون

قیدیوں کے ساتھ برتاؤ کے متعلق مشہور ترین عالمی دستاویز UNSMR ہے۔ UNSMR کو بنیادی طور پر ایسے معیار کی فراہمی کے لئے تیار کیا گیا تھا جس کو انفرادی طور پر سبھی ملکوں کے قومی قانون فوجداری میں شامل کیا جاسکے، ایسی تبدیلیوں کے ساتھ جو ان ملکوں کی سماجی اور قانونی حالات کے متقاضی ہیں، یہ دستاویز بہت حد تک تمام پہلوؤں پر حاوی ہے، اس میں ۹۵/اصولوں سے بحث کی گئی ہے۔UNSMR دیوانی اور فوجداری قیدیوں کی سبھی قسموں بشمول ریمانڈ اور مخصوص قیدیوں کے ساتھ برتاؤ کا کم ازکم معیار تجویز کرتا ہے۔اور شرط لگاتا ہے کہ قیدیوں کو قانون میں فراہم کردہ حقوق کے بارے میں مطلع کیا جائے، ان قوانین میں بنیادی ضروریات، مناسب اور صحت بخش غذا، صاف پینے کا پانی اور موزوں کپڑے کی شرطیں داخل ہیں۔

UNSMR کے مطابق یہ بھی لازمی ہے کہ قیدخانوں میں مناسب طریقے پر افسران صحت رکھے جائیں جن کی ذمہ داریوں میں طہارت خانہ، غذا کی تیاری، حرارت وروشنی کے تعلق سے حفظان صحت کے اصول ومعیار کی رپورٹنگ اور چھان بین شامل ہے۔UNSMR سماجی و ثقافتی معلومات واطلاعات تک قیدیوں کی رسائی کو برقرار رکھنے کی بابت بھی رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ان قوانین کی ہدایت ہے کہ قیدیوں کو افراد خاندان اور نیک نام دوستوں سے مراسلت کرنے اور ملنے کی اجازت دی جانی چاہئے، قیدیوں کی رسائی ان لائبریریوں تک ہونی چاہئے جن میں تعلیمی وتفریحی مواد کا کافی ذخیرہ موجود ہو، ریڈیو اور اخبارات جیسے وسائل کے ذریعہ وہ باہری دنیا کی اہم خبروں سے وہ آگاہ رہیں، مذہب اور مذہبی سہولیات کے تعلق سے کچھ حد تک مفصل قوانین کے تحت قیدی مذہبی امور انجام دے سکتے ہیں، وہ مذہبی کتابیں رکھ سکتے ہیں اور اپنے مذہب کے باصلاحیت نمائندوں سے ملاقات بھی کرسکتے ہیں اور ملاقات سے انکار بھی

کر سکتے ہیں، یہ بات قابل ذکر ہے کہ مذہب سے متعلق بہت سے قانونی بیانات مثلاً مذہبی کتابوں کی ملکیت یا مذہبی نمائندے کی تقرری وغیرہ غیر مشروط نہیں ہے، ہاں قید خانہ کے افسران کی اجازت سے قیدی ان قوانین کا فائدہ اٹھا سکتے ہیں، قید خانہ کے افسران کے لئے قانون کے معیاروں پر اترنا اسی وقت ضروری ہے جبکہ ایسا کرنا ممکن ہو۔UNSMR کی بہت سی شقیں قیدیوں کو اصولوں کا پابند بنانے سے متعلق ہے، یہ قوانین تمام بے رحم غیر انسانی اور ذلت آمیز سلوک کو ممنوع قرار دیتے ہیں، اور زیادہ مخصوص شقیں واضح طور پر بدسلوکی کی بہت ساری قسموں جیسے جسمانی سزا، قید تنہائی اور آلات بندش کو بطور سزا استعمال کرنے کی مختلف شکلوں کو ممنوع قرار دیتی ہیں۔ البتہ UNSMR قلت خوراک یا تبدیل شدہ غذا کو بطور سزا استعمال کرنے سے نہیں روکتا، غذائی پابندیاں عائد کی جاسکتی ہیں بشرطیکہ قید خانہ کا ڈاکٹر تصدیق کردے کہ قیدی اس سزا کو برداشت کرسکتا ہے۔

خوشی کی بات ہے کہ UNSMR میں خواتین قیدیوں سے متعلق چار احکام موجود ہیں۔ خواتین قیدیوں کو مرد قیدیوں سے الگ رکھا جائے، ان کی نگرانی اور تلاشی صرف خواتین افسران یا اسٹاف کے ذریعہ کی جائے، حاملہ خواتین اور دودھ پلانے والی مائیں جو قید میں ہیں انہیں مخصوص سہولیات فراہم کی جائیں، اگر ممکن ہوسکے تو انہیں ولادت کے لئے باہر کسی ہاسپٹل میں لے جانا چاہئے۔

قید خانوں کو محفوظ مقام بنانے کے لئے UNSMR کے بہت سے قوانین ہیں جو درج ذیل ہیں:

☆ ہتھکڑی وغیرہ کا استعمال منتقلی کے دوران فرار کے خلاف احتیاطی تدبیر کے طور پر ہونا چاہئے جس کی مدت ضرورت سے زیادہ نہ ہو، اس شرط کے ساتھ کہ عدالت یا انتظامیہ کے عہدیدار کے سامنے پیش ہوتے ہی یا طبی اسباب کے مدنظر اسے ہٹادیا جائے۔

☆ قید خانوں کا ماحول ان سبھی لوگوں کے لئے جو یہاں رہتے اور کام کرتے ہیں محفوظ ہونا چاہیے، دوسرے لفظوں میں قیدیوں، ملازمین اور ملاقاتیوں کے لئے ان کا محفوظ ہونا ضروری ہے۔

☆ قید خانہ کے کسی فرد کو اپنے جسمانی تحفظ کے تئیں کوئی اندیشہ نہ ہو۔

☆ زنجیروں اور فولاد کا استعمال بطور بندش کے نہیں ہونا چاہیے۔

☆ نظم ونسق کے قواعد اور اصول وضوابط پر سختی سے عمل کرایا جائے تاکہ مرتب سماجی زندگی جینے کا داعیہ ان کے اندر پیدا ہو اور سکورٹی کے انتظامات میں کمی نہ ہو البتہ ضرورت سے زیادہ پابندیاں عائد نہ کی جائیں۔

☆ اصول شکنی سے متعلق خطاؤں اور سزاؤں کی تعیین قانون یا مطبوعہ ہدایات کے مطابق ہونی چاہیے۔

☆ مبینہ جرم کی اطلاع اور اس کے مناسب دفاع کے لئے موقع فراہم کئے بغیر کسی قیدی کو سزا نہیں ملنی چاہیے۔

☆ تمام بے رحم غیر انسانی سزائیں بالکل ممنوع ہیں جن میں جسمانی سزا اور تاریک کوٹھریوں میں قیدیوں کو رکھنا شامل ہے۔

☆ بالکل تاریک وتنگ جگہ میں قید یا قلت خوراک کی سزا کبھی نہیں دینی چاہیے الا یہ کہ صحت کے عہدیدار اس بات کی تصدیق کردے کہ طبی طور پر قیدی اسے برداشت کرسکتا ہے۔

☆ سزا کے طور پر آلات بندش کا استعمال نہیں ہونا چاہیے۔

☆ جو قیدی اصول شکنی کے لئے تادیبی کارروائی کا سامنا کررہے ہیں انہیں اعلی عہدیداروں تک اپنی بات پہونچانے کا موقع ملنا چاہیے۔

اسی طرح بہتر طریقے سے قید خانوں کے استعمال کے متعلق بہت سے احکام ہیں جو

درج ذیل ہیں:

☆ قید خانہ کے اصول وضوابط کا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ قیدی جیل سے چھٹنے کے بعد با اصول زندگی گزارنے کے اہل ہو جائیں اور اپنی مدد آپ کر سکیں۔

☆ جہاں تک ممکن ہو سکے ان تمام سزا یافتہ قیدیوں سے کام لینا چاہئے جو طبی اعتبار سے تندرست ہیں۔ اس کام کی نوعیت ایسی ہو جو ان کے اندر مخصوص صلاحیت پیدا کرے تا کہ وہ سزا کاٹنے کے بعد سماج میں باعزت طریقے سے اپنی روزی روٹی کما سکیں۔

☆ فنی تربیت کا بندوبست خصوصاً نوجوان قیدیوں کے لئے ہونا چاہئے۔

☆ قیدیوں کو اپنے کام کا معاوضہ دیا جائے۔

☆ قیدیوں کو اس بات کی اجازت ہونی چاہئے کہ وہ اپنی کمائی میں سے خود پر صرف کریں، اپنے اہل خانہ کو دیں اور کچھ بچت کریں۔

☆ تعلیم اور ثقافتی سرگرمیوں کے مواقع قیدیوں کو ملنے چاہئے جس سے ان کی حوصلہ افزائی ہو، اس میں کتب خانہ تک ان کی رسائی بھی شامل ہے۔

☆ ان پڑھ اور نوجوان قیدیوں کے لئے تعلیم لازمی ہونا چاہئے، قید خانہ کے ذمہ داروں کو چاہئے کہ وہ اسے اپنی اولین ترجیحات میں شامل کریں۔

☆ قیدیوں کو کسی بھی مذہب کے باصلاحیت نمائندوں سے رابطہ قائم کرنے کا اختیار ملنا چاہئے۔

☆ قیدیوں کی سزا کے آغاز ہی سے قید سے فراغت کے بعد ان کی زندگی کے متعلق غور وغوض ہونا چاہئے اور سماج میں باعزت زندگی گزارنے کا اہل ہونے کی کوششوں میں اس کو تعاون ملنا چاہئے۔

☆ قیدیوں کے اندر باعزت معاشرتی زندگی گزارنے کی صلاحیت پیدا کرنے کے

مقصد سے سرگرم ایجنسیوں اور سروسوں کا فرض بنتا ہے کہ وہ اس امر کو یقینی بنائیں کہ قیدی سزا کاٹنے کے بعد کے زمانے میں اپنی زندگی گزارنے کے لئے موجودہ وسائل و ذرائع کا استعمال کرسکیں۔

چونکہ UNSMR کوئی عالمی معاہدہ نہیں ہے، اس لئے اس کی حیثیت قانونی نہیں ہے۔قانون اول میں درج ہے:UNSMR" کا منشا صرف یہ ہے کہ قیدیوں کے ساتھ برتاؤ اور اس ادارے کے انتظام وانصرام کے تئیں جو رواج و قانون عموماً مسلم ہیں ان کی نشاندہی کرے"

اقوام متحدہ میں شامل رکن ریاستوں کے ذریعہ ان قوانین کے نفاذ کے موضوع پر لکھی گئیں پہلے کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت ہی کم ریاستوں نے ان قوانین کے اہم حصوں کو نافذ کیا ہے، بہت سی ریاستیں رپورٹ پیش کرنے میں ناکام ثابت ہوئی ہیں یا انہوں نے کافی تاخیر سے رپوٹیں پیش کی ہیں۔ ۱۹۹۴ء میں اقوام متحدہ کی اقتصادی اور سماجی کونسل نے قیدیوں کے ساتھ برتاؤ کے علی الاقل معیاری قوانین کے نفاذ کے مؤثر طریقے کو اختیار کیا، جس نے واضح کیا کہ قید و حراست میں مبتلا سبھی افراد کے تحفظ کی خاطر جو ریاستیں قیدیوں کے ساتھ برتاؤ کے علی الاقل معیاری قوانین کے معیار پر نہیں اترتیں انہیں ان قوانین کو اختیار کرنا چاہیئے، ۱۹۶۷ء اور ۱۹۹۴ء کے درمیان UNSMR کے نفاذ کے متعلق اقوام متحدہ نے کئی سروے کرائے۔ ۱۹۹۸ء تک مجموعی طور پر ۹۹ ریاستوں نے UNSMR کی حیثیت کی بابت سوالوں کے جوابات دیے۔ ان جوابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جوابات فراہم کرنے والے تقریباً سبھی ملکوں نے ان قوانین کو اپنے قومی آئین میں شامل کیا ہے۔ تاہم ان ملکوں کی طرف سے فراہم کردہ معلومات کی توثیق کا کوئی وسیلہ موجود نہیں۔ کسی تجزیہ نگار کا قول ہے " ان سروے کے جوابات دینے میں ریاستیں اپنے مفادات کو سامنے رکھتی ہیں، کہا جاتا ہے کہ ان قوانین نے وہاں رائج آئین پر اثر ڈالا ہے جبکہ ان اثرات کی شناخت مشکل ہوتی ہے۔"

یہ کہا گیا ہے کہ علی الاقل معیاری قوانین میں درج رفاہ عام کے اصول عالمی اعلانیہ برائے انسانی حقوق کا ایک جز ہے۔ اس رائے کو ان بہت سارے قوانین سے تقویت ملتی ہے جنہوں نے اہم عالمی معاہدوں کے قوانین برائے رفاہ عام کو اختیار کر لیا ہے۔ مثلاً UNSMR کا قانون ششم رنگ ونسل، مذہب وملت، جنس وجنسیت یا سیاسی وغیر سیاسی نظریئے، جائداد یا کسی اور حیثیت کی بنیادوں پر قیدیوں کے ساتھ امتیازانہ سلوک ورویہ کو حرام قرار دیتا ہے۔ اس تجزیئے سے اندازہ ہوتا ہے کہ UNSMR کا مقصد دوسرے عالمی دستاویزوں میں موجود بنیادی اصولوں کو وسعت دینا ہے نہ کہ اس کی تکرار اور قید خانہ کی انتظامیہ اور قیدیوں کے حالات کے مسائل پر ماہرانہ رہنمائی فراہم کرنا ہے۔

اقوام متحدہ کی کمیٹی برائے انسانی حقوق نے عالمی برادری کو یاد دہانی کرائی ہے کہ UNSMR اور اس جیسے دوسرے دستایزات ICCPR کی طرح دوسرے دستاویزات کے مواد کی تعیین میں کافی اہمیت کے حامل ہیں۔ کمیٹی نے اشارہ کیا ہے کہ ICCPR کے آرٹیکل ۱۰(۱) (جس کی ہدایت کے مطابق آزادی سے محروم کردئے گئے سبھی افراد کے ساتھ ان کے فطری وقار کو ملحوظ رکھتے ہوئے انسانی سلوک کیا جانا لازمی ہے) میں موجود مزید عمومی فریضہ کی ادائیگی کی بابت کمیٹی کو رپورٹ پیش کرتے وقت رکن ممالک کو "اپنی رپورٹ میں یہ ضرور بتانا چاہئے کہ قیدیوں کے ساتھ برتاؤ کے تعلق سے اقوام متحدہ کا معیار کس حد تک قابل عمل ہے:

قیدیوں کے ساتھ برتاؤ کے لئے علی الاقل معیاری قوانین حراست وقید میں رکھے گئے سبھی افراد کے تحفظ کے لئے مجموعہ اصول اور دوسرے عالمی دستاویزات۔ اس تبصرے سے اندازہ ہوتا ہے کہ Human Rights Committee کا ماننا ہے کہ UNSMR کی تعمیل ICCPR کی طرف سے عائد کردہ فریضہ کو صرف جزئی طور پر ادا کرتا ہے۔

علاقائی سطح پر قیدیوں اور قید خانوں کے متعلق اصلاحی وتحقیقاتی پروگراموں کے لئے

UNSMR حوالے کی خاطر کافی اہم ہے۔

کسی بھی طرح کے قید و حراست میں رکھے گئے سبھی اشخاص کے لئے اقوام متحدہ کا مجموعہ قوانین (مجموعہ قوانین)

کسی بھی طرح کی حراست و قید میں رکھے گئے سبھی افراد کے لئے مجموعہ اصول کو اقوام متحدہ کے جنرل اسمبلی نے ۱۹۹۸ء میں منظور کیا ہے۔ اس مجموعہ اصول کو جو ۳۹ اصولوں پر مشتمل ہے جنرل اسمبلی کے ایک قرار داد سے ملحق ایک عمومی مجموعہ اصول کی حیثیت حاصل ہے؛ چنانچہ اسے کسی معاہدے یا اتفاق کی حیثیت حاصل نہیں ہے اور نہ ہی عالمی قانون میں اس کی پابندی لازمی ہے۔ لیکن جنرل اسمبلی کے ایک قرارداد کے نتیجہ میں جس کے اندر یہ بیان موجود ہے کہ ان اصولوں کو عام کرنے اور انہیں محترم بنانے کی غرض سے سبھی رکن ممالک کو ہر ممکن کوشش کرنی چاہئے مجموعہ اصول کی منظوری کو ایک عالمی خصوصیت عنایت کرتا ہے۔

مجموعہ اصول تمام مقید افراد کے بنیادی حقوق انسانی کے تحفظ کی کی اہمیت کی تصدیق کرتا ہے۔ تعارفی بیان کی وضاحت ہے کہ مجموعہ اصول کا دائرہ عمل کسی بھی طرح کی حراست و قید میں رکھے گئے سبھی افراد کی حفاظت تک وسیع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے زیادہ تر اصولوں کی عمومی اصطلاحات کی ذریعہ پوری وضاحت کی گئی ہے (برخلاف UNSMR کے مخصوص و متعین احکام کے) تاکہ اس کا اطلاق حراست کی موجودہ مختلف شکلوں جیسے کم سنوں، نفسیاتی بنیادوں پر محفوظ حراست، گرفتاری، ریمانڈ کی حراست، مقدمے کے بعد قید، تعزیراتی جرم کے ثبوت پر سزا کی توثیق وغیرہ پر اطلاق کیا جا سکتا ہے۔

بہت سے اصول جرم کی پاداش میں سزا یافتہ قیدیوں کے ساتھ برتاؤ کے تعلق سے کافی اہمیت کے حامل ہیں، مثلاً قیدیوں کو ان کے حقوق کے متعلق اطلاعات فراہم کیا جانا چاہئے اور ایسے وسائل تک ان کی رسائی ہونی چاہئے جن کے ذریعہ وہ اپنے حقوق کی لڑائی لڑ سکیں۔ قید خانہ

کے ذمہ داروں کو چاہئے کہ وہ قیدیوں کی درخواست کہ انہیں حتی الامکان ان کے گھر کے قریب رکھا جائے، اس پر عمل درآمد کی پوری کوشش کریں، اور قیدیوں کو مسلسل اپنے خویش واقارب اور قانونی مشیر کاروں سے رابطے کی اجازت ہونی چاہئے۔ خویش واقارب کے ساتھ قیدیوں کے رابطہ پر قانونی بندشیں لگائی جاسکتی ہیں مگر قانونی نمائندوں سے ان کے رابطہ پر بے حد اہم استثنائی صورتوں میں ہی پابندی عائد کی جاسکتی ہے۔ قید خانہ کے اصول وضوابط کیا ہیں، اصول شکنی کی صورت میں کیا سزائیں اور جرمانے عائد کئے جاسکتے ہیں ان سب کی وضاحت قانون کے ذریعہ ہونی چاہئے اور مناسب اشاعت بھی ہونی چاہئے۔ قیدیوں کو اصول پسندی کی کارروائیوں میں اپنا موقف واضح کرنے اور اور اصول شکنی کا مرتکب پائے جانے کی صورت میں اس فیصلے پر نظر ثانی کرانے کا موقع ملنا چاہئے۔

قیدیوں کے ساتھ برتاؤ کے لئے بنیادی اصول وضوابط

۱۴ ردسمبر ۱۹۹۰ء کو جنرل اسمبلی نے قیدیوں ک ساتھ برتاؤ کے لئے بنیادی اصول کو منظوری دی۔ مجموعی طور پر گیارہ اصولوں پر مشتمل یہ دستاویز ایسے حقوق وتحفظات کی ایک مفصل فہرست فراہم کرتا ہے جن کے قیدی مستحق ہیں۔ اس میں درج ذیل اصول ہیں:

☆ چونکہ سبھی قیدی انسان ہوتے ہیں احترام آدمیت کا انہیں حق حاصل ہے۔ ان کے ساتھ انسانی سلوک ہونا چاہئے۔

☆ رنگ ونسل، جنس وجنسیت، زبان ومذہب، سیاسی یا کسی اور نظریئے، جائداد یا کسی بھی دوسری حیثیت کی بنیادوں پر قیدیوں کے ساتھ فرق وامتیاز نہیں کیا جانا چاہئے۔

☆ قیدیوں کے مذہب اور ان کی جماعتوں کی تہذیبی روایات کا احترام مطلوب ہے۔

☆ قیدیوں کی حراست اور معاشرے کو جرائم سے محفوظ رکھنے کے تعلق سے قید خانہ کی

ذمہ داری کی ادائیگی اس طرح ہو کہ معاشرے کے تمام افراد کی فلاح و بہبود اور ترقی کے تئیں ریاست کے تمام تر مقاصد و واجبات پورے ہو سکیں۔

☆ اسیری کی ناگزیر و لازمی پابندیوں کو چھوڑ کر Internationa Bill of Human Rights (اس بل میں International Universal Declaration of Human Rights ICCPR، Covenant on Economic, Social and Cultural Rights/ICECR اور اس کے اختیاری پروٹوکول) نیز اقوام متحدہ کے دوسرے معاہدوں میں مذکور حقوق انسانی اور دوسرے تمام حقوق و آزادی کے مستحق ہیں۔

☆ انسان کی صلاحیتوں کو ابھارنے کے مقصد سے تعلیمی و ثقافتی سرگرمیوں میں شرکت کا حق سبھی قیدیوں کو حاصل ہے۔

☆ قید تنہائی بطور سزا کو ممنوع یا اس کے استعمال کو کم کرنے کی تمام تر کوششیں ہونی چاہئے اور ان کی ہمت افزائی بھی ہو۔ ایسے ماحول پیدا کئے جائیں جن میں قیدی با معنی ملازمت کے لئے تیار ہو سکیں تا کہ وہ اپنے اور اپنے افراد خاندان کے لئے باعزت طریقے سے روزی روٹی کا بندوبست کر سکیں۔

☆ قیدی قانونی حیثیت سے قطع نظر ملک میں فراہم سبھی طبی سہولیات سے مستفید ہونے کا استحقاق رکھتے ہیں۔

☆ برادری اور سماجی اداروں کی شرکت و تعاون کے ساتھ اور جرائم کے شکار لوگوں کے مفادات کو نگاہ میں رکھ کر سابق قیدیوں کو معاشرے میں بحال کرنے کے مقصد سے بہتر سے بہتر ماحول پیدا کرنا چاہئے اور۔

☆ مذکورہ بالا سبھی اصولوں کی پابندی غیر جانبدارانہ طریقے سے ہو۔

بچوں کی غلط کاریوں کی روک تھام کے لئے اقوام متحدہ کی ہدایات ۱۹۹۰ء (ریاض

اصول) Juvenile Justice کی انتظامیہ کے لئے اقوام متحدہ کے علی الاقل معیاری قوانین ۱۹۸۵ء (بے جنگ قوانین)

۱۴ر دسمبر ۱۹۹۵ء کو جنرل اسمبلی نے نابالغ قیدیوں کے متعلق ایک اہم دستاویز (جو ریاض اصول سے مشہور ہے) کو منظوری دی، بنیادی اصولوں کے مقابلے یہ دستاویز زیادہ مفصل ہے جس میں ۶۶ر اصول مذکور ہیں، اسی طرح بیجنگ قوانین ۳۰ر اصولوں پر مشتمل ہیں، یہ دونوں دستاویزات درج ذیل قوانین و ہدایات کی وضاحت کرتے ہیں جن کا اطلاق نابالغوں پر ہونا چاہئے۔

☆ مقید بچوں کے ساتھ ایسا معاملہ کیا جائے جس سے ان کی عزت نفس میں اضافہ ہو، وہ معاشرے میں باوقار زندگی گذار سکیں، ان کے مفادات وضروریات کا پورا خیال رہے۔

☆ امکان نجات کے بغیر بچوں کو سزائے موت، عمر قید یا کسی طرح کی جسمانی سزا نہیں ملنی چاہئے۔

☆ مقید بچوں کو بالغ قیدیوں سے الگ رکھا جائے۔

☆ ملزم بچوں کو بڑوں سے الگ رکھا جائے اور حتی الامکان جلد از جلد انہیں عدالتی کارروائی کے لئے پیش کیا جائے۔

☆ نابالغ قیدیوں کو اپنے اہل خانہ سے مراسلت کرنے اور ملنے کی اجازت کی خاطر خصوصی طور پر کوشش ہونی چاہئے۔

☆ مقید بچوں کی پرائیوسی کا احترام ہونا چاہئے اور ان کا محفوظ و مکمل ریکارڈ رکھا جانا چاہئے۔

☆ لازمی اسکول عمر کے بچوں کو تعلیم اور پیشہ ورانہ تربیت کا حق حاصل ہے۔

☆ جن اداروں میں نابالغ بچے ہوں وہاں ہتھیار نہیں لے جانا چاہئے۔

☆ اصول پسندی کی کارروائیاں ایسی ہوں جن سے بچوں کی عزت نفس میں کوئی فرق نہ آئے اور ان کے اندر احساس انصاف اور حقوق انسانی کا احترام پیدا ہو۔

☆ نابالغوں کی موت، زخمی ہونے، بیماری، چھٹکارا، منتقلی اور داخلے کی اطلاع ان کے والدین کو دی جانی چاہیے۔

قانون نافذ کرنے والے افسران کے لئے ضابطہ اخلاق

۱۷ر دسمبر ۱۹۷۹ء میں جنرل اسمبلی نے قانون نافذ کرنے والے افسران کے لئے ضابطہ اخلاق کو منظوری دی، ضابطہ اخلاق نے "Law Enforcement" کی اصطلاح کی تعریف یہ کی ہے: اس میں قانون کے وہ سبھی افسران شامل ہیں جو پولس کے اختیارات خصوصا گرفتاری اور تحویل کے اختیارات استعمال کرتے ہیں، فوجی عہدیداران خواہ وہ یونیفارم میں ہوں یا نہ ہوں اور ریاست کے سکورٹی فورسیز جو پولس کے اختیارات استعمال کرتے ہیں وہ بھی اس میں شامل ہیں، ضابطہ اخلاق کی شرط کے مطابق افسران کا فرض منصبی ہے کہ وہ حقوق انسانی کا احترام کریں، اپنی ذمہ داریوں کے نبھانے کے لئے شدید ضرورت کے وقت ہی طاقت کا استعمال کریں، خفیہ رکھنے والی چیزوں کو خفیہ رکھیں الا یہ کہ فرض کی ادائیگی اور انصاف کی ضرورتوں کی خاطر اسے افشا کرنا پڑے، انہیں چاہئے کہ وہ ٹارچر یا کسی اور بے رحم غیر انسانی برتاؤ میں ملوث ہوں اور نہ ہی اسے برداشت کریں۔ اسی طرح اعلی عہدیداروں کے فرمان، استثنائی حالات جیسے حالت جنگ، قومی سلامتی کو خطرہ، اندرونی سیاسی اتھل پتھل یا کسی بھی پبلک ایمرجنسی کو ٹارچر کے لئے بہانہ نہ بنائیں۔ ان کی تحویل میں جو افراد رکھے گئے ہیں ان کی صحت کی مکمل حفاظت کریں، خصوصا ضرورت کے وقت طبی سہولیات فراہم کریں، انہیں کوئی نامناسب حرکت نہیں کرنی چاہئے، ضابطہ اخلاق کا آرٹیکل ۸ ان کو پابند کرتا ہے کہ وہ قانون وضابطے کا احترام کریں، جہاں

تک ہو سکے وہ ان اصولوں کی خلاف ورزی کو روکیں اور اس کی مخالفت کریں۔اس میں یہ مذکور ہے کہ جو کوئی یہ مانتا ہے کہ اس ضابطے کی خلاف ورزی ہو رہی ہے یا ہو سکتی ہے اس کی اطلاع اپنے سینئر عہدیداروں کو کرنی چاہئے اور ضرورت پڑے تو ان محکموں اور ذمہ داروں کو بھی بتانا چاہئے جن کو نظر ثانی یا تدبیر کا اختیار حاصل ہے۔

خلاصہ: آگے کی راہ

قید خانوں اور قیدیوں سے متعلق سب سے اہم اور مفصل دستاویزات معاہدے نہیں ہیں لیکن UNSMR، اقوام متحدہ کا مجموعہ قوانین، BPT، بیجنگ رولس ریاض ہدایات اور قانون نافذ کرنے والے افسران کے لئے ضابطہ اخلاق جیسے دستاویزات غیر لازمی ہونے کے باوجود رہنما اصول و ہدایت کی حیثیت رکھتے ہیں۔قیدیوں کی حیثیت اور ان کے ساتھ برتاؤ کے متعلق اگرچہ ان دستاویزات میں اعلانات موجود ہیں تاہم انہیں معاہدوں کا رتبہ و اثر میسر نہیں۔ان اصول وقوانین اور ہدایات نے قیدیوں کے حقوق سے متعلق ملکی قانون کی تدوین میں ریاستوں کا تعاون کیا ہے۔The Human Rights Committee اور The Committee against Torture (Under UN Convention against Torture) انسانی برتاؤ کئے جانے کی بابت قیدیوں کا حق، آزادی اور سکورٹی کا حق (آرٹیکل ۹) اور ٹارچر اور غیر انسانی سلوک سے آزادی کے تعلق سے ICCPR کے جو قانونی بیانات ہیں ان کے مفہوم ومتن کی تعیین ووضاحت کے لئے ان دستاویزات کا استعمال کرسکتی ہیں۔ICCPR، Convention against Torture اور کچھ حد تک جنیوا کنونشن کے تحت قیدیوں کے حقوق کا تحفظ اور بہتر طریقے سے کیا جاسکتا ہے۔پہلے والے دستاویزات میں عالمی انسانی حقوق کی تعمیل کے تعلق سے رپورٹنگ کے طور طریقے، انفرادی درخواست کا نظام اور دوسرے بین ریاستی شکایت میکانزم جیسے نفاذ وپیش رفت کے ضروری وسائل

کا تذکرہ موجود ہے لیکن بدقسمتی سے دوسرے دستاویز (جنیوا دستور) میں ایسا کوئی میکانزم نہیں ہے۔ یہ بات ذہن نشیں رہے کہ گذشتہ تین دہائیوں میں انفرادی ابلاغ کے موضوع پر انسانی حقوق کمیٹی کی فقہیات کا ایک بڑا حصہ منظر عام پر آچکا ہے۔

جیسا کہ سبھی جانتے ہیں، CAT اور ICCPR کے رکن ممالک میں بہت ہی کم ایسے ہیں جو انسانی حقوق کے اصولوں کی پابندی کرتے ہیں ان میں بہت تو ایسے ہیں جہاں کے شہریوں کے حقوق انسانی کو پائمال کیا جاتا ہے جن میں مقید افراد شامل ہیں۔ چونکہ ٹارچر توہین انسانیت پر مبنی ہے کسی ریاست کے لئے کسی بھی فرد کو ٹارچر کرنے کی اجازت نہیں۔ کچھ ریاستوں نے ICCPR قوانین سے حق استثناء (تحفظات) کا استعمال کیا ہے۔ مثلاً ہندوستان حکومت نے آرٹیکل ۹ کے پیراگراف پانچ سے اپنے کو مستثنیٰ کرلیا ہے جس کے مطابق "غیر قانونی گرفتاری و حراست کے شکار افراد معاوضے کا لازمی حق رکھتے ہیں"۔ علاوہ ازیں ہندوستان کی حکومت نے انسداد دہشت گردی کے لئے پوٹا (Prevention of Terrorist Act)، ٹاڈا (Terrorist and Disruptive Activiteis Act) جیسے بہت سے قوانین بنائے جس کے تحت بہت سے لوگوں کے حقوق انسانی کی خلاف ورزی کی گئی۔ ۱۹۸۰ء کی دہائی میں پنجاب کے مسئلہ میں پولس کی زیادتیوں، جعلی انکاونٹر، مشتبہ دہشت گردوں کی خفیہ اسیری جیسے بہت سے الزامات حکومت ہند پر عائد کئے گئے تھے۔ اب تک اس غیر قانونی عمل میں ملوث افراد کے خلاف مقدمہ چلایا گیا اور نہ ہی ان کو سزا دی گئی۔

قیدیوں کی حالت سدھارنے کے مقصد سے کچھ عمومی تجاویز پیش کئے جارہے ہیں:

زیادہ سے زیادہ ریاستوں کو ICCPR اور انفرادی طور پر درخواست دینے کے لئے اس کے اختیاری پرٹوکول اسی طرح Convention agains Torture اور انفرادی طور پر درخواست

دینے کے لئے اس کے اختیاری پرٹوکول پر دستخط کرنے کے لئے نہ صرف آمادہ کیا جائے بلکہ قیدیوں کے ساتھ برتاؤ کے متعلق اقوام متحدہ کے غیر لازمی دستاویزات کے طرز پر ملکی آئین کی تدوین پر آمادہ کیا جائے۔ اس کے علاوہ مقید افراد کے حقوق کے متعلق بہت سے غیر لازمی دستاویزات کے قوانین ، IHL اور International Bill of Human Rights کے متعلق لوگوں کو واقف کرانے کی شدید ضرورت ہے۔

References and Bibliography / webliography

Amnesty International, A Guide to the United Nations Body of Principles for the Protection of all Persons under Any Form of Detention or Imprisoment (AI Index IOR/52/04/08)

Birgdom, Astrid and Perlin, Michael L. " 'Tolling for the Luckless, the Abandoned and Forsaken': Community Safety, Therapeutic Jurisprudence and International Human Rights Law as Applied to Prisoners and Detainees", Legal and Criminological Psychology, Vol. 13, 2008

Kumar, Ram Narayan, " The Matter of Mass Cremations in Punjab: A Window into the State of Impuntiy in India", in Abdulrahim P. Vijapur (ed.), Implementing Human Rights in the Third World - Esssays on Human Rights, Dalits and Minorities (New Delhi: Manak Publications, 2008)

McGoldrick, Dominic, The Human Rights Committee: Its Role in the

Development of the ICPR (Oxford: Clarendom Press. 1991)

Morgan, Roy, and Evans, Michael, Protecting Prisoners -The Standards of the European Committee for the Prevention of Torture in Context (1999)

Rodley, Nigel, The Treatment of Prisoners Under International Law, 2nd ed, (Oxford: Clarendon Press, 1999)

Steiner, Henry J., Alson, Philip, Goodman, Ryan, International Human Rights in Context - Law, Politics, Morals, Third Edition (Oxford: Oxford University Press, 2008)

Stocker, Daniel, "World Implementation of the Unted Nations Standard Minimum Rules for the Treatment of Prisoners", Journal of International Law and Economics, Vol. 10, 1975

Togabu Report (www.npr.org/iraq/2004_abuse_pdf)

Toaman, Jiri, "Quasi-Legal Standards and Guidelines for Protecting Human Rights", in Hurst Hannum (ed.), Guide to International Human Rights Practice, 4rd edn. (New York: Transnational Publications, 2004)

Treves, Tullio, "The UN Body of Principles for the Protection of Detained or Imprisoned Persons", American Journal of Interntional Law, Vol. 84, 1990

United Nations, Human Rights and Prisons - A Compilation of Intenational Human Rights Instruments concerning the Administration of Justice (New York / Geneva: United Nations, 2005)

Unted Nations, Human Rights and Prisons - A Pocketbbook of International Human Rights Standards for Prison Officials (New York and Geneva: United Nations, 2005)

Vijapur, Abdulrahman P., The United Nations of Fiffy - Studies in Human Rights (New delhi: South Asian Publishers, 1996)

Vijapur, Abdulrahman P., and k. Savitri, "The International Covenants on Human Rights: An Overview", India Quaterly, Vol. 62, No. 2, April-June 2006, pp. 1-37

(7,217 words)

17 December 2008

مسلمانوں کی کثیر تعداد جیلوں میں - سچر کے اعداد وشمار

محترمہ سیما چشتی ☆

جسٹس راجندر سچر کمیٹی نے ریاستوں سے جو اعداد وشمار حاصل کیے ہیں ان سے ہندوستان میں مسلمانوں کی ناگفتہ بہ حیثیت کا اندازہ ہوتا ہے تعلیم اور ملازمت کے مقابلے میں جہاں مسلمانوں کی موجودگی انتہائی کم ہے یہ بڑی تلخ متضاد پوزیشن ہے کہ جیلوں میں ان کی موجودگی ان کی آبادی کے تناسب سے کہیں زیادہ ہے بلکہ بعض ریاستوں میں جیل سے باہر مسلمانوں کی آبادی کا فیصد کافی کم ہے جبکہ جیل خانوں میں ان کی تعداد ان کی آبادی کے تناسب سے بہت زیادہ ہے۔

پھر یہ اہم اعداد وشمار جنہیں پہلی بار انگریزی روزنامہ انڈین ایکسپریس نے ۲۹ اکتوبر کی اشاعت میں پیش کیا ہے سچر کمیٹی کی اس فائنل رپورٹ میں شامل نہیں کیے گئے ہیں جو آئندہ ہفتہ پارلیمنٹ میں پیش کی جائے گی۔

ان اعداد وشمار کا حذف کیا جانا حیرت انگیز ہے جن میں مسلمان قیدیوں کی اتنی کثیر تعداد بتائی گئی ہے اس کے سنگین سیاسی وسماجی اثرات ہوسکتے ہیں اس سے مسلمان قومی زندگی میں اور بھی الگ تھلگ پڑ سکتے ہیں، جمود اور عصبیت میں اضافہ ہوسکتا ہے۔

جب جسٹس سچر سے ان اعداد وشمار کو حذف کرنے کے بارے میں پوچھا گیا تو ان کا

☆ سینئر صحافی بی بی سی۔

کہنا تھا کہ کیونکہ رپورٹ وزیراعظم کو پیش کی جاچکی ہے اور عنقریب پارلیمنٹ کے روبرو پیش کی جائے گی لہذا اس کے کسی پہلو پر تبصرہ کرنا میرے لئے مناسب نہیں ہوگا۔

حذف کردہ اعداد شمار بتاتے ہیں کہ مسلم قیدیوں کی تعداد کے تناسب کی بابت مہاراشٹرا، گجرات اور کیرالہ میں صورت حال سب سے زیادہ غیر متناسب ہے۔

مہاراشٹرا میں مسلم قیدیوں کا فیصد ریاست کی مجموعی آبادی میں ان کے تناسب سے کہیں زیادہ ہے۔ ریاست میں مسلمان آبادی کا تناسب ۶ء۱۰ فیصد ہے جبکہ مسلمان قیدیوں کا فیصد قیدیوں کی مجموعی تعداد کا ۴ء۳۲ ہے۔

جہاں تک ایسے قیدیوں کی تعداد کی بات ہے جو ایک سال سے کم عرصہ سے قید ہیں تو مہاراشٹرا کے تمام ایسے قیدیوں میں مسلمانوں کا تناسب ۶ء۴۰ فیصد ہے۔

گجرات میں مسلمان ریاست کی آبادی کا محض ۶ء۹ فیصد ہیں جبکہ مسلمان قیدیوں کا تناسب قیدیوں کی مجموعی تعداد کا چوتھائی (۲۵ فیصد) ہے۔

جموں کشمیر کے بعد آسام ملک کی دوسری ریاست ہے جہاں مسلم آبادی کا تناسب سب سے زیادہ ہے یعنی ۹ء۳۰ فیصد جبکہ مسلم قیدیوں کا فیصد ۱ء۲۸ فیصد ہے۔

کرناٹک میں دیگر ریاستوں کے مقابلے مسلمانوں کو ملازمت کے زیادہ مواقع میسر ہیں لیکن وہاں بھی ایسا ہی رجحان پایا جاتا ہے۔ ریاست کی آبادی میں مسلمانوں کا تناسب ۲۳ء۱۲ فیصد ہے جبکہ مسلمان قیدیوں کا فیصد ۵ء۱۷ ہے۔

دہلی میں مسلمان آبادی کا ۷ء۱۱ فیصد ہیں لیکن ایسے قیدیوں کی تعداد جو ایک سال سے کم عرصہ سے جیل میں ہیں مسلمانوں کا تناسب ۱ء۲۹ فیصد ہے۔

جناب وجاہت حبیب اللہ چیف انفارمیشن کمشنر کا خیال ہے کہ ان اعداد و شمار کو رپورٹ میں شامل کیا جانا چاہئے تھا۔ اسے حذف کرنے کے بارے میں ان کے اپنے دلائل اور وجوہ

ہو سکتے ہیں لیکن مسلمانوں کی حالت اور ملک میں جن مسائل سے وہ دو چار ہیں اسے مجموعی تناظر میں سمجھنے اور دیکھنے کے لئے یہ اعداد وشمار رپورٹ میں شامل کئے جانے چاہئے۔

ان اعداد وشمار سے مرتب ہونے والے اثرات پر متعدد ماہرین نے سوالات اٹھائے ہیں۔ بی ایس ایف کے سابق سربراہ پرکاش سنگھ جن کی پی آئی ایل پر سپریم کورٹ نے پولس میں اصلاحات کا حکم جاری کیا، کا کہنا ہے کہ ان اعداد وشمار سے پولس کا تعصب ظاہر نہیں ہوتا۔ دیگر ماہرین اسے مسلمانوں کے افلاس سے جوڑتے ہیں، قومی سطح پر ۲۸ فیصد کے مقابلہ میں مسلمانوں میں غربت ۴۴ فیصد ہے۔ روزگار کے مواقع اور قانونی امداد نہ ملنا بھی اس کا سبب ہے۔ ۲۵/نومبر ۲۰۰۶ء۔

جیل خانہ میں مسلمانوں کو تناسب سے زیادہ نمائندگی

جناب سالار محمد خان☆

تعلیم اور روزگار کے میدانوں میں مسلمانوں کو ان کی آبادی کے تناسب کے اعتبار سے بہت ہی کم حصہ ملتا ہے اگر جیلوں کو دیکھا جائے تو یہ بہت بڑا تضاد نظر آئے گا کہ وہاں مسلمان اپنی آبادی کے تناسب سے کہیں زیادہ موجود ہیں بلکہ بعض ریاستوں میں تو صورت حال یہ ہے کہ جیلوں کے اندر مسلمانوں کو ان کی آبادی کے فیصد سے بھی زیادہ نمائندگی حاصل ہے جبکہ جیل سے باہر آبادی میں ان کا فیصد کافی کم ہے (یعنی مسلمان آزاد کم ہیں قیدی زیادہ ہیں)۔

یہ صورت حال ان معلومات پر مبنی ہے جو جسٹس راجندر سچر کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں پیش کی ہے سچر کمیٹی وزیراعظم نے مقرر کی تھی تاکہ ملک میں مسلمانوں کی جو حالت ہے اس کا قومی سطح پر جائزہ لیا جائے۔ کمیٹی کے اس انکشاف کے بڑے دوررس سماجی اور سیاسی اثرات ہوسکتے ہیں۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ قید و بند میں مبتلا مسلمانوں کی اس کثیر تعداد کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مسلمان قومی زندگی میں اور بھی الگ تھلگ پڑ جائیں گے۔ تعصب اور بدگمانیاں اور بھی زیادہ گہری جڑ پکڑیں گی۔

اگرچہ اس کی تفصیل دستیاب نہیں ہے کہ مسلمان قیدیوں کی اتنی بڑی تعداد کس جرم میں قید خانوں میں پڑی ہے تاہم ذرائع کا کہنا ہے کہ سروے کے تحت ان قیدیوں کی مجموعی تعداد

☆ ایڈووکیٹ ہائی کورٹ، دہلی۔

۱۰۲۶۵۲ ہے، اور ان میں سے اکثریت دہشت گردی کے جرم میں ماخوذ نہیں ہے۔

ایک درجن ایسی ریاستوں سے جہاں مسلمانوں کی آبادی کا تناسب کافی اہم ہے، کہا گیا تھا کہ وہ اپنے وہاں مسلمان قیدیوں کی تعداد، وہ قیدی جن پر جرم ثابت ہو چکا ہے اور وہ قیدی جن کے مقدمات زیر سماعت ہیں، ان سب کے بارے میں اعداد و شمار فراہم کریں۔ مغربی بنگال، اتر پردیش، بہار اور آندھرا پردیش نے کمیٹی کو مطلوبہ اعداد و شمار فراہم نہیں کیے۔ اس طرح زیر بحث اعداد و شمار صرف آٹھ ریاستوں سے متعلق ہیں۔

اتفاق سے مغربی بنگال، اتر پردیش، بہار وہ ریاستیں ہیں (جیسا کہ انگریزی روزنامہ انڈین ایکسپریس نے اس ہفتہ کی اشاعت میں بتایا ہے) جہاں سرکاری ملازمتوں بشمول ریاست کے سرحدی زمرہ کے انڈرٹیکنگ (ریاستی نگرانی میں چلنے والے ادارے) میں مسلمانوں کی نمائندگی انتہائی حد تک کم ہے یہی صورت حال نچلی سطح کی عدلیہ میں بھی ہے۔

سنڈے ایکسپریس نے جو اعداد و شمار فراہم کیے ہیں وہ بتاتے ہیں کہ مہاراشٹرا، گجرات اور کیرالہ میں مسلمان قیدیوں کی تعداد سب سے زیادہ غیر متناسب ہے۔

۱- مہاراشٹرا میں تمام زمروں کے تحت (ملاحظہ ہو چارٹ) مسلمان قیدیوں کا فیصد ریاست میں ان کی آبادی کے تناسب سے بہت زیادہ ہے، ریاست میں مسلم آبادی ۶ء۱۰ فیصد ہے جبکہ مسلمان قیدیوں کا فیصد تناسب ۴ء۳۲ فیصد ہے۔

ایسے قیدیوں کا تناسب جو ایک سال سے کم عرصہ سے قید ہیں، اس میں مہاراشٹرا کے تمام قیدیوں میں مسلمانوں کا فیصد ۶ء۴۰ فیصد ہے۔

۲- گجرات کی مجموعی آبادی میں مسلمانوں کا فیصد صرف ۹.۶ ہے جبکہ قیدیوں کی مجموعی تعداد میں ایک چوتھائی مسلمان ہیں۔

۳- ملک میں آسام ایسی دوسری ریاست ہے جہاں جموں کشمیر کے بعد مسلمانوں کا

تناسب آبادی سب سے زیادہ ہے۔ آسام میں مسلمانوں کی آبادی کا تناسب ۳۰ء۹ فیصد ہے جبکہ مسلمان قیدیوں کا تناسب ۲۸ء۱ ہے۔

۴۔ کرناٹک میں بھی جہاں دیگر ریاستوں کے مقابلے میں مسلمانوں کو ملازمت کے بہتر مواقع دستیاب ہیں وہاں بھی اسی قسم کا رجحان پایا جاتا ہے۔

یہاں مسلمانوں کی آبادی کا تناسب ۱۲ء۲۳ فیصد ہے جبکہ مسلمان قیدیوں کا تناسب ۱۷ء۵ فیصد ہے۔

بارڈر سیکورتی فورسز (بی ایس ایف) کے سابق ڈائریکٹر جنرل پرکاش سنگھ جن کی مفاد عامہ کی عرضداشت (پی آئی ایل) پر سپریم کورٹ نے پولس میں اصلاحات کا حکم جاری کیا۔ کہا کہ میں ان اعداد وشمار پر بحث ایک پیچیدہ مسئلہ ہے۔ پولس پر غیر منصفانہ شک وشبہ کیا جاتا ہے۔ دہشت گردانہ حملوں یا فرقہ وارانہ فسادات کی صورت میں اگر پولس تشدد کرنے والوں کی داروگیر کرتی ہے اور پکڑے جانے والوں میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہوتو اب محض سیکولرزم کے نام پر یہ توقع نہیں کرسکتے کہ پولس انہیں ان کی آبادی کے تناسب سے ہی گرفتار کرے گی۔

دیگر ماہرین کی رائے ہے کہ افلاس اس رجحان کا خاص سبب ہے سچر کمیٹی کی فراہم کردہ معلومات کے مطابق قومی پیمانے پر افلاس کی سطح ۲۸ فیصد ہے جبکہ اس کے مقابلہ میں شہری علاقوں میں مسلمانوں کے درمیان یہ تناسب ۴۴ فیصد تک پہنچ گیا ہے۔

جناب وجاہت حبیب اللہ جو سابق سینئر سرکاری افسر جو اس وقت چیف انفارمیشن کمشنر کے عہدہ پر فائز ہیں، ان کا کہنا ہے کہ مسلمان قیدیوں کی تعداد کی کثرت اس حقیقت کی عکاس ہے کہ مسلمان عام طور پر زیادہ غریب ہیں اور پولس انہیں بے دریغ اٹھا لے جاتی ہے، اور وہ استحقاق وتحفظ کی کمی کے سبب بآسانی پولس کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں۔ مسلمانوں کے خلاف تعصب بھی پایا جاتا ہے اور غربت وافلاس کے سبب اس کی شدت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

سابق ممبر پارلیمنٹ اور مسلم مجلس مشاورت کے صدر سید شہاب الدین کا کہنا ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں اور امریکہ میں افریقی امریکیوں کے درمیان ایک قسم کی یکسانیت ہے۔

سنیما اور میڈیا جیسے ضمنی شعبوں میں مسلمانوں کو بہتر نمائندگی حاصل ہے اسی طرح غنڈہ گردی میں بھی وہ آگے ہیں چونکہ عام ملازمتوں اور روزگار میں انہیں مواقع دستیاب نہیں ہوتے۔

پھر آخر وہ کیا کریں؟ لہٰذا وہ پولس اسٹیشنوں (تھانوں) میں بکثرت لے جائے جاتے ہیں، اور پھر ایسے کاموں میں الجھ جاتے ہیں جن میں انہیں الجھنا نہیں چاہئے یہ وہی صورت حال ہے جو امریکہ میں افریقی نسل کے امریکیوں کے ساتھ پیش آتی ہے۔ ملک کی ابادی میں ان کا جس قدر تناسب ہے اس سے کہیں زیادہ تناسب میں ان کی تعداد جیلوں میں بند ہے۔ جب روزگار کے پورے مواقع میسر نہ ہوں تو پھر جرم ہی روزگار بن جاتا ہے۔

سید شہاب الدین کا یہ بھی کہنا ہے کہ مسلمان قیدیوں کی کثرت تعداد کا ایک سبب پولس میں ان کے خلاف تعصب اور انہیں قانونی امداد نہ ملنا بھی ہے یہ کلیہ کہ مسلمان دہشت گرد ہوتے ہیں پولس میں مسلم مخالف ذہن کی پیداوار ہے اگر کوئی مسلمان ملزم ہے تو وہ ایک کے بجائے دس مسلمانوں کو پکڑ کر لے جاتے ہیں وہ ہمیشہ اس وقت گرفتاریاں کرتے ہیں جبکہ اس اقدام کی ضرورت نہیں ہوتی چنانچہ وہ ان کے خلاف الزامات ثابت نہیں کر پاتے (۲۹ اکتوبر ۲۰۰۶ء)۔

تیسرا باب

تفصیلی مقالات

اسلام میں قیدیوں کے حقوق

مولانا راشد حسین ندوی ☆

جیل کی تاریخ

جرم کی بنیاد پر کسی کو قید کرنے اور قیدیوں کے لئے جیل خانہ بنوانے کا رواج قدیم دور سے ہے، قرآن مجید میں سورہ یوسف میں جیل خانہ کا ذکر ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس دور میں باقاعدہ جیلیں ہوا کرتی تھیں۔

اسلام میں بھی آنحضرت ﷺ کے دور مبارک ہی سے قید کرنے کا ذکر ملتا ہے، لیکن اس دور میں جیل کی باقاعدہ تعمیر نہیں ہوئی، جیل کی باقاعدہ تعمیر حضرت عثمانؓ، یا حضرت علیؓ کے دور میں ہوئی، اس سے پہلے آنحضرت ﷺ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے دور میں اس کا نظام یہ تھا کہ صاحب حق کو حکم دیا جاتا تھا کہ وہ اپنے خصم کے ساتھ ساتھ لگا رہے، یا پھر کسی مسجد یا کسی اور گھر میں باندھ دینے یا بند کر دینے کا حکم دیا جاتا تھا، لیکن حضرت علیؓ کے دور میں اس کا باقاعدہ مکمل نظم ہوا اور آج تک رائج ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: البحر الرائق ۷/ ۲۸۳، الدر المختار مع رد المحتار ۴/ ۳۴۸ تا ۳۵۶، فتح القدیر ۶/ ۳۷۵، ابوداؤد: کتاب الجہاد مختلف ابواب)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اسلام میں قید کرنا ثابت ہے، لہذا لازماً جیل اور اس کی متعلقہ چیزیں بھی ثابت ہو جائیں گی، قید کرنے کا ثبوت کتاب وسنت سے بھی ہے اور اجماع سے بھی

☆ مدرسہ ضیاء العلوم رائے بریلی، یوپی۔

ہے۔

جہاں تک کتاب اللہ کا تعلق ہے تو قید کا استدلال اس آیت کریمہ سے کیا جاتا ہے:

"إنما جزاء الذين يحاربون الله (الى) أوينفوا من الأرض" (سورة المائدہ: ۳۳)۔

چنانچہ احناف اور مالکیہ نے "ینفوا" سے قید کرنا مراد لیا ہے، امام ابو بکر جصاص فرماتے ہیں:

"واختلف في النفي فقال أصحابنا هو حبسه حيث يرى الإمام، وروى مثله عن إبراهيم" (احکام القرآن للجصاص ۲/ ۴۱۲)۔

علامہ قرطبی فرماتے ہیں:

"وقال مالک أيضا والكوفيون نفيهم سجنهم فينفى من سعة الدنيا إلى ضيقها" (الجامع لاحکام القرآن ۶/ ۱۵۲)۔

جہاں تک احادیث کا تعلق ہے تو بے شمار لوگوں کے قید کرنے کا ذکر ملتا ہے، مثلاً: ثمامہ ابن اثال (مسلم، جہاد، باب ربط الاسیر وحبسہ، ابو داؤد جہاد، باب فی الاسیر یوثق) اور سہیل ابن عمرو (ابو داؤد، کتاب الجہاد، باب فی الاسیر) وغیرہ کے قید کا ذکر ہے اسی طرح ایک شخص کو تہمت میں قید کرنے کا ذکر ہے (نسائی، کتاب قطع السارق، باب امتحان السارق)۔

اجماع کے متعلق الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے: "أما الإجماع فقد أجمع الصحابة رضي الله عنهم ومن بعدهم على المعاقبة بالحبس" (مادہ تعزیر ۱۲/ ۲۶۸)۔

۱- ثبوت جرم سے پہلے قید کرنے کا مسئلہ

جس طرح نصاب شہادت کے بغیر کسی پر حدود وقصاص کا نفاذ نہیں کیا جاسکتا، اسی طرح

بظاہر کسی کو قید کرنے کا بھی حق نہ ہونا چاہئے تھا، اس لئے کہ قید کرنا بھی ایک سزا ہے اور انسان اپنی اصل کے اعتبار سے بری ہے جب تک کہ جرم کا ثبوت پیش نہ کر دیا جائے، لیکن اس مسئلہ کا دوسرا رخ یہ بھی ہے کہ اگر ایک شخص کے خلاف بینہ اور شرعی ثبوت موجود نہیں ہے، لیکن قرائن اور صورت حال اس کے مجرم ہونے کی گواہی دے رہے ہیں، تو اگر اسے آزاد چھوڑ دیا جائے تو فرار ہو جانے کا امکان ہے، اس لئے اہون البلیتین یہی ہے کہ اس کو قید کر دیا جائے، پھر جتنی جلد ممکن ہو اس کا معاملہ نپٹایا جائے، پھر اگر وہ بے گناہ ثابت ہو جائے تو اسے بری کر دیا جائے، اگر مجرم ثابت ہو جائے تو جرم کی بلا تاخیر سزا دی جائے، اسی لئے آنحضرت ﷺ نے بھی تہمت اور الزام کی بنیاد پر قید کرنے کا حکم دیا اور فقہاء نے بھی اس کی اجازت دی ہے، چند نصوص ملاحظہ ہوں:

۱- "عن بهز بن حكيم عن أبيه عن جده أن النبي ﷺ حبس رجلا في تهمة ثم خلى عنه" (ابوداؤد، اقضیہ، باب فی الحبس فی الدین وغیرہ، ترمذی، دیات، باب ماجاء فی الحبس بالتھمۃ، نسائی، کتاب قطع السارق، باب امتحان السارق بالضرب والحبس)

۲- "عن ابن العز في كتاب: "التنبيه على مشكلات الهداية" حيث قال: الذي عليه جمهور الفقهاء في المتهم بسرقة ونحوها أن ينظر (إلى أن قال) وأما أن يكون مجهول الحال فيحبس حتى يكشف أمره قيل شهرا، وقيل باجتهاد ولي الأمر" (ردالمحتار ۳/ ۲۱۴)۔

۳- "بخلاف الحبس فإن كان الحبس للتهمة مشروع" (بدائع ۵/ ۵۱۸)۔

۴- "فإذا لم يوجد الخصومة لم تقبل شهادتهم ولكن يحبس السارق، لأن اخبارهم أورث تهمة، ويجوز الحبس بالتهمة" (بدائع ۶/ ۳۱)۔

۵- "من يتهم بالقتل والسرقة وضرب الناس يحبس وبخلاف السجن إلى أن تظهر التوبة" (فتاوی قاضیخان علی ھامش الھندیہ ۳/ ۴۸۰، ھندیہ ۲/ ۱۶۹)۔

لیکن اتہام کی بنیاد پر صرف حدود وقصاص ہی میں قید کرنا جائز ہے، جہاں تک دیون کی بنیاد پر یا ان جرائم کے الزام کی بنیاد پر قید کرنے کا تعلق ہے جن میں قید کی حیثیت مستقل سزا کی ہوئی ہے ان میں ثبوت کے بغیر قید کرنا جائز نہیں ہے، ہدایہ میں ہے:

"بخلاف الديون حيث لايحبس فيها قبل ظهور العدالة" (ہدایہ مع الفتح ۵/۸)۔

جن لوگوں کو الزام کی بنیاد پر قید کرنا جائز ہے، ان کا بھی شرعی طور سے متہم ہونا شرط ہے، شرعاً تہمت اسی وقت معتبر مانی جائے گی، جب ایک عدل یا دو مستور اس کے خلاف گواہی دیں، یا وہ ہسٹری شیٹر ہو اور قاضی کو اس کا علم ہو، علامہ شامی فرماتے ہیں:

"ذكروا في كتاب الكفالة أن التهمة تثبت بشهادة مستورين أو واحد عدل فظاهره أنه لو شهد عند الحاكم واحد مستور وفاسق بفساد شخص ليس للحاكم حبسه، بخلاف ما إذا كان عدلا أو مستورين فإن له حبسه بحر قلت: ومثله ما لو كان المتهم مشهور بالفساد فيكفي فيه علم القاضي" (شامی ۳/۲۰۶)۔

ملزم کی مدت قید

مذکورہ بالا دلائل سے یہ ثابت ہوگیا کہ ملزم کو قید کرنا شرعاً جائز ہے، رہا یہ سوال کہ اس کی مدت قید کیا ہوگی تو اس کا دارومدار ملزم کی ذات، الزام کی نوعیت اور دوسرے خارجی عوامل سے متعلق ہے، جس کا خلاصہ صاحب مرقاۃ کے الفاظ میں یہ ہے: "بأن ادعى عليه رجل ذنبا أو دينا فحبسه ليعلم صدق الدعوى بالبينة، ثم لما لم يقم البينة خلى عنه أي تركه عن الحبس بأن أخرجه منه والمعنى خلي سبيله عنه" (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الامارۃ والقضاء، باب الاقضیہ ۷/۲۱۸)۔

سید سابق اس کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "ولا یحل حبس أحد بدون حق، ومتی حبس بحق، یجب المسارعة بالنظر في أمره، فإن کان مذنبا أخذ بذنبه، وإن کان بریئاً أطلق سراحه" (فقہ السنۃ ۴۴۱/۳)۔

ان تفصیلات کی تاکید خود حدیث شریف کے الفاظ "ثم خلی عنه" سے ہورہی ہے، لہذا کہا جاسکتا ہے کہ متہم کی مدت قید حاکم کی صوابدید پر ہوگی، اگر حاکم سمجھتا ہے کہ ثبوت وشواہد دستیاب ہونے کا امکان ہے تو اس میں تاخیر کرسکتا ہے لیکن اسے چاہئے کہ ممکنہ عجلت سے کام لے، اس کے متعلق علامہ شامی صراحت سے فرماتے ہیں:

"قیل شهراً وقیل باجتهاد ولی الأمر" (ردالمحتار ۲۱۴/۳)۔

البتہ بعض چیزوں میں متہم کی مدت حبس کی تحدید کی گئی ہے:

الف- اگر قذف کا اتہام ہے تو قاضی کے جس اجلاس میں مرافعہ کیا گیا ہے اسی اجلاس میں قاضی کے مجلس قضاء برخواست کرنے تک قید کا حکم دیا جائے گا؛ لیکن یہاں حبس کا مطلب اس کو روک لینا ہے نہ کہ جیل میں بند کرنا (دیکھئے: بدائع الصنائع ۵۱۷/۵)۔

ب- اگر اتہام کسی حد یا قصاص کا ہے اور اتہام موکد بالبینہ ہوچکا ہے تو ملزم کو تعدیل شہود تک قید کردیا جائے گا، پھر اگر گواہ کھرے اتریں تو متعلقہ سزا دی جائے گی ورنہ ملزم کو بری کر دیا جائے گا: "ویحبس فی الحدود والقصاص إذا قامت البینة حتی یسأل عن الشهود الخ" (ہندیہ ۴۱۴/۳)۔

ج- بعض عبارات سے ظاہر ہوتا ہے کہ متہم کو عمر قید کی سزا بھی دی جاسکتی ہے، اگرچہ ان عبارات میں یہ تاویل بھی کی جاسکتی ہے کہ یہاں متہم سے مراد وہ ہے جس پر جرم ثابت ہوچکا ہے: "ومن یتهم بالقتل والسرقة وضرب الناس أحبسه وأخلده فی السجن حتی یتوب (قوله حتی یتوب) المراد حتی تظهر أمارات توبته إذ لا وقوف لنا علی

حقیقتها، ولا یقدر بستة أشهر إذ قد تحصل التوبة قبلها وقد لا تظهر بعدها كذا حققه الطرسوسي وأقره ابن الشحنة" (شامی ۲۰۶/۳)۔

بہر حال خلاصہ یہی ہے کہ الزام کی بنیاد پر قید کرنا شرعاً جائز ہے، شریعت نے اس قید کی کوئی تحدید نہیں کی ہے، پوری طرح ولی امر کے اوپر چھوڑ دیا گیا ہے۔

اس بنیاد پر کہا جا سکتا ہے کہ ولی امر اگر سمجھتا ہے کہ معاملہ کو اگر قاضیوں اور ججوں کی صواب دید پر چھوڑ دیا گیا تو ناانصافی کا خطرہ ہے اور بدعنوانیوں اور رشوت کا بازار گرم ہونے کا اندیشہ ہے تو وہ مختلف الزامات کے لئے الگ الگ مدت قید کی تحدید کے احکام جاری کر سکتا ہے۔

۲-الف: قیدیوں کو عبادات کی اجازت

مکلف مسلمان پر تمام عبادات مخصوص شرائط کے ساتھ واجب ہیں، حج، جمعہ اور اس طرح کی ایسی عبادات جن کے لئے باہر نکلنا واجب ہوتا ہے ان کو چھوڑ کر بقیہ عبادات کا قیدی بھی مکلف ہوتا ہے اور شرعی خطاب اس کی طرف بھی متوجہ ہوتا ہے، لہذا اگر کسی اسلامی ملک کی جیل ہے تو بلاشبہ جس طرح قیدی کی جسمانی ضروریات کو پورا کرنا ریاست کی ذمہ داری ہے، اسی طرح اس کی روحانی تقاضوں کا پورا کرنا بھی ریاست کی ذمہ داری ہوگی اور اگر کوئی ریاست اس پر روک لگائے تو ظالم کہلائے گی، اسی لئے کتب فقہیہ میں جمعہ وعیدین اور جن چیزوں کے لئے باہر نکلنا پڑتا ہے ان پر پابندی کا ذکر موجود ہے، لیکن جن عبادات کے لئے باہر نکلنے کی ضرورت نہیں پڑتی ان پر پابندی کا کہیں بھی ذکر نہیں ملتا (دیکھئے: فتح القدیر ۴۷۵/۶، البحر الرائق ۲۸۳/۶، الدر المختار وشرح رد المختار ۳۴۸/۴-۳۵۶)۔

جہاں تک غیر مسلم قیدیوں کا تعلق ہے تو شعائر کے علاوہ بقیہ عبادات پر ان کے اوپر بھی کوئی پابندی نہیں ہوگی "لأن أمرنا أن نتركهم وما يدينون"، اس کے لئے اس عبارت

میں واضح دلیل ہے:

"وقال القدوری فی النصرانیة تحت مسلم: لا تنصب فی بیته صلیباً، وتصلی فی بیته حیث شاءت کذا فی المحیط(ہندیہ ۳۵۶/۵)۔

ظاہر ہے کہ جب ایک مسلمان کے گھر میں رہ کر عبادت کی اجازت ہے تو جیل میں موجود قیدی کو تو بدرجہ اولی اجازت ہوگی۔

پھر اسلامی حکومت میں موجود غیر مسلم خواہ جیل میں ہوں یا جیل سے باہر ہوں ظاہر بات ہے کہ وہ پوری طرح ہمارے اختیار میں ہیں، تو جس طرح جیل سے باہر ان سے عدم تعرض کا حکم ہے اسی طرح جیل میں بھی یہی حکم ہوگا (دیکھئے: ہدایہ مع الفتح ۲۸۸/۴)۔

مذہبی کتابوں کا مطالعہ

جہاں تک مذہبی کتابوں کے مطالعہ کا تعلق ہے تو فارغ اوقات میں مسلمان قیدی اگر مذہبی کتابیں پڑھتا ہے تو اس کے اخلاق پر اچھا اثر پڑے گا، اس لئے نہ صرف یہ کہ اس پر پابندی لگانے کی کوئی وجہ نہیں ہے، بلکہ میرے خیال سے حکومت کو حکمت ودانائی کے ساتھ خاص ترتیب سے کتابوں کے مطالعہ کی ترغیب دینی چاہئے تاکہ قیدیوں کی اخلاقی حالت میں سدھار آئے۔

ذمی بھی اگر اپنے طور پر اپنی مذہبی کتابیں پڑھتے ہیں تو ان پر پابندی لگانے کی کوئی وجہ نہیں ہے، اوپر گزر چکا ہے کہ ان کو اپنی عبادات کی اجازت ہوگی، تو مذہبی کتب کا مطالعہ تو اس سے اہون چیز ہے لہذا اس کی اجازت بدرجہ اولی ہونا چاہئے۔

دعوت دین

اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ عوام کی دینی حالات کی نگرانی رکھے اور ہر طریقہ سے ان کو احکام اسلام کا پابند بنانے کی کوشش کرے، اسی کوشش میں یہ بھی شامل ہے کہ ان کے

درمیان امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کو انجام دینے کے لئے باقاعدہ لوگوں کو مقرر کرے، آنحضرت ﷺ برابر اس کا خیال رکھتے تھے اور دوسروں کو بھی اس پر ابھارتے تھے۔

ریاست کی ذمہ داریوں میں سے غیر مسلموں میں دعوت پیش کرنا بھی ہے، اس لئے کہ: "کنتم خیر أمة... الآیة" اور "ولتکن منکم ...الآیة" جیسی آیات میں اگرچہ تخاطب کل امت مسلمہ سے ہے، لیکن اس کے اولین مخاطب اولیاء امر ہیں، پھر دوسرے عوام کی طرح قیدی بھی بلا شبہ ان تمام امور میں دوسرے باشندوں ہی کی طرح ہیں، لہذا ان چیزوں میں ان کے لئے نظم کرنا بھی ضروری ہوگا اور یہ ضرورت اگر قیدیوں کے ذریعہ پوری ہوسکتی ہے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہوگا، بشرطیکہ قیدی اس کے اہل ہوں، ورنہ اہل نہ ہوں تو بجائے فائدہ کے نقصان پہنچے گا، لہذا ہر کس و ناکس کو دعوت پیش کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

فراہمی غذا

تمام قیدیوں کو غذا فراہم کرنا ضروری ہے، پھر غذا ایسی ہونی چاہئے جسے قیدی استعمال بھی کرسکے ورنہ دینے سے کوئی فائدہ ہی نہ ہوگا، اگر کسی قیدی کو ایسی غذا دی گئی جسے مذہبی ممانعت کے سبب وہ استعمال نہیں کرسکتا، یا اس کے استعمال پر کوئی دوسری رکاوٹ ہو تو اسے دینا نہ دینا برابر ہے، مندرجہ ذیل دلائل سے غذا کی فراہمی کا وجوب ثابت ہوتا ہے اور اقتضاءً یہ بھی اشارہ مل رہا ہے کہ اس کے استعمال پر کسی بھی اعتبار سے کوئی رکاوٹ نہ ہونی چاہئے:

۱-"عن ابن عمر رضی الله عنه أن النبی ﷺ قال: عذبت امرأة فی هرة سجنتها حتی ماتت، فدخلت منها النار، لا هی أطعمتها وسقتها إذ حبستها، ولا هی ترکتها تأکل من خشاش الأرض" (بخاری ومسلم، کتاب الحیات، باب تحریم قتل الهرة)۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر انسان کو قید کیا اور اس کے کھانے پینے کا نظم نہیں کیا تو بدرجہ اولی اس میں گناہ ہوگا۔

اسی طرح اگر قیدی کو کوئی ایسی چیز دی جسے وہ استعمال ہی نہیں کرسکتا تو دینا بلا فائدہ ہوگا، نیز اگر ایسی چیز دی جسے وہ بہ مشکل تمام ہی استعمال کرسکتا ہے تو اس میں بھی کراہت ہوگی۔

۲-سید سابق فقہ السنۃ میں لکھتے ہیں:

"وإن يعطى كل واحد كفايته من الطعام واللباس، ومنع المساكين مما يحتاجون إليه من الغذاء والكساء والمسكن الصحي جور يعاقب الله عليه" (فقہ السنۃ ۳/ ۴۴۲)۔

۳-شامی نیز دوسری کتب معتبرہ میں متعنت قیدی کے بارے میں بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ويترك له ثقبة يلقى له الخبز والماء" (شامی ۴/ ۳۵۰)۔

جب اس قید تنہائی میں کھانے پینے کا خیال رکھنے کا حکم ہے تو دوسرے قیدیوں کے ساتھ بدرجہ اولی یہ حکم ہوگا۔

مقدس شخصیات اور کتابوں کا احترام

اس پر ممانعت تو قرآن پاک کی اس آیت کریمہ ہی سے ظاہر ہوتی ہے:

"ولا تسبوا الذين يدعون من دون الله فيسبوا الله عدواً بغير علم" (سورہ انعام: ۱۰۸)۔

(اور تم لوگ برا نہ کہو ان کو جن کی یہ پرستش کرتے ہیں اللہ کے سوا پس وہ برا کہنے لگیں گے اللہ کو بے ادبی سے بدون سمجھے)۔

علامہ عثمانی فرماتے ہیں: کسی مذہب کے اصول وفروع کی معقول طریقہ سے غلطیاں ظاہر کرنا یا اس کی کمزوری اور رکاکت پر تحقیقی الزامی طریقوں سے متنبہ کرنا جداگانہ چیز ہے، لیکن کسی قوم کے پیشواؤں اور معبودوں کی نسبت بلغرض تحقیر وتوہین دلخراش الفاظ نکالنا قرآن نے کسی وقت بھی جائز نہیں رکھا۔

ب- جسمانی ضروریات

غذا کی فراہمی کی بحث ہم اوپر کر چکے ہیں، اس بحث سے صاف ظاہر ہے کہ قیدیوں کو ایسی غذا کا فراہم کرنا ضروری ہے جو اس کی جان بچانے کے لئے کافی ہو، پانی کا مسئلہ اس سے بھی بڑھ کر ہے اس لئے اس کا نظم کرنا بدرجہ اولی واجب ہوگا، اس کی دلیل میں حدیث ہرة گزر چکی ہے، مزید وضاحت اس آیت کریمہ سے ہورہی ہے، جو خاص قیدی سے متعلق ہے، ارشاد ہے:

"ویطعمون الطعام علی حبه مسکیناً ویتیماً وأسیراً" (سورۃ الدھر:۸)۔

(اور کھلاتے ہیں کھانا اس کی محبت پر محتاج کو اور یتیم کو اور قیدی کو)۔

یہاں قیدی سے مشرک قیدی مراد لیا گیا ہے لہذا بقول مفسرین مسلم قیدی بدرجہ اولی اس سلوک کا مستحق ہوگا (دیکھئے: الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ۱۹/ ۱۲۹، وکذا فی احکام القرآن للجصاص ۳/ ۴۷۱)۔

حفظان صحت کے لئے ورزش

اگر اس بات کا اندیشہ ہے کہ ورزش نہ کرنے پر صحت بگڑ جائے گی تو بقدر ضرورت ورزش کی اجازت دی جاسکتی ہے، بقیہ صرف تفریحاً ورزش کی اجازت نہیں ہوگی، اس لئے کہ اس کو لایا ہی سزا کے طور پر گیا ہے، اگر پوری تفریح اور آزادی رہے تو مقصد فوت ہوجائے گا۔

"وینبغی أن یحبس فی موضع خشن لا یبسط له فراش ولا وطاء ولا أحد یدخل علیه لیستأنس لیضجر قلبه" (ہندیہ ۳/ ۴۱۹)۔

البتہ چونکہ قید میں رہتے ہوئے علاج ومعالجہ کا حق اسے حاصل ہے: "لا یخرج لمعالجة (قوله لمعالجة) أی لمداوة مرضه لإمكان ذلک فی السجن" (شامی ۲۴۹/۴)۔

لہذا اسے اتنی ورزش کی اجازت ہوگی جتنی صحت کے لئے ضروری سمجھی جائے۔

بیوی سے تعلق

اگر خلوت کی جگہ جیل میں میسر ہو سکتی ہو تو بیوی کے ساتھ خلوت اختیار کرنے کی اجازت دی جاسکتی ہے، لیکن اگر تنہائی کی جگہ میسر نہ ہو تو جماع کی اجازت نہیں ہوگی، بقیہ ملنے، بات چیت کرنے اور صلاح ومشورہ کرنے کی اجازت حاصل رہے گی۔

۱-"وإذا احتاج للجماع دخلت عليه زوجته أو أمته إن كان فيه موضع سترة" (شامی ۳۴۹/۴)۔

۲-"وفی الفتاوی العتابية وإن لم يجد مكاناً خاليا لا يجامع" (ہندیہ ۴۱۸/۳)۔

تنگ جگہ میں قید کرنا

یہ تو صحیح ہے کہ قید خانہ ایسا آرام دہ نہ ہونا چاہئے کہ لگے کہ وہ مہمان خانہ یا تفریح گھر میں عیش کرنے آیا ہے، اس سے متعلق عبارت اوپر گزر چکی ہے کہ قید خانہ کا فرش آرام دہ نہ بنایا جائے کھردرا ہو، لیکن ایسی تنگ جگہ قید کرنا شرعاً جائز نہیں ہوگا جہاں وہ کھڑا نہ ہو سکے، پیر نہ پھیلا سکے، اس لئے کہ اس میں اس کو ضرر ہوگا اور ضرر والی جگہ میں جب دائن مدیون کو نہیں رکھ سکتا تو بھلا حکومت کو اس کی اجازت کیسے دی جاسکتی ہے؟ ہندیہ میں ہے:

"وليس للطالب أن يقيم في الشمس أو على الثلج أو في موضع يضر به كذا في الخلاصة" (ہندیہ ۴۱۶/۳)۔

جہاں تک ایسی جگہ قید کرنے کی اجازت کا تعلق ہے جہاں سے باہر دکھائی نہ دیتا ہو تو اس کی خاص حالات میں اجازت ہو سکتی ہے، مثلاً قیدی متعنت ہو یا اس سے کوئی خطرناک حرکت کا خطرہ ہو:

"وإذا حبس المحبوس في السجن متعنتا لا يوفي المال قال الإمام الأرسانيدي: يطين الباب ويترك له ثقبة يلقي منه الماء والخبز، وقال القاضي: الرأي فيه إلى القاضي" (البحر الرائق ۶ر ۲۸۳، شامی ۴ر ۳۵۰)۔

ج- سماجی حقوق

قیدیوں کے پاس ان کے عزیز واقارب اور پڑوسیوں کے آنے کی اجازت ہے تاکہ وہ ان سے صلاح ومشورہ کر سکیں، اس بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ عزیز واقارب نیز وکلاء سے فون پر بھی صلاح ومشورہ کی اجازت ہوگی۔

لیکن قیدی کی دلداری اور استئناس کے لئے کسی کے بھی داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے، اس کا تقاضہ یہ ہے کہ دل بہلانے کے لئے فون کرنے کی بھی اجازت نہیں ہونی چاہئے، اس بنیاد پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ قیدیوں کو موبائل وغیرہ رکھنے کی اجازت نہیں ہوگی، البتہ اگر حاکم مناسب سمجھتا ہے تو ان کے لئے ٹیلی فون بوتھ کا نظم کر سکتا ہے، لیکن اس امر کو یقینی بنانا چاہئے کہ صرف اپنے عزیز واقارب پڑوسی اور وکلاء ہی سے بقدر ضرورت رابطہ کر سکیں، اور مقصد صرف صلاح ومشورہ ہو، تفریحاً رابطہ کرنے کی اجازت نہ ہونا چاہئے۔ (شامی ۴ر ۳۴۹، ہندیہ ۳ر ۴۱۸)۔

جہاں تک اخبارات پڑھنے، ریڈیو سننے یا اس طرح کی دوسری چیزوں سے استفادہ کا تعلق ہے تو ظاہر بات ہے کہ ان کا تعلق تفریحی مشاغل سے ہے اور ان سے استئناس حاصل ہوگا جس کی اجازت نہیں ہے، اوپر گزر چکا ہے کہ قید خانہ میں ایسا سلوک ہونا چاہئے جس سے وہ

زچ ہو "لیضجر قلبه" اوران امور کی اجازت اس کے زچ ہونے سے مانع ہوگی۔

یہ تفصیل چورا چکوں یاان کے ہم معنی قیدیوں کے لئے ہے، بقیہ اگر کسی تعلیم یافتہ اور مہذب شخص کو کسی مصلحت کے تحت قید کرنا حکومت ضروری سمجھے تو اس کو بظاہر اس طرح کی چیزیں مہیا کرانے کی اجازت ہونی چاہئے۔

جہاں تک دوسرے قیدیوں سے ملنے جلنے کی اجازت کا تعلق ہے تو اس کی ممانعت کہیں نظر نہیں آئی، اس لئے اس کی اجازت ہوگی (دیکھئے: البحرالرائق ۶/ ۲۸۳، شامی ۴/ ۲۴۸-۳۵۶، فتح القدیر ۶/ ۳۷۵)۔

جہاں تک ہنر سیکھنے اور تعلیم حاصل کرنے کا تعلق ہے تو اس کی اجازت ہونی چاہئے، اس لئے کہ جیل خانہ میں رہتے ہوئے کاروبار کرنے کی اجازت کے بارے میں دو روایتیں ہیں: ایک روایت اجازت کی ہے اور صحیح روایت ممانعت کی ہے، اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے علامہ شامی فرماتے ہیں:

"لأن الحبس مشروع ليضجر، ومتى تمكن من الاكتساب لا يضجر، فيكون السجن له بمنزلة الحانوت" (شامی ۴/ ۲۴۹)۔

ہنر یا تعلیم حاصل کرنے میں اگرچہ اکتساب ہی سے مشابہت معلوم ہوتی ہے، لیکن دونوں میں بڑا فرق ہے، کمائی کی اجازت دینا قید کے مقصد کے خلاف ہے کہ جس طرح وہ باہر آزادی سے اپنے کام میں مشغول تھا یہاں بھی مشغول ہے، ہنر یا تعلیم کے حصول میں یہ بات نہیں ہے، بلکہ یہ قید کرنے کے مقصد کے خلاف ہونے کے بجائے اس کے مقاصد کے لئے مفید ومعاون ہے، اس لئے کہ رذائل اور برے کاموں میں ملوث ہونے کا بڑا سبب جہالت اور بیکاری ہوتی ہے، اگر کوئی ہنر جان لے یا علم حاصل کرے تو امید ہے کہ بد اخلاقیوں سے بچ جائے گا اور یہ بات واضح ہے کہ قید کا مقصد دوسری چیزوں کے ساتھ ساتھ تادیب بھی ہے۔

نیز حصول علم کے جواز کے لئے وہ تمام دلائل بھی پیش کئے جاسکتے ہیں جو جیل سے باہر حصول علم کی تاکید اور فضیلت کے لئے پیش کئے جاتے ہیں، اس لئے کہ وہ دلائل عام ہیں اور جیسا کہ عرض کیا گیا جیل ان کے حصول سے مانع نہیں ہے۔

د- اخلاقی امور

عورتوں اور مردوں کو الگ الگ رکھنا

عورتوں کے لئے الگ جیل کا انتظام کرنا ضروری ہے اور نہ اس میں بہت سی اخلاقی خرابیاں جنم لیں گی، جن کی وضاحت بھی ضروری ہے: "ویجعل للنساء سجن علی حدة نفیا لوقوع الفتنة" (البحر الرائق ۲۸۳/۶)۔

"وعن أبي یوسف رحمه الله أن المرأة تحبس في محبس النساء ولکن یحفظها الرجل" (ہندیہ ۴۱۴/۳، کذا فی الشامی ۳۴۹/۴، فتح القدیر ۳۷۵/۶)۔

جہاں تک نابالغوں کا تعلق ہے تو تادیباً ان کو بھی قید کرنے کی اجازت ہے: "ولا یحبس الصبی إلا بطریق التأدیب لئلا یتجاسر إلی مثله إذا باشر شیئاً من أسباب التعدی قصدا فلو خطاءً فلا، کذا في کفالة المبسوط، وفي المحیط: للقاضی حبس الصبی التاجر تادیباً لا عقوبة لئلا یماطل حقوق العباد، فإن الصبی یؤدب لینزجر عن الأفعال الذمیمة" (شامی ۳۸۵/۴)۔

ان عبارات سے خاص مقاصد کے تحت بچوں کی گرفتاری کا جواز معلوم ہوتا ہے اور انہیں سے یہ اشارہ بھی مل رہا ہے کہ ان کی جیل علاحدہ ہونی چاہئے، اس لئے کہ ان کی قید کا مقصد تادیب ہے، بڑوں کی قید کا مقصد سزا ہے اور بچوں کی کما حقہ تادیب اسی وقت ہوسکے گی جب ان کی جیل الگ رکھی جائے،

اس کے ساتھ ساتھ دونوں کو اکٹھا رکھنے میں وہ اخلاقی خطرے بھی ہیں جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔

۳: قیدی کو سزا دینا

الف: بے لباسی کی سزا

قیدیوں کو بے لباس کرنے کی اجازت نہیں ہے: "ولا يجرد"۔

اس کی وجہ ظاہر ہے کہ یہ ایک غیر انسانی اور وحشیانہ عمل ہے جس سے عزت نفس مجروح ہوتی ہے، اور اسلام میں اس طرح کی چیزوں کی اجازت نہیں ہو سکتی۔

البتہ اگر کوئی خطرناک مجرم ہو مثلاً حکومت کے خلاف جاسوسی جیسی چیزوں میں پکڑا گیا ہو، اس کے پاس یقینی طور پر راز ہوں، لیکن برہنگی کے بغیر ان رازوں سے پردہ اٹھانا ممکن نہ ہو تو بدرجہ مجبوری اس کی بقدر ضرورت اجازت ہوگی، اس کے لئے اشارہ اس واقعہ سے ملتا ہے:

"سمعت عليا يقول: بعثني رسول الله ﷺ أنا والزبير والمقداد فقال: انطلقوا (إلى) فإذا نحن بالظعينة، فقلنا هلمي الكتاب: قالت: ماعندي من كتاب، فقلت: لتخرجن الكتاب أو لنلقين الثياب" الحديث (بخاری مغازی، باب غزوہ الفتح وما بعث حاطب بن ابی بلتعہ الی اہل مکۃ، ابوداؤد، جہاد، باب فی حکم الجاسوس اذا کان مسلما)۔

قیدیوں کو مارنا پیٹنا:

مار پیٹ جیسی چیزوں میں قیدیوں کی دو قسمیں ہیں:

۱- ایک وہ جس کو دَین جیسے کسی مالی حق کی بنیاد پر قید کیا گیا ہو اور وہ ادائیگی کے لئے مال ہونے سے منکر ہو۔

اس طرح کے قیدیوں کو اعتراف کرانے کے لئے مارنے کی اجازت نہیں ہے:

(۱)ولا يضرب المديون"(البحر الرائق ۶/ ۲۸۳، فتح القدیر ۶/ ۳۷۵)۔

(۲)لا ينبغي للقاضي أن يضرب محبوسا في دين أو في غيره (ہندیہ ۳/ ۴۱۴)۔

۲- دوسرا قیدی وہ ہے جسے چوری ڈکیتی جیسی کسی خطرناک علت کے سبب ماخوذ کیا گیا ہو اور وہ الزام سے انکار کر رہا ہو۔

اگر قیدی پر اس طرح کے رذائل کا اتہام ہے تو اگر قاضی مناسب سمجھتا ہے تو اس کے ضرب کا حکم دے سکتا ہے:

۱- "فجعلوا يسألونه أين أبوسفيان؟ فيقول: والله مالي بشئ من أمره علم، ولكن هذه قريش قد جاء ت، فيهم أبو جهل وعتبة وشيبة ابناربيعة، وأمية بن خلف، فإذا قال لهم ذلك ضربوه فيقول: دعوني دعوني اخبركم -الحديث" (ابوداؤد، جہاد، باب فی الاسیر ینال منہ ویضرب ویقرر)۔

یہ واقعہ آنحضرت ﷺ کی موجودگی میں ہوا، لہذا یہ حدیث مرفوع کے حکم میں ہے۔

۲- "والسارق لايفتى بعقوبته لأنه جور تجنيس وعزاه القهستاني للواقعات معللا بأنه خلاف الشرع ومثله في السراجيه.... ثم نقل عن الزيلعي في آخر باب قطع الطريق جواز ذلك سياسة، ......اى جواز ضرب المتهم حيث قال نقلا عن الزيلعي ومنها اى ومن السياسة ماحكى عن الفقيه أبي بكرالأعمش أن المدعي عليه إذا أنكر فللإمام أن يعمل فيه بأكبر رأيه، فإن غلب على ظنه أنه سارق وإن المسروق عنده عاقبه ويجوز ذلك ...... (ردالمحتار ۳/ ۲۱۴)۔

لیکن اس عقوبت کے لئے متہم ہونا شرط ہے اور شرعاً متہم (جیسا کہ گزر چکا ہے) اس کو

کہتے ہیں جس پر دو مستور یا ایک عادل گواہ کے ذریعہ الزام لگایا جائے، یا جو جرائم کے سلسلہ میں شہرت رکھتا ہو اور قاضی کو اس کا علم ہو تو صرف قاضی کا باخبر ہونا اس کے لئے کافی ہوتا ہے: (شامی ۲۰۶/۳)۔

کیا اکراہ کے ساتھ کیا ہوا اقرار معتبر ہوگا

اس پر یہ سوال قائم ہوتا ہے کہ اگر اس طرح سزا دینے سے ملزم اقرار کرے تو کیا اس کا اقرار معتبر ہوگا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ بعض مشائخ کے نزدیک ضمان لازم ہونے کے حق میں معتبر ہوگا، قطع ید کے حق میں معتبر نہیں ہوگا، جب کہ اکثر کے نزدیک اس کا بالکل ہی اعتبار نہیں ہوگا: "**وفي إكراه البزازية: من المشائخ من أفتى بصحة إقرارها بها مكرها (قوله بصحة إقرارها بها مكرها) أي في حق الضمان لا في حق القطع**" (شامی ۲۱۴/۳)۔

"**فإقرارها بها مكرها باطل**" (ایضا ۲۱۳)۔

ضرب کے حد

یہ ضرب اور عقوبت بھی مطلقاً جائز نہیں ہے کہ ہڈی پسلی ایک کر دی جائے جیسا کہ آج کل رواج ہے، بلکہ اجازت صرف اتنی ضرب کی ہے جس سے ہڈی ظاہر نہ ہو:

"**وعن الحسن يحل ضربه حتى يقر مالم يظهر العظم**" (الدر المختار علی ہامش رد المختار ۲۱۴/۳) اگر چہ علامہ شامی نے لکھا ہے کہ امام حسن بن زیاد درحقیقت یہاں ایک دوسری بات فرماتے ہیں، لیکن بہرحال مفہوم کی تردید انہوں نے بھی نہیں کی ہے۔

ج- الیکٹرک شاٹ لگانا

الیکٹرک شاٹ لگانے سے جسم اس طرح متاثر ہوتا ہے جس طرح آگ سے جلانے

سے متاثر ہوتا ہے اور آگ سے تکلیف دینے کی اجازت شریعت نے نہیں دی ہے تو بجلی سے بدرجہ اولی اجازت نہیں ہوگی، اس لئے کہ آگ سے صرف جلن ہوتی ہے اور بجلی سے جلن کے ساتھ ساتھ جسم کو جھٹکا بھی لگتا ہے، آگ سے تو صرف وہی حصہ متاثر ہوگا جسے تپایا اور جلایا جائے، لیکن بجلی سے پورا جسم متاثر ہوتا ہے اور موت کا بھی خطرہ رہتا ہے، آگ سے جلانے کی ممانعت سے متعلق چند نصوص ملاحظہ ہوں:

۱- "عن محمد بن حمزة الأسلمي عن أبيه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أمره على سرية، قال فخرجت فيها، وقال: إن وجدتهم فلانا فأحرقوه بالنار، فوليت، فناداني فرجعت إليه فقال: إن وجدتم فلانا فاقتلوه، ولا تحرقوه، فإنه لايعذب بالنار إلا رب النار" (ابو داؤد، جہاد، باب فی کراھیۃ حرق العبد بالنار، نیز دیکھئے: شامی ۳/ ۲۴۵)۔

۲- "ولا ينبغي للقاضي أن يضرب محبوسا (الی) ولا يقيمه في الشمس" (ہندیہ ۳/ ۴۱۴)۔

جب دھوپ میں رکھنے کی اجازت نہیں ہے تو الیکٹرک شاٹ لگانا تو اس سے بڑھ کو اذیت ناک چیز ہے۔

د- کتے چھوڑنا

اوپر گزرا کہ قیدیوں پر جب قابو مل جائے تو ان کا مثلہ کرنا جائز نہیں ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ قیدیوں پر کتے چھوڑنے کی اجازت نہیں ہوگی، اس لئے کہ اس عمل سے مثلہ ہوجانے کا قوی امکان ہے، پھر کتے چھوڑنے سے گہرے زخم آسکتے ہیں جس سے ہڈی ظاہر ہوجائے گی اور اوپر گزر چکا ہے کہ اس طرح کی ضرب کی اجازت نہیں ہے، اس کے علاوہ اس انداز سے سزا دینا انسانی شرف کے خلاف ہے، اس طرح کے وحشیانہ عمل کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔

ھ- برف کی سل پر ڈالنا

یہ بھی ناجائز ہے، اس کا اشارہ مندرجہ ذیل عبارت سے ملتا ہے:

"ليس للطالب أن يقيم في الشمس أو على الثلج أو في موضع يضر به" (ہندیہ ۳/۴۱۶)۔

و- جگے رہنے پر مجبور کرنا

اوپر عبارتیں آچکی ہیں کہ چوراچکوں، حکومت کے خلاف جاسوسی کرنے والوں اور ان جیسے دوسرے ملزموں سے جرم کا اعتراف کرانے کے لئے ان پر ضرب لگانا اور سختی کرنا جائز ہے، اسی طرح شروع میں حدیث گزر چکی ہے:

"وإذا أبو يزيد سهيل بن عمرو في ناحية الحجرة مجموعة يداه إلى عنقه بحبل" (ابوداؤد، کتاب الجہاد، باب فی الاسیر یوثق)۔

اسی طرح حدیث کی کتابوں میں یا ثمامہ ابن اثال کے تین دن تک مسجد کے ستون میں بندھے رہنے کا واقعہ مذکور ہے (مصدر مذکور و مسلم جہاد باب ربط او اسیر وحبہ)۔

لہذا جگے رہنے پر مجبور کرنا تو اس سے ہلکے درجہ کی چیز ہے اور جس انداز سے باندھنے کا ذکر ہے اس انداز سے باندھنے پر بھی آسانی سے تو نیند نہیں آئے گی، اس لئے اعتراف کرانے کے لئے بظاہر محدود مدت کے لئے اس طرح کی سزا دینے کی اجازت ہوگی۔

لیکن اگر نفسیاتی یا جسمانی مرض میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ ہو تو اس کا شمار بھی ممنوعہ طریقوں میں ہوگا۔

۴- قیدیوں کو زنجیر وغیرہ میں جکڑنا

مدیون اور اس جیسے قیدیوں کو باندھنے یا بیڑی اور ہتھکڑی وغیرہ لگانے کی اجازت نہیں

ہے:"لا ينبغي للقاضي أن يضرب محبوسا في دين أو في غيره ولايصفد ولا يقيد ولا يغل ولا يمد الخ" (ہندیہ ۳/ ۴۱۴، کذا فی البحر ۶/ ۲۸۳، شامی ۴/ ۳۴۸-۲۵۶، فتح القدیر ۶/ ۳۷۵)۔

البتہ خطرناک قیدیوں، جاسوسوں اور ان جیسے قیدیوں کو جیل خانہ میں بند کرنے سے پہلے فرار کے خوف سے ہتھکڑی وغیرہ لگانے کی اجازت ہے، اس کی اجازت مندرجہ ذیل نصوص سے ظاہر ہے:

۱- اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"حتى إذا أثخنتموهم فشدوا الوثاق فإما منًّا بعد وإما فداء حتى تضع الحرب أوزارها" (سورۃ محمد: ۴)۔

۲- ثمامہ بن اثال کو مسجد کے ستون میں باندھنے کا قصہ (مسلم، جہاد، باب ربط الاسیر وحبسہ، ابوداؤد، جہاد، باب فی الاسیر یوثق)۔

صاحب بذل فرماتے ہیں: "أي قوم كفار يؤخذون أن أسارى قهراً في السلاسل والقيود فيدخلون في دار الإسلام ثم يرزقهم الله تعالى الإيمان فيدخلون به الجنة" (ابوداؤد مع بذل المجہود، جہاد، باب فی الاسیر یوثق)۔

۳-"وإذا أبويزيد سهيل بن عمرو في ناحية المسجد مجموعة يداه إلى عنقه بحبل" (ابوداؤد باب مذکور)۔

حربی قیدیوں اور جاسوسوں کو باندھنے کی اجازت بدر اور دوسرے غزوات میں قیدیوں کے باندھنے کی روایات سے بھی واضح ہو رہی ہے (دیکھئے: مشکوۃ، باب حکم الاسراء)۔

۵- قید تنہائی کا حکم

کسی خاص سبب سے اگر حاکم مناسب سمجھتا ہے تو قید تنہائی دے سکتا ہے:"وإذا

جلس المحبوس فی القید متعنتاً لایوفی المال، قال الإمام الأرسانیدی، یطین الباب ویترک به ثقبة یلقی منه الماء والخبز" (بحر ۶/ ۲۸۳، شامی ۴/ ۳۵۰)

۶-جبراً کام لینا

قیدی سے جبراً کام لینا جائز نہیں ہے:

"ولا یضرب المدیون (إلی) ولا یؤاجر" (بحر ۶/ ۲۸۳، فتح القدیر ۶/ ۳۷۵، شامی ۴/ ۳۵۰)۔

اگر اس کو کام پر مجبور کیا جائے تو اجرت دینا ضروری ہوگا، اس کا اشارہ اس عبارت سے ملتا ہے:

"وعن الثانی یؤجره لقضاء دینه (قوله وعن الثانی) عبارة النهر ولا یؤجر خلافا لما عن الثانی" (شامی ۴/ ۳۵۰)۔

ظاہر بات ہے اگر اجرت اس کے حوالہ نہ کرنی ہوتی تو قضاء دین کی بات کیوں کی جاتی۔

۷-ملزم اور مجرم میں فرق

اوپر گزر چکا ہے کہ بغیر حق کے کسی کو قید نہیں کیا جاسکتا، قید مجرم یا ملزم یعنی متہم کو کیا جاسکتا ہے، اتہام کے لئے ایک عدل یا دو مستور گواہوں کی گواہی ضروری ہے، پھر مزید شرط یہ بھی ہے کہ اتہام بھی حدود وقصاص جیسی چیز کا ہونا چاہئے، دین جیسی کسی ایسی چیز کے اتہام سے قید نہیں کیا جا سکتا جس کی سزا ہی قید ہو، چنانچہ تعزیر کی بحث میں علامہ کاسانی فرماتے ہیں: "إلا أنه لایحبس لتعدیل الشهود (إلی) وأما عدم الحبس، فلأن الحبس یصلح تعزیراً فی نفسه، فلا یکون مشروعاً قبل تعدیل الشهود بخلاف الحدود الخ" (بدائع ۵/ ۵۳۶)۔

اوپر یہ بھی گزر چکا ہے کہ چوری کے اتہام میں ماخوذ کو بعض اوقات سزا دینے کا اختیار رہتا ہے، حکومت کے باغی اور جاسوسوں کے بارے میں پختہ یقین ہو کہ وہ راز چھپا رہے ہیں تو بدرجہ اولی ان کی عقوبت کی اجازت ہوگی، اس لئے کہ کسی ایک شخص کے مالی نقصان کے لئے جب ضرب وعذاب کی اجازت ہے تو جن رازوں کے افشاء ہو جانے سے مفاد عام وابستہ ہو، یا جن سے حکومت اسلامیہ پر زلزلہ آجانے کا خوف ہو ان کے سلسلہ میں بدرجہ اولی سزا کی اجازت ہونی چاہئے، بقیہ دوسرے ملزموں کو مارنے پیٹنے اور دوسری عقوبتوں میں مبتلا کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

اس طرح کے چند استثنائی ملزمین کو چھوڑ دیں (کہ ان میں ملزمین کو کچھ عقوبتیں دی جا سکتی ہیں مجرمین کو نہیں دی جاسکتی ہیں) تو بقیہ دوسرے ملزمین اور مجرمین کے درمیان کوئی فرق نظر نہیں آتا، نہ عبارات فقہیہ میں اس طرح کی کوئی تفریق نظر آتی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ احکام دین یا کسی تعزیر میں قید کئے گئے افراد کے بیان کئے گئے ہیں، الزام کے تحت صرف حدود و قصاص کے متہم کو قید کیا جاتا ہے اور حدود وقصاص کی اصل سزائیں دوسری ہیں جنہیں ممکنہ عجلت کے ساتھ ثبوت کے بعد نافذ کرنے کا حکم ہے، تو اگر اس ملزم کے ساتھ کچھ بدسلوکی کی گئی تو یہ مقررہ سزا پر ایک اضافہ ہوگا جس کی شرعاً اجازت ہے۔

نیز اس کو کچھ سہولت بھی اس لئے نہیں دے سکتے ہیں کہ وہ سنگین جرم کے الزام میں گرفتار کیا گیا ہے اور الزام بھی محض الزام نہیں بلکہ ایک حد تک ثابت ہے، لہذا اس کو کچھ سہولت دینا بھی مناسب معلوم نہیں ہوتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ دونوں کے ساتھ سلوک میں کوئی فرق نہیں رکھا جائے گا، صرف چور جاسوس اور اس جیسے متہمین پر کچھ ایسی مزید سختیاں جائز ہیں جو ثبوت جرم کے بعد باقی نہیں رکھی جائیں گی۔

۸-ملزم کو اصل سزا کے بقدر قید رکھنا

اسلامی شریعت کے نفاذ کے بعد میں سمجھتا ہوں کہ اس طرح کا سوال پیدا ہی نہیں ہوگا، اس لئے کہ ملزم کو صرف حدود وقصاص جیسے جرائم کے الزام میں قید کیا جا سکتا ہے اوران کی اصل سزا قید کے بجائے کچھ اور ہے، پھر ملزم کی مدت قید کی تعیین اگرچہ نہیں کی گئی ہے اوراس کو امام کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے، لیکن قرائن سے صاف ظاہر ہے کہ جلد سے جلد معاملہ کو نپٹانے کا حکم ہے، پھر یہ مدت تبدیل شہود جیسی چیزوں کے لئے ہوتی ہے جس میں بہت دیر لگنے کا امکان نہیں، لہذا ایک اسلامی ریاست میں اس سوال کے پیدا ہونے کا امکان نہ ہونا چاہئے۔

۹-بریت ثابت ہونے پر مالی ہرجانہ کا مطالبہ

اگر قید کے درمیان اقبال جرم کرانے کے لئے اس کو زدوکوب کیا گیا اوراس سے بچنے کے لئے ملزم فرار ہوکر چھت پر چڑھ گیا اور گرکر مرگیا بعد میں اس کی بریت ظاہر ہوئی یا مار پیٹ سے اس کو کوئی جسمانی نقصان لاحق ہوگیا، تو اس کو حق ہے کہ الزام لگانے والے سے دیت یا ہرجانہ طلب کرے، ملزم کے فوت ہونے کی صورت میں یہ حق اس کے اولیاء کو ہوگا۔

اسی طرح اگراس پر حاکم نے کوئی ضمان لازم کیا تو بریت ثابت ہونے پر مدعی سے اس کا مطالبہ کرسکتا ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: شامی ۴/۲۱۵)۔

لیکن اگراس طرح کی کوئی بات نہیں ہوئی تو اس کو قید کے سبب پہنچنے والی ذہنی اذیت کے لئے ہرجانہ طلب کرنے کی اجازت نہیں ہوگی، اس لئے کہ اس کو جو جسمانی یا مالی نقصان پہنچا ہے بریت کے بعد معلوم ہوا کہ وہ بغیر کسی حق کے تھا، لہذا اس کا معاوضہ طلب کرنے کی اجازت دی گئی، لیکن قید کرنے کا عمل ظاہر ہے شرعی اتہام کے بغیر نہیں ہوسکتا اور شرعی اتہام کے بعد اس کو قید کرنا ایک حق شرعی کے سبب ہے، لہذا اس کا معاوضہ نہیں طلب کرسکتا۔

۱۰-قیدی کو وکیل سے صلاح لینے کا حق

اپنے اوپر عائد الزام کو رفع کرنے کے لئے ملزم کو اپنے وکیل صفائی سے صلاح ومشورہ کا حق حاصل ہوگا، اس کی دلیل یہ ہے کہ تمام معتبرات میں اپنے عزیز واقارب سے صلاح ومشورہ کی اجازت دی گئی ہے، ظاہر ہے کہ پہلے زمانہ میں جو قانونی امداد عزیز واقارب اور پڑوسیوں سے مل سکتی تھی آج کے دور میں اپنے وکیل سے صلاح ومشورہ کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی، لہذا اس پر قیاس کرکے کہا جاسکتا ہے کہ ملزم کو وکیل صفائی سے صلاح ومشورہ کا حق حاصل ہوگا: "ولا يمكن أحد أن يدخل عليه للاستئناس إلا أقاربه وجيرانه للمشاورة ولا يمكثون عنده طويلاً (قوله ولا يمكثون عنده طويلا)... بل بقدر ما يحصل به المقصود من المشاورة" (شامی ۴/۳۴۹م ہندیہ ۳/۴۱۸)۔

اس عبارت سے صاف پتہ چلتا ہے کہ وکیل صفائی کو قیدی سے ملاقات کرنے اور بقدر ضرورت بات چیت کرنے اور مقدمہ کے متعلق معلومات حاصل کرنے کی اجازت ہوگی۔

۱۱-شیر خوار بچوں کا اپنی ماں کے ساتھ رہنا

اصل یہی ہے کہ بچوں کو ان کی مائیں دودھ پلائیں، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"والوالدات يرضعن أولادهن حولين كاملين" (سورۃ البقرہ: ۲۳۳)۔

(اور بچے والی عورتیں دودھ پلائیں اپنے بچوں کو دو برس پورے)۔

اس حکم پر دلالت کرنے والی نصوص کا تقاضہ یہ ہے کہ ماؤں کو شیر خوار بچوں کو ساتھ رکھنے کی اجازت دی جائے، خاص طور سے جب کوئی بچہ کا خیال رکھنے والا نہ ہو۔

اس کا اشارہ اس حکم سے بھی نکل رہا ہے کہ زوجین کے درمیان طلاق کی صورت میں خاص عمر تک بچوں کی نگہداشت کا حق ماں کو ہوتا ہے۔

نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے بھی اس حکم کا استئناس کیا جا سکتا ہے:

”عن علی رضی الله عنه أنه فرق بين جارية وولدها، فنهاه النبی صلی الله عليه وسلم ورد البيع“ (ابوداؤد، جہاد، باب فی التفریق بین السبی)۔

قیدیوں کے حقوق-شرعی حل

مولانا ظفر عالم ندوی ☆

قید کے لغوی واصلاحی معنی

لغوی معنی

حبس یہ عربی کا لفظ ہے، جسے اردو زبان میں قید کہتے ہیں، حبس کے معنی ہیں روکنا، منع کرنا۔ حبس کا اطلاق گویا قید خانہ پر ہوتا ہے، جس کی جمع حبوس (بضم الحاء) جس کو حبس اور قید کیا جائے اسے عرب محبوس اور حبیس کہتے ہیں اور قیدی عورت کو حبسۃ کہتے ہیں، جس کی طرف سے قید کیا جائے اسے حابس کہتے ہیں (القاموس المحیط، المصباح المنیر مادہ: حبس)۔

اصطلاحی معنی

شرعی اصطلاح میں کسی شخص کو بذات خود تصرف، اپنی مصروفیات اور دیگر دینی وسماجی خدمات کے لئے نکلنے سے روک دینا ''حبس'' کہلاتا ہے (تبصرۃ الحکام لابن فرحون ۲/۵۰)۔ علامہ ابن تیمیہؒ نے ''حبس شرعی'' کی وضاحت فرماتے ہوئے لکھا ہے کہ شرعی اعتبار سے کسی تنگ جگہ میں قید کرنے کا نام حبس نہیں ہے بلکہ کسی کو تصرف سے روک دینے کا نام حبس ہے خواہ کسی مکان میں روک رکھا گیا ہو یا مسجد میں، موصوف فرماتے ہیں:

☆ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

"فإن الحبس الشرعي ليس هو الحبس في مكان ضيق وإنما هو تعويق الشخص ومنه من التصرف بنفسه، سواء كان في بيت أو مسجد أو بتوكيل نفس الخصم أو وكيل الخصم عليه" (فتاوی ابن تیمیہ ۳۹۸/۳۵)۔

امام ابن تیمیہؒ کی وضاحت سے معلوم ہوا کہ حبس شرعی کے لئے کسی تیار شدہ عمارت کا ہونا ضروری نہیں، بلکہ گھر یا مسجد میں روک دینا بھی حبس کہلائے گا۔

حبس (قید) کی مشروعیت

فقہاء نے حبس کی مشروعیت کو کتاب وسنت اور عہد نبوی وعہد صحابہ میں ہونے والے واقعات کی بنیاد پر ثابت کیا ہے، علامہ ابن فرحونؒ نے تبصرۃ الحکام (۲۱۶/۲) اور علامہ علاء الدین طرابلسیؒ نے معین الحکام (ص ۱۹۹) میں اس پر بڑی تفصیلی بحث کی ہے، ان حضرات کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ مجرمین کو قید کرنا اسلام میں جائز ہے، اور یہ جواز قرآنی آیات، نبوی ارشادات اور صحابہ کے واقعات سے ثابت ہے۔ البتہ بعض علماء نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کسی کو قید نہیں کیا، لیکن جمہور فقہاء نے یہ ثابت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے قید کیا ہے البتہ عہد نبوی اور عہد ابوبکر میں باقاعدہ قید خانہ نہیں تھا۔ قید خانہ کا وجود حضرت عمرؓ کے عہد میں ہوا۔ ذیل میں ہم جمہور فقہاء کے دلائل مختصراً درج کر رہے ہیں، تاکہ قید کے جواز پر اسلام کا نظریہ مدلل طور پر واضح ہو جائے۔

۱- "واللاتي يأتين الفاحشة من نسائكم فاستشهدوا عليهن أربعةً منكم فإن شهدوا فأمسكوهن في البيوت حتّٰى يتوفاهن الموت أو يجعل الله لهن سبيلا" (سورہ نساء: ۱۵)۔

(اور تمہاری بیوی میں سے جو عورتیں بے حیائی کا کام کریں تو تم لوگ ان عورتوں پر چار

آدمی اپنوں میں سے گواہ بنالو پھر اگر گواہی دے دیں تو تم ان کو گھروں کے اندر مقید رکھو یہاں تک کہ موت ان کا خاتمہ کردے یا اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی اور راہ تجویز فرمادیں)۔

امام رازیؒ نے اس آیت کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ آیت اگرچہ زنا کی سزا کے سلسلے میں حبس کا حکم منسوخ ہے، لیکن زنا کے علاوہ کے بارے میں یہ حکم آج بھی موجود اور مشروع ہے (احکام القرآن للجصاص ۲/۲۱۶)۔ امام سرخسیؒ نے بھی مبسوط میں حبس کی مشروعیت پر اس آیت سے استدلال کیا ہے (المبسوط للسرخسی ۲۰/۸۸)۔ ان کے علاوہ ابن العربی نے بھی اس سے استدلال کیا ہے (احکام القرآن لابن العربی ۱/۳۵۷)۔

۲- "أو ینفوا من الأرض" (المائدہ: ۳۳)۔

(یا دور کردیئے جائیں اس جگہ سے)

علامہ حصکفی نے اور علامہ ابن ھمام نے اس آیت سے حبس کی مشروعیت پر استدلال کرتے ہوئے وضاحت کی ہے کہ نفی اور جلاوطنی بھی حبس کی ایک شکل ہے (فتح القدیر ۵/۴۷۱)۔ احناف کے علاوہ شوافع کی ایک جماعت، حنابلہ اور مالکیہ میں ابن العربیؒ نے بھی اس آیت میں نفی سے حبس ہی مراد لیا ہے۔

ان حضرات نے بہت ہی لطیف بات کہی ہے کہ پوری سرزمین سے جلاوطنی تو ممکن ہی نہیں ہے، اس لئے یہاں حبس ہی مراد ہے (الموسوعہ الفقہیہ / ۲۸۴)۔

۳- "تحبسونهما من بعد الصلاة فیقسمان باللہ" (مائدہ:۱۰۶)۔

(تو کھڑا کرواں دونوں کو بعد نماز کے وہ دونوں قسم کھاویں اللہ کی)۔

ابن العربی نے احکام القرآن میں صراحت کی ہے کہ اس آیت میں حبس سے قید مراد ہے۔ یعنی جس شخص پر کسی کا حق واجب ہے، اسے روک کر رکھنے کا حق ہے، تا آنکہ وہ حق ادا کرے، اس میں اشارہ حبس ہی کی طرف ہے (احکام القرآن لابن العربی ۲/۷۱۶)۔ حضرت ابوموسیٰ

اشعری نے کوفہ میں اپنے عہد امارت میں اس پر عمل کیا ہے، اس لئے یہ آیت منسوخ نہیں، بلکہ حبس کے بارے میں مشروع ہے (تفسیر خازن ۲/۱۷، الطرق الحکمیۃ/ص ۱۸۶۔

۴-"وخذوهم واحصروهم" (سورہ توبہ:۵)۔

(اور پکڑو اور گھیرو ان کو)

حبس کی مشروعیت پر جمہور فقہاء نے اس آیت سے بھی استدلال کیا ہے۔ علامہ کاسانیؒ نے بدائع الصنائع میں، ابن قدامہؒ نے المغنی میں اس آیت کو بھی متدل بنایا ہے (بدائع الصنائع ۷/۱۱۹، المغنی ۸/۲۷۲)۔

۵-"حتى إذا أثخنتموهم فشدوا الوثاق" (سورہ محمد:۴)۔

(یہاں تک کہ جب خوب قتل کر چکو ان کو تو مضبوط باندھ لو قید)۔

محققین علماء نے اس آیت کو محکم قرار دیا ہے اور یہ کہا ہے کہ اس میں قیدیوں کو قید کرنے کا حکم ہے (الموسوعہ الفقهية/۲۸۵)۔

مذکورہ آیات کے علاوہ فقہاء نے درج ذیل احادیث سے بھی استدلال کیا ہے:

۱- ابن ماجہ میں عمرو بن المشرید سے روایت ہے: "ليّ الواجد يحل عرضه وعقوبته" (ابن ماجہ ۲/۸۱۱ مطبوعہ حلبی)۔ حافظ ابن حجرؒ نے اس روایت کو حسن قرار دیا ہے۔ اس روایت میں "حل عرضہ" سے مراد سخت سست کہنا، اور "عقوبتہ" سے مراد حبس ہے۔ ابن حجرؒ نے بہت سے فقہاء بالخصوص سفیان ثوری، عبداللہ ابن مبارک وغیرہ کا یہی قول نقل کیا ہے (فتح الباری ۵/۶۲)۔

۲- دارقطنی اور بیہقی نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے واسطہ سے روایت نقل کی ہے:

"روى عن النبي ﷺ أنه قال: إذا أمسك الرجل الرجل وقتله الآخر فيقتل الذي قتل ويحبس الذي أمسك" (دارقطنی ۳/۱۴۰، بیہقی ۸/۵۰)۔

(اس روایت سے واضح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی کسی کو پکڑ کر رکھے اور دوسرا قتل کر دے تو قاتل کو قصاصاً قتل کیا جائے گا اور پکڑنے والے کو قید کیا جائے گا)۔

۳- امام ابوداؤدؒ اور امام ترمذی نے معاویہ بن حیدہ القشیری کی روایت نقل کی ہے:

"أن النبی ﷺ حبس رجلا فی تهمة" (ابوداؤد ۴/ ۴۷، ترمذی ۴/ ۲۸)۔

(نبی کریم ﷺ نے بربنائے تہمت ایک شخص کو قید کیا)۔

۴- مصنف عبدالرزاق میں عراک بن مالک کی مرسل روایت ہے:

"روی أن النبی ﷺ حبس أحد رجلین من غفار اتهما بسرقة بعیرین وقال للآخر: اذهب فالتمس فذهب وعاد بهما" (مصنف عبدالرزاق ۱۰/ ۲۱۶، ۲۱۷)۔

۵- مصنف عبدالرزاق میں حضرت علیؓ کا ایک فیصلہ بھی مذکور ہے کہ ایک شخص نے ایک آدمی کو پکڑ رکھا اور دوسرے نے قتل کیا، تو حضرت علیؓ نے قاتل کو قتل کرنے کا حکم دیا اور پکڑنے والے کو قید کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ شخص قید کیا گیا اور قید ہی میں اس کی وفات ہوئی (مصنف عبدالرزاق ۹/ ۴۸۰)۔

مذکورہ آیات اور روایات کی بنا پر تمام صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین کا قید کی مشروعیت پر اتفاق رہا ہے۔

اسلامی شریعت ایک فطری، عقلی اور منطقی شریعت ہے، اس لئے عقل وخرد کا تقاضا ہے کہ جس پر زیادتی اور جرم کا الزام ہو اس کو قید کیا جائے، تا آنکہ عدالت میں اس کا جرم ثابت ہو جائے یا وہ عدالت سے بری ہو جائے۔ اور جرم جس درجہ کا سزا ہو اسی درجہ کی دی جائے، مثلاً اگر قتل کا جرم ہو اور قتل عمد ثابت ہو جائے تو اسے بھی قصاصاً قتل کیا جائے گا، اور اگر جرم حد کے درجہ کا ہو تو اس پر حد جاری کی جائے گی، اور تعزیر کے درجہ کا جرم ہو تو تعزیر کی جائے گی۔

قید خانہ اور اس کی ایجاد

حبس کا جو اصطلاحی مفہوم بیان کیا گیا، عہد نبوی اور عہد ابوبکر صدیقؓ میں حبس وقید کا

یہی مفہوم تھا۔ ان دونوں ادوار میں جس کو قید کیا جاتا وہ ''اسیر'' کہلاتا تھا۔ موجودہ قید خانہ کا تصور ان دونوں ادوار میں نہیں پایا جاتا ہے، بلکہ جب حضرت عمرؓ کا دور آیا اور اسلامی سلطنت میں توسیع ہوئی اور رعایا کی تعداد بڑھ گئی اور ہر طرف پھیل گئی تو انہوں نے ملکی اور سماجی ضرورت کو سامنے رکھتے ہوئے مکہ میں ایک مکان خریدا اور اسے قید خانہ بنایا۔ امام ابن تیمیہؒ نے اپنے فتاوی میں حبس شرعی کی تعریف کرنے کے بعد لکھا ہے:

''لم يكن على عهد النبي ﷺ وأبي بكرؓ حبساً معداً لسجن الناس، ولكن لما انتشرت الرعية في زمن عمر بن الخطاب ابتاع بمكة داراً وجعلها سجناً وحبس فيها'' (مجموعہ فتاوی ابن تیمیہ ۳۵/ ۳۹۸)۔

قید خانہ اور اس کی مشروعیت

اگر کوئی متعین جگہ میں قید خانہ بنایا جائے اور اس کے لئے مستقل عمارت اور چہار دیواری ہو تو کیا شریعت اسلامی میں اس کی اجازت ہے یا نہیں؟

اس بارے میں جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا کہ حضرت عمرؓ نے ملکی اور معاشرتی ضرورت ومصلحت کی بنا پر ایک مکان خرید کر قید خانہ بنایا تھا۔ ظاہر بات یہ ہے کہ اس مشروعیت کے لئے کافی ہے۔ اسی لئے جمہور فقہاء نے کسی الگ اور مستقل جگہ کو قید خانہ بنانے کی اجازت دی ہے۔ اور اسے مصالح مرسلہ میں شمار کیا ہے۔ گویا حاکم وقت ملکی اور سماجی مصلحت کی بنا پر قید خانہ بنا سکتا ہے، حضرت عمرؓ کے بعد حضرت علیؓ نے کوفہ میں قید خانہ مقرر کیا ہے اور مجرم کو وہاں قید کیا ہے۔ علامہ علاء الدین طرابلسی کی وضاحت کے مطابق حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے بھی یہ عمل کیا ہے (معین الحکام للطرابلسی ر ۱۹۷)۔ علامہ ابن فرحون نے صراحت کی ہے: **''وقد أفرد الحكام المسلمون أبنية خاصة للحبس وعدوا ذلك من المصالح المرسلة''** (تبصرۃ الحکام

لابن فرحون ۲/ ۱۵۰)۔ مسلم حکمرانوں نے قیدخانہ کے لئے مستقل علیحدہ عمارتیں بنائی ہیں، ان حضرات نے اس عمل کو مصالح مرسلہ میں شمار کیا ہے۔ التشریع الجنائی الاسلامی میں بھی اس کی مشروعیت پر مکمل گفتگو موجود ہے (التشریع الجنائی الاسلامی ۱/ ۶۹۴)۔

قیدخانہ کی نوعیت

قیدخانہ کس نوعیت اور صفت کا ہو اس بارے میں اسلامی شریعت کا تصور بہت متوازن ہے، نہ اس طرح کہ وہ ایک آرام گاہ بن جائے، جیسا کہ موجودہ دور میں اہل اقتدار اور امراء کے لئے قیدخانہ ہوتے ہیں جہاں ہر طرح کی سہولیات مہیا ہوتی ہیں، بسا اوقات نجی گھروں سے بھی زیادہ سہولتیں پائی جاتی ہیں، اور نہ ہی ایسی تنگ وتاریک، وحشتناک اور اذیتوں سے پر ہو کہ قیدی بنیادی انسانی حقوق سے بھی محروم ہو، بلکہ اسلام نے قیدیوں کو بنیادی ضرورتوں کا مستحق قرار دیا ہے، اسی طرح بشری تقاضوں کی تکمیل اور مذہبی امور بجالانے کی آزادی دی ہے، علامہ ابن نجیمؒ نے "صفۃ الحبس" کے بارے میں لکھا ہے:

" صفة الحبس أن يكون في موضع ليس في فراش ولا وطاء ولا يمكن أحد أن يدخل عليه للاستيناس إلأاقاربه وجيرانه ولا يمكثون ولا يخرجون لجمعة ولا جماعة ولالحج فرض ولا بحضور جنازة ولو بكفيل، وفي الخلاصة: يخرج لجنازة الوالدين والأجداد والجدات والأولاد وفي غيرهم لا يخرج وعليه الفتوى" (البحرالرائق ۶/ ۲۸۳)۔

(قیدخانہ ایسی جگہ ہو جہاں اوڑھنا اور بچھونا نہ ہو اور سوائے قریبی رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے وہاں کوئی داخل نہ ہو سکے کہ وہ اس سے مانوس ہو سکے۔ اقارب اور پڑوسی وہاں قیام نہیں کر سکتے، قیدی جمعہ، جماعت اور حج فرض کے لئے نہیں نکل سکتا اور نہ نماز جنازہ میں

شریک ہو سکے گا خواہ کفیل کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو، خلاصۃ الفتاوی میں ہے کہ کفیل کے ساتھ والدین، دادا اور دادیوں اور اولادوں کے جنازہ میں جا سکتا ہے، ان کے علاوہ میں نہیں، اور اسی پر فتوی ہے)۔

"الموسوعہ الفقہیہ" میں ایک جگہ یہ صراحت ہے کہ قیدیوں کو صرف تنہا نہیں رکھا جائے گا بلکہ اجتماعی طور پر بھی رکھا جائے گا، لیکن اتنی بڑی جماعت اور بھیڑ نہیں ہونی چاہئے کہ لوگ سخت تنگی میں پڑ جائیں اور وضو بھی نہ کر سکیں، اور نہ نماز ادا کر سکیں بلکہ اتنی گنجائش اور کشائش ہو کہ کوئی کسی کا ستر نہ دیکھ سکے۔ اسی طرح قیدیوں کو گرمی کی اذیت بھی نہ دی جائے۔

"إن الأصل فی الحبس کونه جماعیاً وقالوا: لا یجوز عند أحد من المسلمین أن یجمع الجمع الکثیر فی موضع یضیق عنهم غیر المتمکنین من الوضوء والصلاة وقد یری بعضهم عورة بعض ویوذون فی الحر والصیف"

(الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/۳۱۹)۔

فقہاء کی مذکورہ تفصیلات وتصریحات سے اتنی بات واضح ہو جاتی ہے کہ قید خانہ بہت تنگ وتاریک نہ ہو اور نہ ہی اتنی بڑی تعداد ہو کہ وہ اپنی ضروریات بھی پوری نہ کر سکیں اور عبادات تک ادا نہ کر سکیں، بلکہ انسانی بنیادی حقوق اور مذہبی امور کی ادائیگی کے مواقع مل سکیں۔

حبس (قید) کی قسمیں

فقہاء نے حبس کی ابتدائی دو قسمیں کی ہیں:

(۱) حبس بغرض سزا (۲) حبس بغرض طلب ثبوت

پہلے یہاں ہم پہلی قسم کو بیان کریں گے اور ان کی مدتوں اور لوازم کو ذکر کریں گے، پھر دوسری قسم پر روشنی ڈالیں گے۔

۱- حبس بغرض سزا ان افعال و جرائم میں ہے جن میں حدود مشروع نہیں ہیں، خواہ ان کا تعلق حقوق اللہ سے ہو یا حقوق العباد سے۔ ان میں دونوں برابر ہیں۔ جن جرائم اور افعال میں شریعت نے حدود مقرر نہیں کیے ہیں ان میں حاکم کی صوابدید پر تعزیر مقرر ہوگی۔ اگر غور کیا جائے تو حبس دراصل تعزیر ہی کی ایک قسم ہے۔

علامہ قرافی مالکیؒ اور علامہ عزالدین بن عبدالسلام شافعیؒ نے تقریباً آٹھ اسباب ذکر کیے ہیں جن میں حبس مشروع ہے۔ علامہ ابن فرحونؒ نے بھی تقریباً آٹھ اور صاحب تبصرۃ الحکام نے قریب قریب دس بنیادیں ذکر کی ہیں (الفروق للقرافی ۴؍۷۹، حاشیۃ الرملی علی اسنی المطالب ۴؍۳۰۶، تبصرۃ الحکام ۲؍۲۱۶، معین الحکام ص ۱۹۹، ۲۰۰)۔

ان میں پانچ وہ ہیں جن میں حبس بطور تعزیر ہوا کرے گا، مثلاً حق کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرنے والے کو تا ادائیگی حق قید کرنا، جنایت کرنے والوں کو معاصی سے روکنے کے لئے قید کرنا، ایسے حق واجبی میں تصرف سے روکنے کے لئے قید کرنا جس میں دوسرے کی نیابت ممکن نہیں، جیسے کسی دو بہنوں سے نکاح کر لیا تھا پھر وہ اسلام لے آیا تو اسے اس وقت تک قید میں رکھا جائے گا جب تک کہ وہ ایک بہن کو زوجیت سے جدا نہ کردے اور کسی ایک کو اختیار نہ کرلے، اگر کوئی شخص مجہول شئی کا اقرار کرے پھر اس کی ادائیگی سے گریز کرے تو تعین کے لئے اسے قید کرنا، اسی طرح اگر کوئی ایسے حقوق اللہ کی ادائیگی سے گریز کرے جن میں نیابت نہیں ہوتی جیسے نماز اور روزے کی ادائیگی سے گریز کرے تو اس کے لئے قید کرنا (حوالہ سابق)۔

ان کے علاوہ حدود کے ساتھ ساتھ کبھی کبھی بعض امور میں تعزیراً قید بھی کیا جائے گا، جیسے غیر شادی شدہ زانی کو ایک سو کوڑے مارنے کے ساتھ ساتھ سیاست ملکی اور معاشرہ کی استواری کے لئے بطور تعزیر ایک سال قید میں رکھنا (الدر المختار و رد المحتار ۴؍۱۴)۔

فقہاء نے ان کے علاوہ اور بھی مجرمین کے لئے قصاص کے ساتھ حبس اور کفارہ کے

ساتھ حبس کی سزا مقرر کی ہے، طوالت کی وجہ سے ہم ان کا ذکر یہاں حذف کر رہے ہیں، آگے ہم مستقل عنوان کے تحت حبس کے اسباب پر انشاء اللہ روشنی ڈالیں گے۔

قید کی مدت

حبس جب بغرض سزا ہو تو اس کی مدت کیا ہونی چاہئے یہ ایک اہم باب ہے۔ فقہاء نے مجرم کے جرائم کے اعتبار سے سزاؤں کی مدت مقرر کی ہے، ایک ادنی مدت ہے اور ایک اعلی مدت ہے۔

اقل (کم سے کم) مدت قید

فقہاء شوافع کے یہاں قید کی کم سے کم مدت کی صراحت ملتی ہے، بعض فقہاء شوافع نے اقل مدت قید نماز جمعہ سے روک دینا بیان کیا ہے اور دیگر فقہاء شوافع نے قید کی کم سے کم مدت ایک دن بیان کیا ہے (تبصرۃ الحکام ۲/۳۲۹)۔

اکثر مدت کی قید

فقہاء حنفیہ، حنابلہ اور مالکیہ نے بغرض سزا قید کی اکثر مدت متعین نہیں کی ہے، بلکہ ان حضرات نے قاضی کی صوابدید پر چھوڑ دیا ہے۔ یعنی قاضی کو اختیار ہوگا کہ مجرم کے جرائم اور حالات کے مطابق ان کی سزا کی مدت مقرر کرے، کیوں کہ قید کرنا تعزیر ہی کا ایک جز ہے اور جس قدر مدت قید کرنا متصور ہو قاضی اتنی مدت تک قید میں رکھنے کا حکم صادر کر سکتا ہے۔ بلکہ قاضی کو یہ بھی حق ہوگا کہ عادی مجرم اور بھیانک جرائم کے مرتکب کو حبس دوام کی سزا مقرر کرے۔

مشہور فقیہ علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں:

"والصحيح أن التقدير مفوض إلى رأى القاضى لاختلاف أحوال

الأشخاص فیه"(فتح القدیر ۶/۷۹۳)۔

اکثر مدت قید کے سلسلہ میں احناف، مالکیہ اور حنابلہ کی رائے تو متفق علیہ ہے، جیسا کہ اوپر ذکر ہوا، لیکن فقہاء شوافع کی آراء مختلف ہیں:

۱- علامہ زبیری شافعیؒ کا قول اکثر مدت چھ ماہ کا ہے۔

۲- لیکن شوافع کا مشہور قول ایک سال کا ہے۔

۳- تیسرا قول یہ ہے کہ اکثر مدت قید کی کوئی تحدید نہیں ہے، امام الحرمین اسی کے قائل ہیں۔

بعض فقہاء شوافع نے جمہور کے مسلک پر عمل کی اجازت دی ہے۔ اس طرح اگر اقوال کا جائزہ لیا جائے تو نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ اسلامی شریعت میں قید کی اکثر مدت کی کوئی تحدید نہیں ہے، بلکہ یہ قاضی اور حاکم کی صوابدید پر مبنی ہے کہ قاضی مجرم کے حسب حال مدت مقرر کرے۔

طویل المیعاد اور قلیل المیعاد حبس کے درمیان فرق

فقہاء نے طویل المیعاد حبس اور قلیل المیعاد حبس کے درمیان بھی فرق بیان کیا ہے، اگر ایک سال سے کم قید کی سزا ہو تو اس کو قلیل المیعاد حبس کہتے ہیں، اور اگر ایک سال سے زائد مدت کی قید ہو تو اس کو طویل المیعاد حبس کہتے ہیں (تبصرۃ الحکام لابن فرحون ۲/۱۴۸)۔

اگر معمولی قسم کا جرم ہو مثلاً پڑوسی کو گالی دے دی تو تین دن قید کی سزا دی جائے گی، علامہ ماوردیؒ نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص پورے رمضان روزہ ترک کر دے تو اسے بھی تین دن کے لئے قید کیا جائے گا (الاحکام السلطانیہ للماوردی ص ۲۳)۔ لیکن اگر جرم بڑا ہو اور مجرم اس کا عادی ہو تو فقہاء نے ایسے مجرمین کی سزا حبس طویل رکھی ہے، مثلاً اگر کوئی شادی شدہ زانی ہو اور بار بار اس طرح کا جرم کر رہا ہے تو اسے حد زنا یعنی ایک سو کوڑے کے علاوہ ایک سال کے لئے قید میں

رکھا جائے گا تا کہ مجرم اپنے اس مجرمانہ عمل سے آئندہ باز رہے اور اس دوران اصلاح بھی ہو جائے (حاشیہ ابن عابدین ۴؍۶۷)۔

اسی طرح اگر کوئی کسی کو اس طرح زخمی کر دے کہ قصاص تو جاری نہ کیا جا سکے، لیکن اس پر حبس طویل کی سزا جاری کی جائے گی۔

مدت حبس مبہم

فقہاء نے مدت حبس کو مبہم رکھنے کو بھی درست قرار دیا ہے اور یہ صراحت کی ہے کہ محبوس کو مدت حبس بتانا ضروری نہیں ہے، بسا اوقات توبہ واصلاح تک حبس کی مدت مبہم رکھی جا سکتی ہے، جیسے شراب پینے، سود لینے دینے، دشمن کے لئے جاسوسی کرنے والے مسلمان کو توبہ واصلاح کی مدت تک قید میں رکھا جا سکتا ہے۔

حبس دوام

ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا کسی مجرم کو حبس دوام کی سزا یعنی تاحیات قید میں رکھا جا سکتا ہے یا نہیں؟ فقہاء نے اس بارے میں بھی بحث کی ہے اور یہ صراحت کی ہے کہ قاضی کو اختیار ہوگا کہ سنگین جرائم کے مرتکب جو بار باران جرائم کا ارتکاب کرتا رہتا ہو اس کو حبس دوام یعنی تاحیات قید خانہ میں رہنے کی سزا دے، اس طرح کی سزا کے واقعات دور صحابہ میں بھی ملتے ہیں، امام ابو یوسفؒ نے ضابئ بن حارث التیمی کا واقعہ لکھا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اسے شرارتی چور ہونے کی وجہ سے مستقل طور پر جیل میں مقید کر دیا اور وہیں اس کی وفات ہوئی (الخراج لابی یوسف؍۱۶۳)۔

اسی طرح ایک واقعہ حضرت علیؓ کے دور کا ہے کہ حضرت علیؓ نے ایک مقتول کو پکڑے رکھنے کی وجہ سے حبس دوام کی سزا دی اور اس کی بھی قید خانہ ہی میں وفات ہوئی۔

علامہ ماوردیؒ نے لکھا ہے کہ عادی مجرم کو حبس دوام کی سزا دی جا سکتی ہے (الاحکام السلطانیہ رص ۲۲۰)۔ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے آیت قرآنی: "فاقتلوا المشركين حيث وجدتموهم وخذوهم واحصروهم واقعدوا لهم كل مرصد" (سورہ توبہ:۵) کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص کلمہ اسلام پڑھ کر نماز ادا نہ کرے یا زکوۃ نہ دے تو مسلمان اس کا راستہ روک سکتے ہیں، امام احمدؒ، امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ تارک صلاۃ اگر توبہ نہ کرے تو اسے قتل کر دے (امام احمد کے نزدیک ردۃً اور امام مالکؒ وشافعیؒ کے نزدیک حداً وتعزیراً)۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اسے خوب زدوکوب کرے اور قید میں رکھے حتی کہ وہ مرجائے یا توبہ کرلے (تفسیر عثمانی سورہ توبہ، آیت: ۵)۔ علامہ عثمانیؒ نے یہاں امام ابوحنیفہ کا مسلک نقل کیا ہے کہ ان کے نزدیک تارک صلاۃ کو تاحیات یا تاتوبہ قید میں بند رکھا جا سکتا ہے۔ امام ابن تیمیہ نے مجموعہ فتاوی ابن تیمیہ میں متہم شخص کے بارے میں بھی حضرت عمر بن عبدالعزیز اور بعض مالکیہ کی رائے نقل کی ہے کہ اسے حبس دوام کی سزا دی جائے گی، ایسا بدعتی جو اپنی بدعت سے توبہ نہ کرے اس کے بارے میں بھی امام احمدؒ کی رائے یہی ہے کہ اسے بھی حبس دوام کی سزا دی جائے گی۔

"ولكن حبس المتهم عندهم أبلغ من حبس المجهول، ولذلك اختلفوا هل يحبس حتى يموت؟ فقال عمر بن عبدالعزيز وجماعة من أصحاب مالك كمطرف وابن الماجشون و غيرهما أنه يحبس حتى يموت، وهكذا روى عن الامام أحمد فيمن لم ينته عن بدعته أنه يحبس حتى يموت" (مجموعہ فتاوی ابن تیمیہ ۳۵/۴۰۱)۔

اگر کوئی قوم لوط کی طرح گھناؤنی حرکت اور عمل کرے تو اسے بھی حبس دوام کی سزا دی جا سکتی ہے (حاشیہ ابن عابدین ۴/۲۷)۔ اگر کوئی تیسری بار چوری کرے یعنی دونوں ہاتھ کٹ جانے

کے بعد تیسری بار چوری کرے تو اسے بھی حبس دوام کی سزا دی جائے گی، اسی طرح شراب نوشی کے مستقل عادی، سرکش اور دوسروں کو کثرت سے ایذاء پہونچانے والے کو بھی حبس دوام کی سزا دی جائے گی (السیاستہ الشرعیہ/ ۱۰۴)۔

فقہاء کے مذکورہ اقوال اور تصریحات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام میں سنگین اور عادی مجرمین کی سزا حبس دوام یعنی تاحیات قید ہے۔

قید کی سزا ختم ہونے کے اسباب

اگر کسی مجرم کی سزا قید مقرر ہو جائے خواہ ابھی اس کا نفاذ ہوا ہو یا نہیں درج ذیل اسباب کی وجہ سے قید کی سزا ساقط ہو جائے گی۔

۱-موت: اگر جرم کرنے والا قیدی مر جائے تو اس کی سزا ختم ہو جائے گی چونکہ سزا کا محل ہی نہیں رہا تو اب سزا بھی نہیں ہوگی۔

۲-جنون: جمہور فقہاء کی رائے یہی ہے کہ جرم سرزد ہونے کے بعد اگر مجرم پر عارضی جنون طاری ہو تو اس کی وجہ سے قید کی سزا کا نفاذ روک دیا جائے گا، اس لئے کہ مجنون شرعی احکام کا مکلف نہیں ہوتا ہے اور نہ ہی سزا و تادیب کا اہل ہوتا ہے۔ چونکہ اس میں شعور و ادراک نہیں ہوتا ہے اس لئے سزا کے مقصود کو وہ سمجھ نہیں سکتا اور جب اسے سزا ہی کی خبر نہ ہو تو اسے سزا دینا بے معنی ہو جائے گا (الموسوعہ الفقہیہ ۱۶/ ۲۹۰)۔

البتہ حنابلہ کے یہاں مجنون کی سزا موقوف نہیں ہوگی، ان حضرات کا خیال یہ ہے کہ تعزیر کا مقصد تادیب اور زجر ہے، اگر جنون کی وجہ سے تادیب کا پہلو ختم کر دیا جائے تو زجر کا پہلو ختم کرنا مناسب نہیں ہے، تاکہ دوسروں کے لئے یہ ایک سبق ہو کہ یہ جرم اس قدر قابل مواخذہ ہے کہ جنون کے بعد بھی اس میں بخشا نہیں جاتا۔ حنفیہ میں ابو بکر اسکافی بھی یہی خیال ہے، لیکن جمہور احناف جمہور علماء کے ساتھ ہیں (حوالہ سابق)۔

۳-عفو (معافی)

کسی انسان کے حق کی خاطر اگر کسی کو قید کیا جائے اگر وہ معاف کر دے تو معافی ہو جائے گی اور قید کی سزا ختم کر دی جائے گی، فقہاء نے اس کی مثال یہ دی ہے کہ اگر کسی شخص کو قرض خواہ کے مطالبہ پر قرض کی وصولیابی کے لئے مقید کیا جائے پھر اگر وہ خود معاف کر دے تو قید کی سزا ختم کر دی جائے گی (فتح القدیر ۵/۴۷۱)۔

۴-سفارش

جمہور فقہاء کے رائے یہ ہے کہ اگر مجرم کو سزائے قید سنائی جائے اور یہ مجرم ایسا ہو کہ اس نے کسی کو اذیت نہ دی ہو تو اس میں سفارش کرنا جائز ہے خواہ سزا کا نفاذ ہو گیا یا نہ ہوا ہو، لیکن حاکم اور قاضی کو حق ہوگا کہ وہ سفارش کو رد کر دے اگر رد کرنے میں مصلحت ہو، حضرت عمرؓ کے دور میں جب معن بن زائدہ کو جھوٹ بولنے کی وجہ سے قید کیا گیا اور ان کے حق میں سفارش کی گئی تو حضرت عمرؓ نے بر بناء مصلحت اس سفارش کو رد کر دیا (المغنی ۸/۳۲۵)۔

اگر چہ امام زرکشی کو مجرم کے حق میں سفارش اور اس کے قبول کئے جانے پر اشکال ہے، تاہم فقہاء کا یہی فیصلہ ہے کہ اگر مجرم صاحب اذیت نہ ہو تو اس کے حق میں سفارش کرنا جائز ہے۔ البتہ حاکم کو حق حاصل ہے کہ سفارش قبول کرے یا نہ کرے (المنثور للزرکشی ۲/۲۴۸،۲۴۹)۔

۵-توبہ

اگر مجرم اپنے جرم سے توبہ کر لے تو قید کی سزا ختم ہو سکتی ہے، لیکن توبہ کی کوئی خاص متعین مدت نہیں ہے، یہ محض قرائن سے معلوم کی جائے گی۔ بعض توبہ تو ظاہر سے بھی معلوم ہو جائے گی، مثلاً اگر کسی کو دوسرے کے حق کی وجہ سے قید کیا جائے اور وہ اس کا حق بعد قید لوٹا دے تو اسے توبہ تصور کیا جائے گا اور قید کی سزا ختم کر دی جائے گی، اسی طرح اگر ترک نماز کی وجہ سے قید

کیا جائے اور تارک نماز پابندی سے نماز پڑھنے لگے اور اس پر اس کے آثار بھی ظاہر ہو رہے ہوں تو اس بنیاد پر قید کی سزا ختم کی جاسکتی ہے۔ تاہم حاکم کو اس کی شناخت کا حق ہوگا اور اپنی صوابدید سے سزا کو ساقط کرے گا (الموسوعۃ الفقہیہ ۲۹۱/۱۶)۔

حبس بغرض طلب ثبوت

حبس سے متعلق مذکورہ تفصیلات برائے سزا دعقوبت تھی۔ لیکن اگر حبس محض تفتیش و تحقیق کے لئے کیا جائے تو کیا شرع اسلامی میں اس کی اجازت ہے یا نہیں؟

اس بارے میں فقہاء کی تصریحات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تحقیق اور طلب ثبوت کی خاطر بھی کسی کو قید کیا جاسکتا ہے۔ فقہاء نے بیان کیا ہے کہ تہمت والزام، اور کسی دوسری سزا کی خاطر بھی قید کیا جاسکتا ہے (حوالہ سابق)۔

قیدیوں کو سزا دینا

اسلام میں قیدیوں کی اصلاح اور اس کی تادیب کی خاطر ایسی سزا دینا درست ہے جن میں بے جا تکلیف، اہانت، اعضاء کا نقصان اور غیر انسانی سلوک نہ ہو، نبی کریم ﷺ نے بدر کے قیدیوں کے ساتھ جو سلوک کیا ہے وہ ایذاء، اہانت، اتلاف اعضاء اور غیر انسانی برتاؤ سے پاک ہے (موسوعہ فقہیہ ۳۲۶/۱۶، ۳۲۷)۔ ذیل میں ہم ان سزاؤں کا تذکرہ کرتے ہیں جو قیدیوں کو دینا اسلام میں جائز نہیں ہے:

ناک، کان اور دیگر اعضائے جسمانی کو کاٹنا

قیدیوں کے ناک، کان کاٹنا، ہونٹ کا کچلنا، انگلیاں کھینچنا، ہڈیاں توڑنا جائز نہیں ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے جو قید خانے تیار کروائے اور ان میں قیدیوں کو رکھا تو انہوں نے اس

طرح کی کوئی سزا نہیں دی، کیوں کہ قیدیوں کی تادیب اور اصلاح تو کی جائے گی لیکن ان کے اعضاء ناکارہ نہیں کئے جائیں گے، مولانا مودودی کی الجہاد فی الاسلام (ص ۲۵۰) میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ بدر کے قیدیوں میں ایک شخص سہل بن عمرو بڑا چرب زبان تھا، وہ نبی کریم ﷺ کے خلاف تقریریں کیا کرتا تھا، جب وہ قید کر کے لایا گیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا کہ اس کے دانت توڑ دیے جائیں تو آپ ﷺ نے منع فرمادیا۔ امام مسلمؒ نے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے قیدیوں کے افسروں کو حکم فرمایا تھا کہ ان کا مثلہ نہ کیا جائے "**لاتمثلو**" (مسلم ۲/۸۲)۔

امام نوویؒ نے روایت کے اس حصہ کا حکم بیان کیا ہے کہ قیدیوں کا مثلہ کرنا مکروہ ہے، **وفیه کراهیة المثلة** (شرح نووی علی مسلم ۲/۸۲)۔

چہرے اور گردن وغیرہ پر مارنا

قاضی اور حاکم کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ قیدیوں کے چہرے، گردن اور حلق کی جگہوں پر مارے، کیوں کہ ان مقامات پر مارنے سے اہانت ہوتی ہے اور جان کا خطرہ بھی، ایسی تادیب جس میں اہانت ہو، یا جان کا خطرہ ہو اسلام میں جائز نہیں، اسی طرح قیدیوں کی گردنوں میں زنجیر ڈالنا، یا مارتے وقت زمین پر لٹا دینا جائز نہیں۔ فتاوی ہندیہ میں صراحت ہے: "**لا ینبغی للقاضی أن یضرب محبوساً فی دین ولا غیرہ ولا یصفد ولا یقید ولا یغل ولا یمد ولا یجرد ولا یقیمه فی الشمس**" (فتاوی ہندیہ ۳/۴۱۴)۔

آگ میں جلانے کی سزا دینا

قیدیوں کے پورے جسم یا اس کے کسی حصہ کو تکلیف پہونچانے اور اذیت دینے کے ارادہ سے جلانا جائز نہیں، بلکہ فقہاء نے اسے حرام لکھا ہے، ہاں اگر قیدی نے کسی کو جلایا ہو تو قصاصاً بدلہ کے طور پر جلانا اکثر فقہاء کے نزدیک جائز ہے، اسی طرح قیدی کا گلا دبانا، اس کو بھینچنا اور پانی

میں ڈبونا جائز نہیں۔

آگ کی سزا کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے مختلف مواقع سے منع فرمایا اور سخت ناراضگی ظاہر مائی، حدیث میں آتا ہے: "لا تعذبوا بعذاب الله" جس چیز سے اللہ عذاب دیتا ہے اس چیز سے عذاب نہ دو، دوسری روایت ہے: "إن النار لایعذب بها إلا الله" (فتح الباری ۶/ ۱۸۰)، بلاشبہ آگ کا عذاب اللہ ہی دے سکتا ہے، البتہ اگر قیدی نے کسی مسلمان کو جلایا ہو تو بدلہ اور قصاص میں اس کو بھی جلایا جا سکتا ہے، جیسا کہ عکل وعرینہ والی روایت میں اس کی نظیر موجود ہے (فتح الباری ۶/ ۱۸۵)۔

بھوک یا ٹھنڈک یا گرمی کی سزا دینا

اسلام میں قیدی کو بھوکا رہنے پر مجبور کرنا اور کھانے پینے کے لئے نہ دینا جائز نہیں، چونکہ کھانا پینا ہر انسان بلکہ تمام جانداروں کی بنیادی ضرورت ہے، اللہ تعالی نے اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے: "ویطعمون الطعام علی حبه مسکیناً ویتیماً وأسیراً" (سورۂ دہر: ۸) (اور کھلاتے ہیں کھانا اس کی محبت پر محتاج کو اور یتیم کو اور قیدی کو)۔ تفسیر منیر میں ایک قیدی کا واقعہ منقول ہے کہ بنو عامر کے ایک آدمی کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے گرفتار کرلیا، جب رسول اللہ ﷺ اس کے پاس سے گزرے تو قیدی نے آپ کو پکارا اور عرض کیا کہ "میں بھوکا ہوں آپ مجھے کھانا کھلایئے"، نبی کریم ﷺ نے جواب دیا: "نعم هذه حاجتک" (جی ہاں! یہ تمہاری ضرورت ہے اس کو پوری کی جائے گی) (التفسیر المنیر ۲۶/ ۹۱،۹۲)۔ مولانا مودودی نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ نے بدر کے قیدیوں کے ساتھ بہتر سلوک کا برتاؤ کیا، اور صحابہ کرام کو حکم دیا کہ ان کے ساتھ فیاضی کا برتاؤ کریں، اس حکم کی تعمیل میں صحابہ نے اس طرح کیا کہ ان کو اپنے سے اچھا کھانا کھلایا اور اپنے سے زیادہ آرام دیا، بعض صحابہ خود کھجوریں کھاتے تھے اور قیدیوں کو روٹی سالن

کھلاتے تھے (الجہاد فی الاسلام ص ر ۲۵۰،۲۴۹)۔ مسلم شریف کی روایت ہے: "كفى بالمرأ إثما أن يحبس عن من يملك قوته" (مسلم)۔ (آدمی کے گنہگار ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ اپنے ماتحتوں کی خوراک روک لے)۔ غرض کہ اسلام میں قیدیوں یا ماتحتوں کو کھانا یا پانی سے محروم کر دینا سخت گناہ ہے، اسی طرح قیدیوں کو گرم یا سرد جگہ میں رکھنا یا دھوپ کے نیچے کر دینا یا ایسے کمرہ میں بند کر دینا جس میں دھواں بھرا ہو یا سردی کے بچاؤ والے کپڑوں کے استعمال سے روک دینا، یا لباس اتار دینا جائز نہیں (فتاوی ہندیہ ۳ر ۴۱۴)۔

تیز روشنی کی سزا دینا

قیدی کو ایسے کمرہ میں بند کر دینا جس میں تیز روشنی ہو یا کمرہ میں بند کر کے روشنی تیز کر دینا تا کہ مسلسل تیز روشنی میں رہنے کی وجہ سے نیند جاتی رہے اور دماغ صحیح طور پر کام نہ کرے اور جو چاہے ان سے اگلوائے، اسلام میں ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔ جس طرح دھوپ میں رکھنا جائز نہیں اسی طرح بجلی کی تیز روشنی میں بھی رکھنا جائز نہیں ہے۔

برف کی سل پر لٹانا

قیدیوں کو جس طرح گرم پتھر اور زمین پر نہیں لٹایا جا سکتا ہے، اسی طرح برف کی سل پر بھی لٹانا اور اذیت دینا جائز نہیں ہے، علامہ علاء الدین طرابلسی لکھتے ہیں: "ليس للطالب أن يقيم الملزوم في الشمس أو على الثلج أو في موضع يضر به" (معین الحکام ص ر ۱۹۹)۔

ننگا کرنا

قیدیوں کے کپڑے اتار کر اسے ننگا کر دینا حرام ہے، کیوں کہ اس سے بے ستری ہوگی جو شرعاً حرام ہے، اسلام نے قیدی یا غیر قیدی کسی کو بھی بے پردہ کرنے کی اجازت نہیں دی ہے،

اس قسم کی سزا انسان کو حیوان سے ملا دیتی ہے، اس لئے یہ کسی درجہ میں جائز نہیں ہے، اسلام میں پردہ کی اس قدر اہمیت ہے کہ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ایک صحابی کی ران کھلی ہوئی تھی تو آپ ﷺ نے چھپانے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: ''کیا تمہیں پتا نہیں کہ ران ستر میں ہے''۔ قیدی کو تو برہنہ کرنا درکنار اگر کپڑے نہ ہوں تو ان کو کپڑے فراہم کئے جائیں گے، سیرت کی کتابوں میں اسی طرح احادیث میں بھی یہ واقعہ آتا ہے کہ بدر کے قیدیوں میں حضور ﷺ کے چچا حضرت عباس بھی تھے، ان کو لباس کی ضرورت تھی، آپ ﷺ نے ان کو لباس مہیا کیا، یہاں تک کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول کا کرتا جو حضرت عباس کے بدن میں فٹ ہو رہا تھا آپ ﷺ نے اس سے لے کر حضرت عباس کو عنایت کیا اور خود اپنا کرتا عبداللہ بن ابی بن سلول کو دے دیا، تاکہ کسی منافق کا احسان نہ رہے، امام بخاریؒ نے اس واقعہ کو ''باب الکسوۃ للأساری'' میں ذکر کیا ہے، اور اس بات کے لانے کا مقصد یہ ہے کہ قیدی اگر ننگے ہوں تو ان کو ستر پوشی کے لئے لباس دیا جائے گا، چنانچہ آپ ﷺ نے لباس دیا ہے: **''فکساه النبی ﷺ إیاه، فلذلک نزع قمیصه الذی ألبسه''** (البخاری ۲/ ۸۲)۔

وضو، نماز اور دیگر عبادات سے روکنا

مسلمان قیدیوں کو عبادات کے مواقع فراہم کئے جائیں گے، وضو، نماز اور دیگر عبادات مثلاً تلاوت قرآن وغیرہ سے روکنا اسلام میں جائز نہیں ہے، ایسی جگہ جہاں یہ سہولیات نہ ہوں کسی کو قید کرنا جائز نہیں ہے، اسی طرح مذہبی کتابوں کے مطالعہ سے روکنا بھی جائز نہیں ہے۔

دعوت دین سے قیدی کو روکنا

قیدیوں کو دعوت دین سے بھی نہیں روکا جائے گا، یوسف علیہ السلام نے قید میں دین کی

دعوت دی تھی، اس لئے اس سنت سے کسی بھی مسلمان قیدی کو روکنا جائز نہیں ہے۔

اگر قیدی غیر مسلم ہوں تو ان کو بھی ان کی مقدس کتابوں کے مطالعہ اور ان کی اہم شخصیات کی سوانح کے مطالعہ سے نہیں روکا جائے گا، بلکہ ان کی بے حرمتی سے گریز کیا جائے گا۔ اس میں ایک بڑی حکمت یہ بھی ہے کہ اگر ہم غیر مسلم قیدیوں اور ان کی مذہبی کتابوں اور ان کے قابل احترام شخصیات کے متعلق رواداری نہیں کریں گے تو وہ بھی ہمارے قیدیوں کے ساتھ رواداری نہیں کریں گے، قرآن میں اس کی واضح ہدایت موجود ہے: "لا تسبو الذین یدعون من دون الله فیسبوا الله عدوا بغیر علم" (سورہ انعام/ ۱۰۸) (اور تم لوگ برا نہ کہو ان کو جن کی یہ پرستش کرتے ہیں اللہ کے سوا، پس وہ برا کہنے لگیں گے اللہ کو بدون سمجھے)۔

البتہ غیر مسلم قیدیوں کے لئے ان کی مذہبی کتابیں فراہم کرنا مسلم حکمرانوں اور قید کے افسران کے لئے ضروری نہیں بلکہ یہ ان کی ذمہ داری ہی نہیں ہے۔

قیدی کو گالی گلوج کرنا

قیدیوں کو گالی گلوج کرنا بھی جائز نہیں ہے، نہ لعن وطعن کرنا اور نہ ماں باپ کو گالی دینا جائز ہے، البتہ اے ظالم! اے ستمگر! وغیرہ جیسے الفاظ کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے (الموسوعہ الفقہیہ ۳۲۸/۱۶)۔

داڑھی نوچنا، سر پر گرم تیل ڈالنا جیسی سزا دینا

قیدی کی اذیت دینے کے لئے دھوپ میں کھڑا کرنا، ان کے سر پر گرم تیل ڈالنا، ان کی داڑھی نوچنا یا مونڈنا، اس پر کتے، سانپ، بچھو جیسے جانور چھوڑنا وغیرہ حرام ہے، اسلام نے اس کی قطعاً اجازت نہیں دی ہے۔

اسی طرح الکٹرک شاٹ لگانا یا جسم کے کسی حصہ کو گرم لوہے یا بجلی سے داغنا حرام ہے،

کیوں کہ اس سے اعضاء ناکارہ ہوجائیں گے جس سے اسلام نے سخت منع کیا ہے۔

سیدنا امام مالکؒ سے گرم تیل اور گبریلے کپڑے سے قیدی کو سزا دینے کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا: "لایحل هذا، إنما هو السوط أو السجن" (یہ جائز نہیں، بلکہ سزا کوڑے یا قید خانہ ہے)۔

سچ اگلوانے کے لئے قیدیوں کو مار پیٹ کرنا

یہاں ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر قیدی سنگین جرائم کے ارتکاب یا الزام میں مقید ہوں اور وہ سچ چھپا رہے ہوں تو اسے سچ اگلوانے کے لئے مار پیٹ کرنا اور ان کو دھمکی دینا درست ہے یا نہیں؟

اس سلسلہ میں غزوہ بدر کے قصہ میں ایک واقعہ ملتا ہے جس کو امام ابوداؤدؒ نے "باب في الأسير ينال منه ويضرب ويقرر" (ابوداؤد ۲/ ۳۶۴) کے تحت نقل کیا ہے کہ صحابہ کرام جنگ بدر کے لئے جا رہے تھے اور قریش کے اونٹوں کے پاس سے گزر رہے تھے، وہاں ایک کالا کلوٹھا غلام جن کا نام اسلم تھا ملا، اسے پکڑ کر ابوسفیان کے بارے میں دریافت کیا: "أين أبو سفيان؟" مجھے اس کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے "مالي بشيء من علمه"۔ اس پر صحابہ نے اسے مارا پیٹا، جب مارتے وہ کہتا: مجھے چھوڑ دو میں بتاتا ہوں، جب چھوڑ دیتے تو پھر یہی کہتا: مجھے ان کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے۔ صحابہ کرام اسے پکڑ کر حضور ﷺ کی خدمت میں لائے، آپ ﷺ نماز ادا فرما رہے تھے، اور ان کی بات سن رہے تھے جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا: یہ سچ کہتا ہے تو تم اسے مارتے ہو، اور جب جھوٹ بولتا ہے تو چھوڑ دیتے ہو۔ "إنكم لتضربونه إذا صدقكم وتدعونه إذا كذبكم"۔ ابوداؤد کے شارح صاحب عون المعبود نے امام خطابی کے واسطہ سے لکھا ہے کہ اس حدیث میں کافر قیدی کو

سچ اگلوانے کے لئے مارنے کا جواز معلوم ہوتا ہے اگر مارنے میں فائدہ ہو۔ "وفي الحديث دليل على جواز ضرب الأسير الكافر إذا كان في ضربه طائل" (عون المعبود ۷/۲۴۶ کتاب الجہاد)۔

فقہاء نے مذکورہ مقصد کی خاطر مارنے کی اجازت دی ہے، امام ابن تیمیہؒ نے اس بارے میں فقہاء کے تین اقوال نقل کئے ہیں جن میں ایک قول یہ ہے کہ قاضی اور والی مار سکتا ہے، امام ابن تیمیہؒ نے قاضی مصر اشہب کا قول نقل کیا ہے:

"يمتحن بالسجن والأدب ويضرب بالسوط مجردا"، یعنی سچ معلوم کرنے کے لئے قید کیا جا سکتا ہے، تادیب بھی ہو سکتی ہے، اسے کپڑے اتار کر کوڑے بھی لگائے جا سکتے ہیں۔ غرض یہ کہ سچ اگلوانے کے لئے سزا تو دی جا سکتی ہے، لیکن انسانیت سوز سزاؤں کی اجازت شرعاً نہیں ہوگی۔

قید بسبب تہمت

اگر کسی کے خلاف حقوق العباد میں سے کسی حق کا دعوی کیا گیا، لیکن شرعی دلائل اور شواہد فراہم نہ ہو پا رہے ہوں، تو مدعا علیہ کو معاملہ واضح ہونے تک قید کیا جا سکتا ہے۔ یہ قید دراصل اظہار حال کے لئے ہوتا ہے تاکہ جو چیز پوشیدہ اور غیر واضح ہو وہ واضح ہو جائے، اس دوران حق اللہ یا حق العبد کی خاطر قید کیا جانا حبس بہ سبب تہمت کہلاتا ہے۔

شرع اسلامی میں اس کا جواز واضح طور پر ملتا ہے، فقہاء نے عام طور پر درج ذیل آیت اور روایت سے استدلال کیا ہے۔

آیت یہ ہے: "تحبسونهما من بعد الصلاة" (مائدہ/۱۰۶) (تم کھڑا کرو ان دونوں کو بعد نماز کے)۔

امام ترمذی اور امام ابوداؤد نے یہ روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے غفار کے ایک شخص کو دو اونٹ کی چوری کے الزام میں قید کیا، پھر آپ ﷺ نے معاملہ کی تحقیق کے بعد اسے رہا کر دیا (ترمذی ۴/۲۸، ابوداؤد ۴/۴۸)۔ امام ترمذی نے اس روایت کو حسن قرار دیا ہے۔

مذکورہ آیت اور روایت کی وجہ سے فقہاء نے تہمت اور الزام کی بنا پر کسی کو صورت حال واضح ہونے تک قید کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔

جمہور فقہاء کی یہی رائے ہے کہ نظام حکومت کو درست رکھنے اور اسلامی معاشرہ کی استواری کے لئے برائے تفتیش قید کرنا درست ہے، لیکن یہ اس صورت حال میں جب کہ قوی قرائن یا شبہات کے آثار موجود ہوں یا ملزم بدنام زمانہ ہو تو ایسی صورت میں اسے قید کیا جاسکتا ہے (حاشیہ ابن عابدین ۴/۷۶، ۸۸، الاحکام السلطانیہ للماوردی رص ۲۱۹)۔ جیسے ابن ابی الحقیق کا واقعہ ہے کہ خیبر کے موقع سے اس نے کچھ خزانہ چھپالیا اور اس نے یہ دعوی کیا کہ یہ خزانے اخراجات میں ختم ہو گئے ہیں، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اسے یہ فرماتے ہوئے قید کیا کہ اتنی کم مدت میں اتنے زیادہ مال کیسے خرچ ہو سکتے ہیں: "العهد قريب والمال أكثر" (جامع الأصول لابن الأثير ۲/۲۴۲)۔ یہاں اس کے جھوٹ کا قرینہ موجود تھا اس لئے نبی کریم ﷺ نے اسے قید کرنے کا حکم فرمایا، اور حضرت زبیر سے فرمایا کہ اس پر سختی کرو تا آنکہ خزانہ ظاہر ہو جائے۔ اس طرح کے واقعات دور صحابہ اور دور تابعین میں بھی پیش آئے ہیں، اور ان حضرات نے قید کیا ہے۔

فقہاء نے یہ بھی تفصیل بیان کی ہے کہ اگر کسی پر الزام ہو، لیکن اس کے حالات سے معلوم ہو کہ یہ الزام درست نہیں ہے، الزام پر کوئی معقول قرینہ بھی نہ ہو تو پھر ملزم کو برائے تفتیش وتحقیق قید کرنا جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر ملزم ایسا شخص ہو کہ اس کا حال واضح نہ ہو، یعنی اس کا تقوی یا فسق وفجور کسی کو معلوم نہ ہو تو جمہور فقہاء کے مطابق اس مستور الحال شخص کو بھی قید کیا جائے گا (القوانین الفقہیہ ر۲۱۹)۔

قاضی شریحؒ ، امام ابو یوسفؒ اور امام الحرمینؒ کی رائے یہ ہے کہ متہم وملزم کے خلاف جب تک مکمل ثبوت وشواہد نہ ہوں اس وقت تک انہیں قید نہیں کیا جاسکتا ہے۔

قاضی شریحؒ کے پاس ایک واقعہ آیا کہ مالدار شخص کا دوران سفر انتقال ہوگیا، قافلہ کے ایک شخص پر ان کی مال وسرمایہ لینے کا الزام تھا تو قاضی موصوف نے قسم لے کر ان کو چھوڑ دیا، قید نہیں کیا (تبصرۃ الحکام ۱/ ۴۰۷، المغنی ۹/ ۳۲۸)۔ اس طرح کے واقعات اور فیصلے امام ابو یوسفؒ اور امام الحرمین کے یہاں بھی ملتے ہیں (المحلی لابن حزم ۱۱/ ۱۳۱، ۱۳۲)۔

قید بسبب تہمت کا حق کس کو ہے؟

ایک اہم سوال یہاں ہوتا ہے کہ تہمت اور الزام کی بنیاد پر اگر کسی کو قید کیا جائے تو قید کرنے کا حق کس کو حاصل ہے؟ قاضی کو یا والی اور حکمراں کو یا دونوں کو؟ اس بارے میں دو اقوال ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ یہ حق صرف والی کو ہوگا، قاضی کو نہیں ہے، امام زبیری شافعی، علامہ ماوردیؒ اور علامہ قرافیؒ وغیرہ کی رائے یہی ہے۔ ان حضرات کا کہنا یہ ہے کہ یہ کارروائی ملکی اور شرعی سیاست کی بنا پر ہوگی اور یہ حق صرف والی کو ہوا کرتا ہے نہ کہ قاضی کو (السلطانیہ الاحکام ص ۲۱۹)۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ حق والی اور قاضی دونوں کو حاصل ہوگا، اس قول کے قائلین امام مالک، امام احمد اور فقہاء حنفیہ ہیں۔ ان حضرات کا کہنا یہ ہے کہ عمومی ولایت دونوں کو حاصل ہے، البتہ بعض حالات اور مخصوص مواقع میں ولایت کبھی قاضی کو حاصل ہوگی اور کبھی والی کو۔ شرع میں اس کی کوئی تحدید نہیں ہے (تبصرۃ الحکام ۲/ ۱۴۱، ۱۴۳)۔

قید بسبب تہمت کی مدت

یہاں دوسرا سوال یہ اٹھتا ہے کہ اگر الزام کی بنا پر کسی کو قید کیا جائے تو قید کی مدت کیا

ہوگی؟

اس بارے میں بھی فقہاء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ مجموعہ فتاوی ابن تیمیہ میں مذکور ہے کہ اس بارے میں دو اقوال پائے جاتے ہیں، ایک قول یہ ہے کہ اس کی مدت متعین ہے اور وہ ایک مہینہ ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ مدت متعین نہیں ہے۔ یہ قاضی اور امام کی صوابدید پر موقوف ہے، پہلا قول ابوعبداللہ الزبیری کا ہے، اور دوسرا قول ماوردی کا ہے۔ "واختلفوا في مقدار الحبس في التهمة: هل هو مقدر؟ أم مرجعه إلى اجتهاد الإمام؟ قيل: مقدر بشهر، وهو قول أبي عبد الله الزبيري، وقيل: هو غير مقدر وهو اختيار الماوردي" (مجموعہ فتاوی ابن تیمیہ ۳۵/۳۹۹)۔

لیکن اگر تمام فقہاء کی آراء کا تتبع کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اقل مدت کی کوئی تحدید نہیں ہے۔ رہی یہ بات کہ اکثر مدت کیا ہے؟ تو اس سلسلہ میں جمہور فقہاء کی یہی رائے ہے کہ یہ حاکم کے اجتہاد اور صوابدید پر موقوف ہے کہ وہ مجرم کے حالات کے مطابق قید کی مدت متعین کر سکتے ہیں۔

اگر مجرم ایسا ہو کہ اس کا حال معلوم نہ ہو تو اس کے قید کی مدت ایک دن بھی ہو سکتی ہے اور دو تین دن بھی، اور بعض فقہاء کے نزدیک ایک مہینہ بھی، لیکن اگر مجرم فسق وفجور اور بدمعاشی میں مشہور یعنی بدنام زمانہ ہو تو اس کی اکثر مدت قید اس کے ظہور حال تک رہے گی گوکہ قید ہی میں اس کی وفات ہو جائے، جمہور فقہاء اسی کے قائل ہیں (معین الحکام رص ۲۰، ۲۳۹)۔ البتہ امام زبیری الشافعیؒ کی رائے ہے کہ بدنام زمانہ ملزم کو بھی زیادہ سے زیادہ ایک مہینہ تک مقید رکھا جا سکتا ہے جیسا کہ اوپر امام ابن تیمیہؒ کی صراحت بیان کی گئی ہے۔

قید بغرض تحفظ

اگر کسی سے نقصان کا عام لوگوں کو اندیشہ ہو تو مفاد عامہ کے تحت اسے قید کیا جائے گا،

فقہاء نے اس قسم کے حبس میں اس شخص کا ذکر کیا ہے جس کی آنکھ سے کسی دوسرے کو نقصان ہو، دوسرے کو تکلیف دہ چیز سے بچانے کے لئے عائن (صاحب نظر) کو قید کیا جائے گا (حاشیۃ ابن عابدین ۴/ ۳۶۴)۔

قید بغرض نفاذ سزا

اگر کسی شخص کو قاضی کی طرف سے سزا سنائی گئی، لیکن کسی عارض کی بنا پر اسے فی الوقت سزا نہیں دی جاسکتی، مثلاً مجرم مریض ہو، یا حاملہ ہو، یا مرضعہ ہو، بچے کو دودھ پلاتی ہو، ان کی سزا اس وقت مؤخر کردی جائے گی، لیکن اگر یہ اندیشہ ہو کہ مجرم فرار ہوسکتا ہے تو ایسی صورت میں اسے قید میں رکھا جاسکتا ہے تاکہ ان اعدار کے ختم ہونے پر ان کو قاضی کی طرف سے سنائی گئی سزا ان پر نافذ کی جاسکے (أسنی المطالب ۴/ ۱۲۳)۔

عورتوں کو قید کرنا

جن وجوہات واسباب کی بنا پر قید کی سزا دی جاتی ہے وہ اگر عورتوں میں پائی جائیں تو عورتوں کو بھی سزا دی جائے گی، البتہ قیدی عورتوں کے ساتھ سلوک اور برتاؤ میں مردوں کے مقابلہ میں قدرے فرق ہوا کرے گا۔

عورتوں کے لئے علیحدہ قید خانہ

قید میں عورتوں کو مردوں سے علیحدہ رکھنا ضروری ہے تاکہ ان کی عزت وعصمت محفوظ رہ سکے۔ اسلام کے عمومی قانون میں بھی عورتوں کی عصمت وعزت کی غیر معمولی حفاظت کا انتظام ہے حتی کہ اگر دوران جنگ دشمنوں کی عورتوں سے سابقہ پڑ جائے تب بھی کسی مسلمان سپاہی کو ان سے دست درازی کا حق نہیں ہوگا، شیخ وھبہ الزحیلیؒ نے اس بارے میں بڑی تفصیل کے ساتھ

فقہاء کے اقوال اور مباحث نقل کئے ہیں (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۷/۵۵۵۲-۵۶۰۵)۔ غیر مسلم قیدی عورتوں اور بچوں کو جس طرح قتل نہیں کیا جائے گا اسی طرح ان کی عصمت وعزت کی بھی حفاظت کی جائے گی، اس لئے اسلام میں یہ ہدایات موجود ہیں کہ عورتوں کے لئے علیحدہ قید خانے ہوں، مولانا مودودیؒ نے قیدیوں کے حقوق پر "الجہاد فی الاسلام" میں بڑی تفصیلی بحث کی ہے وہاں دیکھی جاسکتی ہے۔

فقہاء نے یہ بھی صراحت کی ہے کہ عورتوں کی نگرانی اور حفاظت کے لئے عورتیں ہی رکھی جائیں گی، البتہ اگر اس کے لئے کوئی عورت نہ مل سکے تو مجبوری کی حالت میں مرد رکھے جا سکتے ہیں، لیکن مردوں کے لئے یہ شرط ہے کہ صالح اور صاحب تقوی ہونا ضروری ہے۔ اگر عورتوں کے لئے باقاعدہ علیحدہ قید خانہ نہ ہو تو عورت قیدی کسی امانت دار عورت کے پاس رکھی جائے گی جہاں کوئی مرد نہ ہو، اور اگر مرد ہو تو یہ ضروری ہے کہ اس میں عورت کے امانت دار شوہر یا لڑکے ہوں اور وہ تقوی وصلاح میں معروف ہوں (موسوعہ فقہیہ ۱۶/۳۱۷)۔

بچوں کو قید کرنا

عام طور پر فقہاء کی رائے یہی ہے کہ بچے چونکہ مکلّف شرع نہیں ہوتے اس لئے ان کو قید نہیں کیا جائے گا، البتہ دوسروں کے مال ضائع کرنے کے بارے میں ان کی تادیب کی جائے گی، بعض احناف بھی اسی کے قائل ہیں، امام سرخسیؒ نے اسی کو راجح قرار دیا ہے (المبسوط ۲۰/۹۱)۔

لیکن احناف میں دیگر لوگوں کا مسلک یہ ہے کہ بچوں کو بھی قید کیا جائے گا، البتہ یہ قید برائے سزا نہیں، بلکہ بغرض تادیب ہوگی (حاشیہ ابن عابدین ۴/۲۵۷)۔

اگر بچوں سے سنگین جرائم سرزد ہوں جیسا کہ ہمارے اس دور میں ایسے واقعات کبھی کبھی دیکھنے میں آتے ہیں، اس بارے میں فقہاء یہی کہتے ہیں کہ بچوں کو قید نہیں کیا جائے گا

کیوں کہ یہ مکلّف شرع نہیں ہیں، لیکن احناف کے یہاں بچے بھی سنگین جرائم پر قید کیے جائیں گے البتہ یہ قید سزا کے طور پر نہیں بلکہ برائے تادیب ہوگی (معین الحکام رص ۱۷۴)۔ فتاوی ہندیہ میں ہے: "أما الصبی الحر فبعض المشائخ مالوا إلی الحبس وبعضهم قالوا: إذا کان له وصی یحبس تأدیباً" (فتاوی ہندیہ ۴/ ۴۱۵)۔

تاہم فقہاء نے یہ بھی شرط لگادی ہے کہ اگر قید میں رکھنے سے فتنہ وفساد کا اندیشہ ہو تو بچے قید خانہ میں نہیں رکھے جائیں گے، بلکہ اپنے والدین کے یہاں قید کر کے رکھے جائیں گے۔

معاملات اور جرائم کے قیدی میں فرق

فقہاء نے معاملات جیسے دیون وغیرہ کے قیدی اور جرائم جیسے چوری اور ظلم وزیادتی کرنے والے قیدی کے درمیان فرق کیا ہے اور دونوں کو علیحدہ رکھنے کی تاکید بیان کی ہے۔ دونوں کو ایک ساتھ رکھنے میں بڑے مفاسد کے امکانات ہیں (فتاوی ہندیہ ۴/ ۴۱۴)۔ کیونکہ قرض اور عقود وغیرہ میں شرفاء بھی مبتلا ہو سکتے ہیں، ان سے یہ کوتاہیاں ہوسکتی ہیں، اگر ان لوگوں کو چوری اور ڈاکہ زنی کرنے والے یا قتل وغارت گری کرنے والوں کے ساتھ رکھ دیا جائے تو قید کے اندر ان پر مزید زیادتیوں کا امکان ہے، اس لئے دونوں قسم کے مجرموں کو علیحدہ علیحدہ رکھنا ضروری ہے۔ اسی لئے فقہاء نے یہ صراحت کی ہے کہ قیدیوں کی درجہ بندی کی جائے۔ غالباً فقہاء کے ان خیالات سے استفادہ کرتے ہوئے موجودہ ہندوستانی قوانین میں بھی قیدیوں کی درجہ بندی کی گئی ہے۔

قیدیوں کے حقوق

اسلامی نقطہ نظر سے کسی مجرم یا ملزم کو قید میں رکھنے کے دو اہم مقاصد ہوتے ہیں، ایک یہ کہ انسانی معاشرے کی جرائم سے حفاظت کی جائے اور دوسرے یہ کہ مجرم کو قید سے نکلنے کے بعد

ایک بہتر انسان کی حیثیت سے شرعی اور اخلاقی زندگی گزارنے والا فرد بنایا جائے، اس دوسرے مقصد کے اعتبار سے قید کے دوران اس کو یہ موقع ملنا چاہئے کہ اس کی جسمانی صحت وصلاحیت باقی اور برقرار رہے، اسی طرح اخلاقی حالات بہتر بنانے کے لئے مذہبی امور کی ادائیگی اور مذہبی معلومات کی فراہمی وغیرہ حاصل ہوں، اس بنیادی نقطہ نظر کے پیش نظر قیدیوں کو درج ذیل حقوق حاصل ہوں گے:

۱-جسمانی ضرورت اور تقاضے کی تکمیل

جسمانی صحت وصلاحیت باقی رہنا ان کے بنیادی حقوق میں ہیں، اس کے لئے قیدیوں کو مناسب غذا، صاف پانی، علاج ومعالجہ اور ورزش وتفریح کا حق ہو، فقہاء نے قیدیوں کے حق میں مذکورہ امور کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ "صنوان القضاء وعنوان الافتاء" میں یہ صراحت موجود ہے کہ قیدی کو قید خانہ میں صفائی ستھرائی کا حق رہے گا:

"**قال محمد: المحبوس يتنور في السجن ولايخرج إلى الحمام، لأنه ليس في التنوير إبطال حق المدعي، وفيه إزالة التفث عنه**" (صنوان القضاء وعنوان الافتاء: قاضی عماد الدین الخطیب الاشفورقانیؒ، تحقیق: قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ ۱/ ۲۴۴)۔

۲-جنسی ضروریات کی تکمیل

قیدیوں کے لئے جس طرح کھانے پینے کی سہولیات فراہم کی جائیں گی، اسی طرح قاضی کی اجازت سے اگر قید خانہ میں تنہائی کی جگہ ہو تو اپنی بیوی سے خواہشات پوری کرنے کی بھی اجازت ہوگی۔ قاضی اشفورقانیؒ نے لکھا ہے کہ اگر قیدی کو مباشرت کی ضرورت ہو تو اس کو اپنی بیوی سے ملاقات کا موقع اس طرح دیا جائے گا کہ کسی کو خبر نہ ہو۔

"**ولو احتاج إلى المباشرة لابأس بأن تدخل زوجته وجاريته في**

السجن فيطؤها بحيث لايطلع عليه أحد، لأن قضاء شهوة الفرج من أصول الحوائج فلا يمنع عنه كالأكل والشرب" (حوالہ سابق)۔

علامہ موصوف نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ قیدیوں کو شادی کرنے کا بھی حق حاصل ہوگا۔ اس لئے کہ اگر ان کو نکاح اور تعلق ازدواج سے روک دیا جائے تو یہ مزید زجر ہو جائے گا جو ظلم کے دائرہ میں آجائے گا۔

"ولا يمنع من التزوج؛ لأنه إذا تزوج ومنع عن الوطء ويزاد ضجره" (صنوان القضاء ۱/۲۳۳)۔

۳- مذہبی امور کی ادائیگی کے حقوق

قیدیوں کو مذہبی امور کی ادائیگی کا موقع دیا جائے گا بلکہ اس کی طرف اسے آمادہ کیا جائے گا، تاکہ ایک بہتر انسان بنے، اور ان کی اصلاح کے لئے عبادات کی ادائیگی، قرآن کی تلاوت، مذہبی کتابوں کا مطالعہ، دوسرے قیدیوں کے درمیان دعوت دین ہر مکلّف انسان کا فریضہ ہے، جن کی ادائیگی کا ان کو موقع ملنا چاہئے۔

عام سماجی حقوق

انسانی سماج اور ان کے حالات سے واقفیت کے لئے اخبارات پڑھنے، ریڈیو سننے اور اور فون پر بات کرنے اور قید کے اندر رہتے ہوئے ثقافتی سرگرمیوں میں حصہ لینے جیسے امور قاضی اور حاکم کی اجازت پر موقوف ہیں، اگر ان چیزوں میں شرکت قید کے مصالح کو فوت نہ کرتی ہو تو اس کی اجازت دی جائے گی۔

اسی طرح قید میں گھر کے لوگوں سے ملنے اور پڑوسیوں سے ملاقات کا حق حاصل ہوگا، قید میں رہتے ہوئے ان کو خرید وفروخت کرنے اور مالی تصرفات کا بھی حق حاصل ہوگا، ان

چیزوں سے ان کو نہیں روکا جائے گا۔

"ولا یمنع من دخول الزوار علیه من أهله وجیرانه ولایمنع من البیع والشراء لما فیها من سرعة قضاء الدین" (حوالہ سابق)۔

۵- اخلاقی امور کے حقوق

قیدیوں کو اخلاق سے آراستہ ہونے اور دوسرے قیدیوں کے ظلم وزیادتی اور بداخلاقیوں سے محفوظ رہنے کا بھی حق حاصل ہوگا، اس کے لئے قیدیوں کی زمرہ بندی کی جائیگی، مردوں کو ایک زمرہ اور قید خانہ میں رکھا جائے گا اور عورتوں کے لئے الگ قید خانے ہوں گے، اسی طرح بالغ ونابالغ قیدیوں کے الگ الگ زمرے ہوں گے، عادی اور سنگین جرائم کے مجرموں سے غیر عادی اور معمولی قسم کے جرم میں گرفتار لوگوں کو الگ رکھا جائے گا تاکہ ان کو عادی مجرموں اور بری طینت کے قیدیوں کی صحبت سے بچایا جاسکے۔

۶- علاج ومعالجہ کے حقوق

اگر قیدی بیمار ہوجائے اور قید خانہ میں علاج ممکن ہو تو وہیں رہتے ہوئے ان کے علاج ومعالجہ کا انتظام کیا جائے گا، اگر علاج نہ ہوا اور اس کی وجہ سے قیدی ہلاک ہوجائے تو اسلام میں یہ جائز نہیں ہے۔

اگر گر قید خانہ میں علاج ممکن نہ ہو تو اسے علاج کے لئے باہر نکالے جانے کی اجازت ہوگی۔ حنفیہ کا مفتی بہ قول یہ ہے کہ کفیل کے ساتھ ان کو ہر علاج کے لئے نکالا جائے گا، بغیر کفیل کے نہیں نکالا جائے گا۔

مسلم حکمرانوں نے ہر دور میں مریضوں کی صحت اور ان کے علاج ومعالجہ کے احکام جاری کئے ہیں، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے حکام کو قیدیوں کی اچھی نگہداشت اور ان کے علاج

ومعالجہ پر توجہ دینے کا حکم جاری فرمایا تھا، اسی طرح بعد کے ادوار میں بھی اس کا رواج رہا ہے (موسوعہ فقہیہ ۱۶/ ۳۲۰)۔

۷-قیدی عورتوں اوران کے شیرخوار بچوں کے حقوق

قیدی عورتوں کو اپنے شیرخوار بچوں کے ساتھ قید میں رہنے کا حق حاصل ہوگا، بچوں کو ماں سے جدا نہیں کیا جائے گا۔ حضرت علیؓ کی روایت ہے: "أنه فرق بين جارية وولدها فنهاه النبي ﷺ عن ذلك ورد البيع" (ابوداؤد مع عون المعبود ۷/ ۲۵۹)۔

اس روایت سے فقہاء نے استدلال کیا ہے کہ جب خرید وفروخت میں ماں اور اس کے بچوں میں تفریق نہیں کر سکتے ہیں تو قید خانہ میں بھی تفریق نہیں کی جائے گی۔ ظاہر بات ہے دونوں کو جدا کرنے میں ماں کو مزید اذیت دینے کے ساتھ ساتھ بچہ کو بھی اذیت دینے بلکہ ہلاکت میں ڈالنے کی کارروائی ہوگی جو شرع اسلامی میں درست نہیں ہے۔

مذکورہ حقوق کے علاوہ قیدیوں کو وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو کسی انسان کو بحیثیت انسان کے حاصل ہوتے ہیں، مثلاً محنت کرنے، کمائی کرنے، بیوی بچوں کے اخراجات کی فراہمی کے لئے قید خانہ کے اندر رہتے ہوئے محنت ومزدوری کرنے کا موقع دیا جائے گا، اس طرح کی اور دیگر ضروریات وسہولیات بھی فراہم کی جائیں گی۔

قیدیوں کے حقوق سے متعلق سوال نامہ کے جوابات

قید اوراس سے متعلق مذکورہ تفصیلات کی روشنی میں قیدیوں کے حقوق سے متعلق سوال نامہ کے جوابات ترتیب وار تحریر کئے جارہے ہیں:

۱-ملزم کو جرم کا ثبوت فراہم ہوئے بغیر بھی حاکم وقاضی کی اجازت سے قید کیا جاسکتا ہے، اور قید کی مدت قاضی کی صوابدید پر ہے، قاضی جتنی مدت تک ضرورت محسوس کریں اسے قید

میں رکھ سکتے ہیں، لیکن اس صورت میں حبس دوام کی سزا نہیں دی جا سکتی ہے۔ بعض فقہاء نے ایک مہینہ کی تحدید کی ہے۔

۲- الف- قیدیوں کو عبادت کرنے، مذہبی کتابوں کا مطالعہ کرنے، دوسرے قیدیوں کے درمیان دعوت دین کا فریضہ انجام دینے، اور مذہبی تعلیمات وعقائد کے مطابق غذا استعمال کرنے کا حق حاصل ہوگا۔ اور قیدیوں کی مقدس شخصیتوں اور کتابوں کی بے حرمتی سے گریز کیا جائے گا۔

ب- جسمانی ضروریات مثلاً مناسب غذا، صاف پانی، ورزش وتفریح، بیوی سے تعلق کے مواقع فراہم کئے جائیں گے، لیکن ایسی تنگ جگہ میں قیدیوں کو رکھنا جہاں ان کے لئے کھڑا ہونا، پاؤں پھیلا کر لیٹنا یا دیوار کے باہر کسی چیز کا دیکھنا ممکن نہ ہو جائز نہیں ہے۔

ج- عام سماجی حقوق مثلاً اخبارات پڑھنے، ریڈیو سننے، فون پر احباب واقارب سے گفتگو کرنے، دوسرے قیدیوں سے ملاقات کرنے، تعلیم اور ہنر وغیرہ سیکھنے کے مواقع قیدیوں کے لئے فراہم کرنا درست ہے۔

د- اخلاقی امور مثلاً مردوں اور عورتوں کے لئے الگ الگ قید خانے، بالغوں اور غیر بالغوں لئے الگ الگ قید خانے ہونا شرعاً ضروری ہیں۔

۳- قیدیوں سے سچی بات اگلوانے کے لئے دھمکانا اور مار پیٹ کرنا جائز ہے، لیکن قیدیوں کو بے لباس کر دینا، الکٹرک شاٹ لگانا، قیدیوں پر کتے چھوڑنا، ان کو سخت ٹھنڈک میں برف کی سلوں پر ڈال دینا شرعاً درست نہیں ہے۔ اسی طرح ان کو مسلسل جگے رہنے پر مجبور کرنا اور ان کی رہائش گاہ میں تیز روشنی اور تیز آواز کا انتظام رکھنا جائز نہیں ہے۔

۴- قیدیوں کو زنجیروں میں جکڑنا، بیڑی ڈالنا اور ہتھکڑی پہنانا درست ہے۔ گو کہ بعض فقہاء حنفیہ نے ناجائز لکھا ہے۔

۵-اگر جرم سنگین ہو تو قید تنہائی بھی دی جا سکتی ہے۔

۶-زیر سماعت قیدی اور سزا یافتہ قیدیوں کے درمیان سلوک میں فرق کرنا درست ہے۔

۷-قاضی کی صوابدید سے اصل سزا کی مدت کے بقدر فیصلہ سے پہلے قید میں رکھا جا سکتا ہے۔

۸-سزا کے جو حدود مقرر ہیں اگر اسی کے اندر رہ کر سزا دی گئی اور قید خانہ میں رکھا گیا تو عدالت سے بری ہونے کے بعد مالی حرجانہ طلب کرنے کا حق نہیں ہوگا، لیکن اگر مقررہ حدود سے بڑھ کر سزا دی گئی اور غیر انسانی سزائیں دی گئیں تو بری ہونے کے بعد مالی حرجانہ طلب کرنے کا حق ہوگا۔

۹-قیدی اس سلسلہ میں وکیل صفائی سے مدد لے سکتا ہے۔

۱۰-خواتین قیدیوں کو اپنے ساتھ شیر خوار بچوں کو جیل میں رکھنے کا حق حاصل ہوگا۔

قیدیوں کے حقوق
اسلامی تناظر میں

ڈاکٹر مفتی محمد فہیم اختر ندوی ☆

موجودہ دور جہاں کئی اعتبار سے ترقی یافتہ اور وسائل وٹکنالوجی کے انقلاب کا زمانہ کہلاتا ہے، وہیں یہ اخلاق واقدار کے زوال اور مادیت ونفع پرستی کے غلبہ کی وجہ سے انسانی حقوق کی شدید پامالی کا بھی زمانہ محسوس ہوتا ہے، چنانچہ آج سماج میں کئی ایسے طبقات ہیں جو شدید ناانصافی، محرومی اور ظلم وبربریت کے شکار ہیں اور گو کہ ان کے حقوق کے تحفظ اور ان کی بہبودی کے لئے کوششیں کی جارہی ہیں اور حقوق کی پامالی اور ظلم کو روکنے کے لئے سفارشات اور دستاویزات تیار کی گئی ہیں، لیکن یہ حقیقت ہے کہ مسائل ومشکلات کی سنگینی کی رفتار بہت تیز ہے اور مقدار افزوں تر، سماج کے ایسے ہی محروم ومظلوم طبقات میں ایک طبقہ وہ ہے جو پس زنداں قیدیوں کی صورت میں زندگی گذار رہا ہے، قیدیوں کے مسائل میں سزا یافتہ مجرمین کے ساتھ سلوک اور ان کے حقوق کا مسئلہ جہاں تشویشناک ہے، وہیں زیر حراست لوگوں کے ساتھ معاملہ انتہائی بدترین صورت اختیار کرتا جارہا ہے، مختلف ناموں اور وجوہات کے تحت لوگوں کو حراست میں اس طرح لے لیا جاتا ہے کہ بسا اوقات ان کے اہل خانہ کو اطلاع بھی نہیں ہوپاتی، پھر تفتیش کے نام پر ان کو ایسی اذیتیں دی جاتی ہیں کہ بڑے بڑے جرائم کی سزا بھی ان کے سامنے ہیچ ہے

☆ اسسٹنٹ پروفیسر مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد۔

اور بسا اوقات اذیت رسانی کے ساتھ انتہائی ذلیل قسم کی شرمناک بدسلوکی اور جنسی کھلواڑ بھی روا رکھا جاتا ہے اور یہ تماشے مہینوں اور برسوں چلتے ہیں، اس دوران ان کے پورے خاندان کو کرب و اذیت اور نقصان کے ناقابل برداشت حالات میں جینے پر مجبور کردیا جاتا ہے، پھر بے شمار واقعات میں یہ تفتیش بے نتیجہ ثابت ہوتی ہے اور زیر حراست قیدیوں کو جرم کے بغیر سنگین مجرموں سے بدتر زندگی گذارنے کے بعد رہا کردیا جاتا ہے۔

یہ وہ صورت حال ہے جو حالات پر نظر رکھنے والا کوئی بھی شخص آئے دن سنتا اور پڑھتا ہے، ان حالات میں حقوق انسانی کے تحفظ کے لئے آواز اٹھانے والوں کی تنظیمیں وجود میں آئی ہیں، ان تنظیموں کے کارکنان جیل خانوں اور تفتیشی مراکز کے دورے کرتے ہیں، متاثرین سے ملتے ہیں اور حقائق پر مبنی رپورٹس سامنے لاتے ہیں، بین الاقوامی سطح کی ایسی متعدد تنظیموں نے حکومتوں کے سامنے تجاویز پیش کی ہیں، جن میں مطالبہ کیا گیا ہے کہ قیدیوں کے ساتھ بہتر انسانی سلوک روا رکھا جائے، ان کی اصلاح اور تربیت پر توجہ دی جائے، ان کے مذہبی حقوق کا خیال رکھا جائے، مناسب غذا و پانی اور حفظان صحت کے انتظامات کئے جائیں، انھیں اچھا شہری بنانے کے لئے عام سماجی حقوق کا لحاظ رکھا جائے، نیز ان کو بہتر قانونی امداد سے استفادہ کے مواقع دئے جائیں، حقوق انسانی کی تنظیموں کے سامنے سب سے زیادہ تشویشناک مسئلہ ان قیدیوں کا ہے، جو صرف شک و شبہ کی بنیاد پر حراست میں لئے گئے ہیں، ان کی تحقیقات میں یہ بات روشنی میں آئی ہے کہ ایسے لوگوں کو تفتیش کے نام پر سخت ترین سزاؤں کا نشانہ بنایا جاتا ہے، ان کے خلاف کیس شروع کرنے سے پہلے طویل عرصہ تک انھیں حراست میں رہنے پر مجبور کیا جاتا ہے، ایسے میں وہ اپنے اوپر لگائے جارہے الزامات کا دفاع بھی نہیں کرپاتے ہیں، پھر انھیں اس عرصہ میں جیلوں کے علاوہ گمنام مقامات پر رکھ کر ٹارچر کیا جاتا ہے، ایسے واقعات بھی روشنی میں آئے ہیں کہ انھیں شدید جنسی تشدد اور بدسلوکی سے دوچار کیا جاتا ہے، یہ صورت حال کسی بھی مہذب سماج

کے لئے اچھی نہیں سمجھی جاسکتی ہے اوراس سے سماج کے اندر امن وامان کے فروغ اور انصاف کے استحکام میں مدد نہیں مل پاتی ہے۔

اسلام کے اولین دور میں قیدی

قیدیوں کا مسئلہ کوئی نیا نہیں ہے، تاریخ میں قیدیوں کے حقوق کے حوالہ سے باتیں آتی رہی ہیں، پہلے زیادہ تر جنگی قیدی ہوا کرتے تھے، اب مختلف قسم کے جرائم اور دہشت گردی کے حوالہ سے قید اور حراست کی صورتیں پیش آتی ہیں، اسلام کی تاریخ کے اولین دور میں بھی قیدیوں کا وجود تھا اور ان کے لئے جیلیں بھی بنائے گئے، اسلام کے حوالہ سے قیدیوں کے ساتھ سلوک کی سب سے پہلی مثال مشرکین مکہ کے ساتھ مسلمانوں کے پہلے غزوہ میں اس وقت سامنے آئی، جب بدر کی لڑائی میں دشمنوں کے ستر قیدی مسلمانوں کے ہاتھ آئے، انھیں مدینہ منورہ لے جایا گیا، اس وقت جیل نہیں تھے، وہاں انھیں باندھ کر رکھا گیا، لیکن بندھن کی رسی کی تکلیف سے قیدی کے کراہنے کی آواز سنائی دی، تو اسے ڈھیلا کردیا گیا، اس وقت مسلمان معاشی اعتبار سے انتہائی تنگی کے عالم میں تھے اور تینوں وقت کے کھانے بھی انھیں بآسانی میسر نہ تھے، ایسی صورت میں ان قیدیوں کے کھانے پینے کا انتظام مختلف گھروں کے سپرد کردیا گیا اور وہ اس طرح انجام پایا کہ گھر کے لوگوں نے خود معمولی کھایا، لیکن انھیں اچھا کھانا فراہم کیا، جن قیدیوں کے جسم پر کپڑے نہیں رہ گئے تھے، ان کے لئے کپڑوں کا انتظام کیا گیا اور جو قیدی تعلیم یافتہ تھے، انھیں تعلیم اور تدریس کے مہذب اور باوقار کام میں مصروف کیا گیا اس کے بدلہ میں یہ اعزاز دیا گیا کہ انھیں قید سے رہائی عطا کردی گئی، یہ قیدیوں کے ساتھ سلوک کا اولین اسلامی نمونہ تھا، نمونے اور بھی قائم ہوتے رہے اوران کی روشنی میں علماء اور اہل دانش نے قیدیوں کے حقوق اوران کے ساتھ سلوک کے اصول وضوابط طے کئے۔

قیدیوں سے متعلق اسلامی اصول

قیدیوں کے ساتھ اس حسن سلوک کی بنیاد قرآن کریم اور رسول اللہ ﷺ کی ہدایات تھیں، قرآن نے قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور انھیں کھانا کھلانے کو اللہ کی رضا کا باعث اور مومن بندوں کی صفات قرار دیا: ''**ویطعمون الطعام علی حبه مسکینا و یتیما و أسیرا**'' (سورہ دہر: ۸) (اور وہ مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا اس کی محبت کے باوجود کھلاتے ہیں)۔ ثمامہ بن اثال مسجد نبوی میں قید میں رکھے گئے تھے، رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں صحابہ کرام سے فرمایا: ''**اجمعو ما عندکم من طعام فابعثوا به إلی ثمامة بن أثال**'' (جو کچھ تمہارے پاس کھانے کا سامان ہے، اسے جمع کر کے ثمامہ بن اثال کے کھانے کا انتظام کرو) (فتح الباری ۸/۸۸) اسی طرح آپ ﷺ نے قیدیوں کے حقوق کے بارے میں ہدایت دیتے ہوئے فرمایا: **استوصوا بالأساری خیرا** (قیدیوں کے ساتھ خیر کا معاملہ کرو) (معجم کبیر للطبرانی، حدیث نمبر ۹۷۷)۔

قیدیوں کا مسئلہ بنیادی طور پر عدل وانصاف اور امن وامان کے ساتھ جڑا ہوا ہے، عدل کے تعلق سے اسلام کا موقف بہت واضح ہے کہ وہ اپنے، بیگانے، دوست و دشمن اور عزیز واقارب سب کے ساتھ عدل اور انصاف کا ایک ہی پیمانہ استعمال کرنے کی تاکید کرتا ہے، قرآن کی آیت کا دوٹوک اعلان ہے: ''**ولا یجرمنکم شنآن قوم علی أن لا تعدلوا اعدلوا هو أقرب للتقوی**'' (کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو)، عدل کرو کہ یہ خدا ترسی کے زیادہ قریب ہے) (سورہ مائدہ: ۸) اور ''**یأیها الذین آمنوا کونوا قوامین بالقسط**'' (اے ایمان والو! انصاف کے ساتھ کھڑے ہونے والے بنو) (سورہ نساء: ۱۳۵)، اسلام کے نزدیک جس طرح کسی مجرم کو سزا نہ دینا بے انصافی ہے، اسی طرح کسی بے گناہ کو ظلم وزیادتی کا نشانہ بنانا بھی بے انصافی ہے، اور وہ ان دونوں قسم کی صورتوں میں حد سے معمولی

تجاوز کو بھی تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہے، جہاں تک امن وامان کا تعلق ہے، اسلام سماج کے ہر فرد کو اس سے بہرہ ور کرنے کی تاکید کرتا ہے، اور امن وامان کے قیام اور اس کے استحکام کو ریاست کی بنیادی ذمہ داری قرار دیتا ہے، اس سلسلہ میں اس کا اصول ہے کہ ہر انسان بنیادی طور پر بری الذمہ ہے، جب تک کہ اس پر کوئی جرم ثابت نہ ہو جائے، "إن الأصل في المتهم البراءة حتى تثبت إدانته"، اس کا یہ بھی موقف ہے کہ بار ثبوت مدعی پر ہے، لہذا جس پر کوئی الزام لگایا گیا، اس کی یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ اپنی بے گناہی ثابت کرے، بلکہ یہ الزام لگانے والے کی ذمہ داری بنتی ہے کہ اپنے دعوی کا ثبوت پیش کرتے ہوئے اس کو مجرم ثابت کرے، "البينة على المدعي" (مشکوۃ المصابیح، کتاب الامارۃ والقضا)۔

امن اور جرم کے تعلق سے اسلام کا تصور یہ ہے کہ مجرم بھی انسان ہے اور جرم کی سنگینی پر بعض معاملات میں سزا سنگین ضرور ہوگی، تا کہ اس سے انسانیت کو عبرت حاصل ہو اور سماج کو اس قسم کے سنگین جرائم سے محفوظ رہنے کے زیادہ امکانات حاصل ہوسکیں، لیکن بہر صورت مجرم انسان محض ارتکاب جرم کی وجہ سے اپنے مقام انسانیت سے نیچے نہیں گر جاتا ہے، لہذا سزا کے نفاذ سے پہلے یا نفاذ سزا کے دوران اس کی تذلیل اور توہین نہیں کی جاسکتی، رسول اللہ ﷺ کے عہد میں ایک سنگین سزا کے نفاذ کے دوران ایک جلیل القدر صحابی نے جب مجرم کے تئیں کسی قدر نفرت کا اظہار کیا، تو رسول خدا ﷺ نے اس کو سخت ناپسند کیا اور فرمایا کہ اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اس کی توبہ کو مدینہ کے ستر لوگوں پر تقسیم کر دیا جائے تو ان سب کے گناہ معاف ہو جائیں (مشکوۃ المصابیح، کتاب الحدود)۔ اسی طرح مجرم کو اس کے بنیادی انسانی حقوق سے محروم نہیں کیا جاسکتا، نیز اس کو سزا کی مقررہ حد سے ذرا بھی زیادہ سزا نہیں دی جاسکتی ہے، قرآن کی صاف ہدایت ہے:

"وإن عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به" (اور اگر تم سزا دو تو اسی کے مثل سزا دو جتنی تم کو سزا دی گئی) (سورۂ نحل ۱۲۶)۔

یہ تو مجرم کے تعلق سے اسلام کا موقف ہے، اگر کسی شخص کو ارتکاب جرم کے تحت نہیں بلکہ صرف شک وشبہ کی بنیاد پر گرفت میں لیا گیا ہے، یا احتیاطی حراست میں رکھا گیا ہے، تو اس مرحلہ پر اس کو کوئی سزا نہیں دی جاسکتی ہے۔ تفتیش کی اجازت ضرور ہوگی اور اگر شبہات زیادہ قوی اور واقعات وقرائن ارتکاب جرم کے حق میں ہوں تو کسی حد تک سختی بھی تفتیش میں اپنائی جاسکتی ہے، لیکن تفتیش میں ایسے طریقے نہیں اپنائے جاسکتے ہیں جو سزا کے زمرہ میں آتے ہیں اور نہ ہی تفتیش کے نام پر اتنی مدت زیر حراست رکھا جاسکتا ہے، جو خود اپنے آپ میں سزا بن جائے، تفتیش میں بے جا سختی اور دباؤ بنانے کے لئے جسمانی، ذہنی اور نفسیاتی تکلیف کے حربے اپنانے کی بھی اجازت نہیں ہوسکتی، نیز اسلام کی نظر میں اکراہ اور سختی کے تحت کیا گیا اقرار قانونی حیثیت نہیں رکھتا اور اس کی بنیاد پر مقدمہ نہیں چلایا جاسکتا ہے۔

قیدی خواہ ثبوت جرم کے بعد قید خانہ میں ہو، یا تفتیش کے تحت زیر حراست ہو، دونوں صورتوں میں اسلام اسے بنیادی انسانی حقوق سے بہرہ ور رکھنے کی وکالت کرتا ہے اور دونوں قسم کے قید میں فرق کی تاکید کرتا ہے، کیونکہ پہلا شخص قید خانہ میں بطور سزا کے ہے، جب کہ دوسرا انسان ابھی مجرم ثابت نہیں ہوسکا ہے اور یہ قید اس کی سزا کے بطور نہیں بلکہ ارتکاب جرم کی تحقیق اور تفتیش کے لئے ہے، اس دوسری نوع کی حراست میں اسلام اس بات کا فرق روا رکھنا چاہتا ہے کہ جس شخص کو کسی شک کی بنا پر حراست میں لیا گیا ہے، وہ سماج میں کیا حیثیت رکھتا ہے؟ مثال کے طور پر اگر وہ جرائم پیشہ گروہ کا مشہور فرد ہے، جرم کا اس کا پرانا ریکارڈ ہے، یا بدنام زمانہ ہے تو اس کے ساتھ رویہ علاحدہ ہوگا اور اگر وہ سماج کے اندر اپنی نیک نامی کے لئے مشہور ہے، سماج کی بہتری کے لئے کام کرنے کا اس کا ریکارڈ ہے اور وہ صاف وشفاف شخصیت کا مالک ہے تو اس کے ساتھ معاملہ علاحدہ ہوگا اور اگر اس شخص کی صورت حال واضح نہیں ہے، تو اس کے تئیں تحقیق و تفتیش میں نسبتاً زیادہ وقت لگ سکتا ہے۔

جرم اور مجرم کے حوالہ سے اسلام کے مقاصد کو بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے، کیونکہ سزا اور سلوک کی تعیین اور اس کی تفصیلات ان مقاصد کے دائرہ میں ہی طے ہوتی ہے، یہ بات تو واقعاتی ہے کہ سماج میں کچھ لوگ کبھی کسی غلطی کے تحت اور کبھی اپنی بدمزاجی کی وجہ سے جرم کا ارتکاب کرتے ہیں، ایسے موقع پر اسلام مجرم اور سماج دونوں کو ایک ساتھ اپنے سامنے رکھتا ہے، وہ چاہتا ہے کہ سماج میں امن وامان قائم ہو، جرم کے نقصانات اور غلط اثرات سے سماج کو تحفظ ملے، مجرم کو اپنی غلطی اور گناہ کا احساس اور شرمندگی ہو اور وہ اپنے گناہوں سے پاک ہو سکے، مجرم کی اصلاح اور تربیت ہو کہ وہ دوبارہ غلطیوں سے محفوظ رہنے کی کوشش کرے، مجرم کی سزا بھی بعض صورتوں میں سماج کے دوسرے افراد کے لئے عبرت کا سامان ہو اور جس طرح سماج کے ہر فرد کو ظلم سے محفوظ رکھنے کی کوشش کی جائے، اسی طرح مجرم کو بھی سزا کے سوا کسی بھی دوسرے ظلم سے محفوظ رکھا جائے، یہ سزا اور مجرم کے حوالہ سے اسلام کے مقاصد ہیں، چنانچہ اسلام کی تمام سزاؤں پر نظر ڈالی جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام سزا کے نفاذ کو زیادہ کرنے کے بجائے سزا کے واقعات کو کم سے کم (Minimize) کرنے پر زور دیتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے عدالتوں کو یہ ہدایت دی ہے کہ عدالت غلطی سے کسی کو بری کر دے، یہ اس سے بہتر ہے کہ کسی کو سزا دینے میں عدالت سے غلطی ہو جائے اور یہ اعلان بھی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: شبہات کی بنیاد پر سزاؤں کو ساقط کر دو (مشکوۃ المصابیح، کتاب الحدود)۔

اسلامی سزائیں دراصل دو قسم کی ہیں: ایک تو وہ سزائیں جن کی تعیین کر دی گئی ہے۔ ایسی سزائیں عبرتناک اور سخت ہیں، لیکن صرف چند ہیں اور ان کے نفاذ سے پہلے ان کے ثبوت کی شرطیں سزاؤں سے زیادہ سخت ہیں، جن کی وجہ سے عملا ایسی سزاؤں کے امکانات کم ہو جاتے ہیں، البتہ ان کی سنگینی مجرموں کے حوصلے ضرور پست کر دیتی ہے اور یہی ان سزاؤں بلکہ کسی بھی سزا کا اصل مقصد ہوتا ہے، ایسی سزائیں حدود اور قصاص کہلاتی ہیں، دوسری قسم کی سزائیں تعزیر

کہلاتی ہیں، یہ بہت بڑا باب ہے اور اس کے ضمن میں ہی روزمرہ پیدا ہونے والے عام قسم کے جرم کے لئے، یا پھر نئی صورت حال میں مجرموں کے لئے قید اور سزا کی تعیین حسب ضرورت کی جاتی ہے، ایسی سزائیں حاکم وقت اپنی صوابدید سے طے کرتا ہے، فقہاء نے ان سزاؤں کی بابت اجتہادات کئے اور ان کی تفصیلات متعین کیں، یہ سزائیں مختلف ادوار میں علاحدہ ہوسکتی ہیں اور یہ بھی درست ہے کہ اس باب سے تعلق رکھنے والے جرموں کے لئے قانون بندی کردی جائے یا حسب مصلحت اس میں تبدیلی کی جاتی رہے۔

جہاں تک قید اور حبس کا تعلق ہے، یہ بطور سزا بھی ہوسکتا ہے اور سزا سے پہلے بھی، بطور سزا قید ثبوت وشہادت کے تمام مراحل سے گذرنے کے بعد جرم کے نتیجہ کے طور پر سامنے آئے گا، لیکن سزا سے پہلے قید کی چند صورتیں ہوسکتی ہیں: شک وشبہ اور تہمت کی بنیاد پر قید۔ احتیاطی حراست وقید اور نفاذ سزا کے انتظار میں قید خانہ میں رکھا جانا، سزا سے پہلے قید کی یہ تینوں صورتیں ممکن ہوسکتی ہیں، البتہ یہ قید بطور سزا قید سے پوری طرح مختلف ہے۔

اسلامک فقہ اکیڈمی کے سوالات

ملک کی معروف فقہی اکیڈمی 'اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا' دہلی نے اپنے اٹھارہویں سمینار (منعقدہ مدورائی، مارچ ۲۰۰۸ء) میں غور وخوض کے لئے قیدیوں کے حقوق کے حوالہ سے جن نکات اور سوالات کو اٹھایا ہے، وہ بنیادی طور پر دو قسم کے ہیں: چند سوالات اس بات سے متعلق ہیں کہ جن لوگوں پر جرم ثابت ہو چکا ہے اور بطور سزا وہ جیل خانہ کے اندر ہیں، ایسے مجرمین کو جیل خانہ میں کس قسم کے حقوق حاصل ہوں گے؟ یعنی زندگی کی انفرادی ضروریات، روحانی اور مذہبی تقاضے اور سماجی ربط و اطلاعات کے حوالہ سے اس کو کیا اختیارات حاصل رہنے چاہئیں؟ اور دوسرے یہ کہ جیل خانہ کے اندر جبکہ وہ قید کی زندگی گذار رہا ہے، کیا کچھ ایسے حالات ہوسکتے ہیں

کہ اس پر مزید پابندیاں اور سختیاں عائد کی جائیں؟ یہ سوالات مجرموں کے تعلق سے اٹھائے گئے ہیں، دوسری قسم کے سوالات وہ ہیں جن کا تعلق مجرموں سے نہیں، بلکہ ان لوگوں سے ہے جن کو سزا سے قبل حراست میں رکھا گیا ہے، اور یہ حراست بھی کسی احتیاطی تدبیر کے طور پر نہیں، نہ ہی سزا کے نفاذ کے انتظار میں ہے، بلکہ حراست صرف شک وشبہ کی بنیاد پر ہے اور قید میں رکھ کر اس سے کچھ خاص معاملات اور واقعات کے بارے میں تفتیش کرنا اور سچائی تک پہنچنا مطلوب ہے اور اس مقصد کی خاطر نہ صرف اسے حراست اور قید میں رکھا گیا ہے، بلکہ اسے تشدد کا نشانہ بھی بنایا جاتا ہے۔

ذیل کی سطور میں ان دونوں قسم کے سوالات کا جائزہ اسلامی شریعت کے اصولوں اور ہدایات کی روشنی میں لینے کی کوشش کی جارہی ہے پہلے دوسری قسم کے سوالات لیتے ہیں، یعنی ملزموں کے ساتھ معاملات۔

ثبوت جرم سے پہلے قید

ثبوت جرم سے پہلے کسی شخص کو قید کرنا خالصتاً انتظامی معاملہ ہے، اس میں ایک بات تو یہ طے ہے کہ یہ قید بطور سزا نہیں ہے، لہذا اس میں سزا والی کوئی بات یا مجرموں جیسا کوئی معاملہ قطعاً نہیں ہوسکتا، ہاں یہ بات ممکن ہے کہ ثبوت جرم سے پہلے کسی شخص کو کسی خاص بنیاد پر قید میں رکھا جائے، مثال کے طور پر کسی شخص کی موجودگی سماج کو نقصان پہنچارہی ہے، تو اس کو احتیاطی قید میں رکھا جائے گا، اسی طرح اگر کسی پر کسی جرم کی بابت شبہ اور قوی درجہ میں تہمت ہے تو اس کو تفتیش کی خاطر قید میں رکھا جائے گا اور تفتیش کی جائے گی، اس قسم کی قید کی مثال عہد نبوی میں بھی ملتی ہے، سنن ابوداؤد میں ہے کہ حضرت غالب بن عبداللہ کو بنوملوح پر حملہ کے لئے بھیجا گیا تو وہاں انھوں نے حارث بن برصاء کو قید کرلیا، انھوں نے کہا کہ میں تو مسلمان ہونے آیا ہوں، حضرت

غالبؓ نے کہا: إن كنت مسلما فلا يضرك رباطنا يوما وليلة وإن تكن غير ذلك نستوثق منك (اگر تم مسلمان ہوئے تو ایک دن رات ہمارا رو کے رکھنا تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا اور اگر تم مسلمان نہ ہوئے تو ہم تم سے عہد لیں گے) (ابوداؤد ۷۶/۳)، اسی طرح حضرت علیؓ نے شبہ اور الزام کے تحت کچھ لوگوں کو گرفتار کیا اور ان سے تفتیش کی، تو انھوں نے اپنے جرم کا اقرار کرلیا۔ (و عن علي أنه حبس متهمين حتى أقروا)۔ خود رسول اکرم ﷺ نے شبہ کی بنیاد پر ایک شخص کو قید میں رکھا، پھر جرم ثابت نہیں ہوا تو اسے رہا کردیا۔ "عن بهز بن حكيم عن أبيه عن جده أن النبي صلى الله عليه وسلم حبس رجلا في تهمة ثم خلى عنه" (ترمذی، کتاب الدیات)۔

صاحب موسوعہ فقہیہ نے علامہ شامی کے حوالہ سے لکھا ہے: وذهب جمهور الفقهاء إلى مشروعية التهمة واعتبروا من السياسة العادلة إذا تأيدت التهمة بقرينة قوية أو ظهرت أمارات الريبة على المتهم أو عرف بالفجور" (الموسوعہ الفقہیہ ۱۶/۳۱۳)۔

لیکن ایسے قید کی بابت فقہاء کرام نے یہ وضاحت فرمائی ہے کہ شک اور قوی تہمت کی بنیاد پر قید ایسے جرم کے معاملہ میں نہیں کیا جائے گا، جس کی انتہائی سزا ہی قید ہے، جیسے دیون اور مالی معاملات کہ ان میں سزا کی آخری صورت قید ہی ہے، لہٰذا ان معاملات میں محض شک وشبہ کی بنیاد پر قید نہیں کیا جائے گا، البتہ جس قسم کے جرم کی سزا قید سے زیادہ سخت ہے، جیسے حدود اور قصاص کے معاملات، کہ ان میں سزائیں قید کے سوا ہوتی ہیں اور وہ قید سے بہت زیادہ سخت ہوتی ہیں، ان میں قوی شک وشبہ کی بنا پر قید کیا جاسکتا ہے، علامہ ابن الہمام فتح القدیر میں لکھتے ہیں: "بخلاف ما إذا شهدوا بالدين لا يحبس المشهود عليه به قبل ظهور عدالة الشهود، لأن أقصى العقوبات بعد ثبوت العدالة و القضاء بموجب الشهادة

الحبس فلا یجوز أن یفعله قبل ثبوت الحق بخلاف ما ھنا، فإن بعد الثبوت عقوبته أغلظ"(فتح القدیر ۵/۸)۔ علامہ بابرتی نے اس کی توجیہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:
"وفی باب الأموال والتعزیر لا یحبس بالتھمة لأنه الأقصی فیھما عقوبة الحبس فلو حبس بالتھمة فیھما لکان إقامة العقوبة الأعلی بمقابلة الذنب الأدنی"(عنایۃ ۵/۳۳۵-۳۳۶)۔

اس سوال کا دوسرا حصہ اس بات سے متعلق ہے کہ اگر احتیاطی قید یا شک وشبہ کی بنیاد پر کسی کو قید کیا جاتا ہے، تو کیا ایسے قید کے لئے کوئی مدت مقرر کی جاسکتی ہے؟ دراصل یہ مسئلہ بھی خالص انتظام ومصلحت سے متعلق ہے اور اس کا فیصلہ شخص، معاملہ کی نوعیت اور حالات کے لحاظ سے مختلف ہوسکتا ہے، اسی لئے فقہاء کرام نے ایسے مسائل میں گوکہ بعض مواقع پر مدت کی تعیین کی ہے، لیکن آخر میں ایسے امور کو حاکم وقت کی صوابدید پر چھوڑا ہے کہ حاکم وقت اور قاضی اپنے اجتہاد سے فیصلہ کرے گا "والصحیح أنه مفوض إلی رأی القاضی"(معین الحکام ۱۹۸)۔

چونکہ ایسے قید کا مقصد حقیقت کی تحقیق اور جرم کی تفتیش ہے، اس لئے اس میں ثبوت وشواہد کی فراہمی وغیرہ میں مختلف مسائل کے اندر مختلف مدت لگ سکتی ہے، لیکن بہرصورت اس میں ممکنہ عجلت سے کام لیا جائے گا، تاکہ اگر وہ مجرم ہے تو اس کی سزا متعین ہو اور اگر وہ مجرم نہیں ہے تو قید سے اسے فوری رہائی دی جائے، یہ بات تو قطعا درست نہیں ہوسکتی کہ صرف تفتیش کے نام پر قید میں رکھ کر ٹال مٹول اور ڈھیلے پن سے کام لیا جائے اور جس مدت میں اس کی تفتیش ہوسکتی ہے، اس کی جگہ اتنی طویل مدت تک جیل میں چھوڑ دیا جائے، جو خود اپنے آپ میں سزا بن جائے۔

اس سوالنامہ کے سوال نمبر ۷ اور ۸ بھی اسی قسم کے ملزم سے متعلق ہیں، سوال نمبر ۸ میں دریافت کیا گیا ہے کہ کیا زیر سماعت قیدیوں کو اتنے دنوں تک فیصلے سے پہلے قید میں رکھا

جا سکتا ہے جو ان کے اوپر عائد فرد جرم کی اصل سزا ہے؟

اوپر یہ بات ابھی گذر چکی ہے کہ تفتیش کی غرض سے کسی شخص کو اتنی مدت قید میں نہیں رکھا جا سکتا ہے جو مدت اپنے آپ میں سزا بن جائے، کیونکہ تفتیش کے بعد وہ بے گناہ بھی ثابت ہوسکتا ہے، ایسی صورت میں وہ جرم بے گناہی کی سزا پانے والا ہوگا، اور عدالت کے ذریعہ ظلم سہنے والا مظلوم، جو عدالت کے مقصد ہی کے خلاف ہے، اس مسئلہ کو فقہاء کرام کی عبارتوں کی روشنی میں دیکھا جائے تو سوال غیر متعلق سا ہو جاتا ہے، کیونکہ یہ بات ابھی فقہی عبارتوں کے حوالہ سے گذری ہے کہ شک اور تہمت کی بنیاد پر حبس اور قید صرف ان ہی جرائم میں درست ہے جن میں سزا کی نوعیت قید نہیں بلکہ اس سے سخت کچھ اور ہے، جیسے حدود اور قصاص کے جرائم، رہے وہ جرائم جن میں قید ہی سزا ہوتی ہے، ان میں شک اور تہمت کی بنیاد پر قید نہیں کیا جائے گا تو پھر یہ سوال کہ کسی قیدی کو فیصلے سے پہلے اتنی مدت تک قید میں رکھنا جو ان پر عائد فرد جرم کی اصل سزا ہو، فقہی عبارتوں کی روشنی میں اس لئے باقی نہیں رہتا کہ جس فرد جرم کی اصل سزا قید ہے، اس میں فیصلے سے پہلے قید کی اجازت ہی نہیں ہے۔

لیکن اس سوال کو اگر موجودہ حالات اور عالمی سطح پر جاری رویے کی روشنی میں دیکھا جائے تو سوال نہ صرف متعلق بلکہ ضروری بن جاتا ہے، آج یہ حقیقت ہے کہ بعض اوقات شک و شبہ اور تفتیش کے نام پر اتنی ہی نہیں بلکہ اس سے زائد مدت تک بھی جیل خانہ میں رہنے پر مجبور کر دیا جاتا ہے جو مدت اس جرم کے ثابت ہونے کے بعد سزا کے لئے فوجداری قانون کے اندر مقرر کی گئی ہے، ایسی صورت میں تفتیش مکمل ہونے کے بعد یا تو وہ بے گناہ ثابت ہوگا اور قید میں قیام بے گناہی کی سزا قرار پائے گی، یا پھر فرد جرم ثابت ہوگا اور عدالت سے اس کے حق میں قید کی سزا کا فیصلہ ہوگا، اس وقت عملی حقیقت یہ ہوگی کہ وہ سزا کی مقررہ مدت پہلے ہی جیل میں گذار چکا ہوگا، ان دو ممکنہ صورتوں میں سے دوسری صورت میں مسئلہ کا یہ حل تو موجود ہے کہ سزا کی مدت پوری

ہو جانے کی بنیاد پر اسے فوری رہائی دے دی جائے، لیکن پہلی صورت میں وہ حبس بے جا کا شکار اور جرم بے گناہی کی سزا پانے والا ہوگا، جو تقاضائے انصاف کے خلاف ہوگا، اس صورت کی سنگینی اس وقت مزید بڑھ جائے گی جب یہ گرفتاری کمزور شبہات کی بنیاد پر ہو، یا اس گرفتاری میں بھی مجرمانہ سازش، جانبداری یا کسی ذاتی نوعیت کے انتقام کا دخل ہو۔

پس ایسی صورت حال میں شریعت اسلامیہ کے منصفانہ مزاج کا تقاضا ہے کہ تفتیش کے نام پر گرفتاری میں بعجلت ممکنہ تفتیشی عمل کو مکمل کرایا جائے، اس کے لئے ایسا میکانزم بنایا جائے کہ تحقیق وتفتیش ایک خاص مدت میں لازماً مکمل ہو اور اس کے بعد ملزم کے ساتھ قانونی پوزیشن طے ہو جائے، ایسی بے جا تاخیر سے بچنے کے لئے ہی موجودہ قانونی نظام میں مختلف جرائم کے لئے تفتیش اور چارج شیٹ داخل کرنے کی مدت مقرر کردی گئی ہے، نیز جن جرائم میں اس بات کا امکان ہے کہ تفتیش میں طویل مدت لگ سکتی ہے، ان میں عدالت مطمئن ہونے کے بعد ملزم کو ضمانت پر رہائی دے دیتی ہے، یہ قانونی گنجائشیں اور سہولیات شریعت اسلامیہ کے منصفانہ مزاج سے ہم آہنگی رکھتی ہیں۔

سوال نمبر ۷ میں دریافت کیا گیا ہے کہ جن قیدیوں کا مقدمہ ابھی زیر سماعت ہے اور جن کے بارے میں سزائے قید کا فیصلہ ہو چکا ہے، قید خانوں میں سلوک کے اعتبار سے کیا ان دونوں میں فرق کیا جا سکتا ہے؟

اس میں تو کسی شبہ کی قطعاً گنجائش نہیں ہے کہ زیر سماعت مقدمہ کے قیدی ابھی عدالت کی نظر میں مجرم نہیں ہیں، پھر کیسے ان کے ساتھ مجرموں جیسا برتاؤ روا ہو سکتا ہے؟ ابھی تو قید کی نوعیت صرف حراست اور تفتیش میں حصول تعاون کی ہے اور اسلام کا واضح اصول ہے کہ ہر انسان اپنی ذات میں بری اور بے گناہ ہے، جب تک کہ اس پر ثبوت وشواہد کی بنیاد پر جرم ثابت نہ ہو جائے، اگر ثبوت جرم سے پہلے ہی کسی کے ساتھ مجرموں جیسا برتاؤ درست ہو جائے تو پھر

عدالت کا عمل بے مقصد ہو جاتا ہے اور انصاف کی روح مجروح ہوتی ہے، پس یہ طریقہ کہ مجرم اور ملزم کو ایک ہی جگہ رکھا جائے اور دونوں کے لئے جیل خانہ کے اندر ایک ہی نظام العمل ہو، انصاف وعدل سے میل نہیں کھاتا ہے اور اسلامی شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی ہے۔

حبس بے جا کا ہرجانہ

اسی سے متعلق سوال نمبر ۹ ہے، جس میں پوچھا گیا ہے کہ اگر ملزم کو قید میں رکھا گیا ہو اور بعد کو عدالت نے اسے بری قرار دیا تو کیا وہ زمانہ قید میں ہونے والی ذہنی اذیت اور مالی ہرجانہ طلب کرسکتا ہے؟

اس کا جواب اثبات میں ہے، بالخصوص اس وقت جب تفتیش وتحقیق کے لئے جیل میں رکھی گئی مدت طویل ہو، کیونکہ اس مدت میں وہ لازماً ذہنی اور نفسیاتی اذیت اور نقصان سے گذرتا ہے، پہلے تو اس کی شخصیت پر ایک ایسے جرم کا داغ لگتا ہے جس کا اس نے ارتکاب نہیں کیا ہے اور اس طرح اس کی شخصیت مجروح ہوتی ہے، پھر جیل میں بھیجا جانا اس کی بہت بڑی بدنامی کا سبب بنتا ہے اور بہت دور تک اس کی بدنامی پھیل جاتی ہے، جس کی تلافی بعد کی باعزت رہائی نہیں کرسکتی ہے، تیسرے یہ کہ جتنی مدت وہ جیل خانہ کے اندر بے جا حبس میں گذارتا ہے، اس میں وہ اپنی ملازمت اور کاروبار سے محروم رہ کر شدید مالی نقصان سے دوچار ہوتا ہے، عموماً قید ہو جانے کے بعد ملازمت برخواست کردی جاتی ہے، اس دوران نہ صرف وہ خود کمائی سے محروم رہتا ہے، بلکہ جن لوگوں کی کفالت اس کے ذمہ ہوتی ہے، وہ افراد خاندان بھی کفالت سے محروم ہوکر مالی تنگی اور پریشانی سے دوچار ہوتے ہیں، چوتھے یہ کہ حراست کے دوران خود ملزم اور اس کے اہل خاندان کو اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لئے اور مقدمہ لڑنے کے لئے مالی اخراجات اور طرح طرح کے تگ ودو کرنے پڑتے ہیں، ان سب پر کافی اخراجات آتے ہیں، جو بلاوجہ ملزم کو کرنے

پڑتے ہیں، اسی طرح دوران قید جیل خانہ کے کھانے پینے کے نظام کا پابند رہنے کی وجہ سے اس کی صحت متاثر ہوتی ہے اور بسا اوقات وہ اندرونی اور خاموش امراض کا شکار ہو جاتا ہے اور ان سب کے علاوہ زندگی کا جو قیمتی عرصہ جیل خانہ میں بے گناہی کی صورت میں کاٹنا پڑتا ہے، اس کی تلافی صرف بری ہونے کے فیصلہ سے نہیں ہو جاتی ہے اور ان سب پر مستزاد یہ کہ اس کے کیریئر اور کردار کے ساتھ جرم کا الزام اور جیل میں قید کے واقعات وابستہ ہو جاتے ہیں اور وہ اس کی زندگی کا حصہ ہو جاتے ہیں، اس ناکردہ گناہ کی سزا اسے کیوں ملے گی؟ پس ان سارے مالی، ذہنی، نفسیاتی، جسمانی، اوقاتی، عرفی اور خاندانی نقصانات کی کسی حد تک تلافی کے لئے ہرجانہ اور مالی معاوضہ کا مطالبہ نہ صرف منصفانہ ہے بلکہ ضروری بھی، تاکہ پہنچنے والے نقصانات کی کچھ تو بھرپائی ہو سکے۔

تفتیش میں ناروا سلوک

ملزم کے حوالہ سے اٹھائے گئے سوالات میں ایک انتہائی اہم سوال نمبر ۳ ہے، اس سوال میں بنیادی طور پر یہ بات پوچھی گئی ہے کہ قیدیوں سے سچی بات اگلوانے کے لئے اسے ڈرانے دھمکانے اور اس پر سختی وتشدد کرنے کی کہاں تک اجازت ہے؟ سوال کے الفاظ ہیں:

قیدیوں سے سچی بات اگلوانے کے لئے کس حد تک دھمکانے کی اجازت ہے؟ کیا اس مقصد کے لئے درج ذیل سزائیں دی جاسکتی ہیں:

الف۔ قیدیوں کو بے لباس کر دینا ب۔ قیدیوں کو مار پیٹ کرنا

ج۔ انہیں الکٹرک شاک لگانا د۔ قیدیوں پر کتے چھوڑنا

ھ۔ قیدیوں کو سخت ٹھنڈک میں برف کی سلوں پر ڈال دینا۔

و۔ انہیں مسلسل جگے رہنے پر مجبور کرنا اور اس کے لئے اس کی جائے رہائش میں تیز

روشنی یا تیز آواز کا انتظام رکھنا۔

اتنی بات تو واضح ہے کہ یہ قید کسی مجرم کا نہیں بلکہ صرف شبہ کی بنیاد پر مبینہ الزام کے تحت ہے اور اس کا مقصد ملزم سے تفتیش کر کے سچائی تک پہنچنے کی کوشش کرنا ہے، تو ایسے قید کی بابت یہ سوال سرے سے اٹھتا ہی نہیں کہ اسے کس قسم کی اور کہاں تک سزا دی جاسکتی ہے، سزا تو مجرم کے لئے ہوتی ہے اور کسی ملزم کو مجرم ثابت کرنے ہی کے لئے عدالت کا نظام اور ثبوت وشواہد کے مطالبات ہوتے ہیں، لہذا یہ بات کیسے پوچھی جاسکتی ہے کہ ایسا قیدی جو ابھی مجرم نہیں ہے، بلکہ صرف تفتیش کی غرض سے زیر حراست ہے، اس سے سچی بات اگلوانے کے لئے کس قسم کی سزا اسے دی جاسکتی ہے؟

البتہ یہ سوال ضرور اٹھتا ہے کہ الزام کے تحت زیر حراست شخص سے سچی بات اگلوانے کے لئے اس پر کس حد تک دباؤ بنایا جاسکتا ہے؟ کیونکہ یہ تو ظاہر ہے کہ ایسے افراد جو معروف بالفسق والفجور رہوں یا جو مجہول الحال ہوں، وہ جلدی حقیقت کا اظہار نہیں کرتے، ہاں جو لوگ سماج میں اپنے صلاح وتقوی میں معروف ہوں، یا آج کی زبان میں جن کا کردار بڑا صاف ستھرا اور اچھے ریکارڈ کا حامل ہو، ان پر اگر کسی موقع پر شک وشبہ ہوتا ہے تو ان سے یہی توقع کی جاتی ہے کہ وہ حقیقت کی تفتیش میں صاف گوئی کے ساتھ تعاون کریں گے، اس لئے ان پر کسی قسم کے دباؤ بنانے کی ضرورت بھی پیش نہیں آئے گی، لیکن اول الذکر دونوں قسم کے لوگوں کا معاملہ قدرے مختلف ہوگا، ان پر دباؤ بنایا جاسکتا ہے اور اس میں ایسی تدبیریں اختیار کی جاسکتی ہیں جو سزا کے دائرہ میں نہ آتی ہوں۔

اس تعلق سے سوال کے ضمن میں جو شقیں درج کی گئی ہیں، کہ انھیں تفتیش میں اپنایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ دراصل موجودہ دور میں جہاں انسانی قدریں شدت سے پامال ہو رہی ہیں اور انصاف کے اصولوں کی دھجیاں بکھر رہی ہیں، شبہات کی بنیاد پر بالکل بے گناہ افراد کو گرفتار کر کے

تفتیش کے نام پر ان کے ساتھ ایسی حیا سوز، انسانیت سوز، درندہ صفت اور بربریت آمیز طریقے اپنائے جارہے ہیں، کہ ان کے مقابلہ میں بڑی بڑی سزائیں ہیچ ہیں، ان حالات کے پیش نظر سوال کے اندر اٹھائے گئے شق سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ سوالات نہیں بلکہ پیش آئے واقعات کا عکس ہیں، کیونکہ ''الف'' تا ''واؤ'' میں بیان کردہ طریقوں میں شق ''ب'' کو چھوڑ کر بقیہ پانچوں شقیں انتہائی درجہ شرمناک، اذیت رساں اور گھٹیا طریقے ہیں، کسی انسان کو بے لباس کرنا اسلامی شریعت میں سزا کے اندر بھی درست نہیں ہے، یہ انسانیت کی تذلیل ہے، جس سے عزت نفس مجروح ہوتی ہے، لباس انسان کا جوہر اور اللہ کا عطیہ ہے اور ستر کو چھپانا انسان پر فرض کیا گیا ہے، یہ انسان اور جانور کے درمیان فرق ہے انسان کو بے لباس کرنا اسے انسانوں کی صف سے نکال کر جانوروں میں شامل کرنا ہے اس کی اجازت کیسے ہو سکتی ہے؟ ایسے ہی انسان پر کتے چھوڑنا نہایت وحشیانہ عمل اور درندہ ذہنی کا عکاس ہے اور اسلامی شریعت انسان کو وحشی بننے کی اجازت نہیں دیتا، اس میں اس کا بھی امکان ہے کہ خوفناک کتے قیدی کو جسمانی نقصان پہنچادیں، یا قیدی کے قلب ودماغ پر کتے کے خوف کا کوئی خطرناک اثر مرتب ہو جائے۔ اسی طرح الکٹرک شاک لگانا ایک سخت خطرناک اور انسانی اعضاء بلکہ اس کی جان سے کھلواڑ کرنے والا طریقہ ہے، بجلی کے شاک جسم کے اعصابی نظام کو متاثر کرتے ہیں اور بسا اوقات اس کے دماغی خلیات کو شدید نقصان پہنچاتے ہیں، بجلی کے شاک میں اس بات کا بھی امکان ہے کہ بجلی کے وولٹیج یا اس کے وقفہ کے فرق کی وجہ سے یا قیدی کی کمزور جسمانی صحت کی وجہ سے شاک اس کے لئے جان لیوا بن جائے، یا اس کے جسم کے کسی اہم عضو کو ناکارہ بنادے، ایسے نقصان دہ اور خطرات والی اذیت ایک ایسے شخص کے لئے کیسے روا ہو سکتی ہے، جو مجرم بھی نہیں بلکہ صرف زیر تفتیش ہے، اسلام تو ایسی اذیت رسانی کی اجازت مجرم کے لئے بھی نہیں دیتا اور آگ کے ذریعہ سزا اسلام میں یوں بھی ممنوع ہے، رسول اکرم ﷺ نے اس کی ممانعت کرتے ہوئے فرمایا: **فإنه لا يعذب**

بالنار إلا رب النار (آگ سے سزا صرف آگ کا رب ہی دیتا ہے) (ابوداؤد)۔ قیدی کو سخت ٹھنڈک میں برف کی سلوں پر رکھنے کی اجازت اس اسلام میں کیسے ہوسکتی ہے جس نے مجرم کو دھوپ میں کھڑا کر کے سزا سے زائد تکلیف پہنچانے سے منع کیا ہے، سردی کے موقع پر برف کی سل پر ڈالنا سخت اذیت پہنچانا ہے، ایسی اذیت مجرم کے لئے بھی روا نہیں ہے، چہ جائیکہ ملزم کے لئے درست ہو، آخری شق یعنی قیدی کو مسلسل جگے رہنے پر مجبور کرنے کے لئے اس کی جائے رہائش میں تیز روشنی یا تیز آواز کا انتظام رکھنا، بھی ملزم کو شدید ذہنی کوفت اور نفسیاتی تکلیف میں مبتلا کرنا ہے، نیند انسان کی ایسی ہی ضرورت ہے جیسی غذا و پانی اور جیسی قضائے حاجت، اگر نیند انسان کی پوری نہ ہو اور مسلسل بے خواب رہے تو وہ جسمانی طور پر شل ہوجائے گا، اس کا دماغ ٹھیک سے کام نہیں کرے گا اور عدم توازن کا شکار ہوکر مریض ہوجائے گا، ایسی غیر انسانی تکلیف اور اذیت رسانی کو اسلام قطعاً تسلیم نہیں کرتا ہے۔

پس شق ''ب'' یعنی مار پیٹ کو چھوڑ کر تمام شقیں انتہا درجہ ظالمانہ، وحشیانہ، حیا سوز اور غیر انسانی ہیں جن کی اسلام کی تعلیمات میں کوئی جگہ نہیں ہے، اسلام اصولی طور پر قیدی کو انسانی عزت و وقار کے مقام سے محروم نہیں سمجھتا ہے، وہ اپنے تمام انسانی حقوق کا اسی طرح مستحق رہتا ہے، جس طرح کوئی بھی دوسرا انسان، مجرم کے لئے صرف وہی سزا ہے جو اس کے جرم کے لئے متعین ہے اور اس سزا کے نفاذ میں بھی اس کی تذلیل و توہین روا نہیں ہوگی، نہ اس کے تئیں حقارت آمیز طریقہ اپنایا جائے گا، کیونکہ سزا کا نفاذ اس کی تطہیر اور پاکی کا سبب ہے اور دوسروں کے لئے سامان عبرت۔ اس میں اس کی تحقیر کا دخل نہیں ہے، ورنہ پیغمبر اسلام ﷺ زنا کی سخت ترین سزا کے نفاذ کے موقع پر مجرم کے توبہ کی تعریف اور اس سے حقارت کا اظہار کرنے والے کی نکیر نہ فرماتے اور اسلام کا یہ رویہ تو مجرم کے تئیں ہے، یہاں تو زیر بحث مسئلہ ملزم سے تعلق رکھتا ہے، ایسے ملزم کو اس قسم کی سزائیں دینا اسلام کی نظر میں کسی بھی طرح درست نہیں ہوسکتا، ملزم پر جب

تک جرم ثابت نہ ہو جائے وہ بے گناہ ہے اور بے گناہ کو کوئی سزا نہیں دی جاسکتی ہے۔

جہاں تک شق ''ب'' کا تعلق ہے، جس میں پوچھا گیا ہے کہ کیا ایسے ملزم کو سچی بات اگلوانے کی غرض سے مارا پیٹا جاسکتا ہے؟ تو بعض شرطوں کے ساتھ اس شق کی گنجائش ہے، ایسی مار پیٹ جو خود سزا نہ بن جائے، یا جو سخت اذیت رساں نہ ہو، ملزم پر دباؤ بنانے کے لئے کی جاسکتی ہے، حضرت حسن بن زیاد سے مروی ہے کہ: **یحل ضربه حتی یقر ما لم یظهر العظم** (اتنی پٹائی درست ہے تا کہ وہ اقرار کرلے، جس سے ہڈی نہ ظاہر ہو) (درمختار ۳/ ۲۱۴)۔ خود رسول اللہ ﷺ کے عہد کا واقعہ ہے کہ غزوہ خیبر کے موقع پر حیی بن اخطب کے سونے اور زیورات کو اس کے چچا نے چھپالیا،۔ رسول اللہ ﷺ نے دریافت کیا تو اس نے جھوٹا جواب دیا کہ جنگوں اور دوسرے اخراجات میں وہ خرچ ہو گئے ہیں، تب آپ ﷺ نے حضرت زبیر بن عوامؓ سے فرمایا کہ اس سے باز پرس کرو، روایت کے الفاظ ہیں کہ: **فمسه الزبير بشئ من العذاب** (یعنی حضرت زبیر نے اس کی تھوڑی پٹائی کی) (شامی ۶/ ۱۴۷)، تو اس نے مال کی جگہ بتادی، ان روایات میں دیکھا جاسکتا ہے کہ حقیقت کی دریافت کے لئے معمولی پٹائی اور سختی کی گئی، لیکن اتنی نہیں جو سزا کی شکل اختیار کرلے یا جس کی وجہ سے قیدی کو جسمانی نقصان پہنچ جائے۔

جیل خانہ میں قیدیوں کے حقوق

یہ سوالات ملزم کے تعلق سے تھے، اب ان سوالات پر گفتگو کی جاتی ہے جو قیدیوں کے حقوق سے متعلق ہیں، اس سلسلہ میں سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ درج ذیل امور سے متعلق قیدیوں کو کیا حقوق حاصل ہیں؟

الف۔ مذہبی امور (عبادت کرنا، مذہبی کتابوں کا مطالعہ، دوسرے قیدیوں کے درمیان دعوت دین، اس کی مذہبی تعلیمات کے مطابق اس کے لئے غذا فراہم کرنا، وہ جس مذہب پر عقیدہ

رکھتا ہے اس مذہب کی مقدس شخصیتوں اور کتابوں وغیرہ کی بے احترامی سے گریز)۔

ب۔ جسمانی ضروریات (مناسب غذا، صاف پانی، علاج، حفظان صحت کے لئے ورزش وتفریح، بیوی سے تعلق، ایسی تنگ جگہ قیدیوں کو رکھنے کا مسئلہ جہاں کھڑا ہونا یا پاؤں پھیلا کر لیٹنا، یا دیوار کے باہر کسی چیز کا دیکھنا ممکن نہیں)۔

ج۔ عام سماجی حقوق (اخبارات پڑھنے، ریڈیو سننے، فون پر احباب واقارب سے گفتگو کرنے، دوسرے قیدیوں سے ملاقات، تعلیم اور ہنر سیکھنا وغیرہ)۔

د۔ اخلاقی امور (مردوں اور عورتوں کے الگ قید خانے، بالغوں اور نابالغوں کے لئے الگ قید خانے وغیرہ)۔

قیدیوں کے جن حقوق کے بارے میں اوپر سوال کے اندر نشاندہی کی گئی ہے، بڑی حد تک ان تمام حقوق کی ادائیگی کی اسلام وکالت کرتا ہے اور آج عام طور ان بنیادی حقوق کے تعلق سے بھی زیادتی اور پامالی پائی جارہی ہے، اس لئے انسانی حقوق کے لئے سرگرم تنظیمیں ان امور کی فراہمی پر زور دے رہی ہیں، اس سوال کے شق "الف" یعنی مذہبی امور کا جہاں تک تعلق ہے، اس ضمن میں اٹھائی گئی تمام چیزیں قیدی کا نہ صرف حق ہیں بلکہ ان کی اچھی تربیت اور اصلاح کے لئے بھی یہ مفید ہیں، اس لئے مذہبی آزادی قیدی کا لازمی حق ہے، وہ اپنے مذہب کے مطابق عبادت کریں، مذہبی کتابوں کا مطالعہ کریں، دوسرے قیدیوں کے درمیان پرامن طریقہ پر اپنے مذہب کی اچھائیوں کی اشاعت کریں، قرآن کریم نے اس سلسلہ میں حضرت یوسفؑ کا پورا قصہ بیان کر کے اس پر عمل کی ترغیب دی ہے، انھوں نے جیل خانہ میں اپنے ساتھی قیدیوں کو دین کی باتیں بتائی تھیں اور اس کے لئے حکیمانہ اسلوب اور ہمدردانہ طریقہ اپناتے ہوئے قیدی ساتھیوں کی رہنمائی اور ذہن سازی فرمائی تھی، اسی طرح قیدی کے مذہب کی مقدس شخصیتوں اور ان کی مذہبی کتابوں کی بے احترامی نہیں ہونی چاہئے، قرآن نے عام حالات میں دوسرے مذاہب اور

عقیدہ والوں کو برا کہنے سے منع کیا ہے (سورہ انعام ۱۰۹)۔ امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں نقل کیا ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے تمام گورنروں کو فرمان بھیجا تھا کہ قیدیوں کو ایسا کھانا اور سالن وغیرہ فراہم کیا جائے جس سے ان کی صحت ٹھیک رہے، اسی طرح یہ بھی ضروری ہوگا کہ قیدی کو کھانے کی اشیاء فراہم کرنے میں اس کی مذہبی تعلیمات کا خیال رکھا جائے اور ایسی چیزیں کھانے میں نہ دی جائیں جو وہ اپنے مذہب کے مطابق نہیں کھا سکتا ہے، مذہبی امور کے تعلق سے اصولی بات یہ پیش نظر رہنی چاہئے کہ مذہبی پابندی قید کا حصہ نہیں ہے اور نہ ہی یہ چیزیں قید کے مقصد کے لئے مفید ہیں، بلکہ مذہبی آزادی ہی سے قیدیوں کی صحیح اصلاح ہوتی ہے، لہذا اس بات کا باضابطہ اہتمام ہونا چاہئے کہ قیدیوں کو مذہبی تربیت فراہم کی جائے اور انھیں مذہبی کتابوں کے مطالعہ اور مذہبی تعلیمات پر عمل کے مواقع میسر ہوں۔

شق "ب" جو جسمانی ضروریات سے متعلق ہے، وہ انسان کا بنیادی حق ہیں اور قیدی جیل کے اندر بھی اپنے انسانی حقوق سے محروم نہیں ہوتا ہے، چنانچہ اسے مناسب غذا اور صاف پانی ملنا چاہئے، حفظان صحت کے لئے ورزش وتفریح اب موجودہ امراض کی کثرت اور ذہنی دباؤ کے دور میں انسانی ضرورت بن گئی ہے، اس لئے قیدیوں کی جسمانی صحت کی رعایت کے ساتھ ورزش اور ہواخوری کا موقع فراہم کیا جانا ضروری ہے، قیدی کو ایسی تنگ جگہ رکھنا جہاں کھڑا ہونا، یا پاؤں پھیلا کر لیٹنا یا دیوار کے باہر کسی چیز کا دیکھنا ممکن نہ ہو، قیدی کی سزا پر ایسا اضافہ ہے جو نہ صرف اس کو جسمانی اور نفسیاتی طور پر بیمار کر دینے والا ہے، بلکہ اس کے حقوق کی پامالی ہے، علامہ طرابلسی لکھتے ہیں: اعلم أن الحبس الشرعي ليس هو في مكان ضيق (معین الحکام ۱۹۶)۔ جہاں تک بیوی سے تعلق کی اجازت کا مسئلہ ہے، طویل مدتی قیدیوں کے لئے اسلام اس کی اجازت دیتا ہے، موجودہ نظام میں بھی قیدیوں کو ایسے مواقع فراہم کرنے کی وکالت کی گئی ہے، دراصل شادی شدہ شخص کے لئے بیوی سے تعلق بھی ایک بنیادی اور صحت مند ضرورت

ہے، بالخصوص ایسے قیدی جن کے رویے بہتر ہوں، انھیں پردہ کے انتظام کے ساتھ کچھ گھنٹے جیل خانہ کے اندر ہی اپنی بیوی کے ساتھ تنہائی میں گذارنے کی اجازت دی جانی چاہئے، علامہ شامی نے لکھا ہے: وإذا احتاج للجماع دخلت عليه زوجته أو أمته إن كان فيه موضع ستر" (۳۴۹/۴)۔

عام سماجی حقوق کے ذیل میں جو باتیں دریافت کی گئی ہیں، ان میں تعلیم اور ہنر سیکھنے کا انتظام ایک بہتر اقدام ہے، اس سے قیدیوں کے طور طریقے اور ذہنی رویہ میں بہتری آئے گی اور وہ آئندہ اچھی زندگی گذارنے میں مدد حاصل کرسکیں گے، دوسرے قیدیوں سے ملاقات قید کے نظام کے تحت ہونی چاہئے، البتہ اس میں اس بات کا خیال رکھا جانا مناسب ہوگا کہ برے اور خراب کردار کے عادی مجرموں کے ساتھ اگر معمولی غلطیاں کرنے والے قیدیوں کو اٹھنے بیٹھنے کا موقع دیا جائے گا تو وہ مزید بگاڑ کا شکار ہوں گے اور جیل کے اندر جرم کے خطرناک طریقے سیکھیں گے، جس کے بعد وہ زیادہ خطرناک مجرم بن جائیں گے، یہ قید کے مقصد کے منافی اور سماج کے لئے انتہائی نقصان دہ ہوگا اور یہ بات ان دنوں عام طور پر دیکھی جاتی ہے کہ خطرناک اور خونخوار مجرموں کی صحبت میں رہ کر بعض سیدھے سادے قیدی اتنے خطرناک بن جاتے ہیں جتنے شاید وہ باہر رہ کر نہ بنتے ،فون پر احباب واقارب سے گفتگو کی اجازت مقررہ وقفہ سے ہونی چاہئے، موجودہ نظام میں اعزہ سے ملاقات اور گفتگو کی اجازت مقررہ اصولوں کے مطابق دی جاتی ہے، جو بہتر ہے، جہاں تک اخبارات پڑھنے اور ریڈیو سننے کی بات ہے، تو اس میں موجودہ نظام کے اندر قیدیوں کے درمیان فرق رکھا جاتا ہے، جرائم کے لحاظ سے قیدیوں کی درجہ بندی کرتے ہوئے بعض قیدیوں کو اس کی اجازت ملتی ہے اور یہی طریقہ درست محسوس ہوتا ہے۔

اس سوال کی آخری شق اخلاقی امور سے متعلق ہیں، یعنی مردوں اور عورتوں کے لئے الگ قید خانے، اسی طرح بالغوں اور نابالغوں کے لئے الگ قید خانے رکھے جائیں، تو اسلام ان

کی تو ہر حال میں تائید وتاکید کرتا ہے، عورتوں کے قید خانہ کا نظام دیکھنے والے بھی خواتین افسران ہی ہونے چاہئے اور صفائی ستھرائی وغیرہ بھی عورتوں کے ذریعہ ہی کرانا چاہئے، تاکہ بداخلاقی کو راہ نہ ملے، موجودہ جیل نظام کے اندر بڑی حد تک ان باتوں کا لحاظ رکھا گیا ہے، جہاں ان امور میں کوتاہی برتی گئی ہے، اس کے بدترین نتائج سامنے آئے ہیں اور وہاں عام طور عورتوں کی عزت وعصمت مجروح اور تار تار ہوئی ہے، چھوٹے بچوں کے قید خانہ بھی آج کے زمانہ میں الگ ہی رکھے جاتے ہیں اور یہ ضروری بھی ہے۔

جیل میں سختی

قیدیوں سے متعلق سوال نمبر ۴ میں پوچھا گیا ہے کہ کیا قیدیوں کو زنجیروں میں جکڑا جاسکتا ہے یا انہیں ہتھکڑی پہنائی جاسکتی ہے یا انہیں بیڑی ڈالی جاسکتی ہے؟ اس سلسلہ میں اصولی بات یہ ہے کہ عام حالات میں یہ غیر ضروری ہے، جہاں بعض مخصوص قیدیوں کی حفاظت کا مسئلہ درپیش ہو، یا جب خطرناک مجرموں کو کہیں لے جایا جارہا ہو، ایسے مواقع پر انھیں پابہ زنجیر کیا جاسکتا ہے، یا ہتھکڑی لگائی جاسکتی ہے، یہ بڑی حد تک انتظامی مسئلہ ہے۔

سوال نمبر ۵ یہ ہے کہ کیا کسی مجرم کو اس کے خصوصی جرم کے پس منظر میں قید تنہائی دی جاسکتی ہے؟ اس سوال کا جواب بھی اثبات میں ہے، کیونکہ یہ اجازت صرف بعض مجرموں کے لئے اس کے جرم کے خصوصی پس منظر میں ہے اور ایسی صورت حال پیش آسکتی ہے، جس میں اس کو تنہا رکھا جانا ضروری ہو۔

سوال نمبر ٦ یہ ہے کہ کیا قیدیوں سے جیل میں جبراً کام لیا جاسکتا ہے اور اگر کام لیا جائے تو کیا قیدی اس کام کی اجرت کے مستحق ہیں؟ اس سلسلہ میں دو قسم کے قید میں فرق کیا جانا چاہئے، اگر کسی قیدی کو اس کے خصوصی جرم کی وجہ سے قید بامشقت دی گئی ہے، تو اس میں اس کی

صحت کا لحاظ کیا جانا تو ضروری ہے، البتہ اس سے سزا کے بطور جبری کام لیا جائے گا اور یہ کام اجرت کے بغیر ہوگی، کیونکہ یہ کام اور عمل نہیں بلکہ سزا کا حصہ ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ جیل خانہ کے اندر قیدیوں کی تربیت اور ان کو ہنر وغیرہ سکھانے کے لئے یا ان کے اوقات کو اچھے اور مفید کاموں میں استعمال کرنے کے لئے انھیں صنعت سازی وغیرہ قسم کے کاموں میں مشغول کیا جاتا ہے، تو یہ ایک نوع کا جبری کام ہے، لیکن یہ بطور سزا نہیں ہے، یہ ان کی تربیت کے لئے ہے، ایسے کاموں کے نتائج کو جیل انتظامیہ استعمال میں لاسکتا ہے یا بازار میں فروخت کرسکتا ہے، پس قیدیوں کو ان کے ان کاموں کی اجرت ملنی چاہئے اور موجودہ جیل نظام کے تحت یہی رائج بھی ہے۔

سوال نمبر ۱۰ یہ ہے کہ کیا قیدی کو اپنے مقدمات کے سلسلہ میں وکیل سے رابطہ اور صفائی پیش کرنے کے حقوق حاصل ہیں؟ اس کے جواب میں اسلام اور موجودہ نظام عدالت دونوں ایک آواز ہیں کہ یہ ہر قیدی کا حق ہے اور اسے اپنے اوپر لگائے گئے الزامات کی صفائی پیش کرنے اور اس سلسلہ میں اپنے وکیل سے رابطہ کرنے کے پورے حقوق حاصل ہیں، اس کے بغیر تو منصفانہ فیصلہ ہی ممکن نہیں ہے، کیونکہ کوئی بھی کسی شخص پر الزام لگادے تو جب تک دوسرے فریق کی بات نہ سنی جائے، کیونکر حقیقت معلوم ہوسکتی ہے اور آج کے موجودہ عدالتی نظام میں الزامات کی صفائی پیشہ ور وکیل کے ذریعہ ہی بڑی حد تک ممکن ہوتی ہے، اس لئے یہ حق ہر حال میں ہر قیدی کو حاصل ہوگا۔

جیل میں ماں کے ساتھ بچہ

آخری سوال عورتوں کے اس حق سے متعلق ہے کہ کیا وہ اپنے ساتھ جیل خانہ کے اندر اپنے شیر خوار بچوں کو رکھ سکتی ہیں؟ دراصل یہ سوال کافی حد تک متعلقہ مسئلہ اور مصلحت پر مبنی ہے،

ایک طرف جہاں ماں کے پاس رہنا خود بچہ کا حق ہے اور ماں کو بھی اپنے بچہ کو دودھ پلانے اور پالنے کا حق ہر حال میں ملنا چاہئے، وہیں دوسری جانب اس سے جڑا مسئلہ یہ ہے کہ ایک بچہ اپنے گرد وپیش کے ماحول سے سیکھتا ہے، جیل خانہ کا ماحول بہر حال بچہ کے لئے گھر کے مقابلہ بہتر نہیں ہوسکتا، اس لئے اس میں یہ دیکھا جانا چاہئے کہ بچہ و ماں کا حق اور بچہ کا مفاد دونوں ممکنہ حد تک ملحوظ رہیں، چنانچہ ایک صورت یہ ہوسکتی ہے کہ جہاں بچہ کی تربیت اور پرورش کا جیل کے باہر خود بچہ کے قریبی اعزہ کے ذریعہ انتظام ممکن ہو وہاں بچہ کو موقع موقع سے ماں سے ملاقات کی اجازت کے ساتھ باہر ہی پرورش کا انتظام کیا جائے اور جہاں ایسی صورت ممکن نہ ہو وہاں ماں کو حق ہونا چاہئے کہ وہ جیل کے اندر اپنے ساتھ بچہ کو اس وقت تک رکھے، جب تک بچہ خود سے اپنی ضروریات پوری کرنے کے قابل نہ ہو جائے۔

قیدیوں کے حقوق اسلامی نقطہ نظر سے

مولانا نورالحق رحمانی☆

اسلام کا الٰہی، آفاقی اور روحانی نظام ایک ایسے پاکیزہ اور صالح انسانی معاشرہ کی تشکیل کرتا ہے جس میں ہر طرف امن وسکون کا دور دورہ ہو، سلامتی اور شانتی ہو، اور ایسے مفسد اور شرپسند عناصر جو ماحول کو گندہ اور اس کے امن وسلامتی کو غارت کرنے اور لوگوں کی جان ومال اور عزت وآبرو پر دست درازی کرنے والے ہوں ان کے لئے عبرت ناک سزائیں تجویز کرتا ہے تاکہ جرائم اور مفاسد کا خاتمہ ہو جائے اور ملک اور سماج کا امن وسکون درہم برہم نہ ہو۔

واقعہ یہ ہے کہ اگر اسلام کے ان سنہرے اصولوں اور عدل وانصاف پر مبنی تعلیمات کو پیش نظر رکھا جائے تو انصاف سے محروم طبقات کو انصاف مل سکتا ہے اور ظلم وزیادتی کا خاتمہ ہو سکتا ہے، اسلام کی یہ مقدس تعلیمات انسانیت کے لئے مشعل راہ ہیں۔ اور مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ دنیا والوں کو ان سے روشناس کرائیں، تاکہ اسلام کے سلسلے میں ان کی غلط فہمی دور ہو اور وہ ان پاکیزہ تعلیمات سے روشنی اور رہنمائی حاصل کریں، اس مختصر سی تمہید کے بعد سوال نامہ میں درج سوالات کے جوابات درج ذیل ہیں:

۱-تہمت کی بنیاد پر قید کرنا اور قید میں رکھنے کی مدت

۱-کیا کسی ملزم کو جرم کا ثبوت فراہم ہوئے بغیر قید کیا جا سکتا ہے اور اگر بطور احتیاط کے

☆ استاذ المعہد العالی للتدریب فی القضاء والافتاء (امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ۔

قید کیا جائے تو کیا اس کے لئے کوئی مدت مقرر کی جاسکتی ہے؟

تہمت کی بنیاد پر متہم کو قید کیا جاسکتا ہے، بشرطے کہ اسے متہم قرار دیے جانے پر کوئی قوی قرینہ موجود ہو یا ایسی علامات پائی جارہی ہوں جن سے شک وشبہ کو تقویت ملتی ہو یا متہم فسق وفجور اور جرائم میں مشہور ومعروف ہو، محض وہم کی بنیاد پر کسی کو قید نہیں کیا جاسکتا۔ رسول اللہ ﷺ کا ایک شخص کو تہمت کی بنیاد پر قید کرنا ثابت ہے، اسی طرح تبصرۃ الحکام / ۲۱۰ میں یہ روایت بھی نقل کی گئی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے قبیلہ کے ایسے دو آدمیوں کو جن پر دو اونٹ کی چوری کا الزام تھا، ان میں سے ایک کو گرفتار کرلیا اور دوسرے سے فرمایا جاؤ اور دونوں اونٹوں کو تلاش کرکے لاؤ، چنانچہ وہ گیا اور انہیں لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوگیا، اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے تہمت کی بنیاد پر دو آدمیوں کو قید کیا حتی کہ انہوں نے اپنے جرم کا اقرار کرلیا۔

"إن النبی ﷺ حبس رجلا فی تہمة" (سنن ابی داؤد)۔

"إن النبی ﷺ حبس أحد الغفارين بتہمة بعيرين ثم أطلقه، وروى عن علی رضی اللہ عنه أنه حبس متہمين حتى أقروا" (تبصرۃ الحکام / ۲۱۰)۔

عقل وقیاس کی رو سے بھی یہ بات مناسب معلوم ہوتی ہے کی اگر کوئی شخص کسی کو اپنے کسی حق کے سلسلے میں متہم قرار دے۔ یا کسی جرم میں اس کے ملوث ہونے کی علامت موجود ہو تو معاملات کی تحقیق کے لئے اسے وقتی طور پر نظر بند کیا جائے، تاکہ اگر تحقیق وتفتیش کے بعد اس پر کوئی حق ثابت ہو یا کسی جرم میں اس کا ملوث ہونا ثابت ہو جائے تو صاحب حق کو اس سے حق دلایا جائے اور اس پر شرعی سزا کا نفاذ ہوسکے۔ اسی بنا پر صحابہ وتابعین، خلفائے راشدین اور جمہور فقہاء کا تہمت کی بنیاد پر حبس کے جواز اور مشروعیت پر اتفاق ہے، ہر زمانہ میں حکام اور مسلم قضاۃ کا اس پر عمل رہا ہے اور کسی نے اس پر نکیر نہیں کی ہے۔ لیکن محض وگمان کی بنیاد پر کسی کو قید کرنا

درست نہیں، علامہ شامی لکھتے ہیں:

"ذهب جمهور الفقهاء إلى مشروعية الحبس بالتهمة واعتبروا من السياسة العادلة إذا تأيدت التهمة بقرينة قوية أو ظهرت أمارات الريبة على المتهم أو عرف بالفجور" (حاشیۃ ردالمختار، الموسوعۃ الفقہیہ، ج ۱۶، مادہ: حبس)۔

(جمہور فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ تہمت مشروع ہے اور اسے انہوں نے سیاست عادلہ میں سے شمار کیا ہے، جب کہ اس کی تائید کسی قوی قرینہ سے ہو رہی ہو یا متہم پر شک کی علامتیں ظاہر ہوں یا وہ فسق و فجور کے ساتھ مشہور ہو۔

اور جہاں تک کسی تہمت کی بنیاد پر متہم شخص کو قید کرنے کی مدت کا مسئلہ ہے تو راجح قول کی بنیاد پر اس کی کوئی تعیین نہیں کی جاسکتی، بلکہ یہ قاضی اور حاکم کی صوابدید پر موقوف ہوگا کہ وہ حالات کے تقاضے کو سامنے رکھ کر جو مدت چاہے مقرر کرے۔

" وأما قدر مدة الحبس فيختلف باختلاف أسبابه وموجباته، فحبس التعزير راجع إلى اجتهاد الحاكم بقدر مايرى أنه ينزجر به وفي (مختصر الأحكام السلطانية) والحبس فى التعزير قد يكون يوما ومنهم من يحبس اكثر بلا تقدير وقال ابوعبدالله الزبيرى من اشافعية يتقدر بشهر للاستبراء والكشف وبستة أشهر للتاديب والتقويم..... ومقتضى مذهبنا أنه موكول إلى اجتهاد الحاكم ......وحبس المتهمون بالسرقة والحنايات بقدر ما يكشف عن حالهم وبقدر ما نسب اليهم من الجراء ة والشر واستحلال مالايجوز"

(تبصرۃ الحکام ۲ر ۲۴۰-۲۴۱)۔

(بہر حال قید کی مدت کی مقدار اس کے اسباب و محرکات کے اختلاف سے مختلف ہوگی، قید تعزیر کی مدت کا فیصلہ حاکم کی اجتہاد پر موقوف ہوگا، وہ اس کی تنبیہ اور عبرت کے لئے

جونسی مدت مناسب سمجھے اس کا فیصلہ کرے، اور ''مختصر الا حکام السلطانیہ'' میں ہے کہ حبس بر بنائے تعزیر کبھی ایک دن ہوگا، اور کچھ حضرات کسی تعیین وتحدید کے بغیر قید کا فیصلہ کرتے ہیں، اور ابو عبداللہ زبیری شافعی فرماتے ہیں کہ حالات کی تحقیق اور چھان بین کے لئے ایک ماہ کی مدت مقرر کی جائے گی، اور اصلاح وتعزیر کے لئے چھ ماہ کی مدت............ اور ہمارے مذہب کا تقاضہ یہ ہے کہ اسے حاکم کی رائے پر چھوڑا جائے گا............ اور جن لوگوں پر چوری اور زیادتیوں کا الزام ہوا نہیں اتنی مدت کے لئے قید کیا جائیگا جس سے ان کی حالت کا صحیح اندازہ ہو جائے اور ان کی طرف جو ظلم اور شر اور ناجائز چیزوں کو حلال کرنے کا الزام ہو اس کے اعتبار سے)۔

۲- درج ذیل امور سے متعلق قیدیوں کو کیا حقوق حاصل ہیں؟

الف: مذہبی امور- اپنے مذہب اور عقیدہ کے مطابق عبادت ادا کرنے، مذہبی کتابوں کا مطالعہ کرنے، دوسرے قیدیوں کے درمیان دین کی دعوت دینے، اصلاحی باتیں کرنے کی آزادی حاصل ہوگی، البتہ قید کی مدت تک حج کے لئے جانے، عیدین اور جمعہ کی نماز کے لئے جانے، کسی مریض کی عیادت یا نماز جنازہ میں شرکت کا موقع نہیں دیا جائے گا۔ اسی طرح اس کی مذہبی تعلیمات کے مطابق غذا فراہم کیا جائے گا، جو چیزیں اس کے مذہب کی رو سے حرام ہیں ان کے کھانے پر اسے مجبور نہیں کیا جائے گا، وہ جس مذہب پر عقیدہ رکھتا ہے اس مذہب کی مقدس شخصیتوں اور کتابوں کے ساتھ گستاخی و بے احترامی سے گریز کیا جائے گا۔

ب- چونکہ قید کا مقصد محض تادیب اور تنبیہ ہے اس لئے کوئی جسمانی یا نفسیاتی سزا دینا، یا اس کی تذلیل وتوہین کرنا درست نہ ہوگا، لہذا اسے مناسب غذا اور صاف پانی مہیا کیا جائے گا، دن کے اوقات میں روشنی، ہوا اور دھوپ سے کچھ دیر اسے استفادہ کا موقع دیا جائے گا، اندرون قید خانہ تھوڑی دیر چہل قدمی کی بھی اجازت ہوگی، تاکہ اس کی صحت باقی رہے اور

ہلاکت سے دوچار نہ ہو، بیمار ہو جانے کی صورت میں ضروری حد تک علاج ومعالجہ کی سہولت بھی مہیا کی جائے گی۔ ایسی تنگ جگہ میں نہیں رکھا جائے گا جہاں نہ کھڑا ہو سکے، نہ پاؤں پھیلا کر لیٹ سکے، یا دیوار کے باہر کسی چیز کو نہ دیکھ سکے، جسمانی ضروریات میں یہ سب چیزیں داخل ہیں، کیوں کہ اگر جسمانی ضروریات کی تکمیل نہ ہو تو اس کے بیمار ہو جانے اور ہلاک ہونے کا خطرہ ہے، اور قید کا مقصد بیماری سے دوچار کرنا یا ہلاک کرنا نہیں ہے۔

بیوی سے تعلق اور جنسی خواہش کی تکمیل کے سلسلے میں فقہاء کا اختلاف ہے، اور اس سلسلے میں ان سے تین اقوال مروی ہیں:

پہلا قول یہ ہے کہ قید خانہ میں اگر خلوت کی ایسی جگہ ہے جہاں وہ لوگوں کی نظروں سے چھپ کر اپنی بیوی سے جماع کر سکتا ہے تو اس صورت میں اسے اس کی اجازت دی جائے گی، یہ حنفیہ کے نزدیک ظاہر روایت ہے، حنابلہ کا مذہب بھی یہی ہے اور بعض شوافع بھی اسی کے قائل ہیں۔ اس قول کی دلیل یہ ہے کہ جسمانی ضرورتوں میں جس طرح غذا، پانی اور لباس ہے اسی طرح جنسی خواہش کی تکمیل بھی ہے، لہذا محدود دائرے میں شہوت بطن کی جس طرح تسکین کی جاتی ہے اسی طرح شہوت فرج کی تسکین بھی اس کا جسمانی حق ہے۔ اس لئے ایسی جگہ اگر مہیا ہو تو اسے اس سے استفادہ کا موقع دیا جائے گا۔

"وقال محمدؒ: المحبوس ينور في السجن..... ولو احتاج إلى الجماع لابأس بأن تدخل زوجته أو جاريته في السجن فيطأها حيث لايطلع عليه أحد" (الفتاوی الھندیہ ۳/ ۴۱۸)۔

(امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ قیدی کو جیل میں روشنی فراہم کی جائے گی....اور اگر اسے جماع کی ضرورت ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ اس کی بیوی یا باندی جیل میں داخل ہو اور وہ ایسی جگہ اس سے وطی کرے جہاں کوئی نہ دیکھے)۔

دوسرا قول جمہور فقہاء کا ہے (یعنی مالکیہ کا اور بعض شوافع اور بعض احناف کا ہے) وہ یہ ہے کہ جیل میں قیدی کے لئے اس کی گنجائش فراہم نہیں کی جاسکتی کہ وہ اپنی بیوی سے ہم بستر ہو، اس لئے کہ قید کرنے کا مقصد یہ ہے کہ قید کی سزا اس کے لئے باعث عبرت بنے، اس کی تعزیر اور تادیب ہو تاکہ آئندہ وہ اس جرم سے باز رہے، اور اگر جیل میں اس کے لئے اس طرح کی لذت وراحت کا سامان فراہم کیا جائے تو قید کی سزا بے معنی ہو کر رہ جائے گی، اور یہ اس کے لئے زجر وتوبیخ کا سبب نہیں بن سکتی۔ غذا اور لباس وپوشاک حوائج اصلیہ میں داخل ہے جب کہ جماع کھانے پینے کی طرح حوائج اصلیہ میں داخل نہیں ہے، اس کے بغیر بھی انسان زندہ رہ سکتا ہے لہذا اسے بیوی سے صحبت کا موقع نہیں دیا جائے گا۔ البتہ مالکیہ آگے یہ فرماتے ہیں کہ مرد اگر بیوی کے کسی حق کی بنیاد پر قید ہو تو اسے اپنی بیوی سے صحبت کرنے سے نہیں روکا جائے گا، بشرطے کہ قید خانہ میں خلوت کی ایسی جگہ موجود ہو جہاں لوگوں کی نظر نہ پڑے، بیوی کے کسی حق کی بنا پر قید ہو تو شوہر کا حق وطی ساقط نہ ہوگا۔

تیسرا قول یہ ہے کہ وطی قیدی کے جائز حقوق میں سے ایک حق ہے لہذا اسے اس سے نہیں روکا جائے گا، الا یہ کہ مصلحت کا تقاضہ یہی ہو اور قاضی محسوس کرے کہ اس کی تادیب وتنبیہ کے لئے اسے اس حق سے باز رکھنا ضروری ہے تو پھر وہ اسے اس سے روک سکتا ہے جیسا کہ اگر مصلحت متقاضی ہو کہ اسے اپنے دوست واحباب اور متعلقین سے بات چیت کرنے سے روکا جائے تو وہ ایسا کرسکتا ہے، اسی طرح بربنائے مصلحت وہ جیل کے دروازے کو بند کرسکتا ہے۔ یہ تیسرا قول بعض شوافع کا ہے۔

یہ تینوں اقوال چاروں فقہی مذاہب کی مستند ومتداول فقہی کتابوں میں موجود ہیں، اور ان تینوں اقوال میں کسی ایک کا انتخاب کیا جاسکتا ہے۔ لہذا اگر قیدی کا جرم شدید درجے اور سنگین نوعیت کا ہو تو اس کی تعزیر وتادیب اور زجر وتوبیخ کے لئے اسے اس حق سے محروم رکھا جائے گا، اور

اگر جرم اس درجے کا نہ ہو تو اس کے لئے اس کی گنجائش نکالی جاسکتی ہے۔اسی طرح حبس کی مدت کی کمی بیشی کو بھی بنیاد بنایا جاسکتا ہے، کہ جو شخص ماہ دو ماہ یا چند ماہ کے لئے قید ہو اس کے لئے اس کی حاجت نہیں ہے، اسے اس کی قدرت دی جائے کہ چند ماہ اس سے صبر کرنا اور باز رہنا کوئی مشکل چیز نہیں ہے۔لیکن اگر کسی شخص کو عمر قید کی سزا ہو یا طویل عرصہ کے لئے قید میں ہو تو اس کے لئے وقتاً فوقتاً اس کی گنجائش نکالی جاسکتی ہے۔بہر حال زیادہ بہتر یہی ہے کہ اسے قاضی اور حاکم کی صوابدید پر موقوف رکھا جائے جس طرح قید سے متعلق بعض دیگر مسائل کو قاضی کی رائے پر چھوڑا گیا ہے۔

ج-عام سماجی حقوق: اس عنوان کے تحت سوال نامہ میں جن حقوق کا تذکرہ کیا گیا ہے یعنی اخبارات پڑھنا، ریڈیو سننا، فون پر احباب واقارب سے گفتگو کرنا وغیرہ تو اگر ان امور کی اجازت دی جائے تو پھر قید کی سزا بے معنی ہو کر رہ جائے گی اور اس سے زجر وتنبیہ اور تعزیر وتادیب کا فائدہ حاصل نہ ہوگا اور جیل گھر کی طرح ہو جائے گا اس لئے ان امور کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔البتہ جیل کے اندر جو دوسرے قیدی ہیں ان سے وقتاً فوقتاً ملاقات، تبادلہ خیال اور مفید اور اصلاحی باتیں کرنے کی اجازت ہونی چاہئے تاکہ قیدیوں کے ذہن سے جرائم کا رجحان ختم ہو اور وہ اصلاح حال پر آمادہ ہوں۔اسی طرح ان کی اصلاح اور تعلیم وتربیت کا مناسب نظم کیا جاسکتا ہے خواہ اس مقصد کے لئے باہر سے افراد لائے جائیں یا قیدیوں ہی میں اگر کچھ ایسے لوگ ہوں جو اس خدمت کو بہتر طور پر انجام دے سکتے ہوں تو انہیں بھی اس کی خدمت پر مامور کیا جاسکتا ہے، اسی طرح مناسب ہنر اور صنعت وحرفت کی بھی ٹریننگ دی جاسکتی ہے کیوں کہ جرائم کا ایک بڑا محرک جہالت، ناخواندگی اور بے روزگاری ہے۔لہذا اس کے ازالہ کے لئے مناسب تدبیر اختیار کی جاسکتی ہے۔بہر حال اگر جیل کی طرف سے جاہل اور ناخواندہ افراد کی تعلیم وتربیت اور اصلاح کا کوئی نظم ہو یا انہیں کوئی مناسب ہنر سکھا دیا جائے تاکہ وہ چوری، ڈاکہ زنی اور اس

طرح کے دیگر جرائم سے باز آ کر حلال کمائی کے لئے کوئی ہنر اختیار کر لیں تو اس کی بھی گنجائش ہے اور یہ وقت کا صحیح استعمال ہے۔

د- اخلاقی امور یعنی مردوں کے لئے الگ اور عورتوں کے لئے الگ اور بالغوں کے لئے الگ اور نابالغوں کے لئے الگ قید خانے کا نظم ہو یا ایک ہی قید خانے کو الگ الگ حصوں میں تقسیم کر دیا جائے تو یہ مناسب ہی نہیں ضروری ہے تاکہ مردوں اور عورتوں، بالغوں اور نابالغوں کے اختلاط سے فحاشی، بے حیائی اور اخلاقی مفاسد رونما نہ ہوں، بلکہ فقہاء نے تو یہاں تک صراحت کی ہے کہ اگر خنثیٰ مشکل کو قید کیا جائے تو اسے نہ مردوں کے ساتھ رکھا جائے نہ عورتوں کے ساتھ بلکہ دونوں سے علیحدہ رکھا جائے (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/۳۱۷، بحوالہ حاشیۃ الدسوقی ۳/۲۸۰، حاشیۃ الصعیدی علی کفایۃ الطالب ۲/۲۰۱)۔

۳- قیدیوں سے سچی بات اگلوانے کے لئے کس حد تک دھمکانے کی اجازت ہے؟

اور اس کے ذیل میں جن پانچ امور کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے کوئی بھی سزا از روئے شرع جائز نہیں ہے، مثلاً قیدیوں کو بے لباس کرنا حرام ہے اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مرد مرد کی عورت کو (یعنی قابل ستر حصہ کو) اور عورت عورت کے قابل ستر حصہ کو نہ دیکھے: "لا ینظر الرجل إلی عورۃ الرجل ولا المرأۃ إلی عورۃ المرأۃ" (روائع البیان جلد دوم)، لہذا کسی شخص کو دوسروں کے سامنے ننگا کرنا حرام ہے، کسی کے قابل ستر حصے کو دیکھنا جائز نہیں۔ اسی طرح قیدیوں کو مار پیٹ کرنے کی بھی اجازت نہیں، کیوں کہ قید کرنے کا مقصد محض تادیب وتنبیہ ہے، لہذا اس کے ساتھ کسی قسم کی غیر انسانی حرکت اور اس کی تذلیل وتوہین جائز نہیں۔

" وفی کفالۃ الأصل: لایضرب المدیون ولایغل ولا یقید إلا أن یخاف فرارہ کذا فی المنتقی (معین الحکام ۱/۱۹۷) ولا یخوف ولا یجرد ولایقام بین یدی صاحب الحق اھانۃ ولایؤاجر" (حوالہ سابق)۔

(اور المبسوط کے باب الکفالہ میں ہے کہ مدیون کو نہ مارا جائے گا نہ اس کے گلے میں طوق پہنایا جائے نہ بیڑی اور ہتھکڑی ڈالی جائے گی الا یہ کہ اس کے بھاگنے کا اندیشہ ہو، ''المنتقی'' میں ایسا ہی ہے۔ نہ ڈرایا جائے گا نہ برہنہ کیا جائے گا اور نہ صاحب حق کے سامنے توہین وتذلیل کے طور پر کھڑا کیا جائے گا، نہ اجرت پر کام کرایا جائے گا)۔

جب مدیون کو صاحب دین کے سامنے کھڑا نہیں کیا جا سکتا کہ اس میں اس کی توہین وتحقیر ہے تو پھر اسے الکٹرک شاٹ لگانا، یا ان پر کتے، درندوں اور سانپ بچھو کو چھوڑنا یا انہیں سخت ٹھنڈک میں برف کی سلوں پر ڈال دینا کیوں کر روا ہو سکتا ہے، فقہی کتابوں میں ایسی سزاؤں کی ممانعت صراحتاً آئی ہے:

''تحرم المعاقبة بالإقامة في الشمس أو صب الزيت على الرؤوس أو حلق اللحية وكذا إغراء الحيوان كالسبع والعقرب بالمحبوس ليؤذيه (الموسوعة الفقهيه ۱۶/ ۳۲۸، مادہ: فقرہ: حبس ۱۳۶)۔

(دھوپ میں کھڑا رکھ کر یا سروں پر تیل ڈال کر یا ڈاڑھی مونڈ کر سزا نہیں دی جائے گی، اسی طرح قیدی کو اذیت پہنچانے کے لئے جانوروں، درندوں اور بچھو کو اس پر نہیں چھوڑا جائے گا)۔

و- قیدیوں کو مسلسل جگے رہنے پر مجبور کرنا اور اس کے لئے ان کی جائے رہائش میں تیز روشنی یا تیز آواز کا انتظام رکھنا بھی جائز نہ ہوگا۔ اس لئے کہ یہ بے جا اذیت رسانی اور غیر انسانی اور غیر اخلاقی حرکت ہے جس طرح کھانا پینا انسان کی بنیادی جسمانی ضرورت ہے اسی طرح سونا بھی اسی نوعیت کی اہم ضرورت ہے، اگر مسلسل جگے رہنے پر مجبور کیا جائے تو صحت خراب ہونے، بیمار پڑ جانے اور جنون میں مبتلا ہو جانے کا قوی اندیشہ اور غالب گمان ہے، اور یہ قید کے مقصد سے کسی طرح ہم آہنگ نہیں بلکہ بے فائدہ ستانا ہے جس کی اسلام کسی قیمت پر اجازت نہیں دیتا۔

۴- کیا قیدیوں کو زنجیروں میں جکڑا جا سکتا ہے، یا انہیں ہتھکڑی پہنائی جا سکتی ہے، یا انہیں بیڑی ڈالی جا سکتی ہے؟

گرفتار کئے جانے کے وقت محفوظ طریقے پر جیل تک پہنچانے کے لئے صرف اس حد تک ہاتھوں میں ہتھکڑی یا پیروں میں بیڑی ڈالی جا سکتی کہ وہ بھاگ نہ سکے اور جب جیل خانہ میں ڈال دیا گیا اور بھاگنے کا خطرہ نہ رہا ہو تو اب ہتھکڑی اور بیڑی کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیوں کہ آج کل جیل کا نظام ایسا نہیں ہوتا کہ کوئی قیدی چھوٹ کر بھاگ سکے۔ بہر حال بھاگنے ہی کے خطرے سے ہتھکڑی یا بیڑی کے استعمال کا اجازت ہے، توہین وتذلیل کے لئے زنجیروں میں جکڑنے کی اجازت نہیں، فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے:

"ولا يغل إلا إذا خاف فراره فيقيد أو يحول إلى سجن اللصوص"(حاشیۃ الطحطاوی ۴/ ۱۸۷)۔

(اور اسے زنجیر سے جکڑا نہیں جائے گا مگر جب کہ اس کے بھاگنے کا اندیشہ ہو، اس صورت میں جکڑا جائے گا یا چوروں کے قید خانہ میں منتقل کر دیا جائے گا)۔

"ولا يضرب المحبوس لأجل الدين إلا إذا امتنع من الانفاق على قريبه فيضرب ولا يغل إلا إذا خيف أنه يفر فيقيد"(مجمع الأنہر ۲/ ۱۶۰)۔

(اور دین کی وجہ سے جو شخص قید کیا گیا ہے اسے مارا نہیں جائے گا، مگر جب وہ اپنے رشتہ دار پر خرچ کرنے سے باز رہے اس صورت میں اسے مارا جائے گا، اور جکڑا نہیں جائے گا مگر اس وقت جب کہ اس کے بھاگنے کا خطرہ ہو)۔

۵- کیا کسی مجرم کو اس کے خصوصی جرم کے پس منظر میں قید تنہائی دی جا سکتی ہے؟

جرم کی نوعیت اگر ایسی ہو کہ قید تنہائی کی سزا اس مجرم کے لئے اس جرم سے باز رکھنے کا موثر ذریعہ ہو سکتی ہے تو زجر و تنبیہ اور تادیبی کارروائی کے طور پر یہ سزا دی جا سکتی ہے۔

" ويحبس في موضع وحش"(معین الحکام ۱۹۷) (اور وحشت وتنہائی کی جگہ میں اسے قید کیا جائے گا)۔

"ولا يمكن أحد أن يدخل عليه للاستيناس"(حاشیۃ الطحطاوی ۱۸۶/۴)۔

(اور کسی کو اس کی اجازت نہیں دی جائے گی کہ وہ اسے مانوس کرنے کے لئے اس کے پاس آئے)۔

۶- کیا جیل میں قیدیوں سے جبراً کام لیا جاسکتا ہے اور اگر کام لیا جائے تو کیا قیدی اس کام کی اجرت کے مستحق ہیں؟

جیل میں قیدیوں سے جبراً کام نہیں لیا جاسکتا۔ ہاں اگر دین کے سلسلے میں اسے گرفتار کیا گیا ہو تو بعض فقہاء کی رائے یہ ہے کہ رقم کی فراہمی اور دین کی ادائیگی کے لئے اجرت پر لگایا جاسکتا ہے، اور اگر اس مقصد کے لئے کام میں لگایا جائے تو ظاہر ہے کہ وہ اس کی اجرت کا مستحق ہوگا۔

" ولا يؤاجر وعن الثاني يؤجره لقضاء دينه"(حاشیۃ الطحطاوی ۱۸۶/۴)۔

(اور قیدی کو اجرت پر کام کرنے کا موقع نہیں دیا جائے گا، اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ دین کی ادائیگی کے لئے اسے کام پر لگایا جائے گا)۔

جیل میں قیدیوں کو مشغول رکھنے اور انہیں کام پر لگانے کے سلسلے میں فقہاء کرام کے تین اقوال ہیں:

پہلا قول جو شافعیہ اور حنابلہ کا ہے اس کی رو سے قیدی کو قید خانہ میں کام کرنے سے نہیں روکا جائے گا، بلکہ اسے اس کی سہولت فراہم کی جائے گی، اس لئے کہ اس پر اپنے متعلقین کا نفقہ واجب ہے، اس آمدنی سے ان کی کفالت ہوگی، اسی طرح اگر دوسروں کے حقوق اور دیون اس پر ہیں تو ان کی ادائیگی کی بھی سبیل نکلے گی۔

دوسرا قول جو حنفیہ اور بعض دیگر فقہاء کا ہے اس کی رو سے قیدی کو جیل میں کام کرنے کا موقع نہیں دیا جائے گا، اس لئے کہ قید کا مقصد تنبیہ اور تعزیر ہے، اور اگر وہ قید میں کام میں مشغول ہو اور آمدنی کے ذرائع اختیار کرنے کی آزادی ہو تو قید سے فائدہ حاصل نہ ہوگا اور قید خانہ بمنزلہ گھر اور دوکان کے ہو جائے گا۔ "فتاوی عالمگیری" میں اس سلسلے میں مشائخ کا اختلاف نقل کیا گیا ہے۔ بعض حضرات کی طرف اباحت کا قول منسوب ہے اور بعض کی طرف ممانعت کا، لیکن راجح اور صحیح قول یہی نقل کیا گیا ہے کہ اس سے روکا جائے گا لیکن پھر آخر میں فتاوی کبری کے حوالہ سے قاضی فخر الدین حنفی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ آج کے دور میں فتوی اس پر ہے کہ قیدی کو کمانے سے نہیں روکا جائے گا۔

"وهل يترك ليكتسب في السجن؟ اختلف المشايخ رحمهم الله تعالى فيه، قال بعضهم: لايمنع من الاكتساب في السجن، وقال بعضهم: يمنع عن ذلك وهو الأصح، وإليه أشار الخصاف رحمه الله تعالى وفي الكبرى وقال القاضي فخرالدين: الفتوى اليوم على أنه لا يمنع من الاكتساب (الفتاوی الھندیہ ۴۱۸/۳)۔

(اور کیا جیل میں قیدی کو کمانے کا موقع نہیں دیا جائے گا؟ اس معاملہ میں مشائخ کا اختلاف ہے، بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ قید میں کمانے سے روکا نہیں جائے گا اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس سے روکا جائے گا اور یہی زیادہ صحیح ہے اور خصاف نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے، اور فتاوی کبری میں ہے کہ قاضی فخر الدین فرماتے ہیں کہ آج فتوی یہ دیا جائے گا کہ قیدی کو کمانے سے روکا نہیں جائے)۔

اور تیسرا قول اس سلسلے میں یہ ہے کہ اس کا فیصلہ حاکم اور قاضی کی رائے اور اجتہاد پر موقوف ہوگا، وہ اگر مصلحت دیکھے اور مناسب سمجھے تو اجازت دے گا ورنہ نہیں۔

جہاں تک ان تینوں اقوال میں ترجیح کا مسئلہ ہے تو اصل یہ ہے کہ شرعی نصوص میں اس سلسلے میں اثباتاً یا نفیاً کوئی صراحت منقول نہیں ہے۔ اس لئے یہ سراسر اجتہادی مسئلہ ہے، فقہاء کرام نے اپنے اپنے زمانے میں حالات کے لحاظ اور مصلحت کے اعتبار سے جو مناسب سمجھا اس کے مطابق فتوی دیا۔ فقہاء احناف کی طرف جو ممانعت کا قول منسوب ہے وہ اجماعی اور اتفاقی نہیں ہے بلکہ بہت سے مشائخ جواز کی طرف مائل ہیں، اور قاضی فخر الدین کے قول کی رو سے آج کے دور کی رو سے یہی فتوی دیا جائے گا کہ قیدی کو اس سے نہیں روکا جائے، اس طرح جواز کا قول جمہور کا ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں جو تیسرا قول ہے کہ اس کا فیصلہ قاضی اور حاکم کے سپرد ہوگا، یہی لائق ترجیح ہے کہ حالات اور مصلحت کی رو سے اور مجرم کے جرم کی نوعیت کو سامنے رکھ کر قاضی فیصلہ کرے کہ اس کے لئے کیا مناسب ہے۔

۷- جن قیدیوں کے بارے میں سزائے قید کا فیصلہ ہو چکا ہے ان کا جرم ثابت ہے، اور عدالت کے فیصلے کی رو سے وہ سزا بھگت رہے ہیں، اور جن قیدیوں کا مقدمہ زیر سماعت ہے ان کا جرم یقینی نہیں اور نہ ان کا قابل سزا ہونا یقینی ہے، اس لئے دونوں کی حیثیت الگ الگ ہے، عین ممکن ہے کہ آئندہ عدالت اسے بری قرار دے اور جو الزام اور تہمت اس پر عائد کی گئی تھی وہ ثابت نہ ہو سکے اس لئے دونوں کے ساتھ یکساں سلوک نہیں کیا جا سکتا۔ قید میں بھی جرائم کے لحاظ سے سزا مختلف ہوتی ہے، سنگین اور خطرناک جرائم کی سزا سنگین ہوتی ہے اور جو جرائم اس سے کم درجے کے ہیں ان کی سزا اس سے کم تر درجے کی ہوتی ہے۔ لہذا جو شخص زیر حراست ہے اور جس کا مقدمہ زیر سماعت ہے اسے صرف نظر بند کر کے رکھا جائے۔ مجرمین جیسی سزا اسے نہیں دی جائیگی، یہی عدل وانصاف کا تقاضا ہے۔

۸- کیا زیر سماعت قیدیوں کو اتنے دنوں تک فیصلے سے پہلے قید میں رکھا جا سکتا ہے جو ان کے اوپر عائد فرد جرم کی اصل سزا ہے؟

نہیں، یہ بات عدل وانصاف کے تقاضوں سے کسی طرح ہم آہنگ نہیں۔

۹- اگر ملزم کو قید میں رکھا گیا اور بعد کو عدالت نے اسے بری قرار دیا تو کیا وہ زمانہ قید میں ہونے والی ذہنی اذیت اور مالی ہرجانہ طلب کرسکتا ہے؟

یہ ایسا مسئلہ ہے جس کا جواب نہ بالکلیہ اثبات میں دیا جاسکتا ہے نہ بالکلیہ نفی میں۔ جہاں تک تہمت کی بنیاد پر کسی کو قید کرنے کا مسئلہ ہے تو یہی قطعی طور پر ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اور خلفائے راشدین اوران کے بعد خلفاء وامراء نے اپنے اپنے زمانہ میں تہمت کی بنیاد پر قید کیا ہے۔ اور جرم ثابت نہ ہونے کی صورت میں انہیں آزاد کردیا۔ لیکن اس کی وجہ سے انہوں نے بری ہونے والے ملزم کو کوئی مالی تاوان ادانہیں کیا، لہذا اصولی طور پر قید بر بنائے تہمت کا ہرجانہ اور مالی تاوان اور زمانہ قید میں ہونے والی ذہنی اذیت کا معاوضہ اور ہرجانہ طلب کرنے کا حق نہیں پہنچتا۔ اور اس لئے بھی کہ تہمت کی بنیاد پر قید کیا جانا محض وہم یا معمولی شبہ کی بنیاد پر نہیں ہوتا، بلکہ کسی قوی قرینہ کی بنیاد پر ہوتا ہے یا اس کے فسق وفجور میں معروف ومشہور ہونے کی بنیاد پر ہوتا ہے یعنی شک وشبہ کی کوئی ٹھوس بنیاد اور علامت ہوتی ہے۔

لیکن اس مسئلہ کو دوسرا افسوس ناک پہلو یہ بھی ہے کہ آج کی دینا میں کسی بھی مذہب وملت اور جماعت سے عداوت، نفرت اور تعصب کی بنیاد پر اس کے افراد کر اٹھا کو قید کرلیا جاتا ہے اور ایک عرصہ طویل تک انہیں حراست میں رکھا جاتا ہے۔ بلکہ بعض دفعہ بلا وجہ سخت تکلیفیں پہنچائی جاتی ہیں، اگر اس نوعیت کا مقدمہ ہوتو ایسے مظلومین کو عدالت کی طرف سے بری قرار دئے جانے کے بعد اپنی ناحق قید کی سزا بھگتنے۔ اور ذہنی وجسمانی اذیت سہنے کے ہرجانہ کے مطالبہ کا حق ہونا چاہئے۔ اور یہ اس لئے بھی کہ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں تہمت کی بنیاد پر جن افراد کو قید کیا گیا اس کی مدت نہایت مختصر تھی یعنی ایک دودن، اور آج کے زمانے میں مہینوں اور سالوں قید میں رکھا جاتا ہے، جبکہ بعض فقہاء نے محض تہمت کی بنیاد پر کسی کو قید کرنے کی مدت

زیادہ سے زیادہ ایک دن، دو دن، تین دن قرار دی ہے۔ اور اس سلسلے میں حد سے حد جو آخری قول ملتا ہے وہ ایک ماہ سے زیادہ کا نہیں ہے۔ چنانچہ "الموسوعۃ الفقہیہ" میں شامی، تبصرۃ الحکام اور المغنی وغیرہ کے حوالہ سے لکھا گیا ہے:

"لاحد لأقل مدة الحبس، أما أكثره فيرجع فيه إلى اجتهاد الحاكم حتي ينكشف حال المتهم،.... وقال بعض الفقهاء: إن أكثر مدة يحبس فيها المتهم المجهول الحال يوم واحد، وحددها قوم بيومين وثلاثة، وأجاز آخرون بلوغها شهرا" (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/ ۲۹۴)۔

(قید کی کم سے کم مدت کی کوئی حد نہیں ہے، اور زیادہ سے زیادہ مدت کے سلسلے میں حاکم کے اجتہاد کی طرف رجوع کیا جائے گا یہاں تک کہ متہم کی حالت کا انکشاف ہو جائے.... بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ جن متہم کی حالت مجہول ہو اسے زیادہ سے زیادہ ایک دن کے لئے قید کیا جا سکتا ہے اور کچھ حضرات نے دو دن اور تین دن سے اس کی تحدید کی ہے جب کہ دوسرے حضرات نے اس مدت کے ایک ماہ تک پہنچنے کو جائز قرار دیا ہے)۔

۱۰- قیدی کا اپنے مقدمات کے سلسلے میں وکیل سے رابطہ قائم کرنا

زندگی کے مختلف معاملات اور مقدمات میں آدمی کو اپنا وکیل بنانے کا حق شرعاً حاصل ہے، جس کام کو آدمی خود کر سکتا ہے اسے انجام دینے کے لئے وہ کسی کو اپنا وکیل بھی بنا سکتا ہے، چنانچہ نکاح میں، خرید وفروخت میں، عدالتی مقدمات میں آدمی اپنا وکیل بناتا ہے۔ یہ حق جس طرح عام لوگوں کو حاصل ہے اسی طرح قیدی کو بھی حاصل ہے۔ لہٰذا قیدی جس طرح اپنے کسی مقدمہ میں عدالت کی طلب پر حاضر ہو کر بیان دے سکتا ہے۔ اپنی صفائی پیش کر سکتا ہے اسی طرح وہ اس مقصد کے لئے کسی کو اپنا وکیل بھی بنا سکتا ہے۔ قید ہونے کی وجہ سے اس کا یہ شرعی حق ساقط

نہیں ہوسکتا۔

"فإن تعذر علی المحبوس الخروج جاز له استحسانا توکیل من یجیب عنه" (الموسوعة الفقهیہ ۱۶/۳۲۶)۔

۱۱-خواتین قیدیوں کا اپنے ساتھ شیر خوار بچوں کو جیل میں رکھنا

کوئی خاتون اگر کسی جرم میں ماخوذ ہو اور عدالت کی طرف سے اس کے حق میں قید کا فیصلہ ہو اور اس کے ساتھ کوئی شیر خوار بچہ ہو تو اسے اپنے ساتھ شیر خوار بچہ کو رکھنے کا حق حاصل ہوگا۔ بچے کو ماں سے جدا نہیں کیا جاسکتا، اس لئے کہ شفقت ومحبت اور خیر خواہی میں کوئی عورت ماں کا بدل نہیں ہوسکتی اور نہ ماں کی طرح اس کی پرورش کا حق ادا کرسکتی ہے۔ اسی بنا پر کسی شخص کی ملکیت میں کوئی باندی ہو اور اس کے ساتھ بچہ بھی ہو تو کسی ایک کو فروخت کر کے ماں اور بچے کے درمیان تفریق کرنے کا اختیار اسے حاصل نہیں ہوگا۔ سنن ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اپنی ایک باندی کے ساتھ اسی نوعیت کا تصرف کیا تھا تو نبی ﷺ نے انہیں اس سے منع فرمایا اور ان کی بیع کو رد فرمادیا۔

"عن علی، أنه فرق بین جاریة وولدها فنهاه النبی ﷺ عن ذلک ورد البیع" (سنن ابی داؤد، کتاب الجهاد، باب فی التفریق بین السبی ۳/۱۴۴-۱۴۵)۔

اس لئے وہ خاتون اگر اس کی پرورش پرداخت کا کوئی معقول متبادل نظم کرسکتی ہو تو ٹھیک ورنہ اسے اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ کیوں کہ اس نازک مرحلہ میں اگر اس کی پرورش کے سلسلہ میں کوتاہی ہو تو بچہ ضائع ہوسکتا ہے اور حق حضانت میں ماں باپ اور بچہ تینوں کا حق متعلق ہوتا ہے۔ اسی بنا پر فقہاء نے صراحت کی ہے کہ اگر کوئی ماں بچے کو دودھ پلانے سے انکار کردے تو اسے اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا، لیکن اگر کوئی دوسری عورت بچے کو دودھ پلانے والی نہ ہو یا بچہ

کسی اور عورت کا دودھ قبول نہ کرے تو ماں کو دودھ پلانے پر مجبور کیا جائے گا۔ یا اگر باپ یا اس بچہ کے پاس مال نہ ہو جس سے دودھ پلانے والی عورت کی اجرت ادا کی جا سکے تو بھی اسے دودھ پلانا ہوگا۔ (الدر المختار علی حاشیہ رد المختار ۲۰۷/۵، کتاب الطلاق، باب الحضانۃ)۔

خلاصہ کلام یہ کہ دودھ پلانا خود ماں کا حق بھی ہے اور بچہ کا حق بھی ہے اس لئے وہ اپنا حق ساقط کرنے پر راضی بھی ہو جائے لیکن بچے کی پرورش اور شیر خوارگی کا کوئی متبادل نظم نہ ہو سکے تو عورت از روئے شرع اسے اپنے ساتھ رکھنے پر مجبور ہے، اس سے اس کا اور بچہ کا یہ حق چھینا نہیں جا سکتا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اسلامی شریعت میں قیدیوں کے حقوق

مولانا بدر احمد مجیبی ☆

جواب:۱-الف- شریعت اسلامی میں کسی شخص کو اس کے جرم کے ثبوت فراہم کئے بغیر محض تہمت کی بنیاد پر قید کرنے کی اجازت ہے۔ البتہ اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس سلسلے میں قوی قرینہ موجود ہو اور اس کے مجرم ہونے کی کوئی علامت نظر آرہی ہو یا وہ فجور میں معروف ہو۔ تہمت محض شک سے ثابت نہیں ہوتی بلکہ اس کا ثبوت اس طرح ہوتا ہے کہ دو مستور شخصوں نے یا ایک عادل شخص نے اس کے خلاف گواہی دی ہو۔ اسی طرح اگر متہم شخص اس کے جرائم میں مشہور ہے تو اس کے بارے میں قاضی کا علم کافی ہوگا۔ قاضی تہمت کی بنیاد پر اس کی تعزیر کرسکتا ہے، اس کو قید کرسکتا ہے۔

"ذكروا في كتاب الكفالة أن التهمة تثبت بشهادة مستورين أو واحد عدل فظاهره أنه لو شهد عند الحاكم واحد مستور وفاسق بفساد شخص ليس للحاكم حبسه بخلاف ما إذا كان عدلاً أو مستورين فإن له حبسه بحر قلت ومثله ما لو كان المتهم مشهوراً بالفساد فيكفي فيه علم القاضي"

(ردالمحتار ۳/۲۰۶)۔

☆ امارت شرعیہ، پھلواری شریف، پٹنہ۔

تہمت کی بنیاد پر قید کے جواز کی دلیل یہ ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو تہمت کی وجہ سے قید میں ڈالا تھا۔ ابوداؤد اور ترمذی میں بہز بن حکیم بن معاویہ کے دادا معاویہؓ سے مروی ہے:

"حدثنا إبراهيم بن موسى الرازي أخبرنا عبد الرزاق عن معمر عن بهز بن حكيم عن أبيه عن جده أن النبي ﷺ حبس رجلاً في تهمة" (أبوداؤد، کتاب الأقضية، باب في الحبس في الدين وغيره)

"حدثنا علي بن سعيد الكندي حدثنا ابن المبارك عن معمر عن بهز بن حكيم عن أبيه عن جده أن النبي ﷺ حبس رجلا في تهمة ثم خلى عنه" (ترمذی، کتاب الدیات، باب ماجاء فی الحبس بالتھمت)

کن جرائم میں تہمت کی بنیاد پر قید کی سزا دی جاسکتی ہے اس میں کچھ تفصیل ہے۔ اگر کسی شخص پر چوری، قتل یا کسی ایسے جرم کا الزام ہو جس کا تعلق حدود اور قصاص سے ہے تو ایسے شخص کو محض تہمت کی بنیاد پر قید کرنا درست ہے۔ کیوں کہ جرم ثابت ہو جانے پر اس کی سزا اس سے بڑے جرم یعنی حد یا قصاص کی ہوگی۔ اس لئے قید کی سزا بغیر ثبوت کے بھی تہمت کی وجہ سے دی جاسکتی ہے۔ لیکن اگر کسی شخص پر ایسے جرائم کا الزام ہے جس میں زیادہ سے زیادہ سزا قید ہے جیسے مالیات وغیرہ کے جرائم تو اس کو محض تہمت کی بنیاد پر بغیر ثبوت فراہم کئے ہوئے قید کرنا درست نہیں ہے۔ کیوں کہ یہ الزام اگر ثابت ہو جائے تو بھی اس کو سزا زیادہ سے زیادہ قید کی سزا ہوگی اور بغیر ثبوت کے محض تہمت کی وجہ سے قید کریں تو دونوں میں کیا فرق باقی رہے گا، ثبوت کے بعد بھی وہی قید اور بغیر ثبوت کے بھی وہی قید تو ثبوت کا فائدہ کیا ہوگا۔

صاحب ہدایہ تحریر فرماتے ہیں:

"ولهذا لم يشرع في التعزير بالتهمة قبل ثبوته كما شرع في الحد

لأنه من التعزير" (ہدایۃ کتاب الحدود، فصل فی التعزیر)۔

علامہ زیلعی فرماتے ہیں:

"ولهذا لايحبس بالتهمة في التعزير لكونه أقصى عقوبة فيه فيلزم التسوية بينها وبين التحقيق" (تبیین الحقائق ۶۳۹/۳، نیز دیکھئے: فتح القدیر: ۱۱۷/۵، عنایہ ۱۱۷/۵)۔

ب- تہمت کی بنیاد پر کسی شخص کو قید کیا جائے تو اس قید کی مدت کیا ہوگی؟

تہمت کی بنیاد پر قید کرنا تعزیر ہے۔ حبس بالتعزیر کی مدت کے سلسلے میں صحیح قول یہ ہے کہ اس مدت کی تعیین حاکم اور قاضی کی صوابدید پر موقوف ہوگی۔ قاضی اس شخص کی حالت کے اعتبار سے اس کے مناسب قید کی سزا دے سکتا ہے۔

"وتقدير مدة الحبس راجع إلى الحاكم كذا في البحر الرائق" (ہندیہ ۱۶۸/۲)۔

صاحب معین الحکام علامہ طرابلسی بھی فرماتے ہیں کہ یہ قاضی کے صواب دید پر منحصر ہے۔

"والصحيح أنه يفوض إلى رأى القاضي" (معین الحکام/۱۹۸)۔

لیکن فقہاء کی یہ صراحت اس شخص کے بارے میں ہے جس کو حدود و قصاص سے کم درجے کے کسی جرم کے ثبوت ملنے پر قید کیا گیا ہو۔ حدود یا قصاص میں ملوث ہونے کی تہمت کی بنیاد پر جس کو قید کیا جائے اس کی قید اس کی بے گناہی کے ثابت ہو جانے یعنی گواہوں کے ذریعہ اس کے جرم میں ملوث ہونے کے ثبوت نہ ملنے تک یا قاضی کو اس کی بے گناہی کے ظن غالب ہو جانے تک ہونی چاہئے۔

علامہ شامی فرماتے ہیں:

"ومن يتهم بالقتل والسرقة يحبس ويخلد في السجن إلى أن يظهر

التوبة" (رد المحتار ۳/ ۱۹۹)۔

جواب:۲-الف- دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کو ان کے مذہبی امور کی انجام دہی کی اجازت دینے میں اسلام سے زیادہ وسیع النظر مذہب کوئی بھی نہیں ہے۔ اسلام نے بلاد مفتوحہ کے شہریوں کو جو اسلام نہیں لائے ہیں مکمل مذہبی آزادی عطا کی ہے۔ اسی لئے اسلام نے مفتوحہ ممالک میں وہاں کے باشندوں کو ان کے مذہبی رسوم کی ادائیگی سے نہیں روکا ہے۔ ان کے قدیم عبادت خانوں کو منہدم کرنے سے منع کیا ہے۔ ہاں بعض مصلحتوں کی وجہ سے جدید عبادت خانوں کی تعمیر کی اجازت نہیں دی ہے۔

اس لئے جس طرح دیگر مذاہب کے ماننے والوں کو پوری مذہبی آزادی اسلامی ممالک میں حاصل ہوگی اسی طرح اسلامی ممالک میں دیگر مذاہب کے قیدیوں کو بھی ان کے تمام مذہبی حقوق حاصل ہوں گے۔ قید خانے کے اندر وہ اپنے مذہب کے مطابق تمام عبادتیں کر سکتے ہیں۔ اپنی مذہبی کتابوں کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔ قید خانے میں اس مذہب کی دینی شخصیات اور اس کی دینی کتابوں کی اہانت اور بے حرمتی نہیں کی جائے گی۔ اپنے مذہب کی اشاعت اور تبلیغ کے سلسلے میں بھی ان کو ایک دائرے کے اندر آزادی حاصل ہوگی۔

ب- انسانی حاجت سے متعلق جو چیزیں ہیں وہ قیدیوں کو فراہم کی جائیں گی۔ قید خانے کے اندر مناسب غذا اور صاف پانی کا انتظام قیدیوں کے لئے کیا جائے گا۔ بیمار ہونے کی صورت میں اس مرض کے علاج کا نظم ہوگا اور قیدیوں کی جسمانی صحت کی حفاظت کا خیال رکھا جائے گا۔ قید خانے میں ہی ان کے علاج کا انتظام کیا جائے گا۔ مرض زیادہ ہونے پر باہر لے جا کر بھی علاج کرایا جائے گا۔

"ولأسير من أسرى المشركين لابد أن يطعم ويحسن إليه حتى يحكم فيه" (کتاب الخراج لأبي يوسف/ ۱۴۹)۔

"ولم تزل الخلفاء يا أمير المؤمنين! تجرى على أهل السجون ما يقوتهم فى طعامهم وأدمهم وكسوتهم الشتاء والصيف وأول من فعل ذلك على بن أبى طالب كرم الله وجهه بالعراق ثم فعله معاوية بالشام ثم فعل ذلك الخلفاء من بعده" (کتاب الخراج لأبی یوسف ۱۴۹-۱۵۰)۔

"ولو مرض مرضاً أضناه ولم يجد من يخدمه يخرج بكفيل وإلا لا، به يفتى ولايخرج لمعالجة وكسب"۔

"قوله لمعالجة أى لمداواة مرضه لامكان ذلك فى السجن" (ردالمحتار ۴/۳۴۹، نیز دیکھئے: تبیین الحقائق ۵/۹۶)۔

بیوی اور بچوں سے ملاقات کی ان کو اجازت ملے گی۔ بیوی سے ہمبستری کی اجازت کے سلسلے میں فقہاء کرام لکھتے ہیں کہ اگر شوہر کو اس کی ضرورت ہو اور قید خانے میں کوئی ایسی جگہ موجود ہو جہاں لوگوں کی نگاہوں میں آئے بغیر وہ اپنی خواہش پوری کرسکتا ہو تو اس کی بیوی کو قید خانے میں اس جگہ جانے کی اجازت دے دی جائے گی تاکہ اس کی خواہش کی تکمیل ہوسکے۔ اگر ایسی جگہ میسر نہ ہو تو اس کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

"لو احتاج إلى الجماع فدخل عليه امرأته أو جاريته حتى جامعها لكن فى موضع لايطلع أحد فإن لم يجد مكاناً خالياً لا يجامع" (معین الحکام ۱۹۸)۔

"لو احتاج إلى الجماع لابأس بأن تدخل زوجته أو جاريته فى السجن فيطؤها حيث لا يطلع عليه أحد وفى الفتاوى الهندية وإن لم يجد مكاناً خالياً لا يجامع" (ہندیہ ۳/۴۱۸، نیز دیکھئے: ردالمحتار ۴/۳۴۹)۔

قیدیوں کو ایسی تنگ جگہوں میں نہیں رکھا جائے گا جہاں ان کو کھڑے ہونے میں یا پاؤں پھیلا کر لیٹنے میں بھی دشواری ہو۔ امام ابو یوسف حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا ایک حکم نامہ نقل

کرتے ہیں:

"لا تدعنّ في سجونكم أحداً من المسلمين في وثاق لا يستطيع أن يصلي قائماً ولا تبيتنّ في قيد إلا رجلا مطلوباً بدم وجروا عليهم من الصدقة ما يصلحهم في طعامهم وأدمهم، والسلام" (کتاب الخراج لابی یوسف/۱۵۰)۔

"اعلم أن الحبس الشرعي ليس هو في مكان ضيق" (معین الحکام/۱۹۶)۔

ج- قیدیوں کو ایسے عام سماجی حقوق حاصل نہ ہوں گے جن سے ان کے قید کئے جانے کا مقصد ہی فوت ہو جائے۔ اس لئے کہ قید خانہ کا مقصد یہ ہے کہ قیدی کو پریشانی ہو، اس کے دل میں بے قراری ہو اور اس کو کچھ تکلیف ہو۔

"ولا يبسط له فرش ولا غطاء ولا يدخل عليه أحد ليستأنس" (معین الحکام ۱۹۶)۔

"ثم صفه الحبس أن يكون في موضع ليس فيه فراش ولا وطاؤ لا يخلي أحد يدخل عليه ليستأنس به" (تبیین الحقائق ۵/۹۵) "وصفته أن يكون بموضع ليس به فراش ولا وطاء لينضجر" (الدر المختار مع رد المختار ۴/۳۴۹، نیز دیکھئے: ہندیہ ۳/۴۱۹)۔

اس لئے قید کے مقصد کے پیش نظر انہیں ایسی غیر ضروری چیزوں کی اجازت نہیں ہوگی جس سے ان کی پریشانی دور ہو اور دلی تسکین حاصل ہو۔ لہذا قید خانے میں ریڈیو سننے، اخبار پڑھنے، ٹیلی فون سے اپنے احباب سے باتیں کرنے اور اس طرح کی دوسری چیزوں کی اجازت نہیں ہوگی۔

د- اخلاقی امور کے خیال سے اور فتنوں سے بچنے کے لئے مردوں اور عورتوں کے لئے اسی طرح نابالغوں کے لئے قید خانے میں علیحدہ علیحدہ حصے بنائے جائیں گے۔

"فرع في البحر عن المحيط ويجعل للنساء سجن على حدة نفياً للفتنة"

(الدر المختار مع الرد ۴/۳۵۰)۔

"وينبغي أن يكون للنساء محبس على حدة تحرزاً عن الفتنة وعن أبي حنيفة رحمه الله أن المرأة تحبس في محبس النساء ولكن يحفظها الرجل"

(ہندیہ ۳/۴۱۴)۔

جواب: ۳- قیدیوں سے سچی بات اگلوانے کے لئے ایسے طریقے استعمال کئے جاسکتے ہیں جو ان کی کچھ ذہنی پریشانی کا سبب ہوں۔ لیکن ذہنی یا جسمانی طور سے ان کو شدید اذیت پہنچانا درست نہیں ہے۔

اس لئے فقہاء کرام لکھتے ہیں کہ قیدیوں کو کپڑوں سے عریاں کر دینا، قید میں کوڑے لگانا، شدید دھوپ میں کھڑا رکھنا، برف پر کھڑا رکھنا جائز نہیں ہے۔ اسی سے سمجھ لینا چاہئے کہ قیدیوں کو شدید مار پیٹ کرنا، الکٹرک شاٹ لگانا، ان پر کتے چھوڑنا یا ٹارچر وغیرہ کرنا ایسی کوئی بھی شکل ہو تو شریعت میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

"ولا يجرد من ثيابه في الحبس" (ردالمختار ۴/۳۵۰)۔

"لا ينبغي للقاضي أن يضرب محبوساً في دين ولا غيره ولا يصفد ولا يقيد ولا يغل ولا يمعد ولا يجرد ولا يقيمه في الشمس" (ہندیہ ۳/۴۱۴)۔

اگر مجرم کی طرف سے فرار کی شرارت پائی جارہی ہے کہ وہ بار بار قید خانے سے فرار ہونے کی کوشش کرتا ہے تو ایسی صورت میں اس پر سختی کی جاسکتی ہے اور اس کو کچھ کوڑے لگائے جاسکتے ہیں۔ لیکن قیدیوں سے جرم کے اقرار کرانے کے لئے اور ان کی زبان سے سچا بیان سامنے لانے کے لئے ان کو کسی طرح کی شدید ذہنی اور جسمانی تکلیف دینا جائز نہ ہوگا۔

"وإن كان هذا المحبوس لا يزال يهرب من السجن يؤدبه القاضي.

بأسواط كذا في الملتقط" (ہندیہ ۴/۴۱۶)۔

"ولا يضرب المحبوس إلا في ثلاثة إذا امتنع عن كفارة الظهار والإنفاق على قريبه والقسم بين نسائه" (الدر المختار ۴/۳۵۰)۔

جواب: ۴- اگر قیدیوں کے فرار ہونے کا اندیشہ نہیں ہے تو ان کو ہتھکڑی یا بیڑی وغیرہ پہنانا یا ان کو زنجیر سے جکڑ دینا درست نہیں ہے۔ اگر کسی قیدی کے فرار ہونے کا قاضی کو اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں اس کو ہتھکڑی یا بیڑی وغیرہ پہنائی جا سکتی ہے یا قید خانے کے دوسرے سخت حفاظت والے حصے میں اس کو منتقل کر دیا جائے گا۔

"ولا يغل ولا يقيد إلا أن يخاف فراره" (معین الحکام/۱۹۷)۔

"ولا يغل إلا إذا خاف فراره فيقيد أو يحول لسجن اللصوص" (الدر المختار ۴/۳۵۰)۔

"وإذا خاف القاضي على المحبوس في السجن أن يفر من حبسه حوله إلى حبس اللصوص" (ہندیہ ۳/۴۱۴)۔

جواب: ۵- فقہاء کرام کی عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ قیدیوں کے جرائم کے اعتبار سے ان کو قید خانے کے علیحدہ علیحدہ حصوں میں رکھا جائے گا۔ چنانچہ اہل فجور یعنی اخلاقی جرائم میں مبتلا قیدیوں کے رہنے کا انتظام الگ ہوگا۔ چوری وغیرہ جیسے جرائم میں ملوث قیدیوں کے لئے علیحدہ نظم ہوگا۔ قتل کے جرائم کے ملزم قیدیوں کو الگ رکھا جائے گا۔ اس لئے اگر کسی شخص کو کسی خاص جرم کی وجہ سے قید تنہائی میں رکھنے کی ضرورت ہو تو اس کو قید تنہائی میں رکھا جا سکتا ہے۔

"ويحبس في موضع وحش" (معین الحکام/۱۹۷)۔

"ويجوز للحاكم عزل السجين وحبسه منفرداً في غرفة يقفل عليه

بابها إن كان في ذلك مصلحة"(الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/ ۳۱۹)۔

جواب:۶-قید خانے میں قیدی پر محنت ومشقت کے کام کرنے کی ذمہ داری نہیں ہوگی اور نہ ایسا کام ان پر لازم ہوگا۔اس لئے قید خانے میں قیدیوں سے جبراً محنت ومشقت کا کام نہیں لیا جاسکتا۔البتہ اپنی مرضی سے قیدی کوئی محنت کا کام کریں یا ان سے جبراً ایسا کام لیا جائے تو ایسی صورت میں وہ اجرت کے مستحق ہوں گے۔

"ولا يواجر" (معین الحکام/ ۱۹۷)۔

"اعلم أن الحبس الشرعي ليس هو الحبس في مكان ضيق وإنما هو تعويق الشخص ومنعه من التصرف بنفسه حيث شاء" (معین الحکام/ ۱۹۶)۔

"ولا يؤاجر وعن الثاني يؤجر لقضاء دينه"(الدر المختار ۸/ ۵۸)۔

جواب:۷-سوال نمبر ۵ کے جواب میں اس کی وضاحت آچکی ہے کہ جرائم کے اعتبار سے قیدیوں کے لئے قید خانے میں الگ الگ حصے ہوں گے جہاں جرائم کے اعتبار سے ان کو رکھا جائے گا۔اس لئے قیدیوں کے ساتھ جو سلوک ہوگا وہ ان کے جرائم کے اعتبار سے ہوگا۔لہذا وہ لوگ جن کے مقدمات ابھی زیر سماعت ہیں ان کے ساتھ ان قیدیوں والا سلوک نہیں کیا جانا چاہئے جن کی سزائے قید کا فیصلہ ہو چکا ہے۔

"صنف الفقهاء سجون الجرائم إلى ثلاثة أصناف أهل الفجور (المفاسد الخلقية) وأهل التلصص (السرقات ونحوها) وأهل الجنايات (الاعتداء على الأبدان)، وجعل أبو يوسف القاضي هذا التقسيم عنوان فصل أفرده في كتابه"(الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/ ۳۱۹)۔

"إذا خاف فراره فيقيد أويحول إلى سجن اللصوص" (الدر المختار ۴/ ۳۵۰)۔

جواب:۸- جن افراد پر کسی جرم کا ابھی صرف الزام ہے۔ جرم ثابت نہیں ہوا ہے۔ مقدمہ کی سماعت ہو رہی ہے ان کو مقدمہ کی سماعت تک تو قید کرنے کی اجازت ہے۔ لیکن زیر سماعت ملزم قیدیوں کو قید میں اتنے دنوں تک رکھنا جو اس جرم کی اصل سزا ہے جائز نہیں ہے، اور یہ حاکم کی جانب سے اس پر ظلم تصور کیا جائے گا۔

"ونقل عن القاضی لامش أنه کان یحبسها فی وقت قضائه لمصلحة رأی فی ذلک وهو صیانتها عن الفجور" (معین الحکام/۱۹۷)۔

جواب:۹- ملزم کو قید میں رکھا گیا لیکن بعد میں جرم ثابت نہ ہونے کی وجہ سے اس کو بری کر دیا گیا تو اس کو جو ذہنی اذیت اور مالی نقصان ہوا اس نقصان کی تلافی حکومت پر ہوگی یا نہیں؟ اگر وہ اس کا مالی ہرجانہ طلب کرنا چاہے تو درست ہے یا نہیں؟

چونکہ شریعت نے کسی شخص کو تہمت کی وجہ سے قید کرنے کی اجازت دی ہے جیسا کہ احادیث میں اس کی صراحت موجود ہے جس کے حوالے اوپر آ چکے ہیں۔ اور قید کے زمانے میں کسب معاش یعنی تجارت وغیرہ کی اجازت نہیں ملتی ہے جس سے اس کو مالی نقصان بھی ہوتا ہے۔ لیکن صرف قید ہونے کی وجہ سے وہ اس مدت کے مالی ہرجانہ کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ شریعت نے تہمت کی وجہ سے قید کرنے کی اجازت دی ہے اس لئے وہ اس مدت کی ذہنی اذیت اور مالی نقصان کی تلافی کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔

البتہ شریعت نے قیدیوں کو زیادہ جسمانی تکلیف پہنچانے کی گنجائش نہیں دی ہے۔ اس لئے اگر مدت قید کے دوران ان کو جسمانی تکلیف دی گئی ہو اور ان پر جرم ثابت نہیں ہو سکا ہو تو وہ جسمانی تکلیف کا معاوضہ طلب کر سکتے ہیں۔

جواب:۱۰- اگر کسی شخص پر کوئی الزام عائد کیا جائے تو اس کی صفائی اسی پر لازم ہوتی ہے۔ البتہ اس کو اس سلسلے میں دوسرے لوگوں سے مشورہ کرنے کا حق حاصل ہوگا۔ اس لئے اصلاً

اس کو اپنا مقدمہ خود سے لڑنا ہوگا۔ لیکن اگر ملزم کو مقدمہ کے لئے قید خانے سے باہر نکلنے میں دشواری ہو اور یا خود وہ اپنی صفائی پیش کرنے سے عاجز ہو تو ایسی صورت میں اس کو وکیل بنانا جائز ہوگا اور اس قیدی کو جو حقوق حاصل ہیں وہ تمام حقوق اس کے وکیل کو بھی حاصل ہوں گے۔

"وإن كان الموكل محبوساً في سجن هذا القاضي الذي وقعت الخصومة عنده لا يقبل منه التوكيل وإن كان محبوساً في سجن الوالي وهو لا يمكنه الخروج للخصومة يقبل منه التوكيل هكذا في الظهيرية... وإذا علم القاضي أن المؤكل عاجز عن البيان في الخصومة بنفسه يقبل منه التوكيل هكذا في فتاوى قاضي خان" (ہندیہ ۳/۶۱۵)۔

جواب:۱۱- فقہاء کرام تحریر کرتے ہیں کہ عورت کو مردوں سے علیحدہ ایسی جگہ قید کیا جائے گا جہاں فتنہ کا کوئی اندیشہ نہ ہو، اور اس کی بھی فقہاء نے اجازت دی ہے کہ عورت کو اس کے شوہر کے ساتھ قید کیا جائے۔ اس سے اس مسئلہ کا جواب بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ جب کسی ایسی عورت کو قید کی سزا دی جائے جس کے شیر خوار بچہ کو ماں کی ضرورت ہے اور قریبی رشتہ داروں میں سے اس بچے کی پرورش کرنے والا کوئی دوسرا نہ ہو تو ماں کے ساتھ اس کے بچے کو قید میں رکھا جا سکتا ہے تاکہ وہ معصوم بچہ ماں کی حضانت و پرورش سے محروم نہ رہے۔ یوں بھی چھوٹے بچے کے بہت سے معاملات ایسے ہوتے ہیں جن کو ماں ہی پورا کر سکتی ہے۔ اس لئے ماں کے قید ہونے کی صورت میں اس کے ساتھ اس کے بچے کو رکھنے میں بظاہر کوئی حرج نظر نہیں آتا ہے۔

"فرع في البحر عن المحيط ويجعل للنساء سجن على حدة نفياً للفتنة" (الدر المختار مع الرد ۴/۳۵۰، نیز دیکھئے: ہندیہ ۳/۴۱۸)۔

قیدیوں کے حقوق۔شریعت کی نظر میں

مولانا رحمت اللہ ندوی ☆

تمہید

اسلام کے لازوال محاسن اور شریعت اسلامیہ کی بے مثال خوبیوں میں ایک نمایاں خوبی اور امتیازی وصف عدل وانصاف اور حسن سلوک ہے، اس کے جملہ احکام کی بنیاد اسی عدل واحسان پر ہے اور اس کی اولین تعلیمات میں بغیر کسی نقص وزیادتی اور افراط وتفریط کے ہر صاحب حق کو اس کا حق دینا ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے اس حقیقت کو نقش دوام بخشتے ہوئے کئی حقوق کی ادائیگی کا شمار کراتے ہوئے آخر میں بڑی تاکید کے ساتھ فرمایا ہے: "فأعطوا کل ذی حق حقه" (پس ہر مستحق کو اس کا حق عطا کرو)۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ اپنی شہرہ آفاق تصنیف "سیرۃ النبی" میں تحریر فرماتے ہیں:

"اسلام کی پہلی تعلیم یہ ہے کہ ہر انسان پر دوسرے انسانوں بلکہ حیوانوں اور بے جان چیزوں تک کے کچھ فرائض عائد ہیں اور یہ ان کے حقوق ہیں، جنہیں ہر انسان کو اپنی استطاعت کے بقدر ادا کرنا ضروری ہے" (سیرۃ النبی ۶/ ۲۰۳)۔

آگے مزید لکھتے ہیں:

☆ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

''اسلام کے سوا دوسرے مذاہب میں انسانی حقوق کی بالترتیب کوئی تفصیل نہیں ہے، انسان اور حیوان کے درمیان بھی کوئی خط فاصل نہیں کیا گیا ہے'' (ایضاً ص ۲۱۰)۔

یوں تو حقوق بہت سارے ہیں اور ان کی ایک طویل فہرست ہے مثلاً: اللہ کے حقوق، نبی کے حقوق، والدین کے حقوق، اولاد کے حقوق، اعزہ واقارب کے حقوق، زوجین کے حقوق، سلاطین اور رعایا کے حقوق، پڑوسیوں کے حقوق، عام مسلمانوں کے حقوق، اور غیر مسلموں کے حقوق وغیرہ (تفصیل کے لئے شیخ محمد صالح عثیمین کا کتابچہ 'حقوق دعت الیها الفطرة وقررتها الشریعة'' دیکھیں)، لیکن اس وقت چونکہ زیر بحث موضوع ''قیدیوں کے حقوق'' ہے، اس لئے بحث وگفتگو کا محور صرف یہی ہوگا۔ اصل بحث میں داخل ہونے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حقوق کی وضاحت کردی جائے۔

حق کی تعریف اور تقسیم

عربی زبان میں حق مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے اور سب کا خلاصہ ثبوت اور وجوب سے کیا جاسکتا ہے، مثلاً: ''لقد حق القول علی أکثرھم فھم لایؤمنون'' (یس:۷) أی ثبت ووجب۔

''لیحق الحق ویبطل الباطل'' (انفال:۸) أی یثبت ویظھر۔

جب کہ لغت میں کلمہ حق کا اطلاق مقرر حصہ، ظلم کے مقابل عدل اور یقین وغیرہ کے لئے بھی ہوتا ہے، جیسے: ''والذین فی أموالھم حق معلوم'' (معارج:۲۴) اور ''واللہ یقضی بالحق'' (غافر:۲۰) وغیرہ۔

اصطلاح میں حق دو معانی کے لئے آتا ہے:

۱- الحکم المطلق للواقع (پیش آنے والے واقعہ کا مطلق حکم)۔

اس کے تحت اقوال، عقائد، ادیان اور مذاہب سب آگئے، کیوں کہ حق کے مقابل میں باطل ہے۔

۲- واجب ثابت: اس کی دو قسمیں ہیں، حق اللہ، حق العباد۔

فقہاء نے حق کی مختلف تعریفات کی ہیں، مثلاً: "**الحق هو الحكم الثابت شرعاً**" (حق شرعاً حکم ثابت کو کہتے ہیں) یا "**الحق: هو مصلحة مستحقة شرعاً**" (حق شرعاً وہ مفاد کہلاتا ہے جس کا استحقاق ہو)۔

لیکن سب سے بہترین اور جامع تعریف استاد مصطفیٰ زرقاءؒ نے اپنی کتاب "**المدخل الى نظرية الالتزام فى الفقه**" میں کی ہے، جسے مشہور فقیہ ڈاکٹر وہبہ زحیلی نے "تعریف جید" کہہ کر سراہا ہے، وہ یہ ہے:

"**الحق: هو اختصاص يقرربه الشرع سلطةً أو تكليفاً**" (حق: وہ اختصاص ہے جسے شریعت اپنی بالادستی سے متعین کرے یا اس کا مکلّف بنائے)۔

حق سے فقہاء کی مراد

حق کے لئے فقہاء کے اطلاقات مختلف اور متعدد ہیں اگرچہ عام طور پر ان کے یہاں حق سے مراد وہ چیز ہوتی ہے جس کا آدمی مستحق ہوتا ہے، لیکن مندرجہ ذیل چیزوں کے لئے بھی حق کا اطلاق ہوتا ہے:

(۱) حقوق مالیہ وغیر مالیہ۔ (۲) وہ لوازمات جو حکم کے علاوہ عقد پر مرتب ہوتے ہیں اور تنفیذ سے تعلق رکھتے ہیں۔ (۳) وہ تنخواہیں جو قضاۃ اور فقہاء وغیرہم کو بیت المال سے دی جاتی ہیں۔ (۴) عقار کے مرافق مثلاً: حق الطریق، حق المسیل، حق الشرب۔ (۵) حقوق مجردہ، وہ مباحات ہیں جیسے: حق ملک یا بائع اور مشتری کے لئے حق خیار اور شوہر کے لئے حق طلاق۔

حقوق کی قسمیں

حقوق کی تین قسمیں ہیں:

(۱) حق اللہ (۲) حق انسان (۳) حق مشترک۔

حق اللہ سے مراد وہ ہے جس سے اللہ کا تقرب، اس کی تعظیم، اس کے دین کے شعائر کو قائم کرنا یا لوگوں میں سے بغیر کسی کو خاص کیے دنیا کے لئے نفع عام کی جستجو اور اس کی اہمیت اور نفع کی سہولیت کے پیش نظر اسے اللہ کی طرف منسوب کرنا مقصود ہو۔

حق انسان: وہ حق ہے جس سے مقصود فرد کی مصلحت ومفاد کا تحفظ ہو خواہ وہ حق عام ہو جیسے صحت، اولاد اور مال کا تحفظ، امن کی بحالی، جرم کا قلع قمع، زیادتی پر ردعمل، حکومت کے مرافق عامہ سے لطف اندوزی۔

یا وہ حق خاص ہو، جیسے ملکیت میں مالک کے حق کی رعایت، ثمن میں بائع اور مبیع میں مشتری کے حق کی رعایت، کسی ضائع شدہ مال کے بدلہ کا حق، مال مغصوب کی واپسی کا حق، نفقہ میں زوج پر زوجہ کا حق، اپنے بچہ کی حضانت میں ماں کا حق، اولاد کی نگہبانی میں باپ کا حق وغیرہ۔

حق مشترک: جس میں دونوں حق جمع ہو جائیں (حق اللہ بھی اور حق عبد بھی) لیکن ان میں سے کوئی ایک غالب ہو۔ اول کی مثال مطلقہ کی عدت ہے کہ اس میں نسب کو اختلاط سے بچانا حق اللہ ہے اور اپنی اولاد کے نسب کی نگہداشت حق شخص ہے، لیکن حق اللہ غالب ہے کیوں کہ صیانت انساب میں معاشرہ کا عام فائدہ ہے۔

ثانی کی مثال: ولی مقتول کے لئے حق قصاص ہے، اس میں حق اللہ قتل کے گھناؤنے جرم سے معاشرہ کی تطہیر ہے، اور حق شخص اس کے غیظ وغضب کی تسکین اور قاتل کے قتل سے اس کا تطییب خاطر ہے، لیکن حق شخص غالب ہے، کیوں کہ فرمان خداوندی " وكتبنا عليهم فيها أن

النفس بالنفس" کے تحت قصاص کی بنیاد مماثلت پر ہے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الموسوعۃ الفقہیہ جلد ۱۸، حق کی بحث، الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۴/ ۲۸۳۸)۔

قید کا مفہوم اور اس کی مشروعیت

حبس کے لغوی معنی ہیں: منع کرنا، روکنا۔

اور اصطلاح میں کسی شخص کو بذات خود تصرف اور اپنے کام کاج کرنے اور دینی وسماجی مصروفیات کے لئے نکلنے سے روک دینا اور پابندی عائد کر دینا حبس کہلاتا ہے۔

حبس کے لئے کوئی تیار شدہ مخصوص عمارت بنانا ضروری نہیں، بلکہ درخت سے باندھ دینا اور گھر یا مسجد میں روک لینا بھی حبس ہے، البتہ مسلم حکمرانوں نے حبس وقید کے لئے مصالح مرسلہ کے تحت مخصوص عمارتیں بھی بنوائی ہیں۔

حبس کے مفہوم میں سجن (قید خانہ، جیل) بھی آتا ہے اور اسی معنی میں اعتقال (گرفتاری) بھی ہے۔ اور حبس سے ملتے جلتے یہ الفاظ بھی ہیں:

حجر: (مالی، قولی اور عملی تصرف سے روکنا، نہ کہ اس شخص کو محبوس کرنا)۔

حصر: (افعال حج میں آگے بڑھنے سے روک دینا، خواہ یہ دشمن کی طرف سے ہو یا حبس اور مرض کی وجہ سے ہو)۔

وقف: (جمہور فقہاء کے نزدیک عین کو اللہ کی ملکیت کے حکم پر روکنا اور منفعت کو کسی بھی نیک کام کے لئے صدقہ کر دینا)۔

نفی: (جلاوطنی، ملک بدر کرنا)۔

حبس کی مشروعیت

نصوص اور وقائع کی وجہ سے فقہاء کا حبس وقید کی مشروعیت پر اتفاق ہے، اگر چہ بعض

حضرات سے یہ منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی کو قید نہیں کیا ہے، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ قید تو کیا گیا لیکن قید خانہ نہیں بنایا گیا (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: معین الحکام ر ۱۹۶)۔

مجوزین کے دلائل

حبس کے مجوزین کا استدلال مندرجہ ذیل آیات، احادیث اور صحابہ کرام کے تعامل سے ہے۔

آیات

۱-واللاتی یأتین الفاحشة من نسائکم فاستشهدوا علیهن أربعة منکم فإن شهدوا فأمسکو هن فی البیوت (نساء:۱۵)۔

یاد رہے اس آیت کے منسوخ ہونے نہ ہونے میں علماء کے کچھ اقوال ہیں۔

۲- أو ینفوا من الأرض۔

۳-تحبسونهما من بعد الصلاة فیقسمان بالله (مائدہ:۱۰۶)۔

۴-وخذوهم واحصروهم (توبہ: ۵)۔

۵-حتی اذا أثخنتمو هم فشدو الوثاق (محمد:۲)۔

محققین کے یہاں یہ آیت محکم ہے، منسوخ نہیں، اور اس میں قیدی کو قید کرنے کا حکم ہے، اور وہ در حقیقت محبوس اور مسجون ہے۔

احادیث

۱-إذا أمسک الرجل الرجل، وقتله الآخر، فیقتل الذی قتل، ویحبس الذی أمسک (بیہقی، دار قطنی بروایت عبداللہ بن عمرؓ)۔

اسی وجہ سے حضرت علیؓ نے اس طرح کے ایک واقعہ میں قاتل کو قتل کرنے اور پکڑنے والے کو تاحیات قید کرنے کا حکم دیا۔

۲-روی أن النبی ﷺ حبس رجلا فی تهمة (ابوداؤد، ترمذی)۔

عبدالرزاق اور نسائی نے اپنے مصنف میں روایت کیا ہے: "أن رسول ﷺ سجن فی المدینة فی تهمة دم"۔

۳- "روی أن النبی ﷺ حبس أحد رجلین من غفار أُتّهما بسرقة بعیرین، وقال للآخر: اذهب فالتمس، فذهب وعادبهما" (مصنف عبدالرزاق)

(حضور ﷺ نے غفار کے دو آدمیوں میں سے ایک کو قید کیا جن پر دو اونٹوں کی چوری کا الزام تھا، اور دوسرے سے فرمایا: جاؤ، تلاش کرو، چنانچہ وہ گیا اور تلاش کر کے لایا)۔

اجماع

صحابہ اور تابعین کا قید کی مشروعیت پر اجماع اور اتفاق ہے، کیوں کہ خلفاء راشدین اور ان کے بعد ابن زبیر اور دیگر خلفاء وقضاۃ نے تمام جگہوں اور زمانوں میں قید و بند کیا ہے اور اس پر کسی نے نکیر نہیں کی ہے۔

عقلی دلیل

متہم اور ملزم کی حقیقت کا انکشاف کرنے، اور جرائم کے عادی مشہور و معروف پیشہ ور مجرمین پر زجر و توبیخ کرنے کے لئے اور عزتوں کو پامال کرنے، اور زمین میں فساد برپا کرنے کی وجہ سے عقلاً قید کی ضرورت سمجھ میں آتی ہے جبکہ جرم حد اور قصاص کا موجب نہ ہو۔

حبس کے مقاصد اور اس کی قسمیں

فقہاء کرام کے کلام سے حبس کے درمیان دو مقاصد سمجھ میں آتے ہیں:

(۱) حبس بغرض عقوبت وسزا (۲) اور حبس بغرض استیثاق وطلب ثبوت۔

حبس بغرض عقوبت ان افعال وجرائم میں ہے جن میں حدود مشروع نہیں ہیں جیسے حق کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرنے والے کو قید کرنا تاکہ ادائیگی کردے، جنایت کے مرتکب کو معاصی سے باز رکھنے کے لئے زجراً قید کرنا۔ واجب تصرف سے رکنے والے کو قید کرنا جس میں نیابت نہیں ہوسکتی مثلاً اس شخص کو قید کرنا جس نے اپنی زوجیت میں دو بہنوں کو رکھا پھر اسلام لے آیا، حتی کہ ان میں سے کسی ایک کو رکھے۔ اس عقوبت میں حق اللہ اور حق آدمی برابر ہے، دراصل یہ حبس تعزیر کی ایک فرع ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/۲۸۶)۔

حبس کی شریعت میں دو قسمیں ہیں:

(۱) محدود (متعین میعاد)۔ (۲) غیر محدود (غیر متعین میعاد)۔

محدود مدت تک حبس کی سزا، شریعت، تعزیر عادی جرائم پر دیتی ہے اور عادی مجرموں کو اس کے ذریعہ سزا دیتی ہے۔

فقہاء دیگر سزاؤں پر کوڑا مارنے کی سزا کو ترجیح دیتے ہیں جب کہ جرائم خطرناک اور بھیانک ہوں اور مجرمین خطرناک ہوں یا ایسے ہوں کہ کوڑے کے علاوہ ان کو اور کوئی سزا باز رکھنے والی نہ ہو۔

اس نوع کے قید کی مدت کم سے کم ایک یوم ہے اور حد اعلی غیر متفق علیہ ہے۔ بعض فقہاء کا خیال ہے کہ چھ ماہ سے زیادہ نہ ہو، اور بعض کی رائے ہے کہ مکمل ایک سال تک نہ پہنچے (بلکہ اس سے کم رہے)، اور بعض دیگر حضرات حد اعلی کا معاملہ قاضی اور حاکم پر چھوڑ دیتے ہیں۔

مدت حبس کو متعین کرنے والے شافعیہ ہیں اس شرط کے ساتھ کہ مکمل ایک سال تک نہ پہنچے اسلئے کہ وہ حد زنا میں تغریب پر قیاس کرتے ہیں اور تغریب ایک سال سے زیادہ نہیں ہوتا، لہذا ضروری ہے کہ حبس ایک سال سے کم رہے تاکہ غیر حد میں حد کی سزا نہ ہو جائے (ملاحظہ ہو: التشریع الجنائی الاسلامی ۱/ ۶۹۴)۔

حبس کی مدت

مجرم اور اس کے جرم کی حالت کے اعتبار سے حبس بغرض تعزیر کی ایک ادنی مدت ہے اور ایک اعلی۔

اقل مدت

بعض شوافع کے یہاں اقل مدت حبس نماز جمعہ کے لئے جانے سے روک دینا ہے، دیگر حضرات کہتے ہیں: اقل مدت ایک یوم ہے اور یہ مقصد بذات خود محبوس کو تصرف سے روک دینے سے بھی پورا ہو جاتا ہے تاکہ وہ اپنی حرکت سے رک جائے، اس لئے کہ بعض لوگ ایک یوم کی قید سے متاثر اور مغموم ہو جاتے ہیں۔

اکثر مدت

جمہور فقہاء (حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ) نے حبس بغرض تعزیر کے لئے کوئی اعلی حد متعین نہیں فرمائی ہے، بلکہ انہوں نے اس کا اختیار قاضی کو تفویض کر دیا ہے کہ وہ مجرم کے حسب حال جو مناسب سمجھے کرے، کیوں کہ تعزیر- جس کی ایک قسم حبس ہے- کا مدار اختیار قاضی پر ہے۔ علامہ ابن ہمام دو یا تین ماہ اور ایک یا چار تا چھ ماہ کا اختلاف نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

"والصحيح أن التقدير مفوض إلى رأى القاضى لاختلاف أحوال الأشخاص فيه" (فتح القدیر ۶/ ۷۹ ۳) (اشخاص کے اختلاف احوال کی وجہ سے مدت کی تعیین قاضی کی رائے پر موقوف ہے یہی صحیح ہے)

شافعیہ کے اس سلسلے میں تین اقوال ہیں:

(۱) اکثر مدت حبس چھ ماہ ہے، یہ قول زبیر کا ہے۔

(۲) ایک سال اکثر مدت ہے، یہ مذہب کا مشہور قول ہے کیوں کہ جلا وطنی کی حد بھی

ایک سال ہے، اور یہ قول اس سے مشابہ ہے۔

(۳) اکثر مدت حبس کی کوئی تحدید و تعیین نہیں ہے، یہ قول امام الحرمین کا ہے، گویا انہوں نے جمہور کی موافقت کی ہے۔ اور بعض شافعیہ نے جمہور کے مذہب پر عمل کی اجازت دی ہے (ملاحظہ ہو: الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/۲۸۹)۔

حبس طویل اور قصیر کا فرق

فقہاء نے حبس طویل اور قصیر میں اس طرح تمیز کی ہے کہ اگر ایک سال سے کم ہو تو وہ حبس قصیر ہے اور جو ایک سال یا اس سے زیادہ ہو وہ طویل ہے۔

حبس دوام:

قاضی کے لئے بڑے جرائم پیشہ اور وہ لوگ جو بار بار جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں انہیں ہمیشہ قید میں رکھنا جائز ہے۔ حبس دوام کی مشروعیت میں فقہاء نے چند واقعات اور نصوص سے اس کا جواز ثابت کیا ہے جیسے حضرت عثمانؓ کا ضابئ بن حارث (نامور بدمعاش چور) کو قید کرنا حتی کہ اس کی موت جیل خانہ میں ہوئی۔ یا حضرت علی کا یہ فیصلہ کہ جو شخص کسی کو پکڑے تا کہ دوسرا اسے قتل کر دے تو پکڑنے والے کو موت تک قید کر دیا جائے گا (ملاحظہ ہو: الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/۲۸۹)۔

شیخ ماوردی مؤلف "الأحکام السلطانیہ" لکھتے ہیں:

"عادی مجرم کو قید دوام کی سزا دی جا سکتی ہے اور اس کی مدت موت ہے (الأحکام السلطانیہ/۲۲۰)۔ البتہ موت تک متہم کے حبس میں اختلاف ہے، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اور اصحاب مالک کی ایک جماعت جیسے مطرف اور ابن ماجشون وغیرہما کہتے ہیں کہ حبس الی الموت جائز ہے، اسی طرح امام احمد اس شخص کے بارے میں اسی رائے کے حامل ہیں جو اپنی بدعت سے باز نہ آئے، تارک صلاۃ کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں: " یحبس حتی یموت أو

یتوب"(قید رکھا جائے گا حتی کہ مر جائے یا توبہ کر لے) (تفسیر عثمانی: سورہ توبہ، آیت نمبر ۵ کا فائدہ)۔

جب کہ امام مالکؒ کہتے ہیں کہ حبس الی الموت کی سزا نہیں دی جا سکتی ہے (مجموع فتاوی ابن تیمیہ ۳۵/۴۰۱)۔

مدت قید کو مبہم رکھنا

فقہاء نے مدت حبس کو مبہم رکھنے اور اس سے محبوس کو مطلع نہ کرنے اور اس کی مدت کو توبہ وصلاح پر ختم کرنے کی اجازت دی ہے، جیسے شراب پینے والے مسلمان کو توبہ تک قید کرنا، دشمنوں کی جاسوسی کرنے والا مسلمان، مخنث اور سودی لین دین کرنے والے اور باغیوں کو اس وقت تک حبس میں رکھنا جب تک یہ توبہ نہ کر لیں وغیرہ۔

قید تنہائی

ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں کہ قید و بند کا دارومدار قاضی اور حاکم کی صواب دید اور رائے پر ہے، وہ مناسب سمجھے تو قید کرے ورنہ بصورت دیگر کوئی دوسری سزا دے، بلکہ اگر ظن غالب یہ ہو کہ قید کرنے سے یہ قیدی بگڑ جائے گا اور اس کی تادیب نہ ہو پائے گی تو ایسی صورت میں قید کرنا جائز نہیں ہے بلکہ کوئی دوسری سزا دینا واجب نہیں ہے۔

اسی طرح اگر قاضی کی رائے کسی مجرم کو تنہا قید کرنے کی ہو تو ایسا کرنا جائز ہے، کسی مجرم کو اس کے خصوصی جرم پر قید تنہائی کی سزا دی جا سکتی ہے:

"ویجوز للحاکم عزل السجین وحبسه منفرداً فی غرفة یقفل علیه بابها، إن کان فی ذلک مصلحة" (الموسوعة الفقهیه ۱۶/۳۱۹)۔

(حاکم کے لئے قیدی کو عام قید خانہ سے الگ کر کے تنہا کسی کمرہ میں قید کر کے اس کا دروازہ مقفل کرنا جائز ہے، اگر اس میں کوئی مصلحت ہو)۔

قیدیوں کے ساتھ سلوک:

امام وقت کو قیدیوں کے بارے میں چار چیزوں کے درمیان اختیار ہے، کہ ضرورت، مصلحت یا وقت کے تقاضہ کے مطابق ان میں سے کسی ایک کو اختیار کرلے، وہ چار امور یہ ہیں: (۱) قتل، (۲) استرقاق، (۳) منّ (بلا معاوضہ چھوڑنا)، (۴) فدیہ (معاوضہ کے ساتھ رہا کرنا خواہ وہ فدیہ بشکل مال ہو یا قیدیوں کا تبادلہ ہو)۔

جواز قتل

قیدی کو قتل کرنے کے جواز کی دلیل میں امام ابوبکر الجصاص تحریر فرماتے ہیں:

"اتفق فقهاء الأمصار على جواز قتل الأسير، لا نعلم بينهم خلافاً فيه، وقد تواترت الأخبار عن النبى ﷺ في قتله الأسير.... (احکام القرآن للجصاص ۳/ ۹۱۳، ہذا الحبیب محمد ﷺ ۲۲۹)۔

(قیدی کے جواز قتل پر فقہاء کا اتفاق ہے، اس سلسلہ میں ان کے درمیان کسی اختلاف کا ہمیں علم نہیں، اور قیدی کے قتل کے بارے میں نبی کریم ﷺ سے واقعات متواتر ہیں)۔

لیکن اگر قیدی مسلمان ہوجاتا ہے تو بالاتفاق قتل نہیں کیا جائے گا (فتح الباری ۶/ ۱۸۴)۔

بدر کے دن قید کرنے کے بعد عقبہ بن ابی معیط، اور نضر بن حارث کا قتل، احد کے موقع پر ابوعزّہ شاعر کی گرفتاری کے بعد قتل، بنو قریظہ کا حضرت سعد بن معاذؓ کے فیصلہ پر آمادہ ہوجانے کے بعد ان کا قتل، فتح خیبر کے بعد ابن ابی الحقیق کی خیانت اور کتمان ظاہر ہونے پر قتل، فتح مکہ کے موقع پر ہلال بن اخطل، مقیس بن صبابہ، عبداللہ بن سعد بن ابی سرح اور دیگر لوگوں کے قتل کا حکم اور ان کے سلسلہ میں یہ ارشاد گرامی **"اقتلوهم وإن وجدتموهم متعلقين بأستار الكعبة"** (التفسیر المنیر ۲۶/ ۹۰، احکام القرآن للجصاص ۳/ ۳۹۱، فتح الباری ۶/ ۱۹۹، باب قتل الأسیر، عون المعبود:

کتاب الجہاد، باب قتل الأسیر ۷ر۲۴۲)، (ان کو اگر کعبہ کے پردے سے چمٹا ہوا پاؤ تب بھی قتل کر دو)۔ یہ تمام واقعات جواز قتل کی دلیلیں ہیں۔

غلام بنانے کا جواز:

جنگ کے بعد دیگر قوموں کی طرح قیدیوں کو غلام بنانے کا جواز مندرجہ ذیل دلائل سے ہے:

۱- رسول اللہ ﷺ نے بعض ہوازن اور بنی مصطلق اور عرب کے کچھ قبائل کو غلام بنایا ہے۔

۲- حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما نے بنی ناجیہ (قریش کا ایک قبیلہ) کو قید کیا، اور صحابہ نے ملک ایران و روم کو فتح کیا اور انہیں قیدی بنایا۔

۳- حضرت ابن عباسؓ آیت کریمہ "ماکان لنبی أن یکون له أسری" کے بارے میں فرماتے ہیں: یہ بدر کے دن کی بات ہے جب کہ اس وقت مسلمان تھوڑے تھے، جب وہ کثرت میں آ گئے اور ان کی حکومت مضبوط اور اقتدار مستحکم ہو گیا تو اللہ تعالی نے اس کے بعد قیدیوں کے سلسلہ میں یہ آیت "فإما منّا بعد وإما فداءً" نازل فرمائی، اور نبی اور مومنین کو قیدیوں کے سلسلہ میں اختیار دیا کہ چاہیں تو وہ انہیں قتل کریں یا غلام بنائیں، اور چاہیں تو فدیہ لے کر چھوڑ دیں، امام وقت جنگی مصلحت کے پیش نظر جو طریقہ مناسب سمجھے اختیار کر لے (التفسیر المنیر، جلد ۲۶، مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: الجہاد فی الاسلام ر ۲۵۰ کا حاشیہ، تفسیر انوار القرآن ۴ر ۱۲۵-۱۲۷)۔

منّ (احسان) کا جواز

قیدیوں کے ساتھ احسان اور گرفتاری کے بعد بلا معاوضہ رہائی کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(۱) حضرت ثمامہ بن اثالؓ کی مشہور داستان جو امام بخاریؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ کے حوالہ سے روایت کی ہے (ملاحظہ ہو: فتح الباری ۶/ ۱۸۳، عون المعبود ۷/ ۲۴۳-۲۴۴)۔

۲- بنی عقیل کے ایک آدمی کو ثقیف کے یہاں دو صحابیوں کی گرفتاری کے بعد رہائی کے بدلہ میں آزاد کرنا ملاحظہ ہو: (التفسیر المنیر الجہاد فی الاسلام/ ۲۵۴)۔

۳- روی أن النبی ﷺ فدی رجلین من المسلمین برجل من المشرکین۔ (نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ دو مسلمانوں کے بدلہ میں مشرکین کے ایک آدمی کو رہا کیا)۔

معلوم ہونا چاہئے کہ قیدیوں سے تبادلہ کرنا بالاتفاق احناف کے نزدیک جائز ہے۔

علامہ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں:

"اگر مسلمان کے پاس مشرکین کے قیدی ہوتے اور مشرکین کے پاس مسلمانوں کے قیدی ہوتے اور اپنے اپنے قیدیوں کے چھڑانے پر اتفاق ہو جاتا تو اس کا بندوبست کرلیا جاتا" (فتح الباری ۶/ ۱۰۱)۔

ائمہ اربعہ اس پر متفق ہیں کہ اگر دشمن مسلمان اسیروں سے اپنے اسیروں کا تبادلہ کرنے پر راضی ہو تو تبادلہ کرلینا چاہئے (فتح القدیر ۴/ ۳۰۶)۔ خود رسول اکرم ﷺ سے تبادلہ اساری کا ثبوت ملتا ہے۔

۴- حضرت سعد بن معاذؓ کے فیصلہ پر بنو قریظہ کا رضا مند ہونے کے بعد ان کا قتل اور زبیر بن باطا پر احسان۔

۵- فتح مکہ کے موقع پر چند مخصوص مجرمین کے قتل کا حکم اور اہل مکہ پر احسان اور ان کے اموال کو غنیمت نہیں بنانا۔

الغرض جمہور نے مسلمانوں کو قیدیوں کے ساتھ من، فداء بغیر المال اور فداء بالمال کی

اجازت دی ہے، آیت کریمہ "فإما منًا بعد وإما فداءً" کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے اسیران بدر سے مال کا فدیہ لیا (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: تفسیر انوار القرآن ۴/۱۲۵-۱۲۷)

قاضی سلیمان منصور پوریؒ اپنی کتاب "رحمۃ للعالمین" میں "اسیران جنگ" کے عنوان کے تحت پورا جائزہ پیش کرتے ہوئے اسیروں کے ساتھ اسلام کا سلوک اور قیدیوں کے ساتھ پیغمبر کا طریق عمل پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"اسلام سے پیشتر دنیا میں جتنی قومیں اور سلطنتیں تھیں، وہ اسیران جنگ کے ساتھ ایسے وحشیانہ سلوک کرتی تھیں جسے سن کر بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، نبی کریم ﷺ کا طریق عمل قیدیوں کے ساتھ صرف دو ہی طرح کا تھا:

(الف) فدیہ لے کر آزاد کرنا، (ب) بلا کسی فدیہ کے آزاد کرنا۔

الغرض جنگ بدر کے ۷۲ / قیدیوں میں سے ۷۰ / کو آنحضرت ﷺ نے جرمانہ لے کر آزاد فرمایا تھا، ان قیدیوں کو مہمان کی طرح رکھا گیا تھا، بہت سے قیدیوں کے بیانات موجود ہیں جنھوں نے اقرار کیا ہے کہ اہل مدینہ بچوں سے بڑھ کر ان کی آسائش کا اہتمام کرتے تھے، صرف دو قیدی (عقبہ بن ابی معیط ونضر بن حارث) قتل کرائے گئے تھے، یہ سزا ان کے سابقہ جرائم کا نتیجہ تھی، جس نے انہیں واجب القتل ٹھہرا دیا تھا، جنگ بدر کے بعد غزوۂ بنو المصطلق میں سو سے زیادہ زن و مرد قید ہوئے تھے، وہ سب بلا کسی معاوضہ کے آزاد کر دئے گئے تھے.... حدیبیہ کے میدان میں کوہ تنعیم کے ۸۰ / حملہ آور قید ہوئے تھے، ان کو بھی آنحضرت ﷺ نے بلا کسی شرط و بلا کسی جرمانہ کے آزاد فرما دیا تھا۔

جنگ حنین میں چھ ہزار زن و مرد کو بلا کسی شرط و جرمانہ کے آزاد فرما دیا تھا، بعض اسیروں کی آزادی کا معاوضہ آنحضرت ﷺ نے اپنی طرف سے اسیر کنندگان کو ادا کیا تھا، اور پھر اکثر اسیروں کو خلعت وانعام دے کر رخصت فرمایا تھا۔

ان جملہ نظائر سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ رحمۃ للعالمین ﷺ اپنے جملہ دشمنوں پر قابو اور غلبہ پا لینے کے بعد کس قدر الطاف فرمایا کرتے تھے، کتب احادیث میں ایک واقعہ قیدیوں سے قیدیوں کے تبادلہ کا بھی ملتا ہے" (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: رحمۃ للعالمین ۱/۱۴۶-۱۴۸، زاد المعاد ۱۶۶/۲)۔

حراست میں رکھنے کا حکم

قیدی کو حراست میں رکھنے کا جواز حضرت جندب بن مکیث کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ حضور ﷺ نے ایک دستہ حضرت عبداللہ بن غالب لیثی کی سرکردگی میں کدید مقام پر بھیجا اور بنی ملدّح پر حملہ کرنے کا حکم دیا، اس دستہ میں میں بھی تھا، جب ہم وہاں پہنچے تو حارث بن برصا لیثی ملے، ہم نے انہیں پکڑ لیا، انھوں نے کہا کہ ہم اسلام لانے کے ارادے سے رسول اللہ ﷺ کے پاس جا رہے ہیں، ہم نے کہا: اگر تم مسلمان ہو تو ایک دن اور ایک رات ہمارا تمہیں باندھے رہنا نقصان دہ نہ ہوگا، اور اگر تم اس کے خلاف نکلے تو ہم تمہیں مظبوط باندھیں گے اور سخت گرفت میں لیں گے (عون المعبود ۷/ ۲۴۲-۲۴۳)۔

عورتوں کو حراست میں رکھنا

جنگ میں جو عورتیں اسلامی فوج کے قبضہ میں آئیں ان کے بارے میں اسلامی قانون کا خلاصہ یہ ہے:

جب تک حکومت یہ فیصلہ نہ کرلے کہ آیا ان کو فدیہ لے کر چھوڑنا ہے یا انہیں تبادلہ میں دینا ہے یا لونڈیاں بنا کر فوج میں تقسیم کر دینا ہے اس وقت تک وہ حراست میں رہیں گی، اس دوران میں کوئی سپاہی اگر ان میں سے کسی عورت کے ساتھ شہوانی تعلق قائم کرے تو یہ زنا ہے، جس کی وہی سزا اسے دی جائے گی جو اسلام میں زنا کے لئے مقرر ہے (الجہاد فی الاسلام ۲۵۴، حاشیہ ۱)۔

قیدی عورتوں کے احکام

معلوم ہونا چاہئے کہ اسیر اور سبی میں فرق ہے، اسیر کفار کے وہ جنگجو آدمی کہلاتے ہیں جنھیں مسلمان زندہ گرفتار کرنے میں کامیاب ہو جائیں، اور سبی قید شدہ عورتیں اور بچے کہلاتے ہیں۔

گرفتاری کے بعد عورتوں اور بچوں کا قتل بالاتفاق جائز نہیں ہے، خواہ ان کا تعلق اہل کتاب سے ہو یا وہ غیر اہل کتاب ہوں مثلاً دہریہ اور بت پرست قوم سے تعلق رکھتے ہوں، اگر عورتیں اور بچے جنگ میں اپنی قوم کے ساتھ رائے یا فعل سے شریک ہوتے ہیں تو دوران جنگ ان کا قتل جائز ہے اور جمہور ائمہ کے یہاں گرفتاری کے بعد بھی جائز ہے، کیوں کہ قتل اعداء کی علت مقاتلہ (مقابلہ آرائی) پائی جارہی ہے، البتہ گرفتاری کے بعد قتل میں حنفیہ کا اختلاف ہے چنانچہ وہ عورت، بچے اور (ضعیف العقل بیوقوف کے قتل کی اجازت نہیں دیتے، اس لئے کہ قید کے بعد قتل عقوبت کے طور پر ہے اور یہ اس کے اہل نہیں، دوران جنگ ان کا قتل دفع شر کے لئے مباح ہے اور قید کے بعد شر معدوم ہو گیا (ملاحظہ ہو: الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۸ / ۹۱۰) کفار کے یہاں کسی مسلمان مرد یا عورت قیدی کے بدلہ کافر عورت کو رہا کرنا جائز ہے (فتح الباری ۶ / ۱۸۴)۔

عورتوں کے لئے علاحدہ قید خانہ

عورت کی عصمت ہر حال میں واجب الاحترام ہے اور عورت کو اپنے ناموس کی حفاظت کا پورا حق حاصل ہے، اسلام نے عورتوں کی عصمت کی حفاظت کے لئے بہت مفصل ہدایات دی ہیں اور ہر ممکن طور پر ان کی حفاظت کا تاکیدی حکم دیا ہے حتی کہ جنگ کے اندر دشمنوں کی عورتوں سے بھی اگر سابقہ پیش آجائے تو کسی مسلمان سپاہی کے لئے جائز نہیں کہ وہ ان پر ہاتھ ڈالے، بدکاری ہر حال میں حرام ہے خواہ وہ کسی قوم کی عورت سے کی جائے اور عورت اپنی عصمت

کی حفاظت کا حق رکھتی ہے خواہ وہ کسی قوم کی ہو (ملاحظہ ہو: حقوق انسانی کا اسلامی منشور ر ۴۷)۔

اسی وجہ سے عورتوں کا قید خانہ مردوں سے الگ رکھا جائے گا، مؤلف ''البحر الرائق'' محیط کے حوالہ سے لکھتے ہیں: ویجعل للنساء سجن علی حدۃ نفیاً لوقوع الفتنۃ (البحر الرائق ۶ر ۲۸۳) (عورتوں کے لئے فتنہ کے وقوع کی نفی کرتے ہوئے علاحدہ جیل بنایا جائے گا)۔

فقہاء نے بالاتفاق یہ صراحت فرمائی ہے کہ عورتوں کے لئے علاحدہ قید خانہ ہو، ان کے ساتھ مرد نہ ہوں، کیوں کہ ان کے لئے پردہ ہے اور فتنہ سے احتراز ضروری ہے، اور یہ اسی وقت ممکن ہوسکتا ہے جب کہ ان کا جیل خانہ الگ ہو۔

بہتر تو یہی ہے کہ ان کا افسر اور نگراں انہی جیسی عورتیں ہوں، لیکن اگر دشواری کی وجہ سے ایسا ممکن نہ ہو تو بصورت دیگر عورتوں کے قید خانہ کی نگرانی کی خدمت پر کسی ایسے آدمی کو مامور کیا جاسکتا ہے جو صلاح وتقوی میں معروف اور معمر ہو تاکہ وہ محفوظ رہ سکیں، یہی امام ابوحنیفہؒ سے مروی ہے۔

اگر عورتوں کے لئے الگ سے قید خانہ تیار نہ ہو تو عورت کو کسی امانت دار عورت کے پاس جہاں مرد نہ ہوں قید کیا جائے گا، یا ایسی عورت کے پاس قید کیا جائے گا جہاں امانت دار آدمی ہو جیسے شوہر یا باپ یا بیٹا جو خیر وصلاح میں معروف ہو (ملاحظہ ہو: الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶ر ۳۱۷)۔

موقوفین اور محکومین کا قید خانہ

اسی طرح موقوفین (مشکوک اور متہم لوگ) اور محکومین (جن پر بینہ قائم ہونے کے بعد قاضی کے فیصلہ سے وجوب حق ہو چکا ہو) کا قید خانہ علاحدہ ہوگا۔ معاملات کے قضایا میں حبس، جرائم میں حبس سے الگ ہوگا، کیوں کہ فقہاء نے محبوس فی المعاملات جیسے دین، اور محبوس فی الجرائم جیسے چوری اور ابدان پر اعتداء کے مابین فرق کیا ہے۔

خنثیٰ مشکل

اسی طرح خنثیٰ مشکل کو نہ مردوں کے ساتھ رکھا جائے گا اور نہ عورتوں کے ساتھ بلکہ اسے تنہا قید کیا جائے گا یا کسی محرم کے پاس مقید رکھا جائے گا، اس لئے کہ اسے نہ مردوں کے ساتھ قید کرنا مناسب ہے اور نہ عورتوں کے ساتھ۔

عقوبات (سزائیں)

قید کی عقوبت میں شریعت کا موقف

دیگر عقوبات کی طرح حبس (قید) میں بھی یہ شرط ہے کہ ایسی سزا دی جائے جو مجرم کی اصلاح وتادیب کرنے والی ہو، اگر یہ ظن غالب ہو کہ قید مجرم کی اصلاح اور تادیب کے لئے مناسب نہیں، اس سے وہ اپنی حرکتوں سے ہرگز باز نہ آئے گا بلکہ اور بگڑ جائے گا تو ایسی صورت میں کوئی دوسری سزا دینا واجب ہے۔

قید کی عقوبت میں شریعت کا موقف وضعی قوانین سے بڑا واضح اور مختلف ہے، وضعی قوانین میں قید ہی اول یا بنیادی سزا ہے، جو تقریباً تمام جرائم میں دی جاتی ہے، خواہ جرم سنگین ہو یا ہلکا اور معمولی ہو، جب کہ شریعت اسلامی میں یہ ثانوی درجہ کی سزا ہے، اس لئے معمولی جرائم میں یہ سزا نہیں دی جاتی بلکہ قاضی کو اختیار ہے، وہ مناسب سمجھے تو دے ورنہ ترک کردے، لیکن یہ سزا اسی وقت دے گا جب کہ اس کے مفید ہونے کا ظن غالب ہو۔ وضعی اور شرعی قوانین میں اسی فرق کا نتیجہ ہے کہ ان ممالک میں قیدیوں کی تعداد بڑی حد تک کم ہے جہاں اسلامی شریعت کی تطبیق ہے، اور ان ممالک میں قیدیوں کی تعداد بہت زیادہ ہے جہاں وضعی قوانین کا رواج ہے (ملاحظہ ہو: التشریع الجنائی الاسلامی ۱/ ۶۹۴-۶۹۵)۔

ناجائز سزائیں

یاد رہے کہ سزا تادیب، اصلاح ودرستگی اور بقاوقیام کے لئے مشروع ہے نہ کہ اہانت اور ہلاکت اور آدمیت کے مفہوم کی حقارت کے لئے، اسی وجہ سے فقہاء نے قرآن وحدیث کی روشنی میں یہ صراحت کی ہے کہ قیدی یا غیر قیدی کو مندرجہ ذیل سزائیں نہیں دی جاسکتی ہیں، یہ سزائیں دینا حرام ہے:

الف- مثلہ کرنا

مثلہ کرنا یعنی ناک یا کان یا ہونٹ یا انگلیاں کاٹنا یا کسی بھی عضو کی اہانت اور نقصان کی غرض سے قطع وبرید کرنا اور ہڈی توڑنا، یا ایسی سزائیں دینا جو کسی صحابی سے ثابت نہ ہوں، جائز نہیں، کیوں کہ ضرورت تادیب کی ہے اور تادیب کسی عضو کو تلف کردینے سے نہیں ہوسکتی۔ بدر کے قیدیوں میں ایک شخص سہیل بن عمرو بڑا فصیح اللسان تھا، آپ ﷺ کے خلاف زہریلی تقریر کرتا تھا جب اس کے دانت توڑنے کی بات کہی گئی تو آپ ﷺ نے انکار فرمایا (پورا واقعہ الجہاد فی الاسلام (صفحہ ۲۵۰) پر ملاحظہ کیا جائے)۔

حضور اکرم ﷺ نے قیدیوں کا مثلہ کرنے سے منع کرتے ہوئے امراء سرایا (فوجوں کے سپہ سالاروں) کو یہ ہدایت دی ہے: "لا تمثلوا" (مسلم)۔

ب- جسم کے نازک حصوں پر مارنا

حاکم کے لئے ایسی تادیب بھی جائز نہیں جس میں اہانت اور عضو کو خطرہ ہو، جیسے چہرہ یا جسم کے دیگر نازک مقامات پر مارنا، یا قیدیوں کے گردنوں میں زنجیر ڈالنا، یا مارتے وقت قیدی کو زمین پر دراز کرنا اور لٹادینا، خواہ یہ ضرب حداً ہو یا تعزیراً۔ احادیث میں عورتوں اور غلاموں کے

چہروں پر مارنے سے بطور خاص ممانعت فرمائی گئی ہے، اور اعضاء انسانی میں چہرہ تو مشرف ہے پھر اس پر مارنا کیسے جائز ہوسکتا ہے؟

ج- آگ وغیرہ کی سزا

جسم یا اس کے کسی حصہ کو جلانا، تکلیف اور اذیت پہنچانے کے مقصد سے حرام ہے، الا یہ کہ سزا میں مماثلت ہو تو بیشتر فقہاء کے یہاں جائز ہے۔ اسی طرح قیدی کا گلا گھونٹنا، نچوڑنا اور پانی میں ڈبونا حرام ہے۔

حدیث "**لا تعذبوا بعذاب الله**" اور "**إن النار لايعذب بها إلا الله**" (فتح الباری ۶/۱۸۰) کی وجہ سے قیدی کو آگ میں جلانے کی سزا دینا جائز نہیں، ہاں قتل کیے جانے کا جواز ہے، البتہ اگر مشرک نے کسی مسلمان کو جلایا ہے تو قصاص میں اسی طرح کی سزا دی جاسکتی ہے جیسا کہ عُکل وعُرینہ والی مشہور حدیث سے معلوم ہوتا ہے (ایضاً/۱۸۵)۔

د- بھوک یا ٹھنڈ اور گرم وغیرہ کی سزا

قیدی کو ایسی جگہ قید کرنا جائز نہیں جہاں اسے کھانے پینے سے روک دیا جائے، کیونکہ بھوک کی سزا غیر اخلاقی کے ساتھ غیر انسانی بھی ہے، اور کھانا پینا یہ ہر انسان بلکہ حیوان کی بنیادی ضرورت ہے، قرآن میں قیدیوں کو کھانا کھلانے کے تعلق سے آیا ہے: "**ویطعمون الطعام علی حبه مسکیناً ویتیماً وأسیراً**" (الدہر:۸)۔

حضرت عمران بن حصینؓ کی ایک طویل حدیث میں ایک قیدی کا واقعہ آیا کہ بنی عامر کے ایک آدمی کو صحابہ کرام نے گرفتار کرلیا، جب رسول اللہ ﷺ اس کے پاس سے گزرے تو اس نے گرفتاری کی وجہ پوچھی، آپؐ اس کا جواب دیکر آگے بڑھے تو قیدی نے آپ کو پکارا، جب آپؐ آئے تو اس نے کہا: میں بھوکا ہوں، مجھے کھانا کھلایئے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں یہ

تمہاری ضرورت ہے اسے پوری کی جائے گی (اس حدیث کے لئے دیکھئے التفسیر المنیر ۲۶/۹۱-۹۲)

اسی طرح مسلم شریف کی حدیث میں اس عورت کا واقعہ جس نے ایک بلی کو باندھ کر بھوکا پیاسا رکھا تو عذاب کی مستحق ٹھہری۔ اور متفق علیہ حدیث میں اس آدمی کا واقعہ جس نے ایک پیاسے کتے کو پانی پلادیا تو اس کی مغفرت ہوگئی اور وہ جنت کا مستحق ہوگیا۔

خود صحابہ کرام کا قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک اور اچھا برتاؤ اس بات کی دلیل ہے کہ قیدی کو بھوکا پیاسا نہیں رکھا جاسکتا۔ مولف ''الجہاد فی الاسلام'' اس سلسلہ میں لکھتے ہیں:

''نبی ﷺ سبایا اور قیدیوں کے بارے میں ہمیشہ حسن سلوک کی نصیحت فرماتے تھے، جنگ بدر میں جب وہ لوگ پکڑے ہوئے آئے جنہوں نے ۱۳ ربرس تک آپ ﷺ کو اور مسلمانوں کو تکلیفیں دے کر جلا وطنی پر مجبور کیا تھا تو آپ نے صحابہ کو تاکید فرمائی کہ ان کے ساتھ فیاضی کا برتاؤ کریں، اس حکم کی تعمیل صحابہ نے اس طرح کی کہ ان کو اپنے سے اچھا کھانا کھلایا اور اپنے سے زیادہ آرام دیا، بعض صحابہ خود کھجوریں کھاتے تھے اور قیدیوں کو روٹی سالن کھلاتے تھے (الجہاد فی الاسلام/ ۲۴۹-۲۵۰)۔

مسلم شریف کی روایت میں ہے: ''كفى بالمرء إثما أن يحبس عمن يملك قوته'' (آدمی کے گنہگار ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے ماتحتوں کی خوراک روک لے)۔

اسی طرح قیدی کو کسی گرم جگہ یا دھوپ میں یا کسی سرد جگہ یا کسی گھر میں روشن دان اور کھڑکیاں بند کرکے یا اس میں دھواں کرکے یا سردی میں لباس اتار کر سزا دینا بھی جائز نہیں۔

''وليس للطالب أن يقيم الملزوم في الشمس أو على الثلج أو في موضع يضربه'' (معین الحکام/ ۱۹۹)۔

(طالب کو یہ حق نہیں کہ ملزوم کو دھوپ یا برف یا کسی مضرت رساں جگہ میں ٹھہرائے)۔

یہی حکم قیدی کی جائے رہائش میں تیز روشنی یا تیز آواز کا انتظام کرنے یا اسے مسلسل

جکڑنے پر مجبور کرنے کا ہے۔

اگر ان صورتوں میں قیدی مرجاتا ہے تو قید کرنے والے پر دیت ہوگی، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ قصاص ہوگا (ملاحظہ ہو: الموسوعۃ الفقہیہ جلد ۱۶)۔

ھ- ننگا کرنا

لباس سے عاری اور برہنہ کرنے کی سزا دینا حرام ہے، کیوں کہ ستر عورت فرض ہے اور کشف حرام ہے، ایک صحابی کی ران کھلی ہوئی تھی تو آپ ﷺ نے چھپانے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: کیا تمہیں پتہ نہیں کہ ران ستر میں داخل ہے۔ ایک عورت کو مرگی کا دورہ پڑا کرتا تھا، جب اس نے حضور ﷺ سے دعا کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے صبر کی تلقین کی اور جنت کا وعدہ کیا، لیکن جب اس نے یہ کہا کہ میں اس حالت میں بے پردہ ہو جاتی ہوں، دعا کر دیجئے کہ میں بے پردہ نہ ہوا کروں تو آپ ﷺ نے دعا فرمائی۔

ستر عورت شریعت سے قطع نظر، ایک فطری ضرورت اور انسان کا طبعی تقاضا ہے، اسی لئے حضرت آدم علیہ السلام سے جب جنت کا لباس چھینا گیا تو انہیں ستر عورت کی فوراً فکر ہوئی اور درخت کے پتوں سے اپنا جسم ڈھانپنے لگے۔

قیدی کے پاس اگر ستر عورت کے لئے لباس اور ضرورت کے کپڑے نہ ہوں تو فراہم کئے جائیں گے نہ کہ اس کے جسم کا لباس اتارا جائے گا۔

اسیران بدر میں حضور اکرم ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ بھی تھے، انہیں لباس کی ضرورت تھی، آپ ﷺ نے مہیا کیا حتی کہ عبداللہ بن ابی (رئیس المنافقین) کا کرتا جوان کے جسم پر فٹ آتا تھا اسے لیکر پہنایا اور خود اپنا کرتا عبداللہ کو دے دیا تا کہ کسی منافق کا احسان نہ رہے (ملاحظہ ہو: فتح الباری ۶ / ۱۴۷، باب الکسوۃ للأسارى)۔

"قیدیوں کے پاس کپڑے نہ رہے تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے پاس سے ان کو کپڑے پہنائے حالانکہ وہ وقت مسلمانوں پر بے انتہا تنگی کا تھا" (الجہاد فی الاسلام ر ۲۵۰)۔

و- مذہبی امور سے روکنا

قیدی کو وضو اور نماز کی سہولت دینا مناسب ہے، اور ان دونوں سے ممانعت کی سزا دینا جائز نہیں، اور نہ ایسی جگہ قید رکھنا جائز ہے جہاں یہ سہولت میسر نہ ہو (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶ر ۳۱۹)۔

اسی طرح دیگر مذہبی امور مثلاً عبادت کرنا، مذہبی کتابوں کا مطالعہ کرنا، قیدیوں کے درمیان حضرت یوسفؑ کی سنت کے مطابق دعوت دین اور قیدی کا جس مذہب پر عقیدہ ہو اس کی مقدس شخصیتوں اور کتابوں وغیرہ کی بے احترامی سے گریز وغیرہ کا حکم ہے، "ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدواً بغیر علم" اور تورات کے بارے میں حضور کے ارشاد گرامی " لانصدق ولانکذب" کی وجہ سے۔ البتہ مذہبی تعلیمات کے مطابق غذا فراہم کرنا ناچیز راقم السطور کے نزدیک ضروری نہیں، لیکن ناپاک اور مضر غذا دینا جائز نہیں ہے، اگر قیدی کے مذہب میں کوئی غذا حرام ہے تو اسے بھی نہیں دیا جائے گا۔

ز- سب وشتم

امام وقت اور حاکم وغیرہ کے لئے قیدی کو لعن طعن کرنا اور فحش گالی دینا یا ماں باپ وغیرہ کی گالی سے نوازنا اور اس کے ذریعہ تادیب کرنا جائز نہیں، لیکن اے ظالم! اے ستمگر! وغیرہ مہذب گالی کے ذریعہ تادیب جائز ہے۔

دیگر ناجائز سزائیں

قیدی کو اذیت دینے کے لئے دھوپ میں کھڑا کرنا، اس کے سر پر گرم تیل ڈالنا، اس کی

داڑھی نوچنا یا مونڈنا، اس پر جانور چھوڑنا مثلاً درندہ، بچھو، سانپ اور کتا وغیرہ، الکٹرک شاٹ لگانا یا جسم کے کسی حصہ کو داغنا حرام ہے، کیوں کہ اس میں اہانت ہے تادیب نہیں، اور قید کا بنیادی مقصد تادیب ہے نہ کہ اہانت، پھر اس میں عضو کے تلف یا ناکارہ اور معطل ہونے کا قوی اندیشہ ہے، اور یہ موجب دیت اور بعض کے نزدیک موجب قصاص ہے، حضرت امام مالکؒ سے گرم تیل اور گبریلے کیڑے کے ذریعہ قیدی کو سزا دینے کی بابت پوچھا گیا تو فرمایا: یہ جائز نہیں، بلکہ کوڑا یا قید خانہ ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: از الموسوعۃ الفقہیہ ۳۲۸/۱۶)۔

حضرت ہشام بن حکیم بن حزام کا ملک شام میں کچھ نبطی لوگوں کے پاس سے گزر ہوا جو دھوپ میں کھڑے کئے گئے تھے اور ان کے سروں پر گرم تیل ڈالے گئے تھے، حضرت ہشام کے پوچھنے پر انہیں بتایا گیا کہ یہ سزا ان کو خراج ادا نہ کرنے پر دی جارہی ہے تو یہ حدیث "إن الله يعذب الذين معذبون الناس في الدنيا" سنائی، جب قاصد نے یہ حدیث اپنے امیر کو سنائی تو اس نے انہیں آزاد اور رہا کرنے کا حکم دیا (مسلم، ابوداؤد، نسائی)

انہی ہشام سے روایت ہے: "أن النبي ﷺ مرّ عليه حمار قد وسم في وجهه، فقال: لعن الله من وسمه" (رواہ مسلم)۔ (نبی کریم ﷺ کے پاس سے ایک گدھا گزارا گیا جس کا چہرہ داغ دیا گیا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے اسے داغا ہے اس پر اللہ کی لعنت ہو)۔

قیدی کے علاج ومعالجہ کا حکم

اگر قیدی قید خانہ میں بیمار ہوجائے اور علاج وہاں ممکن ہو تو اسے باہر نہیں نکالا جائیگا، اور نہ اس کے علاج ومعالجہ اور خدمت کے لئے ڈاکٹر اور خادم کو اس کے پاس جانے سے روکا جائے گا کیوں کہ روکنے کی صورت میں اس کی ہلاکت کا اندیشہ ہے جو جائز نہیں۔

اگر قید خانہ میں علاج ممکن نہ ہو اور نگہداشت ٹھیک سے نہ ہوسکتی ہو تو قید خانہ سے نکالا جائے یا نہ نکالا جائے؟ اس سلسلہ میں فقہاء کے کئی اقوال ہیں:

۱- جان کی حفاظت کے لئے علاج ومعالجہ کی غرض سے قید خانہ سے نکالا جائے گا، یہ بعض حنفیہ مثلاً خصاف، ابن ہمام کا قول اور شافعیہ ومالکیہ کا ظاہر کلام ہے۔

۲- بغیر کفیل کے نہیں نکالا جائے گا، حنفیہ کے یہاں مفتی بہ قول یہی ہے۔

۳- قید خانہ میں ہی علاج کیا جائے گا باہر نہیں نکالا جائے گا، قید خانہ میں یا باہر ہلاکت برابر ہے، یہی امام ابو یوسف سے مروی ہے۔

البحرالرائق میں ہے: "....لا يخرج للمعالجة لامكانها في السجن" (البحرالرائق ۲۸۳/۱۶) (قید خانہ میں علاج ممکن ہے اس لئے باہر نہیں نکالا جائے گا)۔

زمانہ قدیم ہی سے مسلمانوں نے قید خانوں میں مریضوں کی نگہداشت کا خیال رکھا ہے، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے تو اپنے گورنروں کو قید خانوں پر نظر رکھنے اور مریضوں کی نگہداشت کرنے کی ہدایت جاری کی تھی۔

خلیفہ مقتدر کے زمانہ میں ہر دن بعض اطباء قید خانہ میں مریضوں کے پاس جانے، ان کو دوائیاں اور مشروبات پہنچانے، ان کی نگرانی کرنے اور بیماریوں کو دور کرنے کے لئے مخصوص و متعین تھے (ملاحظہ ہو: الموسوعۃ الفقہیہ ۳۱۹/۶-۳۲۰)۔

جنسی ضرورت

قیدی کو اپنی بیوی سے مجامعت پر قابو دینے کے سلسلہ میں فقہاء کے تین اقوال ہیں:

۱- اگر قید خانہ میں خلوت وتنہائی کی کوئی جگہ ہو تو قیدی کو اپنی بیوی سے وطی کرنے سے نہیں روکا جائے گا، یہ حنابلہ کا مذہب ہے، اکثر حنفیہ کا ظاہر مذہب اور بعض شافعیہ کا بھی یہی

مذہب ہے، ان کا استدلال اس سے ہے کہ جب پیٹ کی خواہش پوری کرنا ممنوع نہیں تو اس شہوت کا بھی یہی حکم ہوگا۔

۲-جنسی تعلق قائم کرنے سے روکا جائے گا، کیوں کہ قید کا مقصد تنگی اور بے چینی پیدا کرنا ہے نہ کہ لذت اندوزی اور عیش کوشی کا موقع فراہم کرنا، یہ مالکیہ کا مذہب اور بعض حنفیہ اور شوافع کا قول ہے، امام ابوحنیفہؒ سے بھی یہی مروی ہے کہ جماع سے منع کیا جائے گا (ملاحظہ ہو: معین الحکام/ ۱۹۸)۔

۳-قیدی کا اپنی بیوی سے وطی اس کے مشروع حقوق میں سے ہے لہذا منع نہیں کیا جائے گا الا یہ کہ قاضی روکنے میں مصلحت سمجھتا ہو، تو محروم کردیا جائے گا، جس طرح دوستوں کے ساتھ گفتگو سے منع کردینا، قید خانہ کے دروازہ پر قفل وغیرہ لگانا قاضی کی رائے پر موقوف ہے، یہ بعض شافعیہ کا قول ہے۔

البحر الرائق میں ہے: "ولا يمنع من الجماع إن احتاج إليه فتدخل امرأته أو جاريته عليه إن كان فيه موضع سترة" (البحر الرائق ۶/ ۲۸۳)۔

(جماع سے نہیں روکا جائے گا، اگر اس کو اس کی ضرورت ہو تو اس کی بیوی یا اس کی باندی اس کے پاس جائے گی اگر وہاں پردہ کی جگہ ہو)۔

کفایہ مع فتح القدیر میں ہے:

"ولو احتاج إلى الجماع دخلت عليه زوجته أو جاريته فيطؤهما حيث لا يطلع عليه أحد لأنه غير ممنوع عن قضاء شهوة البطن فكذا شهوة الفرج، وقيل: الوطء ليس من أصول الحوائج فيجوز أن يمنع بخلاف الطعام" (کفایہ مع فتح القدیر ۶/ ۳۷۶)۔

(اگر اسے جماع کی ضرورت ہو تو اس کی بیوی یا اس کی باندی اس کے پاس جائے گی تو

وہ ان سے ایسی جگہ تعلق قائم کرے گا جہاں کوئی واقف نہ ہو پائے، اس لئے کہ پیٹ کی خواہش ممنوع نہیں ہے تو یہی شرمگاہ کی شہوت کا بھی حکم ہوگا، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وطی چونکہ حوائج اصلیہ میں سے نہیں ہے لہذا منع کرنا جائز ہے برخلاف کھانا کے)۔

قیدی سے کام لینا اور اس کی اجرت

اسلام نے کام پر قدرت کے باوجود سوال کرنے اور مانگنے کو حرام قرار دیا ہے، اس لئے کہ اسلام دوسروں کے حساب اور کام کاج اور کدو کاوش پر طفیلی بن کر زندگی گزارنے کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتا۔

علماء نفس نے ثابت کیا ہے کہ ہر انسان کے پاس محدود طاقت ہے اسی کے دائرہ میں رہ کر وہ اپنے کاموں کو بحسن وخوبی انجام دے سکتا ہے جن کا وہ مکلف ہے، اگر مسلسل کام اور لگاتار کوشش کرے گا تو تھک جائے گا، طاقت فنا ہو جائے گی، اعصاب جواب دے دیں گے، تفکیر کا زمام اس کے ہاتھ سے چھوٹ جائے گا، اور وہ غلطیاں بہت کرنے لگے گا۔

اسی طرح وہ اگر اپنی صلاحیتوں اور طاقتوں سے کام نہ لے تو وہ منجمد اور بے کار ہو جائیں گی، شیخ محمد الغزالیؒ لکھتے ہیں:

"زندگی کوئی منجمد مادہ نہیں ہے، خوش حالی اور رونق ایسی اضافی چیزیں ہیں جن سے زندگی اپنے سفر میں مستغنی نہیں ہوسکتی، جس طرح اونٹ مہارت رکھنے والے حدی خواں کے نغمہ سے بے نیاز نہیں ہوسکتا" (حقوق الانسان ر ۲۵۷)۔

قیدی سے کام لیا جائے یا نہ لیا جائے؟ البحر الرائق میں ہے: "واختلفوا في منعه من الکسب والأصح المنع، کذا في الخلاصة" (البحر الرائق ۶ ر ۲۸۳) (قیدی کو کام سے روکنے میں فقہاء کا اختلاف ہے، صحیح یہ ہے کہ روک دیا جائے، خلاصہ الفتاوی میں

یہی مذکور ہے)۔

''معین الحکام'' میں ہے: ''هل يمنع من الكسب؟ اختلف الشيوخ فيه، والأصح أنه يمنع'' (معین الحکام ۱۹۸۱) (مشائخ کا اس میں اختلاف ہے کہ کسب سے روکا جائے یا نہیں؟ صحیح یہی ہے کہ روکا جائے گا)۔ اگر قیدی کو کام کرنے کی اجازت اور کسب کی آزادی دی جاتی ہے تو وہ قید خانہ کو اپنی دوکان سمجھے گا اور قید کا مقصد فوت ہو جائے گا، اور اگر اس سے کام نہ لیا جائے تو وہ بے کار اور معطل پڑا رہے گا۔

قیدی کو قید خانہ میں کام میں مشغول رکھنے کے بارے میں فقہاء کے تین اقوال ہیں:

۱- کام سے نہیں روکا جائے گا بلکہ اس کا موقع دیا جائے گا، بسبب نفقہ واجبہ اور ادائے دین وغیرہ، یہ شافعیہ اور حنابلہ وغیرہم کا قول ہے اور بعض حنفیہ کا فتوی بھی اسی پر ہے۔

۲- کام سے روکا جائے گا، تاکہ وہ قید کو معمولی نہ سمجھے اور اس کا دل تشویش اور پریشانی میں رہے، ورنہ قید خانہ اس کے لئے دوکان کی طرح ہو جائے گا، یہی حنفی مذہب کا معتمد قول ہے، اور دیگر فقہاء کا بھی یہی قول ہے۔

۳- حاکم کے اجتہاد اور اس کی رائے پر معاملہ چھوڑ دیا جائے گا۔ یہی مرتضی نے کہا ہے۔ یہ رائے عام و خاص مصلحت کے پیش نظر زیادہ فٹ اور مناسب ہے (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/ ۳۲۰)۔

اگر قیدی سے کام لیا جائے تو اس کا خیال ضرور رہے کہ قیدی کے معیار کے مطابق کام ہو اور حد سے زیادہ کام نہ لیا جائے کہ وہ تھکن سے چور چور ہو جائے یا اس کی صحت متاثر ہو جائے، اور وہ کام تذلیل و توہین کے ارادہ سے بھی نہ لیا جائے۔

قیدی کے کام پر اجرت دی جائے یا نہیں؟ اس کی کوئی وضاحت ناچیز کی نظر سے کہیں نہیں گزری، ضابطہ کے اعتبار سے ملنی چاہئے، کیوں کہ وہ اجیر ہے اور اجیر اجرت کا مستحق ہوتا

ہے۔ لیکن اس کے ساتھ وہ اسیر بھی ہے جو وہاں نوکری کرنے نہیں آیا ہے بلکہ سزا کاٹنے کے لئے آیا ہے۔ مناسب یہ ہے کہ حاکم کی رائے اور قید خانہ کے اصول وضوابط اور قیدی کے حالات اور زمانہ کے دستور اور ماحول پر چھوڑ دیا جائے۔

سچی بات اگلوانے کے لئے مار پیٹ اور دھمکی

سچی بنات اگلوانے اور اقرار کرانے کے لئے قیدی کو مارنے پیٹنے کا جواز ہے۔ ایک طویل حدیث میں حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ جنگ بدر کے لئے جاتے ہوئے صحابہ کرامؓ قریش کے اونٹوں کے پاس سے گزرے، وہاں ایک کالا کلوٹا غلام ملا، اسے پکڑ کر ابوسفیان کے بارے میں پوچھا، جب اس نے لاعلمی ظاہر کی اور بتانے سے انکار کیا تو صحابہ نے اسے مارا، جب مارتے تو کہتا مجھے چھوڑ دو بتا رہا ہوں، جب چھوڑ دیتے تو پھر لاعلمی ظاہر کرنے لگتا۔ صحابہ کرام اسے پکڑ کر حضور کے پاس لائے، آپؐ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے اور ان کی باتیں سن رہے تھے، جب آپؐ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: جب یہ سچ کہتا ہے تو تم اسے مارتے ہو اور جب جھوٹ بولتا ہے تو چھوڑ دیتے ہو (عون المعبود، جلد ۷، کتاب الجہاد، باب فی الأسیر ینال منه ویضرب)۔

اس حدیث سے کافر قیدی کو اقرار کرانے کے لئے مارنے کا جواز معلوم ہوتا ہے بشرطیکہ اسے مارنے میں کوئی فائدہ ہو۔ حدیث: "لیّ الواجد یحل عرضه وعقوبته" سے بھی قیدی کو سخت بات کہنا اور سزا دینا جائز معلوم ہوتا ہے (الموسوعۃ الفقہیہ ۶/ ۲۸۵)۔

ملزم اور متہم کو دھمکی دینے کا جواز حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کی حدیث میں مذکور واقعہ سے معلوم ہوتا ہے (ملاحظہ ہو: فتح الباری ۶/ ۱۷۳، باب الجاسوس ۷/ ۶۴۹، باب غزوۃ الفتح ۸/ ۸۰۷، باب لاتتخذوا عدوی)۔

"قاضی شریح تہمت اور بناء شک کا اعتبار کرتے تھے، کچھ لوگوں کے خلاف الزام لگایا

گیا، قاضی شریح نے انہیں دھمکانا شروع کیا، ان لوگوں نے کہا کہ محض تہمت اور شک کی صورت میں بھی گرفت فرماتے ہیں؟ قاضی شریح نے جواب دیا:

"إذا ذهب كبد الجزور فمن يسأل عنه إلا الجاذر"

(اگر مذبوح بکرے کی کلیجی غائب ہو جائے تو قصاب کے علاوہ کس سے اس کے بارے میں پوچھا جائے گا) (اسلامی عدالت/۴۱)۔

اگر کسی واجب کے ترک پر ضرب ہے تو مقدار متعین نہیں ہے، بلکہ ایک دن مارا جائیگا، اگر وہ اس واجب کو کرلے تو ٹھیک ہے ورنہ دوسرے دن بھی مارا جائے گا۔ علامہ ابن تیمیہ امتحان بالضرب کے سلسلہ میں تین اقوال لکھتے ہیں:

۱- قاضی اور والی مارے گا، اشہب قاضی مصر کہتے ہیں: "يمتحن بالسجن والأدب، ويضرب بالسوط مجرداً" (قید و بند اور تادیب کے ذریعہ آزمائش کی جائے گی، اور ننگا کر کے کوڑے سے مارا جائے گا)۔

۲- مارا نہیں جائے گا بلکہ قید کیا جائے گا۔

۳- صرف والی مارے گا، قاضی نہیں۔

حبس اور ضرب کی حالت میں اگر اقرار کرے تو اس اقرار کو قبول کرنے نہ کرنے میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض نے کہا: اگر صدق ظاہر ہو تو ماخوذ ہوگا۔ اور بعض کہتے ہیں: ضرب کے بعد آخری اقرار ضروری ہے، اگر اقرار سے رجوع کرلے تو ماخوذ نہ ہوگا (مجموع فتاوی ابن تیمیہ ۵۳/ ۴۰۰-۴۰۱)۔

زنجیروں وغیرہ میں جکڑنا

قیدیوں کو زنجیروں میں جکڑنے، انہیں ہتھکڑی پہنانے اور انہیں بیڑی ڈالنے کا جواز

ہے، حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے: "عجب الله من قوم یدخلون الجنة فی السلاسل" (فتح الباری ۶/۱۷۵، عون المعبود ۷/۲۴۲-۲۴۳)۔

اس حدیث کے مفاہیم ومطالب سے قطع نظر اس سے قید اور پابند زنجیر کئے جانے کا جواز معلوم ہوتا ہے، لیکن ظاہر ہے ہر مجرم کے لئے اور ہر طرح کے جرم میں اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی ہے، جس طرح سزائے قید ہر جرم میں مجرم کو نہیں دی جاسکتی ہے۔

قید بسبب تہمت

قید بسبب تہمت کی مشروعیت پر استدلال آیت کریمہ "تحبسونهما من بعد الصلاة" سے کیا گیا ہے، اور اس حدیث سے جس میں مذکور ہے کہ حضور ﷺ نے ایک غفاری شخص کو دو اونٹ کی چوری کی تہمت میں قید کیا پھر چھوڑ دیا، ابو داؤد اور ترمذی کی ایک حدیث میں ہے کہ تہمت کی وجہ سے آپ ﷺ نے ایک آدمی کو قید کیا۔ جس بسبب تہمت کا جواز اور مشروعیت جمہور فقہاء کے نزدیک ہے اور انہوں نے اسے سیاست عادلہ میں شمار کیا ہے، بشرطیکہ تہمت کی تائید کسی قوی قرینہ سے ہو جائے یا متہم پر شک کی علامات ظاہر ہو جائیں یا وہ فجور میں معروف ہو (الموسوعة الفقہیہ ۱۶/ ۲۹۲)۔

متہم کی قسمیں

علامہ ابن تیمیہؒ نے اپنے فتاوی میں متہم کی تین قسمیں لکھی ہیں:

۱- نیک آدمی ہوگا، اور اس پر جو تہمت لگائی گئی ہے اس کا اہل نہ ہوگا۔

۲- تہمت کا مستحق اور فاجر لوگوں میں ہوگا۔

۳- مجہول الحال ہوگا، اور حاکم کو اس کی حالت کا علم نہ ہوگا۔

اگر نیک ہے تو بالاتفاق اسے سزا دینا جائز نہیں، متہم کو سزا دینے میں اختلاف ہے، اگر

کسی عادل شخص کے ہاتھ میں مال مسروق موجود ہو اور وہ کہتا ہو کہ میں نے اسے بازار سے خریدا ہے، مجھے بیچنے والے کا علم نہیں، تو اس پر بالاتفاق سزا نہیں ہے۔

دوسری قسم کے متہم کو بالاتفاق قید کیا جائے گا، اور اگر متہم مجہول الحال ہو تو انکشاف حال کے لئے عام علماء اسلام کے نزدیک اسے قید کیا جائے گا، اور اکثر ائمہ کے یہاں صراحت ہے کہ اسے قاضی اور والی قید کرے گا۔ استدلال حضرت بہز بن حکیم کی روایت "أن النبی ﷺ حبس فی تھمة" (ابوداؤد) اور حضرت ابوہریرہؓ کی روایت "أن النبی ﷺ حبس فی تھمة یوماً ولیلةً" سے ہے، اور ائمہ کے درمیان یہ متفق علیہ اصول ہے کہ جب مدعی، مدعا علیہ کے حاضر کئے جانے کا مطالبہ کرے جس کا حاضر کیا جانا ضروری ہو تو حاکم پر فیصلہ کی مجلس میں اسے حاضر کرنا واجب ہے تاکہ وہ ان دونوں کے درمیان فیصلہ کرسکے۔ اس صورت میں مطلوب محبوس ہے اور جس وقت طلب کیا گیا ہے اس وقت سے لے کر فیصلہ تک روک دیا گیا ہے، اور یہ حبس کسی تہمت کے بغیر ہے تو تہمت میں حبس بدرجہ اولی ہوگا (مجموع فتاوی ابن تیمیہ ۳۵/۳۹۶)۔

البتہ تہمت میں مقدار حبس کے اندر اختلاف ہے کہ اس کی کوئی حد متعین ہے یا اس کا مدار امام کے اجتہاد پر ہے، ابوعبداللہ زبیری کا کہنا ہے کہ ایک ماہ ہے جب کہ ماوردی کا اختیار کردہ قول ہے کہ غیر متعین ہے (مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: الاحکام السلطانیہ/۲۲۰)۔

متہم کو ضرب اور دھمکی

متہم کو ترک واجب یا فعل حرام پر مارنے کی اصل صحیح میں مذکور حدیث ہے جو حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے، اس میں بیان ہوا ہے کہ حضور ﷺ نے اہل خیبر سے سونے چاندی پر مصالحت کی، حیی بن اخطب کے چچا زید بن سعید سے پوچھا کہ حیی بن اخطب کا خزانہ کہاں ہے؟ جب وہ بتانے سے کترایا تو آپ ؐ نے حضرت زبیرؓ کو اسے پکڑنے کا حکم دیا، حضرت زبیرؓ نے

پکڑ کر کچھ سزا دی تب جا کر اصل بات ظاہر کی۔

دھمکی دینے کا جواز اس حدیث میں ہے جس میں حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کا ایک عورت کے ذریعہ حضور کے کچھ راز لکھ کر اہل مکہ کے پاس بھیجنے کا واقعہ ہے، اور یہ مذکور ہے کہ چند صحابہ کرامؓ نے اس عورت کو حضور کی نشاندہی کے مطابق پکڑ لیا، خط مانگنے پر جب اس نے انکار کیا تو انہوں نے ننگا کرنے کی دھمکی دی تب جا کر اس نے خط دیا (ملاحظہ ہو: فتح الباری ۶/ ۱۷۳)۔

حضرت قاضی شریح کا تہمت کی بنا پر متہم کو دھمکانے کا واقعہ پیچھے گزر چکا ہے (ملاحظہ ہو: اسلامی عدالت ۴۱)۔

قیدی خواتین اور ان کے شیر خوار بچے

قیدی خواتین کے شیر خوار بچوں کو ان کے ساتھ رکھا جائے گا، ماؤں کو انہیں اپنے ساتھ رکھنے کا حق حاصل ہے، دونوں کے درمیان تفریق جائز نہیں۔ ابوداؤد شریف کی ایک حدیث جو "باب فی التفریق بین السبی" کے تحت آئی ہے اس سے تفریق کی ممانعت معلوم ہوتی ہے، وہ حدیث یہ ہے:

"عن میمون بن ابی شبیب عن علی أنه فرق بین جاریة وولدها فنهاه النبی ﷺ عن ذلک ورد البیع" (عون المعبود ۷/ ۲۵۹)۔

(حضرت علیؓ نے ایک باندی اور اس کے بچے کے درمیان (بیع میں) تفریق کردی، حضور ﷺ نے انہیں اس سے منع کیا اور بیع رد کردی)۔

اس حدیث کی شرح میں علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں:

اہل علم کا چھوٹے بچے اور اس کی ماں کے مابین تفریق کے عدم جواز میں کوئی اختلاف نہیں ہے، ہاں! اختلاف صغیر اور کبیر کی تعریف میں ہے کہ کبیر کے ساتھ تفریق ہوسکتی ہے اور صغیر

کے ساتھ نہیں۔

امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا کہنا ہے، صغیر کبیر کی حد بلوغ ہے۔ امام شافعی کہتے ہیں سات یا آٹھ سال سے کم ہو تو صغیر ہے اور جب اس عمر کو پہنچ جائے تو کبیر ہے، امام اوزاعی کہتے ہیں: جب بچہ اپنی ماں سے مستغنی ہو جائے تو صغیر سے نکل گیا، کبیر ہو گیا۔

امام مالکؒ کہتے ہیں: جب باشعور ہو جائے تو کبیر ہے۔ اور امام احمد بن حنبلؒ کا قول ہے کہ کسی بھی صورت میں دونوں کے درمیان تفریق نہیں ہو سکتی اگر چہ لڑکا بڑا اور بالغ ہو جائے۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دو بھائیوں کے درمیان تفریق جائز نہیں جب کہ ان میں ایک چھوٹا اور دوسرا بڑا ہو، اگر دونوں چھوٹے ہوں تو جائز ہے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: عون المعبود ۷/ ۲۵۹-۲۶۰)۔

خلاصہ بحث

اس مختصر سے مقالہ میں متعین موضوع پر ناچیز راقم السطور جس نتیجہ اور رائے تک پہنچا ہے اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

☆ اسلامی عقوبات میں وضعی قوانین کی طرح قید اول اور آخر سزا نہیں ہے بلکہ بعض مجرمین کو بعض جرائم میں قید کی سزا بھی دی جا سکتی ہے۔

☆ قید کی سزا دینے میں یہ خیال رہے کہ اگر یہ سزا مجرم کو جرم سے باز رکھنے میں مفید اور مناسب ہو تو قید کیا جائے گا ورنہ اس کے علاوہ کوئی دوسری سزا دی جائے گی۔

☆ قیدی کو ایسی سزائیں نہیں دی جا سکتی ہیں جن میں اس کی اصلاح وتادیب کا سامان نہ ہو بلکہ وہ حشیانہ ہو اور اس کی صرف ذلت ورسوائی، تذلیل وتوہین، اور جسم یا اس کے کسی عضو کا نقصان ہو۔

ا- کسی ملزم کو اس کے جرم کا ثبوت فراہم ہوئے بغیر بطور احتیاط کم از کم ایک دن اور ایک رات قید کیا جاسکتا ہے، اس سے زیادہ حاکم کی صوابدید پر ہے۔

۲- قیدیوں کو مندرجہ ذیل حقوق حاصل ہوں گے:

الف- مذہبی امور، عبادت، مذہبی کتابوں کا مطالعہ، دوسرے قیدیوں کے درمیان دعوت دین، وہ جس مذہب پر عقیدہ رکھتا ہے اس مذہب کی مقدس شخصیتوں اور کتابوں وغیرہ کی بے احترامی سے گریز کیا جائے گا: البتہ مذہبی تعلیمات کے مطابق غذا فراہم کرنا اس کے حقوق میں نہیں، بلکہ صاف ستھری غذا قید خانہ کا ذمہ دار اپنی سہولت کے اعتبار سے مہیا کرے گا۔

ب- جسمانی ضروریات: مناسب غذا، صاف پانی، علاج، حفظان صحت کے لئے قید خانہ کے اندر رہتے ہوئے ورزش وتفریح کا حق حاصل ہوگا، اگر قید خانہ میں خلوت کی جگہ ہو تو بیوی سے تعلق قائم کرنے کی اجازت دی جاسکتی ہے۔لیکن ازراہ مصلحت حاکم منع بھی کرسکتا ہے۔کسی تنگ وتاریک جگہ میں قید کرنا جہاں کھڑا ہونا یا پاؤں پھیلا کر لیٹنا یا دیوار کے باہر کسی چیز کا دیکھنا ممکن نہ ہو، جائز نہیں۔

ج- عام سماجی حقوق: اخبارات پڑھنے، ریڈیو سننے اور فون پر گفتگو کی اجازت حاکم اور ذمہ دار کی رائے اور مصلحت پر موقوف ہے، البتہ اعزہ واقارب سے قید خانہ میں ملنے کا حق دیا جائے گا، لیکن زیادہ دیر تک یہ لوگ نہیں ٹھہریں گے۔ دوسرے قیدیوں سے ملاقات اگر خلاف مصلحت نہ ہو تو اجازت ہوگی، ورنہ پابندی لگادی جائے گی، تعلیم اور ہنر سیکھنے کا مدار افسر اور حاکم کی رائے پر ہے۔

د- اخلاقی امور: مردوں اور عورتوں کے قید خانے الگ ہوں گے، اور اسی طرح بالغوں اور نابالغوں کو بھی علاحدہ رکھا جائے گا۔

۳- قیدیوں سے سچی بات اگلوانے کے لئے دھمکی کی اجازت ہے لیکن اس کی کوئی حد

متعین نہیں ہے، البتہ ظلم وزیادتی سے گریز کیا جائے گا، اس مقصد سے مارا بھی جا سکتا ہے۔
مندرجہ ذیل سزائیں نہیں دی جاسکتی ہیں، ناجائز ہیں۔

(الف) قیدیوں کو بے لباس اور ننگا کرنا۔(ب) الکٹرک شاٹ لگانا۔(ج) جانور، مثلاً درندہ، کتا یا سانپ اور بچھو وغیرہ چھوڑنا۔(د) سخت ٹھنڈک میں برف کی سلوں پر ڈال دینا وغیرہ۔(ھ) انہیں مسلسل جگے رہنے پر مجبور کرنا اور اس کے لئے جائے رہائش پر تیز روشنی یا تیز آواز کا انتظام کرنا۔

۴- قیدیوں کو زنجیروں میں جکڑا جاسکتا ہے۔ انہیں ہتھکڑی پہنائی اور بیڑی ڈالی جا سکتی ہے۔ بشرطیکہ اتنا نہ کسا جائے جو اذیت ناک ہو یا اس سے جسم پر گہرے نشانات پڑ جائیں یا کھال کٹ جائے اور ہڈی ٹوٹ جائے۔

۵- کسی مجرم کو اس کے خصوصی جرم کے پس منظر میں قید تنہائی دی جاسکتی ہے۔

۶- جیل میں قیدی سے اس کے معیار کے اعتبار سے کام لیا جاسکتا ہے، یا بطور سزا کوئی کام اسے دیا جاسکتا ہے، اس کی اجرت بشرطیکہ کام بطور سزا نہ ہو، قید خانہ کے قانون، اور عرف درواج پر موقوف ہوگی، کام لینے میں اس کا خیال رہے کہ حد سے زیادہ اس پر بار نہ ڈالا جائے، اگر قیدی لکھنا پڑھنا جانتا ہے تو اس سے تعلیم دینے کا کام بھی لیا جاسکتا ہے۔

۷- جن قیدیوں کا مقدمہ زیر سماعت ہے اور جن کے بارے میں سزائے قید کا فیصلہ ہو چکا ہے، ان دونوں کے قید خانے علاحدہ ہوں گے، اور سلوک کے اعتبار سے دونوں میں فرق کیا جائے گا۔

۸- زیر سماعت قیدیوں کو فیصلے سے پہلے اتنے دنوں تک قید میں نہیں رکھا جاسکتا ہے جو ان کے اوپر عائد فرد جرم کی اصل سزا ہے۔

۹- اگر ملزم کو قید کیا گیا ہو اور بعد کی عدالت نے اسے بری قرار دیا تو وہ زمانہ قید میں

ہونے والی ذہنی اذیت اور مالی ہرجانہ کا مطالبہ اسی صورت میں کرسکتا ہے جب کہ وہ مجہول الحال نہ ہو، لیکن اگر وہ فاجر اور بد ہے تو مطالبہ نہیں کرسکتا، کیوں کہ اچھوں کی صحبت اختیار کرنا، بروں کی صحبت سے گریز کرنا اور اپنے آپ کو تہمت سے بچانا واجب ہے۔

۱۰- قیدی کو اپنے مقدمات میں وکیل سے رابطہ، اہل تعلق سے مشورہ، اور گواہان پیش کرنے اور صفائی دینے کا حق حاصل ہوگا۔

۱۱- خواتین قیدیوں کو اپنے ساتھ شیر خوار بچوں کو جیل میں رکھنے کا حق حاصل ہوگا، ماں اور بچے میں تفریق جائز نہیں۔

هذا ما عندی، والله أعلم بالصواب۔

قیدیوں کے حقوق اور ان کے مسائل

مولانا شاہ محمد تفضل علی جلال آبادی ☆

الحمدللہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وعلیٰ اٰلہ واصحابہ اجمعین۔ امابعد!

اصل سوالات کے جوابات سے پہلے قید اور سزائے قید کے متعلق چند بنیادی باتیں بطور تمہید عرض کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

(الف) اسلامی نظام قانون میں سزاؤں میں سے بلاشبہ سزائے قید کا تصور بھی ہے جو بنیادی طور پر تعزیری سزاؤں میں سے ہے اور بطور تعزیر شرعاً جائز بھی ہے۔

لیکن چونکہ اسلام میں تعزیری سزاؤں کے نفاذ کا مقصد مجرموں کی اصلاح وتربیت ہے اور اصلاح وتربیت میں "قید" کی بجائے دوسری تعزیری سزائیں زیادہ مؤثر ہیں، اس لئے سزاؤں میں "قید" کو ثانوی حیثیت حاصل ہے یعنی اسلام میں اصل یہ ہے کہ مجرم کو دوسری تعزیری سزائیں دی جائیں، لیکن اگر کہیں ضرورت ہو اور حاکم کی رائے میں کسی خاص مجرم کے لئے اس کے حالات کے پیش نظر قید زیادہ اصلح ہو تو اس صورت میں حاکم مجرم پر قید کی سزا نافذ کر سکتا ہے مثلاً کسی پر کوئی حق ہے، اور وہ استطاعت کے باوجود اس حق کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرتا ہے، تو صاحب حق کے مطالبہ پر حاکم اس کو جیل میں ڈال سکتا ہے، تاکہ وہ حق کی ادائیگی

☆ دارالافتاء جامعہ دارالعلوم کراچی۔

کرے۔

اسی طرح اگر کوئی مجرم اتنا خطرناک ہے کہ قید کے علاوہ دیگر سزاؤں سے نہ اس کی اصلاح متوقع ہے، اور نہ اس کے شر سے لوگ محفوظ ہوسکتے ہیں، تو اس صورت میں اس مجرم کو حاکم قید میں ڈال سکتا ہے، ورنہ عام حالات میں حاکم کوئی نقد سزا دیکر مجرم کو فارغ کردے، اور کسی کو حتی الامکان جیل میں نہ ڈالا جائے، تاکہ مجرم کے قید کے باعث اس کا خاندان کم سے کم متاثر ہو اور ایک شخص کی سزا کی وجہ سے کئی بے گناہ لوگوں کو سزا نہ ملے، کیونکہ قید کے نتیجے میں لازمی طور پر قیدی کے زیر کفالت افراد متاثر ہوجاتے ہیں، اس کا کاروبار بند ہوجاتا ہے، زمینیں بنجر ہوجاتی ہیں، بیوی کی آبرو خطرہ میں پڑجاتی ہے۔ بچے اخلاقی طور پر بگڑ جاتے ہیں، وغیرہ، نیز جیل خانہ میں قیدیوں کے زیادہ ہونے کی وجہ سے قیدیوں کو ایک دوسرے سے جرائم کے ارتکاب میں تجربہ حاصل کرنے کا موقع مل جاتا ہے اور بجائے اصلاح کے (جو سزا کا مقصد ہے) اس کے فساد میں اور اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

قال في الهداية:

"قال(وإن رأى الامام أن يضم الى الضرب في التعزير الحبس فعل) لأنه صلح تعزيرا وقد ورد الشرع به في الجملة حتى جاز أن يكتفى به فجاز أن يضم اليه، ولهذا لم يشرع في التعزير بالتهمة قبل ثبوته كما شرع في الحد لأنه من التعزير. (هدایہ مع فتح القدیر، ج۵ر ص۱۱۷، وفی حاشیہ ابن عابدین۔ (ج ر ص ۰۰)۔

"قوله: (إذا احتيج لزيادة تأديب) وذلک بأن يرى أن أكثر الضرب في التعزير وهو تسعة وثلاثون لايترجزبها، أو هو في شک من انزجاره بها يضم إليه الحبس، لأن الحبس صلح تعزيرا بانفراده، حتى لورأى أن لايضربه ويحبسه أياما عقوبة فعل. (وفی التشریع الجنائی ج ۱ ص ۹۵)۔

"أمافی الشریعة الاسلامیة فعقوبة الحبس لیست إلاعقوبة ثانویة لایعاقب بها إلا علی الجرائم البسیطة وهي عقوبة اختیاریة للقاضی" (مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو عبارات نمبر ۱ تا ۵)

(ب) اسلام کی رو سے سزائے قید کی اصل حقیقت یہ ہے کہ مجرم کی آزادی اور حریت پر قدغن لگا کر اسے ایسی جگہ رہنے کا پابند کر دینا، جہاں کوئی آرام دہ فرش یا بستر کا انتظام نہ ہو، اور خاص حالت وضرورت کے سوا وہاں سے باہر نکلنے پر پابندی ہو۔ البتہ سزائے قید چونکہ تعزیری سزا ہے، اور تعزیری سزا میں قاضی جرم کی نوعیت، مجرم کے ظروف واحوال، مقدمہ کے خصوصی حالات، زمان اور مکان وغیرہ کو پیش نظر رکھ کر کمی وزیادتی کا صوابدیدی اختیار رکھتا ہے، اس لئے مجرم کی اصلاح وتربیت، اور اس کی سرکوبی وتنبیہ کی غرض سے یا کسی متہم ومشکوک فرد سے سچ بات اگلوانے کی غرض سے اگر قاضی ضرورت محسوس کرے تو اعتدال کا پہلو مدنظر رکھتے ہوئے (تعزیر۔عقوبت میں بغرض تکمیل سزا اور تعزیر تادیب میں بغرض ادب) بعض صورتوں میں (جس کی تفصیل آگے آرہی ہے) "قید" کے ساتھ ساتھ قیدی کو قدرے جسمانی سزا بھی دے سکتا ہے، نیز اصلاح وتنبیہ کی غرض سے سزا کا کوئی دوسرا مناسب طریقہ بھی اپنا سکتا ہے جو مجرم کی دل شکنی اور زجر وتنبیہ پر مشتمل ہو اور مجرم کی اصلاح میں یا متہم ومشکوک فرد سے سچ بات اگلوانے میں معاون ہو، کیونکہ تعزیرات کا مقصد یہی ہے کہ مجرم کی اصلاح ہو اور وہ ارتکاب جرم سے تائب ہو جائے، یا متہم وملزم حقیقتِ حال کو ظاہر کر دے، یہ مقاصد سزائے قید کی تمام انواع واقسام میں مطلوب ہیں، چاہے وہ محدود مدت کی سزا ہو یا غیر محدود مدت کی سزا ہو۔

لیکن یہ بات ملحوظ رکھنا بہت ضروری ہے کہ قیدیوں کو ان کے جرائم کے اعتبار سے سزا کی تعیین اور سزا کے نفاذ دونوں میں اعتدال کا پہلو سامنے رکھا جائے یعنی قانونی طور پر مقررہ سزا دینے میں حد سے تجاوز نہ کیا جائے جس کی وجہ سے قیدی کو غیر معمولی ضرر لاحق ہو، اور نہ کوئی ایسی

سزا دی جائے جو حدِ شرعی کو پہنچ جائے۔ (مزید تفصیل تیسرے سوال کے جواب میں ملاحظہ ہو: فی الدر المختار ج ۵ رص ۷۷ ۳)۔

"(صفة أن يكون بموضع ليس به فراش ولاوطاء) ليضجر فيوفي. ومفاده أنه لوجئ له به منع منه (ولا يمكن أحد أن يدخل عليه للاستئناس إلا أقاربه وجيرانه) لاحتياجه للمشاورة (الى قوله)......... (ولا يقام بين يدى صاحب الحق إهانة)" (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: وفی البحر الرائق: ج ۵ ص ۲)۔

(ج) قرآن وحدیث کی تعلیمات سے ادنیٰ آگاہی رکھنے والے حضرات پر بھی یہ بات ہرگز مخفی نہیں کہ اسلام کا منشور حقوق صرف انسانوں کے حقوق تک ہی محدود نہیں بلکہ یہ منشور حیوانات اور بے جان چیزوں کے حقوق کے تحفظ پر بھی مشتمل ہے، اور یہ کہ اسلام کا منشور حقوق اور ان حقوق وفرائض کی ادائیگی میں عدل وانصاف کے ترازو کو مضبوطی سے تھامے رکھنے کا تاکیدی حکم صرف اپنوں کے حقوق کی ادائیگی تک ہی محدود نہیں بلکہ اس معاملہ میں اپنوں اور بیگانوں، دوستوں اور دشمنوں کے درمیان کوئی فرق وامتیازی سلوک کو نہ صرف روا نہیں رکھا گیا، بلکہ بلا امتیاز دوست ودشمن، مسلم وغیر مسلم سب کے حقوق کا تحفظ اور حقوق وفرائض کی ادائیگی میں سب کے ساتھ عدل وانصاف کو برقرار رکھنے کا حکم اس منشور کا لازمی حصہ ہے۔

چنانچہ حقوق اور حقوق کی ادائیگی میں عدل وانصاف کو برقرار رکھنے کے متعلق قرآنی آیات اور احادیث رسول کا مطالعہ کرنے والا خود مشاہدہ کرسکتا ہے کہ اللہ رب العالمین نے حقوق انسان کا جو منشور قرآن کریم میں دیا اور جس کی تشریح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وقتاً فوقتاً اپنے ارشاداتِ گرامی میں فرمائی، نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "حجۃ الوداع" کے موقع پر اپنے مشہور خطبہ میں حقوق کی جو فہرست جاری فرمائی، ان کے الفاظ اس قدر عالمگیر ہیں کہ ان کا ہر ہر لفظ پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ اے اسلام کے پیروکارو! تم پر بلا امتیاز تمام اہل حقوق

کے جملہ حقوق کی ادائیگی واجب ہے، نیز حقوق وفرائض کی ادائیگی میں بھی بلاامتیاز دوست ودشمن عدل وانصاف کا پہلو مدِ نظر رکھنا لازم ہے۔ مثال کے طور پر قرآن کریم میں حقوق کی ادائیگی اور فیصلہ کرتے وقت عدل وانصاف کو برقرار رکھنے کا تاکیدی حکم اللہ تعالیٰ ان الفاظ میں دیتے ہیں:

"إن الله يأمركم أن تؤدوا الأمٰنٰتِ إلى أهلها وإذا حكمتم بين الناس أن تحكموا بالعدل"

ترجمہ: بیشک تم کو اللہ تعالیٰ اس بات کا حکم دیتے ہیں کہ اہل حقوق کو ان کے حقوق (جو تمہارے ذمہ ہیں) پہنچا دیا کرو اور (تم کو) یہ (بھی حکم دیتے ہیں) کہ جب (محکوم) لوگوں کا فیصلہ کرنے لگو تو فیصلہ کرو انصاف سے"

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "الامانات" کے اندر حقوق اللہ سمیت تمام مخلوقات کے جن جن حقوق کی ادائیگی انسان پر واجب ہے وہ سب آگئے، اور اللہ تعالیٰ ان کی ادائیگی کا انہیں حکم دیتے ہیں، سو جو کوئی اس دنیا میں ان حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کریگا، آخرت میں اس کا مؤاخذہ ہوگا......۔ (فی تفسیر ابن کثیر۔ (ج ۲ رص ۳۳۸)

"وهذا يعم جميع الأمانات الواجبة على الإنسان، من حقوق الله، عزوجل، على عباده...... ومن حقوق العباد بعضهم على بعض...... فأمر الله، عزوجل، بأدائها، فمن لم يفعل ذلك في الدنيا أخذ منه ذلك يوم القيامة، كما ثبت في الحديث الصحيح أن رسول اللله صلى الله عليه وسلم قال: لتؤدن الحقوق إلى أهلها، حتى يقتص للشاة الجماء من القرناء"

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ العزیز اپنی شہرۂ آفاق تفسیر "معارف القرآن" میں آیت "وإذا حكمتم بين النّاس أن تحكموا

بالعدل" کی تفسیر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"اس جملہ میں حق تعالیٰ نے "بین الناس" فرمایا "بین المسلمین" یا بین المؤمنین نہیں فرمایا، اس میں اشارہ فرمایا کہ مقدمات کے فیصلوں میں سب انسان مساوی ہیں، مسلم ہوں یا غیر مسلم، اور دوست ہوں یا دشمن، اپنے ہم وطن، ہم رنگ، ہم زبان ہوں یا غیر، فیصلہ کرنے والوں کا فرض ہے کہ ان سب تعلقات سے الگ ہوکر جو بھی حق وانصاف کا تقاضا ہو وہ فیصلہ کریں" (معارف القرآن: ج ۲ ص ۸)۔

نیز قرآن کریم اپنے پیروکاروں کو یہ تاکیدی حکم بھی دیتا ہے کہ عدل وانصاف کے معاملہ میں اپنے نفس اور والدین اور عزیزوں کی بھی پرواہ نہ کرو (**کونوا قوّامین بالقسط شهداء لله ولو على أنفسكم أو الوالدين والأقربين**) یعنی عدل وانصاف پر قائم رہو، چاہے وہ عدل وانصاف کا حکم خود تمہاری ذات، یا تمہارے والدین، اور عزیزوں اور دوستوں کے خلاف پڑے۔ سورۂ مائدہ آیت نمبر ۸ میں مزید تاکید ان الفاظ میں مذکور ہے (**کونوا قوّامین بالقسط شهداء لله ولایجرمنكم شنآن قوم على ألا تعدلوا اعدلوا**) یعنی کسی قوم کی عداوت ودشمنی تمہیں اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم عدل وانصاف کے خلاف کرنے لگو، ہر معاملہ میں ضرور عدل کیا کرو۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ العزیز "معارف القرآن" میں آیت "**کونوا قوّا مین لله شهدآء بالقسط ولا یجرمنكم شنان قوم على ألا تعدلوا اعدِلواْ**" کی تفسیر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"خلاصہ یہ ہے کہ سورہ نسائی اور مائدہ کی دونوں آیتوں میں دو چیزوں کی طرف ہدایت ہے ایک یہ کہ خواہ معاملہ دوستوں سے ہو یا دشمنوں سے عدل وانصاف کے حکم پر قائم رہو۔ نہ کسی تعلق کی رعایت سے اس میں کمزوری آنی چاہئے اور نہ کسی دشمنی وعداوت سے، دوسری ہدایت

ان دونوں آیتوں میں اسکی بھی ہے کہ سچی شہادت اور حق بات کے بیان کرنے سے پہلوتہی نہ کی جائے، تاکہ فیصلہ کرنے والوں کو صحیح فیصلہ کرنے میں دشواری پیش نہ آئے۔''

الغرض حقوق انسانی کی اسلامی منشور نہ صرف ہر طبقوں اور ہر اقوام کے حقوق کا محافظ ہے کہ اس میں اگر ایک طرف بادشاہوں اور حکمران طبقوں کے حقوق پر مشتمل نکات موجود ہیں، طاقتور اور فاتح قوموں کے حقوق اسمیں متعین ہیں، شریف اور آزاد شہریوں کے حقوق اسمیں مذکور ہیں، تو دوسری طرف اس میں رعایا اور محکوم طبقوں کے حقوق بھی واضح طور پر متعین ہیں، کمزوروں اور مفتوح اقوام کے حقوق پر مشتمل نکات بھی اس منشور کا لازمی حصہ ہیں، مجرموں اور قیدیوں کے حقوق کو بھی اس منشور میں واضح الفاظ میں بیان کیا گیا ہے، بلکہ اس منشور حقوق کے نکات کی وسعت اور خوبیاں ایسی بے نظیر ہیں کہ دنیا انکی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے، مثلا مجرموں اور قیدیوں کے حقوق ہی کو لے لیجئے کہ حقوق انسانی کا اسلامی منشور مجرموں کو سزا دینے میں بھی اعتدال کو مدنظر رکھنے اور عدل وانصاف کے اصولوں پر کاربند رہنے کا اپنے پیروکاروں کو پابند بناتا ہے، اور قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین کرتا ہے، حتیٰ کہ اسلام اپنے پیروکاروں کو اس دشمن قیدی سے بھی حسن سلوک کی تاکید کرتا ہے جو میدان جنگ میں مسلمانوں کی جان کا درپے تھا، لیکن گرفتار ہوکر مسلمانوں کے قید میں آ گیا۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''تم قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک اور خیر خواہی کا معاملہ کرو'' (إن رسول الله حين أقبل بالأسارى فرقهم بين أصحابه وقال استوصوا بالأسارى خير) کیا موجودہ مہذب دنیا جو حقوق انسانی اور انسان کے بنیادی حقوق کے علمبردار ہونے کا دعویٰ کرتی ہے، ایسی نظیر پیش کرسکتی ہے؟؟؟

قال في الأحكام في حقوق الانسان: ص ۵۹۹ ''لقد أوصى الإسلام بالأسرى خيرا وأوصى رسول الله صلى الله عليه وسلم بأسرى بدرحتى كان

المسلم يقدم أفضل طعامه وشرابه للأسير تنفيذا لوصية رسول الله صلى الله عليه وسلم حيث قال: استوصوا بالأسارى خيرا (مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہوں عبارات نمبر ۱۲ تا ۱۵)۔

(۱) جیسا کہ تمہیدی باتوں میں تفصیل کے ساتھ عرض کیا جاچکا ہے کہ سزائے قید بنیادی طور پر تعزیری سزاؤں میں سے ہے، لھٰذا اصل تو یہی ہے کہ بطور سزا کسی شخص کو قید کرنے کیلئے صرف اس قدر بات کافی نہیں کہ اس پر ارتکابِ جرم کا محض الزام ہے، بلکہ کسی کو بطور سزا قید کرنے کیلئے شرعاً ضروری ہے کہ شرعی ثبوت کے ذریعہ ارتکابِ جرم کا الزام اس پر ثابت ہو، لیکن چونکہ شریعت نے قاضی کو یہ اختیار بھی دیا ہے کہ مصلحتِ عامہ کے خاطر اگر قاضی کسی شخص کو قید کرنے میں مصلحت سمجھے تو جرم کا ثبوت فراہم ہوئے بغیر بھی قید کرسکتا ہے، مثلاً تفتیش کی غرض سے اگر کسی کو قید کرنا قاضی کی نظر میں مناسب ہو یا وہ لوگ جو کسی جرم کے ارتکاب میں متہم یا مشہور ہوں، لیکن انکے خلاف جرم ثابت نہ ہوسکا ہو یا ایسے عادی مجرم جن پر سزائے حد نا کافی ثبوت کی وجہ سے ثابت نہ ہو، یا جو لوگ شر و فساد برپا کرنے کے سلسلہ میں معروف ہوں، مگر واردات میں شامل رہتے ہوئے قابو نہ پایا گیا ہو تو شریعت کی رو سے قاضی ایسے لوگوں کو بطور تعزیر یا تادیب قید میں ڈال سکتا ہے، اور اس وقت تک قید میں رکھ سکتا ہے کہ جب تک ان سے توبہ کا اظہار یا انکے طرز عمل میں توبہ و اصلاح کی علامات و نشانیاں ظاہر نہ ہو جائیں یا مقصد حاصل نہ ہو جائے۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگر بطور احتیاط یا کسی اور مصلحت کے خاطر قاضی کسی کو قید کرنا مناسب یا ضروری سمجھے تو جرم کا ثبوت فراہم ہوئے بغیر بھی قید کرسکتا ہے، اس صورت میں کسی خاص مدت کا پابند کئے بغیر حصول مقصد تک اسے قید میں رکھے، کسی خاص مدت کی تعیین پہلے سے نہ کرے کیونکہ اشخاص کے ظروف اور حالات کے فرق سے ظہور توبہ کی مدت کم و زیادہ ہوسکتی ہے، اس لئے مدت کی تعیین غیر مفید اور غیر مؤثر ہے، کیونکہ پہلے سے جج کو یہ معلوم نہیں

ہوسکتا کہ مجرم کی اصلاح میں یا مقصد کے حصول میں کس قدر مدت درکار ہوگی، اس لئے پہلے سے مدت متعین کر دینے کی صورت میں ہوسکتا ہے کہ وہ مدت کافی نہ ہو اور مجرم بدون اصلاح جیل سے باہر آ جائے، اور کبھی یہ بھی ہوسکتا ہے اسکی اصلاح ہوچکی ہو لیکن وہ صرف متعین مدت پوری کرنے کے خاطر جیل میں پڑا رہے، اور یہ دونوں صورتیں عدل کے خلاف ہیں (فی سنن الترمذی: تحت باب ماجاء فی الحبس فی التھمۃ)۔

"حدثنا ابراهيم بن موسى الرازى أخبرنا عبدالرزاق عن معمر عن بهزبن حكيم عن أبيه عن جده أن النبيّ صلى الله عليه وسلم حبس رجلا فى تهمة ثم خلى عنه' (رقم الحدیث ۱۴۱۷ وفی تحفۃ الأحوذی ج ۴ رص ۵۲)۔

"قوله: (حبس رجلا فى تهمة) أى فى أداء شهادة بأن كذب فيهاأو ادعى عليه رجل ذنبا أو دينا فحبسه صلى الله عليه وسلم ليعلم صدق الدعوى بالبينة ثم لمالم يقم البينة خلى عنه(ثم خلى عنه) أى تركه عن الحبس بأن أخرجه منه والمعنى خلى سبيله عنه يدل على أن الحبس من أحكام الشرع. كذا فى المرقاةوقال فى اللمعات: فيه أن حبس المدعى عليه مشروع قبل أن تقام البنة انتهى." (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: وفی حاشیۃ رد المحتار ج ۴ رص ۶۶، وفی منحۃ الخالق: ج ۵ رص ۴۲۱، وفی التشریع الجنائی: ج ۱ ص ۲۹۷، وفی البحر الرائق شرح کنز الدقائق: ج ۵ رص ۴۲)۔

(۲) تمہیدی باتوں میں یہ تفصیل آچکی ہے کہ اسلام کی رو سے سزائے قید کی اصل حقیقت صرف اس قدر ہے کہ ملزم یا مجرم کی آزادی اور حریت پر قدغن لگا کر اسے مقررہ جگہ پر رہنے کا پابند کر دینا اور خاص حالت وضرورت کے سوا وہاں سے باہر نکلنے پر پابندی ہونا، لہٰذا حق آزادی پر قدغن کے سوا قیدیوں کو باقی تمام بنیادی حقوق حاصل ہوں گے جو حوائج اصلیہ اور زندگی کی بنیادی ضروریات میں سے ہیں اور قید خانہ میں بہم پہنچانا ممکن ہے مثلاً، انہیں مناسب

خوراک، موسم کے مطابق لباس، جیل کی صفائی اور روشنی وغیرہ مہیا کی جائیں، نماز باجماعت کی ادائیگی سمیت دیگر فرائض وواجبات اور سنن مؤکدہ جو جیل خانہ میں رہ کر ادا کی جاسکتی ہے ان کی ادائیگی کے واسطے انہیں سہولت دی جائے، غسل وطہارت کے واسطے جیل خانہ کے اندر مناسب سہولت دی جائے، ان کے واسطے اسلامی اور اخلاقی تعلیم کا بندوبست کیا جائے ان کے رشتہ داروں کو ان سے ملاقات کا موقع فراہم کیا جائے ایک ہی جگہ اتنے قیدی نہ رکھے جائیں جس کی وجہ سے قیدیوں کے بنیادی حقوق پامال ہو، جو فرائض وواجبات جیل میں رہ کر ادا کرنا ممکن نہ ہوں انکی ادائیگی کیلئے خاص حالت وضرورت کے علاوہ باہر جانے کا حق انہیں حاصل نہ ہوگا مثلاً فرض حج کی ادائیگی کیلئے انہیں جانے کی اجازت نہ ہوگی، نماز عید یا نماز جمعہ کیلئے بھی باہر جانے کی اجازت نہ ہوگی (فی الطبقات الکبریٰ لابن سعد ج ۵ ص ۳۵۶)۔

"أخبرنا محمد بن عمر قال: حدثنا موسى بن عبيدة قال: كتب عمر بن عبدالعزيز أن ينظر في أمر السجون ويستوثق من أهل الذعارات، وكتب لهم برزق الصيف والشتاء. قال موسى: فرأيتهم يرزقون عندنا شهرا بشهر ويكسبون كسوة في الشتاء وكسوة في الصيف. (وفی فقہ السنۃ ج ۳ ص ۴۲۶)۔

"وينبغي أن يكون الحبس واسعا. وأن ينفق على من في السجن من بيت المال وأن يعطي كل واحد كفايته من الطعام واللباس. ومنع المساجين مما يحتاجون اليه من الغذاء والكساء والمسكن الصحيح جور يعاقب الله عليه. فعن ابن عمر رضى الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "عذبت امرأة في هرة سجنتها حتى ماتت فدخلت فيها النار، لاهي أطعمتها وسقتها، إذحبستها، ولاهي تركتها تأكل من خشاش الارض" (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: وفی الموسوعۃ الفقہیۃ ۱۵ الکویتیۃ:۔ ۲۲، ج ۲ ص ۱۳۳ وفی المحیط الرہانی: ج ۱۳ ص ۱۹ کتاب القضاء فی الفصل الحبس، وفی

العنایہ شرح الہدایہ ج ۱۰ / ۲۴۳، وفی بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ج ۶ / ص ۲۱۴)۔

(الف) اوپر ذکر کردہ تفصیل کے مطابق قیدیوں کو یہ تمام حقوق حاصل ہونگے، یعنی انہیں عبادت کرنے، مذہبی کتابیں پڑھنے اور دوسرے کو دین کی دعوت دینے کا حق ہوگا، قیدی کو اسکی مذہبی تعلیمات کے مطابق غذا فراہم کی جائیگی، نیز وہ جس مذہب پر عقیدہ رکھتا ہے اس مذہب کی مقدس شخصیتوں، کتابوں اور شعائر کی بے حرمتی سے گریز کرنا لازم ہوگا، اسلام اپنے پیروکاروں کو اس بارے میں یہاں تک تاکید کرتا ہے کہ دین کی تبلیغ یا مناظرہ کی ضرورت کے وقت جب کسی حقیقت کو اجاگر کرنا ہو تو اس وقت بھی تبلیغ کے جوش میں کوئی ایسا رویہ اختیار نہ کریں جس سے غیر مسلموں کے پیشواؤں اور شعائر کے سب وشتم تک نوبت پہنچ جائے، کیونکہ اسلام اسکی اجازت نہیں دیتا ہے (وفی التحریر والتنویر ج ۸ / ص ۷۵)۔

"وربّما استطاع المبطل بوقاحته وفحشه مالایستطیعه المحقّ، فیلوح للنّاس أنّه تغلّب علی المحقّ،علی آنّ سبّ آلهتهم لمّا کان یحمی غیظهم ویزید تصلّهم قدعاد منافیاً لمراد الله من الدّعوة، فقد قال لرسوله علیه الصّلاة والسّلام "وجادلهم بالّتی هی أحسن" وقال لموسی وهارون علیهما السّلام "فقولا له قولا لیّناً" فصار السبّ عائقاً من المقصود من البعثة، فتمحّض هذا السبّ للمفسدة ولم یکن مشوباً بمصلحة.

مقام المجادلة ولکنّ السبّ أن نباشرهم فی غیرمقام المناظرة بذلک، ونظیر هذا ماقاله علماؤنا فیما یصدر من أهل الذّمة من سبّ الله تعالی أو سبّ النّبیّ بأنهم إن صدر منهم ماهو من أصول کفرهم فلایعدّ سبّاً وإن تجاوزوا ذلک عدّ سبّاً،ویعبّر عنها الفقهاء بقولهم: "ما به کفر وغیر مابه کفر"

(وفی الموسوعة الفقهیة الکویتیة ج ا / ص ۷۵۴۵)۔

(ب) جیل میں رہکر جو جسمانی ضروریات پوری ہوسکتی ہیں ان تمام حقوق کا بھی قیدی حقدار ہیں لہٰذا انہیں حفظان صحت کے مطابق مناسب غذا، لباس، پینے کے واسطے صاف پانی اور بیمار ہونے کی صورت میں علاج ومعالجہ کی سہولت مہیا کی جائیگی یعنی بیمار ہونے کی صورت میں جیل ہی میں ان کا علاج ومعالجہ کیا جائے اور اگر کسی قیدی کو ایسا مرض لاحق ہو کہ جیل میں اس کا علاج نہ ہوسکے اور جیل سے باہر جانا ناگزیر ہو تو ایسی صورت میں قیدی کو پولیس کی تحویل میں بقدر ضرورت جیل سے باہر لے جایا جائیگا، نیز حفظان صحت کیلئے ضروری ورزش بطور علاج ہوتی ہے کیونکہ مریض کی صحت کیلئے یہ دواؤں سے زیادہ مؤثر ہے، شادی شدہ قیدی کو وقتاً فوقتاً میاں بیوی کے فرائض انجام دینے کا مناسب موقع فراہم کیا جائے گا۔ قیدیوں کو کسی ایسی تنگ جگہ میں رکھنا جہاں آدمی کیلئے کھڑا ہونا، پاؤں پھیلا کر لیٹنا ممکن نہ ہو شرعاً جائز نہیں ہے کیونکہ یہ اسکے بنیادی حقوق کے منافی ہے (وفی البحر الرائق شرح کنز الدقائق ۶، ص ۲۸۳)۔

"وإن مرض مرضا أضناه فان وجد من يخدمه لايخرج، وإلا أخرج بكفيل وإلا لايطلقه وحضرة الخصم ليست شرطا ولايخرج للمعالجة لإمكانها فى السجن ولا يمنع من الجماع إن إحتاج اليه فتدخل امرأته أو جاريته عليه إن كان فيه موضع سترة، واختلفوا فى منعه من الكسب، والأصح المنع كذا فى الخلاصة" (وفی الموسوعۃ الفقھیۃ الکویتیۃ ج ۱ ص ۲۷۳)۔

(ج) اسلامی تعلیمات کی رو سے سزا کا بنیادی مقصد تہذیب ہے، تعذیب کا درجہ ثانوی ہے، اسلئے از روئے شریعت قیدیوں کے حقوق میں یہ بھی داخل ہے کہ انکے واسطے تعلیم وتربیت کا انتظام کیا جائے، انہیں کوئی مفید اور جائز ہنر سکھایا جائے، تعلیم وتربیت کی غرض سے قیدیوں کو آپس میں ایک دوسرے سے ملاقات کی اجازت دی جائے، تاکہ ان کی اصلاح بھی ہو اور ان کے اوقات ضائع ہونے سے بھی بچ جائیں۔ نیز انہیں اپنے خاندان والوں اور رشتہ

داروں سے باخبر رہنے کیلئے ڈاک اورتار وغیرہ کی سہولت بھی فراہم کی جانی چاہئے۔لیکن اخبارات پڑھنے،ریڈیو سننے یا احباب واقارب سے بات کرنے کے لئے ٹیلی فون کی سہولت فراہم کرنا بنیادی ضروریات میں داخل نہیں اس لئے شرعاً انتظامیہ یا حاکم ان چیزوں کی فراہمی کا پابند نہ ہوگا،تاہم اگر حاکم مناسب سمجھے تو شرعاً اسمیں کوئی ممانعت بھی نہیں،مگر چونکہ یہ بنیادی حقوق میں سے نہیں اور حاکم پر انکا مہیا کرنا لازم بھی نہیں اس لئے اسمیں حاکم کو یہ اختیار بھی ہے کہ اگر مصلحتِ عامہ یا کسی اورانتظامی ضرورت کے خاطر ان امور پر مکمل پابندی عائد کردے تو ایسا بھی کرسکتا ہے،خصوصاً سیاسی قیدیوں کو چونکہ ملکی اور بین الاقوامی حالات سے واقفیت کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے انکے واسطے مذکور باتوں کی سہولت مناسب ہے۔

(د) مردوں اور عورتوں کو علیحدہ علیحدہ قید خانوں میں رکھا جائیگا یا کم ازکم قید خانہ میں خواتین قیدیوں کے رہنے سہنے کا اسطرح علیحدہ انتظام کیا جائے کہ کسی مرحلہ میں بھی مرد قیدیوں سے یا جیل خانہ کے مرد محافظین وعملہ سے اختلاط یا بے پردگی کی نوبت نہ آئے۔

في الدر المختار۔(ج۵/ ص ۳۷۹)

"ويجعل للنساء سجن على حدة نفياللفتنة" (وفي البحر الرائق: ج٦/ ص۳۷۹، وفي المحيط، ويجعل للنساء سجن على حدة نفيا لوقوع الفتنة، (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے وفی المبسوط للسرخی: ج ۲۰/ص ۹۰، وفی الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ ج ۱/ص ۵۷۷)۔

نیز بالغ اور نابالغوں کو بھی الگ الگ رکھا جائیگا۔لیکن نابالغوں کو قید کرنے یا انکو سزا دینے کے بارے میں یہ اصولی بات بھی مدِ نظر رہے کہ شریعت کی رو سے نابالغ پر قصاص اور حدود کی سزائیں بالکل جاری نہیں ہوں گی،اور تعزیری سزاؤں میں جن میں "قید" بھی شامل ہے،یہ تفصیل ہے کہ نابالغ اگر کوئی ایسا جرم کرے جو عام حالات میں موجب تعزیر ہوتا ہے،

تو دیکھا جائیگا کہ اس کی عمر کیا ہے؟ اگر اسکی عمر ۱۰ سال سے کم ہے تو اس صورت میں اس پر تعزیر عقوبت بھی جاری نہیں کی جائے گی، البتہ وہ تعزیر تادیب کا مستحق ہوگا۔ نیز نابالغ "مالی ضمانات" سے بھی مستثنیٰ نہیں، خواہ اس کی عمر کچھ بھی ہو چنانچہ اگر نابالغ نے کسی بھی قسم کا قتل کیا خواہ قتل عمد ہو، یا کسی اور قسم کا قتل ہو اس پر دیت واجب ہوگی، مگر اس کی ادائیگی شرعی قاعدہ کے مطابق اس کی "عاقلہ" پر لازم ہوگی۔ اور اگر اس نے کسی کا مال ضائع کردیا، تو اسکے مال سے اس ضمان (تاوان) کی ادائیگی لازم ہوگی، اور اگر اس کی ملکیت میں فی الحال مال نہیں، تو اس کی ملکیت میں مال آنے کا انتظار کیا جائیگا (فی بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ج ۷ رص ۶۳)۔

"وأما شرط وجوبه فالعقل فقط، فيعزر كل عاقل ارتكب جناية ليس لها حد مقدر، سواء كان حراأو عبدا،ذكرا أوأنثى،مسلماأو كافرا، بالغا أوصبيا، بعدأن يكون عاقلا،لأن هؤلاء من أهل العقوبة، إلاالصبى العاقل فإنه يعزر تأديبا لاعقوبة، لأنه من أهل التأديب،ألا ترى إلى ماروى عنه عليه الصلاة والسلام أنه قال: { مروا صبيانكم بالصلاة، إذا بلغوا سبعا واضربوهم عليها، إذابلغواعشرا } وذلك بطريق التأديب والتهذيب لابطريق العقوبة، لأنها تستدعي الجناية،وفعل الصبى لايوصف بكونه جناية، بخلاف المجنون والصبى الذى لايعقل، لأنهما ليسا من أهل العقوبة ولامن أهل التأديب.

(۳) متہم یا ملزم سے سچی بات اگلوانے کیلئے یا مشکوک فرد سے اصل حقیقت ظاہر کرانے کے لئے، ڈرانے دھمکانے یا اسے زدوکوب کرنے میں شرعاً کچھ تفصیل ہے جسمیں قاضی الزام کی نوعیت اور متہم کے اوصاف وشخصیت کو دیکھ کر فیصلہ کریگا۔ بعض صورتوں میں ضرب وتہدید ناجائز اور ظلم ہے جبکہ بعض صورتوں میں کچھ شرائط کے ساتھ جائز ہے (وفی حاشیۃ ابن عابدین: ج ۴ ص: ۸۷)۔

"مطلب في جواز ضرب السارق حتى يقر قال في البحروسئل الحسن بن زياد أيحل ضرب السارق حتى يقرقال مالم يقطع اللحم لايتبين العظم ولم يزد على هذا اه كلام البحر وهو ضرب مثل أى مالولم يعاقب لاتظهر السرقة ففي عبارةالشارح سقط من الكاتب أومن قلمه بدليل أنه في شرحه على الملتقى ذكر عبارة الحسن على وجهها فلم يكن ماهنا تصرفا منه بسوء فهمه إذلم نعهدهذا الشارح الفاضل وصل في البلادة إلى مازعمه من هومولع بالاعتراض عليه فافهم" (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: وفی المبسوط للسرخسی ج:۹ ص:۱۸۵)۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ دعویٰ خواہ حدِ محض کا ہو یا حق محض کا یا ایسے فعل کا جو دونوں پر مشتمل ہے، اسکی دو قسمیں ہیں (۱) دعویٰ تہمت (۲) دعویٰ غیر تہمت۔

اس سلسلہ میں فقہاء کرام رحمہم اللہ نے متہم کے تین درجات بیان فرمائے ہیں۔

پہلا درجہ یہ ہے کہ متہم کی اچھی شہرت اور نیک نامی مشہور ومعروف ہو، وہ ایسے صالحین اور ذی وقار لوگوں میں سے ہو، جن سے اس نوعیت کا جرم صادر ہونا ظاہر حال کے اعتبار سے مشکل ہو جو دعویٰ میں مذکور ہے، اس درجہ کا حکم یہ ہے کہ قاضی ایسے لوگوں کو کوئی سزا نہیں دیگا بلکہ انہیں بری اور بے گناہ تصور کریگا، البتہ اگر قاضی مصلحت ومناسب محسوس کرے تو بوقت ضرورت متہم سے اس کی برائت پر حلفیہ بیان لے سکتا ہے، اگر وہ حلف اٹھا کر اپنی برائت کا اظہار کر لے اور مدعی بھی اسکے خلاف ارتکاب جرم کا شرعی ثبوت پیش نہ کر سکے تو قاضی متہم کو بری کر دیگا، حدیث میں ہے کہ امام سے عفو میں خطا ہو جانا بہتر ہے سزا دینے میں خطا ہونے سے۔ پھر مدعی اور الزام لگانے والے کو مناسب سزا دے تاکہ آئندہ کسی بے گناہ کی عزت پر حملہ کی روک تھام ہو سکے۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ متہم مجہول الحال ہو، نہ اسکی نیک نامی معلوم ہو اور نہ ہی برے اقدار کا مالک ہونا معلوم ہو تو اس صورت میں قاضی اصل حقیقت معلوم ہونے تک متہم کو قید میں رکھ سکتا ہے، نیز اگر قرائن وشواہد سے متہم سے ارتکاب جرم کا گمان غالب ہو، لیکن متہم انکار کر رہا ہو تو قاضی ڈرا دھمکا کر بلکہ حدِ اعتدال میں رہتے ہوئے کسی قدر جسمانی سزا دیکر بھی دعویٰ کی سچائی اور حقیقت معلوم کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے کیونکہ سیاسۃً قاضی کو شرعاً یہ اختیار ہے، لیکن حدِ اعتدال میں رہنا لازم ہے جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

تیسرا درجہ یہ ہے کہ متہم فسق وفجور میں معروف ہو، اسکی بری شہرت زبان زدِ خلق ہو مثلاً چوری کرنا قتل وغارت گری کرنا، دہشت پھیلانا، چور وڈاکو وغیرہ کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا وغیرہ۔

ایسے ملزموں سے سچ اگلوانے یا اصل حقیقت معلوم کرنے کے لئے انہیں ڈرانے دھمکانے اور جسمانی تکلیف دینے یا مار پیٹ کرنے کا شرعاً قاضی کو اختیار ہے۔

لیکن اسکے واسطے درج ذیل امور کو مدِ نظر رکھنا ضروری ہے۔

(ا) جسمانی تکلیف دینے یا مار پیٹ کرنے کا اختیار صرف حاکم یا قاضی ہی کو ہے، کسی اور کو نہیں (ب) سزا میں حدِ اعتدال اور شرعی حدود کو ملحوظ رکھنا لازم ہے، اس لئے ڈرانے دھمکانے کی غرض سے بھی فحش سب وشتم یا ماں بہن کی گالیاں دینا ناجائز ہے، البتہ جو سب وشتم ڈانٹ ڈپٹ کے طور پر ہوتی ہے اسکی اجازت ہے، مثلاً اے ظالم، اے بدتمیز وغیرہ۔

(ج) جسمانی سزا میں حدِ اعتدال یہ ہے کہ ظروف واحوال، جرم کی نوعیت اور مجرم کے حالات کو پیش نظر رکھ کر سزا دی جائے، نیز سزا اس قدر سخت نہ ہو کہ مجرم کی جان یا اس کا کوئی عضو تلف ہو جائے، لہٰذا کسی کو ایسی سزا دینا جس سے وہ خصی ہو جائے یا اسکے جنسی قویٰ ناکارہ ہو جائے یا اسکی بصارت چلی جائے اور وہ اندھا یا نابینا ہو جائے، یا اسکے ایک یا دونوں کانوں کی سماعت چلی جائے اور وہ بہرا ہو جائے، اس کا کوئی بھی عضو یا جوڑ ناکارہ ہو جائے، جسم کے کسی

حصے کی ہڈی ٹوٹ جائے وغیرہ یہ سب امور نا جائز ہیں، اسی لئے چہرہ اور اندامہائے نہانی پر مارنا منع ہے نیز کسی ایسے نازک مقام پر مارنا بھی منع ہے جس سے آدمی کے ہلاک ہونے کا خطرہ ہے کیونکہ تعزیری سزا مجرم کی اصلاح کے لئے ہوتی ہے نہ کہ اسے ہلاک کرنے یا اسکے کسی عضو کو تلف کرنے کے لئے۔

(د) سزا اس طرح نہ ہو جو انسانیت کی تذلیل وتوہین پر مشتمل ہو یا شرف انسانیت کے خلاف ہو۔

(ہ) سزا ایسی نہ ہو جو حیاسوز ہو یا کسی معصیت پر مبنی ہو۔

(و) سزا ایسی نہ ہو جس سے آدمی مثلہ ہو جائے اور اسکی شکل وصورت بگڑ جائے وغیرہ۔

لہٰذا کسی قیدی (خواہ مجرم یا ملزم) کا ناک کان کاٹ دینا، اسکی داڑھی مونڈ دینا، اس پر درندہ جانور چھوڑ دینا یا اسے سانپ بچھو سے کٹوانا وغیرہ یہ سب نا جائز ہیں (حاشیہ ابن عابدین ج:۸۷)۔

”قوله عن ابن العزأى فى كتابه التنبيه على مشكلات الهداية حيث قال الذى عليه جمهور الفقهاء في المتهم بسرقة ونحوهاأن ينظر فإما أن يكون معروفا بالبرلم تجز مطالبته ولا عقوبته وهل يحلف قولان ومنهم من قال يعزر متهمه وإماأن يكون مجهول الحال فيحبس حتى يكشف أمره قيل شهراوقيل باجتهاد ولى الأمروإن كان معروفا بالفجورفقالت طائفة يضربه الوالى أو القاضى وقالت طائفة يضربه الوالى دون القاضى ومنهم من قال لايضربه وقد ثبت فى الصحيح أن النبى أمر الزبير بن العوام أن يمس بعض المعاهدين بالعذاب لما كتم اخباره بالمال الذى كان قد عاهدهم عليه وقال له أين كنز حيي بن أخطب فقال يا محمد أنفذته النفقات والحروب فقال المال كثير

والمسألة أقرب وقال للزبير دونک هذا فمسه الزبير لشئ من العذاب فدلهم على المال وهوالذی يسع الناس وعليه العمل الخ وتمامه فی المنح قوله ثم نقل أی المصنف وقوله جواز ذلک أی جواز ضرب المتهم حيث قال نقلا عن الزيلعی ومنها أی ومن السياسة ماحکی عن الفقيه أبی بکر الأعمش أن المدعی عليه إذا أنکر فلإمام أن يعمل فيه بأکبر رأيه فإن غلب علی ظنه أنه سارق وأن المسروق عنده عاقبه ويجوز ذلک کما لو رآه الإمام مع الفساق فی مجلس الشرب وکما لورآه يمشی مع السراق وبغلبة الظن أجازوا قتل النفس کما إذا دخل عليه رجل شاهرا سيفه وغلب علی ظنه أنه يقتله اه قوله لغلبة الفساد تمام عبارة النهر وکيف يؤ تی للسارق ليلا بالبينة بل ولافی النهاراه يعنی لايتوقف تعزير المتهم وقدمنا هناک عن ابن القيم حکاية الإجماع علی ذلک وقد سمعت آنفا تصريح الزيلعی بأن هذا من السياسة وبه يعلم أن للقاضی فعل السياسة" (مجموع فتاوی ابن تیمیة ج۹ص۲۸۰)۔

اس تفصیل کے بعد سوال نمبر تین کے شق وار جوابات ملاحظہ ہوں۔

(الف) قیدی خواہ متہم ہو یا مجرم، مرد ہو یا عورت اسے بالکل ننگا کر کے بے لباس کر دینا یا ستر عورت کی حد تک جو لباس شرعاً ضروری ہے وہ اس سے اتر والینا جائز نہیں، کیونکہ یہ حیا سوز اور معصیت پر مبنی ہے، ہاں سزا قائم کرتے وقت جو زائد کپڑے درد و تکلیف پہنچنے میں رکاوٹ بنتے ہوں انکو اتروانا جائز ہے مثلاً شال، کوٹ، سوئٹر یا ایسا جبہ جس میں روئی وغیرہ بھری ہوئی ہو۔ (فی حاشیۃ رد المختار ج۵ص۲۷۹، قولہ: (ولا یجرد أی من ثیابہ فی الحبس، الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ ج۱ص۵۷۸۳)۔

تحرم المعاقبة بالتّجريد من الثياب لمافی ذلک من کشف العورة."

(ب) مار پیٹ یا جسمانی سزا کے بارے میں تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

(ج) الیکٹرک شاٹ لگانا ناجائز ہے، کیونکہ اس میں ہلاکت اور تلفِ عضو کا خطرہ ہے۔ تفصیل اوپر ملاحظہ ہو۔

(د) قیدیوں پر کتے چھوڑنا بھی ناجائز ہے کیونکہ کسی پر کتے چھوڑنے میں نہ صرف مثلہ ہونے اور تلفِ عضو کا خطرہ ہے، بلکہ یہ شرفِ انسانیت کے بھی خلاف ہے۔

(ہ) قیدیوں کو برف کی سلوں پر ڈال دینا ناجائز ہے، کیونکہ اسمیں ہلاکت یا تلفِ عضو کا خطرہ ہے جبکہ سخت ٹھنڈک کے وقت برف کی سلوں میں کسی کو ڈالنا تو ظلم بالائے ظلم ہے اس لئے یہ اور سخت ناجائز ہے۔

(و) یہ امور بھی ناجائز ہیں کیونکہ یہ بنیادی حقوق اور ضروریاتِ زندگی سے محروم کرنا ہے جسکی شریعت اجازت نہیں دیتی ہے (الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ ج ۱ ص ۵۷۸۳)۔

"ولایجوز خنق المحبوس وعصره وغطّه فی الماء . (التّجویع والتعریض للبرد ونحوه): لایجوز الحبس فی مکان یمنع فیه المحبوس الطّعام والشّراب، أو فی مکان حارّ أو تحت الشّمس أوفی مکان بارد، أوفی بیت تسدّ نوافذه وفیه دخان أویمنع من الملابس فی البرد."

قیدیوں کو زنجیروں میں جکڑنا، ان کے گلے میں طوق ڈالنا درست نہیں، البتہ اگر کسی قیدی کے بھاگنے کا خوف ہوتو پھر اسکے ہاتھ میں ہتھکڑی یا اس کے پاؤں میں بقدرِ ضرورت بیڑی ڈالی جاسکتی ہے اور سخت پہرے والے قید خانہ میں منتقل کیا جاسکتا ہے (دنی رد المختار ج ۵ ص ۳۷۹)۔

"(قوله: وإن فر) أی من الحبس.(قوله: فی العنت یذکر) أی إذا کان متعنتا لایؤدی المال، وقیل یطین علیه الباب ویترک له ثقبه یلقی له الخبز والماء وقیل: الرأی فیه للقاضی وهو ما یذکره قریبا عن البزازیة .(قوله:

ولایغل)أی لایوضع له الغل بالضم وهو طرق من حدید یوضع فی العنق جمعه أغلال كقفل وأقفال مصباح، وأما القید فمایوضع فی الرجل." (قوله:ولایجرد أی من ثیابه فی الحبس. (تفصیل کے لئے دیکھئے:وفی الفتاوی الهندیة ج ۲رص ۱۷۲)۔

(۵) فقہاء کرام رحمہم اللہ کے کلام سے ظاہر ہے کہ عام حالات میں کسی کو قیدِ تنہائی کی سزا نہ دی جائے کیونکہ انسان معاشرتی مخلوق ہے، لیکن کسی جرم کی نوعیت یا قیدی کی خاص حالت اگر متقاضی ہو اور قاضی قیدِ تنہائی کو مصلحت سمجھے تو شرعاً اسکی بھی اجازت ہوگی (فی الموسوعة الفقهية الكويتية ج ا رص ۵۷۷۷)۔

ویجوز للحاكم عزل السجین وحبسه منفردا فی غرفة یقفل علیه بابها إن كان فی ذلک مصلحة.

(۶) جیل میں ملزم اور مجرم سے جبری مشقت لینے، جبراً اس سے کام لینے یا اسے کسی قابل مشقت ضابطہ اور نظام کا پابند بنانے کے بارے میں اسلامی قانون جرم وسزا کا تقاضا یہ ہے کہ اگر قاضی کسی قیدی کو سزائے قید کے ساتھ ساتھ بطور سزا یا تادیب کسی مشقت یا کام کا پابند کرنے میں مصلحت سمجھے یعنی تادیب وتعذیب میں یا قیدی کے اصلاح میں اسے معاون سمجھے تو شرعاً دو شرطوں کے ساتھ قیدیوں سے جبری مشقت یا مشقت کی غرض سے کوئی کام لینے کی اجازت ہوگی۔

(۱) کام اور مشقت ایسی ہونی چاہئے کہ خود مجرم کی شخصیت اور اس کے جرم کی نوعیت کے مطابق اور مناسب ہو۔

(۲) مشقت اور کام کا مقصد قیدی کی حوصلہ شکنی اور سزا کو زیادہ سے زیادہ مؤثر بنانا ہو، کمائی کا ذریعہ بنانا یا تحکم محض مقصد نہ ہو، اور نہ حکام یا جیل کا عملہ اپنا ذاتی کام لیں۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہ العزیز فرماتے ہیں:

"قیدیوں سے بیگار اور مشقت کا کام لینا ان کی مصلحت یعنی تادیب وتعذیب کیلئے یا ان کی اصلاح کے لئے درست ہے اور کمائی کیلئے یا صرف تحکم کیلئے درست نہیں، جیسے بعض اہل عملہ جیلر کی ملاقات کے دباؤ سے اپنی بیگاریں لیتے ہیں یا خود جیلر اپنا کام لیتے ہیں" (مجالس الحکمت ص ۱۰۷، فی البحر الرائق شرح کنز الدقائق ج ،ص ۲۸۳)۔

"واختلفوا في منعه من الكسب، والأصح المنع كذا في الخلاصة ولا يضرب المديون ولايقيد ولايغل ولايجرد ولايؤاجر ولايقام بين يدي صاحب الحق إهانة" (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: وفی حاشیۃ ردالمحتار ج ۵ ص ۳۷۸)، وفی الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ ج ۱ ص ۵۷۷۹)۔

خیال رہے کہ اس غرض سے بھی قیدیوں سے کام لینا درست نہیں کہ اسکے کھانے پینے کا معاوضہ ہو، کیونکہ جب تک ایک مجرم قید میں ہے، اس کے تمام اخراجات بیت المال سے ادا ہوں گے اسے خوراک اور لباس دیا جائے گا۔ اور ان کے علاوہ تمام ضروریات فراہم کی جائیں گی جو اس کے زندہ رہنے کے لئے ضروری ہوں (فی الطبقات الکبری لابن سعد ج ۵/ ۳۵۶)۔

كتب عمر بن عبد العزيز أن ينظر في أمر السبعون ويستوثق من أهل الذعارات، وكتب لهم برزق الصيف والشتائإ قال موسى: فرأيتهم يرزقون عندنا شهرا بشهر ويكسون كسوة في الشتاء وكسوة في الصيفا"

(۷) جن قیدیوں کا ابھی جرم ثابت نہیں ہوا ہے بلکہ ان کا مقدمہ ابھی زیر سماعت ہے، اور جن کا جرم ثابت ہو جانے کی وجہ سے ان کے بارے میں سزائے قید کا فیصلہ ہو چکا ہے، قید خانوں میں سلوک کے اعتبار سے دونوں میں فرق ہونا چاہئے، بلکہ عام جرائم کے مرتکب قیدیوں کو عادی اور سنگین جرائم قیدیوں سے الگ رکھنا چاہئے، تاکہ وہ ان کے اثرات سے محفوظ رہیں، نیز دونوں میں سلوک کے اعتبار سے بھی فرق کرنا چاہئے، اس کے علاوہ سیاسی قیدیوں کو بھی عام

قیدیوں سے الگ رکھنا چاہئے اور ان کے ساتھ سلوک میں بھی فرق مراتب کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔

"أخبرنا محمد بن عمر قال: حدثني يحيى بن سعيد مولى المهرى قال: كتب عمر بن عبدالعزيز الى أمراء الأجناد:

وانظروا من في السجون ممن قام عليه الحق فلاتجسه حتى تقيمه عليه، ومن أشكل أمره فاكتب إلي فيه، واستوثق من أهل الذعارات فإن الحبس لهم نكال، ولاتعد في العقوبة، ويعاهد مريضهم ممن لاأحدله ولامال، وإذا حبست قوما في دين فلاتجمع بينهم وبين أهل الذرعارات في بيت واحد ولاحبس واحد، واجعل للنساء حبسا على حدة، وانظر من تجعل على حبسك ممن تثق به ومن لايرتشي فإن من ارتشى صنع ماأمر به." (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: وفی الموسوعۃ الفقھیۃ ۱۵۔ ۲۲ ج ۲/ ۱۲۴)۔

(۸) قرآنی حکم: "کونوا قوامین بالقسط" کے وسیع تر مفہوم میں جہاں یہ بات شامل ہے کہ کوئی کسی پر ظلم نہ کرے، ظالم کو ظلم سے روکا جائے، مظلوم کی حمایت کی جائے، ظالم کو ظلم سے روکنے اور مظلوم کا حق دلوانے میں ہر شخص ہر ممکن کوشش کرے۔ وہاں اسکے مفہوم میں یہ بھی شامل ہے کہ جن لوگوں کے ہاتھ میں حکومت اور انصاف فراہم کرنا ہے، جب دو فریق کا کوئی مقدمہ انکے سامنے پیش ہو تو وہ فریقین کو جلد از جلد انصاف فراہم کرنے میں اپنی پوری کوشش صرف کریں۔ اس لئے حکام اور قاضی جو انصاف فراہم کرنے، مقدمہ کی تحقیق و تفتیش کرنے اور فیصلہ صادر کرنے کے ذمہ دار ہیں، ان کی ذمہ داری ہے کہ خدا اور آخرت کو سامنے رکھ کر خلق خدا کے خادم بنیں، لوگوں کو جلد از جلد ہر ممکن آسانی کے ساتھ انصاف فراہم کریں، اور ہر ایسی بات سے گریز کریں جو عدل و انصاف کی فراہمی میں رکاوٹ بنے اور بے گناہ لوگوں کو بلا وجہ جیل کی قید و بند میں رہنا پڑے یا انصاف ملنے میں تاخیر کا سبب بنے، بلکہ قرآن و حدیث کی رو سے حکام

اور قاضیوں کی شرعی واخلاقی ذمہ داری یہ بھی ہے کہ وہ قانون کو خدمتِ خلق اور اصلاح عالم کا ذریعہ بنائیں، اپنی غفلت یا چند ٹکوں کی خاطر لوگوں کی پریشانیوں میں اضافہ اور مظلوم کو دفتر گردی اور عدالتوں کے چکر میں پھنسا کر ظلم پر ظلم کا سبب نہ بنائیں۔ نیز معاملہ کی تحقیق وتفتیش اور اس بات کی تعیین میں کہ آیا الزام درست ہے یا نہیں، مدعی علیہ پر لگائے گئے الزام کے ثبوت کیلئے مدعی کے پیش کردہ شواہد شرعی نقطہ نگاہ سے کافی ہیں یا نہیں وغیرہ ضروری امور میں جس قدر وقت کی ضرورت ہے، اس سے زائد مدت تک بلاضرورت کسی ملزم کو قید میں نہ رکھیں کیونکہ زیر سماعت قیدیوں کے مقدمات کو بلاوجہ طول دینا اور مقدمات کی سماعت میں بلاضرورت تاخیر کر کے ملزموں کو لمبی لمبی مدت تک جیل کے سلاخوں کے پیچھے بند رکھنا نہ صرف منشأ اسلام سے مطابقت نہیں رکھتا ہے بلکہ یہ سراسر عدل وانصاف کے تقاضے کے بھی خلاف ہے۔

(۹) جب ایک شخص دوسرے شخص پر جھوٹا دعویٰ کر کے اسے پھنسا دے یا اسکو جیل بھجوا دے، اور حاکم پر ثابت ہو جائے کہ مدعی نے مدعی علیہ پر جھوٹا دعویٰ کیا تو چونکہ اس دعویٰ سے مدعی نے مدعا مدعا علیہ کو ایذا پہنچایا جو شرعاً معصیت ہے اور اسکی کوئی سزا شریعت میں مقدر نہیں اس لئے مدعا تعزیری سزا کا مستحق ہوگا اور قاضی اسکو تعزیری سزا دیگا سزائے قید بھی دے سکتا ہے، لیکن اس دعویٰ سے اس نے مدعیٰ علیہ کو جو ذہنی اذیت پہنچائی یا قید کی وجہ سے اسے جو ذہنی یا جسمانی اذیت ہوئی اسکا کوئی مالی ضمان لینا یا بطور تعزیر اس سے کوئی مال لینا جائز نہیں، ہاں جھوٹے دعویٰ کے سبب ذہنی وجسمانی ایذا کے علاوہ دعویٰ کی پیروی اور غلط دعویٰ کی جوابدہی میں مدعا علیہ کا جو مال خرچ ہوا وہ سب وصول کر سکتا ہے۔

فتاویٰ محمودیہ جلد صفحہ۔۔۔ باب الدعویٰ میں ہے:

سوال (۸۰۱۵) زید نے عمر پر فوجداری کا دعویٰ کر کے بلاقصور پھنسا دیا اور ہائیکورٹ تک عمر بری رہا، مگر پیروی میں اس کے اخراجات کثیر ہوئے اور بدنامی وزیر باری وبے آبروئی

اور اپنے کاروبار کا نقصان عظیم ہوا ابتدائی عدالت سے ہائی کورٹ تک مقدمہ چلا اور زید آگے بڑھتا رہا، عمر ہر عدالت سے بری ہوتا گیا۔ چونکہ عمر نہایت درجہ زیر بار اور بے آبرو ہوا اور مالی نقصان اٹھایا اور روحانی وجسمانی اذیت پائی تو اگر عمر اپنی ہتک عزت وروحانی وجسمانی اذیت اور نقصانات کا دعویٰ کسی رقم کا جو مناسب حال ہو دائر کرے تو شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟ اگر دعویٰ کرسکتا ہے تو کس قدر رقم تک دعویٰ کرسکتا ہے جو عند اللہ گناہ گار نہ ہو۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

غلط دعویٰ کی جوابدہی میں جس قدر خرچ ہو، وہ سب وصول کرنا درست ہے۔ جسمانی وروحانی اذیت اور بے آبروئی کا کوئی مالی ضمان نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔ حررہ العبد محمود گنگوہی۔

امداد الفتاویٰ جلد سوم صفحہ ۱۲۳ سوال نمبر ۱۵ء میں خرچہ عدالت وصول کرنے کے متعلق جواب دیتے ہوئے حضرت حکیم الامت تھانوی قدس اللہ سرہ العزیز لکھتے ہیں:

الجواب: جب کسی کو اپنے حق کی حفاظت کیلئے بمجبوری نالش کرنا پڑے اور فریق مخالف کی طرف سے بالکل مخاصمانہ کارروائیوں کی وجہ سے بہت مصارف برداشت کرنا پڑے تو اس صورت میں خرچہ کا روپیہ بہت سے علماء کے نزدیک (ومنہم مولانا رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ) جائز ہے یا اگر کسی حساب میں منہا ہوسکے تو ان علماء کے نزدیک یہ بھی جائز ہوگا......."
۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۱ھ (حوادث اول وثانی ص ۲۰، وفی الموسوعۃ الفقھیۃ الکویتیۃ ج ۱ رص ۵۷۷۲)۔

(۱۰) قیدی کو اپنے مقدمات کے سلسلہ میں مشورہ اور تعاون کی غرض سے، کسی وکیل سے یا اپنے عزیز واقارب سے بقدر ضرورت ملاقات یا رابطہ کرنے کا شرعاً حق ہے، نیز اسے اپنی صفائی پیش کرنے کا بھی شرعاً پورا پورا حق ہے لہٰذا قیدیوں کے لواحقین کو یا ان کے وکلاء کو بوقتِ

ضرورت ان سے بقدر ضرورت ملاقات سے روکنے کی شرعاً اجازت نہیں، نیز قیدی کے وکلاء، لواحقین اور دیگر عام مسلمانوں کو قیدی کے چھڑوانے میں قانونی چارہ جوئی سے بھی نہ روکا جائے۔

فی الدر المختار: (ج ۵/ ص ۳۷۷)

"ولایمکن أحد أن یدخل علیه للاستئناس إلا أقاربه وجیرانه) لاحتیاجه للمشاورة (ولایمکثون عنده طویلاً) وفی المحیط البرهانی: ج ۱۳ ص ۵۰ کتاب القضاء فی الفصل الحبس والملازمة

"ولایمنع المسجون من دخول أهله وجیرانه علیه، لأنه یحتاج إلی دخولهم علیه لتشاورهم الخ"

(۱۱) جی ہاں! شریعت مقدسہ کی رو سے خواتین قیدیوں کو جیل میں اپنے ساتھ شیر خوار بچوں کو رکھنے کا پورا پورا حق ہے، بلکہ شریعت کی رو سے دونوں میں جدائی کر دینا منع اور نا جائز ہے (بدائع الصنائع ج:۵ ص ۲۲۸)۔

"والأصل فیه ماروی عن رسول الله صلی الله علیه وسلم أنه قال لا توله والدة عن ولدها والتفرق بینها تولیه فکان منهیا وروی أن النبی علیه الصلاة والسلام رأی امرأة والهة فی السبی فسأل عن شأنها فقیل قد بیع ولدها فأمر بالرد وقال علیه الصلاة والسلام من فرق بین والدةوولدها فرق الله بینه وبین أحبته یوم القیامة وهذا خرج مخرج الوعید وروی أنه قال علیه الصلاة والسلام لایجتمع علیهم السبی والتفریق حتی یبلغ الغلام وتحیض الجاریة ونهی عن التفریق فی الصغر" (وفی الموسوعة الفقهیه ۲۳۔۳۰ ج ۲ ص ۷۹)۔

اسلام میں قیدیوں کے حقوق

مولانا خورشید انور اعظمی ☆

اسلام ایک صالح اور صاف ستھرا معاشرہ کو پسند کرتا ہے، جس میں امن وسکون کی فضا عام ہو اور ظلم وستم، فتنہ وفساد اور ہر طرح کے جرائم کا کامل سد باب ہو، تاکہ تمام افراد انسانی پورے اطمینان کے ساتھ زندگی کے ایام بسر کرسکیں، اسی وجہ سے نبی اکرم ﷺ نے اس بات کی تاکید فرمائی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو غلط کام کا ارتکاب کرتا ہوا دیکھے تو اپنی استطاعت کے بقدر اس کی روک تھام کی سعی کرے، ارشاد نبوی ہے:

”من رأى منكم منكراً فليغيره بيده فإن لم يستطع فبلسانه فإن لم يستطع فبقلبه وذلك أضعف الإيمان“ (رواہ مسلم بحوالہ مشکوۃ ۲/ ۴۳۶)۔

(جو شخص تم میں سے کسی خلاف شرع امر کو دیکھے تو اس کو چاہئے کہ اپنے ہاتھ سے اسے تبدیل کردے اگر ایسا نہ کرسکے تو اپنی زبان سے اور اگر یہ بھی نہ کرسکے تو اپنے دل سے، یہ ایمان کا سب سے کمتر درجہ ہے)۔

روک تھام کی یہ کارروائی ایک نوع کی تعزیر ہے، جس کا ہر مسلمان کو حق ہے، لیکن یہ تعزیر بس اسی وقت تک ہے جب تک کوئی شخص ارتکاب معصیت میں مبتلا ہو اور اگر معصیت کا ارتکاب کرچکا ہو تو ایسی صورت میں تعزیر کا حق صرف حاکم وامیر کو ہوتا ہے۔ درمختار میں ہے:

☆ جامعہ مظہر العلوم بنارس۔

"ویقیمه کل مسلم حال مباشرة المعصية وأما بعده فليس ذلک لغير الحاكم" (درمختار ۶/۱۱۱)۔

(معصیت کے ارتکاب کے وقت تک ہر مسلمان تعزیر کر سکتا ہے، لیکن اس کے بعد اختیار صرف حاکم کو ہوتا ہے)۔

شریعت اسلامیہ نے انسداد جرائم کے حوالہ سے بہت ہی مؤثر نظام بنایا ہے، بعض جرائم کی سزائیں مقرر کر دی ہیں اور حاکم و امیر کو بعد از ثبوت بلا کم و کاست نافذ کرنے کا سختی سے حکم ہے جبکہ بعض جرائم کے سلسلہ میں حاکم و امیر کو اختیار دیا گیا ہے کہ جرم اور مجرم کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی صوابدید سے مناسب سزا تجویز کریں، اس میں زجر و توبیخ، زدوکوب اور قید و بند کی صعوبتوں میں مبتلا کر کے مجرم کو کیفر کردار تک پہنچایا جا سکتا ہے، تا کہ جرائم پیشہ افراد اپنی غلط کاریوں سے اور دوسرے لوگ اس طرح کے عزائم سے باز رہیں، اسلام میں قیدیوں کے بارے میں بھی بھرپور رہنمائی موجود ہے جو ہدیہ ناظرین ہے۔

۱-ثبوت جرم کے بغیر قید کرنا

(الف) اگر حاکم وقت کسی کو محض شبہات وقرائن کی بنیاد پر گرفتار کر کے حوالات میں بند کر دیتا ہے تو یہ از روئے شرع درست ہے، نبی اکرم ﷺ کے عمل سے اس کا ثبوت ملتا ہے، بہز بن حکیم کے دادا معاویہ القشیری سے روایت ہے:

"إن النبي ﷺ حبس رجلا في تهمة ثم خلى عنه" (جامع ترمذی ۱/۲۶۱)۔

(نبی اکرم ﷺ نے ایک آدمی کو ایک الزام میں قید کیا پھر اسے رہا کر دیا)۔

صاحب تحفۃ الاحوذی مولانا عبد الرحمٰن صاحب مبارک پوری نے حدیث بالا کی شرح کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

"قال في اللمعات: فيه أن حبس المدعى عليه مشروع قبل أن تقام

البینۃ" (تحفۃ الاحوذی ۴/ ۵۶۳)۔

(لمعات التنقیح میں ہے: اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ مدعا علیہ (ملزم) کو ثبوت پیش کئے جانے سے پہلے قید کرنا شرعاً درست ہے)۔

لیکن یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ یہ الزام ایسا ہو کہ اس سے حد کا ثبوت ہوتا ہو اور اگر اس سے تعزیر کا ثبوت ہوتا ہو تو ملزم کو بلا تحقیق قید کرنا درست نہیں ہوگا، فتح القدیر میں ہے:

"لم يشرع الحبس تهمة مايوجب التعزير حتى لوأدى رجل على آخر شتيمة فاحشة أو أنه ضربه وأقام شهودا لا يحبس قبل أن يسأل عن الشهود ويحبس في الحدود" (فتح القدیر ۵/ ۱۱۷)۔

(موجب تعزیر الزام میں قید کرنا شرعاً درست نہیں ہے یہاں تک کہ اگر کسی نے دوسرے کے خلاف دعوی کیا کہ اس نے فحش گالی دی ہے یا اس کو مارا ہے اور گواہ پیش کر دیا تو گواہوں کے بارے میں چھان بین سے پہلے اس کو قید نہیں کیا جائے گا اور حدود میں قید کیا جائے گا)۔

البتہ موجب تعزیر الزام کی صورت میں ملزم کا کسی کو کفیل بنا دیا جائے گا اور گواہوں کی تحقیق کے بعد اس کے بارے میں سزا تجویز کی جائے گی، شامی میں ہے:

"فإنه يكفل ولا يحبس إلا بعد تزكيتهم فحينئذ يضرب أو يحبس" (شامی ۷/ ۸۷۷)۔

(اس کا کسی کو کفیل بنا دیا جائے گا اور گواہوں کے سچ ثابت ہونے کے بعد ہی اسے قید کیا جائے گا، پھر اسے مارا جائے گا یا قید رکھا جائے گا)۔

(ب) اور اگر ملزم کو بطور احتیاط قید کیا جائے تو اس کی مدت مقرر نہیں ہوگی بلکہ امیر

وحاکم اپنے طور پر مسئلہ کی صورت حال کے پیش نظر مدت طے کریں گے، اس وجہ سے کہ تمام تعزیری معاملات امیر وحاکم کے حوالے کردیئے گئے ہیں۔ شامی میں ہے:

"قال الزيلعي: وليس في التعزير شيئ مقدر وإنما هو مفوض إلى رأى الإمام على ما تقضى جنايتهم فإن العقوبة فيه تختلف باختلاف الجناية"

(شامی ۶/۱۰۶)۔

(زیلعی نے کہا: تعزیر میں کوئی سزا مقرر نہیں ہے بلکہ وہ جرم کے مطابق امام کی صوابدید پر ہے، اس وجہ سے کہ اس میں جرم کے بدلنے سے اس کی سزا بھی بدل جایا کرتی ہے۔

علامہ ابوالحسن ماوردی نے بھی اس سلسلہ میں اختلاف نقل کرنے کے بعد اسی رائے کو ترجیح دی ہے، لکھتے ہیں:

"امیر کو اختیار ہے کہ متہم کو تفتیش اور استبراء کے لئے فوراً حوالات کردے، اس کی مدت میں اختلاف ہے، عبداللہ زبیری شافعی کہتے ہیں کہ ایک ماہ سے زیادہ حوالات کرنے کا اختیار نہیں اور دوسرے علماء کہتے ہیں کہ مدت معین نہیں، امام کی رائے اور اجتہاد پر موقوف ہے، یہ رائے زیادہ مناسب ہے (الاحکام السلطانیہ مترجم/۳۴۵)۔

مرقاۃ المفاتیح میں ہے:

"وللإمام أن يجتهد في تعزير المفسد ويفعل ما رأى من العقوبة"

(مرقاۃ المفاتیح ۴/۹۲)۔

(امام کو اختیار ہے کہ مفسد کی تعزیر میں اجتہاد کرے اور جو سزا مناسب سمجھے دے)۔

یہی وجہ ہے کہ اگر کسی کے بارے میں امام وقت محسوس کرتا ہے کہ اسے لمبی مدت تک محبوس رکھا جائے تو وہ ایسا کرسکتا ہے، جیسا کہ قتل، چوری اور لوگوں کے مارنے کے الزام میں ماخوذ شخص کو حبس دوام کی سزا دی جاسکتی ہے یہاں تک کہ وہ توبہ کرے، فتاوی خانیہ میں ہے:

"من يتهم بالقتل والسرقة وضرب الناس يحبس ويخلد في السجن إلى أن يظهر التوبة" (الفتاوی الخانیہ علی ہامش الرد ۴/ ۲۸۰)۔

(جس شخص پر قتل، چوری اور لوگوں کو مارنے کا الزام ہو اسے قید کیا جائے گا اور تا حیات قید میں رکھا جائے گا حتی کہ توبہ کرلے)۔

۲-قیدیوں کے حقوق

شریعت میں کسی ملزم یا مجرم کے گرفتار کئے جانے کا مقصد اس کی اصلاح اور مجرمانہ سرگرمیوں سے باز رکھنا ہوتا ہے نہ کہ محض اذیت دہی اور انتقامی کارروائی، اسی وجہ سے قید خانے میں بھی اس کو بہت سے بنیادی حقوق حاصل رہتے ہیں، البتہ امیر وحاکم حسب مصلحت اس سلسلہ میں کمی بیشی کے مجاز ہوتے ہیں۔

(الف) قید خانے میں ایسے مذہبی امور جن کی ادائیگی ملزم یا مجرم پر فرض ہے، اس کی اجازت ہوگی، چنانچہ انہیں نماز وغیرہ سے نہیں روکا جائے گا، الموسوعہ الفقہیہ میں ہے:

"ينبغي تمكين المحبوس من الوضوء والصلاة ولا تجوز معاقبته بالمنع منها" (الموسوعہ الفقہیہ ۱۶/ ۳۲۷)۔

(قیدی کو وضو ونماز کا موقع دیا جانا چاہئے، اس کو ان چیزوں سے روک کر سزا دینا جائز نہیں ہے)۔

علامہ ابوالحسن ماوردی نے احکام سلطانیہ میں بحالت سولی بھی وضو ونماز کی اجازت دی ہے، تحریر فرماتے ہیں:

"تعزیر میں زندہ سولی پر چڑھانا بھی جائز ہے، رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو پہاڑ ابوناب پر سولی دی تھی، سولی پر چڑھانے کے بعد کھانا پینا پہنچانا اور نماز کے لئے وضو ممنوع نہیں،

اشارے سے نماز پڑھے'' (الاحکام السلطانیہ مترجم ۳۷۵)۔

اگر کوئی قیدی مذہبی کتابوں کے مطالعہ کا ذوق رکھتا ہے، تو امیر و حاکم دیکھ لیں کہ اگر اس سے اس کی ذہنی وفکری اصلاح ہوتی ہے تو اس کی اجازت دے دی جائے گی، اس وجہ سے کہ قید کرنے کا مقصد اصلاح ہے، جو مطالعہ سے ہو رہا ہے، اسی طرح دین کی دعوت دینے والے قیدی کو بھی اس بات کی اجازت ہوگی کہ اپنے دوسرے قیدی بھائیوں تک دین کی باتیں پہنچائیں، اس سے قید خانہ کا ماحول صحیح اور دینی ہوگا اور مجرمانہ ذہنیت کا قلع قمع ہوگا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے قید خانہ میں دعوت کا فریضہ انجام دیتے ہوئے کہا: **يا صاحبي السجن أ أرباب متفرقون خير أم الله الواحد القهار** (یوسف/۳۹)، جس سے بحالت قید دینی دعوت کا ثبوت ملتا ہے، نیز قید خانہ میں تمام قیدیوں کے مذہبی جذبات کا لحاظ بھی ضروری ہے، ان کی مقدس شخصیات اور محترم کتابوں کی بے احترامی سے ہر ممکن احتراز کرنا چاہئے، قرآن کریم میں معبودان باطل کو بھی برا بھلا کہنے سے منع کیا گیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

''ولا تسبوا الذين يدعون من دون الله فيسبوا الله عدوا بغير علم'' (الانعام/۱۰۸)۔

(اور دشنام مت دو ان کو جن کی یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں، کیوں کہ پھر وہ براہ جہل حد سے گزر کر اللہ تعالی کی شان میں گستاخی کریں گے)۔

اسی طرح قیدیوں کے کھانے میں بھی اس کا لحاظ ضروری ہے کہ کوئی ایسی چیز نہ دی جائے جو ان کے مذہب کے اعتبار سے ممنوع ہو، اس لئے کہ قرآن کریم میں اہل اسلام کی یہ خصوصیت ذکر کی گئی ہے کہ:

''ويطعمون الطعام على حبه مسكيناً ويتيماً وأسيراً'' (دہر)۔

(وہ لوگ (محض) خدا کی محبت سے غریب اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں)۔

ظاہر ہے کہ اعانت کا یہ مستحسن عمل بایں طور ہوگا کہ قیدیوں کو ایسا کھانا فراہم کیا جائے جس میں ان کے لئے مذہبی اعتبار سے کوئی قباحت نہ ہو، البتہ ایسا کھانا جو شرعاً حرام ہے، اس کے فراہم کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔

(ب) اسلام نے قیدیوں کی جسمانی ضروریات کا لحاظ کیا ہے، چنانچہ ان کے خوردونوش کا مناسب انتظام حکومت کے فرائض میں سے ہے، جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ابن ملجم نے مارا تو آپ نے فرمایا:

"أطعموه واسقوه وأحسنوا أساره فإن عشت فأنا ولي دمي أعفو إن شئت وإن شئت استقدمت وإن مت فقتلتموه فلا تمثلوا" (کنز العمال ۱۳/ ۱۹۷)۔

(اسے کھلاؤ پلاؤ اور اچھی طرح قید رکھو، اگر میں زندہ رہا تو میں اپنے خون کا مالک ہوں، اگر چاہوں گا تو معاف کردوں گا اور اگر چاہوں گا تو عدالت میں اس کی پیشی کراؤں گا، اور اگر مرگیا تو اس کو قتل کردینا، مگر مثلہ نہ بنانا)۔

امام ابو یوسفؒ نے "کتاب الخراج" میں عام قیدیوں کو کھانا کھلانے کے سلسلہ میں بہت ہی واضح طور پر تحریر فرمایا ہے:

"والأسير من أسرى المشركين لابد أن يطعم ويحسن إليه حتى يحكم فيه فكيف برجل مسلم قد أخطأ أو أذنب يترك يموت جوعا" (کتاب الخراج/ ۱۴۹)۔

(جب مشرک قیدی کو کھانا کھلانا، اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا ضروری ہے یہاں تک کہ اس کا حکم دیا جاتا ہے تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک خطا کار یا گناہ گار مسلمان کو بھوک سے مرتا ہوا چھوڑ دیا جائے)۔

اگر قیدی بیمار ہوجائے تو اس کے علاج کا بھی نظم کیا جائے، قید خانہ میں اگر اس کے

علاج کی صورت ہو جاتی ہے تو باہر جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ البحر الرائق میں ہے:

"ولا يخرج للمعالجة لإمكانها في السجن" (البحر الرائق ۶ / ۲۸۳)۔

(علاج کے لئے باہر نہ نکالا جائے اس وجہ سے کہ وہ قید خانہ میں بھی ہو سکتا ہے)۔

یہیں سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ اگر قید خانہ میں علاج ممکن نہ ہو تو قیدی کو باہر لے جانے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، حفظان صحت کے لئے ورزش اور تفریح ایک ضروری امر ہے، اگر قیدی کو اس کی طبی ضرورت ہے تو اس کا بھی موقع دیا جائے گا، بشرطیکہ قید خانہ کے نظام میں کوئی خلل واقع نہ ہو اور مصلحت قید کے خلاف بھی نہ ہو۔

اگر قیدی کو اپنی بیوی سے ملاقات کی خواہش ہو تو اس کا بھی موقع فراہم کیا جائے گا حتی کہ اگر کوئی پردہ کی جگہ ہو تو اس سے مباشرت کی بھی اجازت ہوگی۔ البحر الرائق میں ہے:

"ولا يمنع من الجماع إن احتاج إليه فتدخل امرأته أو جاريته عليه إن كان فيه موضع سترة" (البحر الرائق ۶ / ۲۸۳)۔

(قیدی کو اگر ضرورت ہو تو جماع سے نہیں روکا جائے گا، چنانچہ اس کی بیوی یا باندی بشرطیکہ وہاں پردہ کی جگہ ہو اس کے پاس جائے گی)۔

قید خانہ کوئی آرام کی جگہ نہیں ہے کہ وہاں جملہ سہولیات مہیا ہوں، بلکہ وہ ایسی جگہ ہوتی ہے جہاں بستر ہوتا ہے نہ گدا، اور نہ آرام وسکون کی کوئی اور چیز، ایسے میں یہ مسئلہ قاضی کی صوابدید پر ہوگا کہ کس قیدی کو کس طرح کی سہولت فراہم کی جائے، چنانچہ کوئی قیدی اگر شرارت پر آمادہ ہے تو تنگ کوٹھری میں بھی ڈالا جا سکتا ہے، البحر الرائق میں ہے:

"وإذا حبس المحبوس في السجن متعنتا لا يوفي المال قال الأرسانيدي: يطين الباب ويترك له ثقبة يلقي منها الماء والخبز وقال القاضي الرأي فيه إلى القاضي" (البحر الرائق ۶ / ۲۸۳)۔

(اگر کوئی قیدی ڈھٹائی کے ساتھ قید خانے میں بیٹھا ہوا ہے، اور مال کی ادائیگی نہیں کر رہا ہے تو ارسانیدی نے کہا کہ اس کا دروازہ مٹی سے بند کر دیا جائے گا اور اس کے لئے ایک سوراخ چھوڑ دیا جائے گا جس سے کھانا پانی دیا جائے گا، قاضی نے کہا: اس میں قاضی کی رائے کا اعتبار ہوگا)۔

(ج) فقہاء کرام نے قید خانہ کی صفت یہ بتائی ہے کہ وہ ناہموار جگہ ہو، اس میں بستر ہو نہ گدا اور قریبی لوگوں کے علاوہ کسی کو وہاں جانے نہ دیا جائے، جو جائے تو دیر تک ٹھہرنے کی اجازت نہ ہوتا کہ اسے گھٹن کا احساس ہو۔ البحر الرائق میں ہے:

"صفة الحبس أن يكون في موضع ليس فيه فراش ولا وطاء ولا يمكن أحد يدخل عليه للاستيناس إلا أقاربه وجيرانه ولا يمكثون" (البحر الرائق ۶/ ۲۸۳)۔

(قید کی صفت یہ ہے کہ وہ ایسی جگہ میں ہو جہاں بستر ہو نہ گدا اور اس کے قریبی لوگوں اور پڑوسیوں کے علاوہ کسی کو اس کے پاس انسیت کے لئے جانے نہ دیا جائے اور نہ یہ لوگ وہاں ٹھہریں)۔

مذکور تصریح سے واضح ہوتا ہے کہ قیدی کو ایسی صورت حال سے دوچار ہونا چاہئے جس میں وہ گھٹن محسوس کرے اور ہر لحہ اسے اپنے قید ہونے کا احساس ستائے، لہذا اس کے لئے کسی ایسی چیز کی اجازت نہیں ہوگی جس میں اس کے لئے انس کا سامان ہو، اس پس منظر میں اخبارات اور ریڈیو کی اجازت قطعاً نہیں ہوگی، اس وجہ سے کہ ان چیزوں سے طبیعت بہلتی ہے اور اکتاہٹ کا احساس کم ہوتا ہے، فون کی اس حد تک تو اجازت ہوسکتی ہے کہ اس کے توسط سے اپنے مسئلہ میں مشورہ لے، لیکن اس کی عام اجازت مصالح قید کے خلاف ہوگی، باقی رہی تعلیم یا کسی ہنر کے سیکھنے کی بات تو اس کی بھی بظاہر اجازت نہیں ہونی چاہئے، اس وجہ سے کہ اس میں بھی مشغول ہو جانے کے بعد قید وبند کا احساس کم ہوگا اور قیدی کے لئے جو کیفیت مطلوب ہے مفقود ہو جائے

گی، یہی وجہ ہے کہ صحیح قول کے مطابق قیدی کو کمائی کرنے سے منع کیا گیا ہے، ورنہ تو وہ قید کیا ہوئی اچھی خاصی دکان ہوگئی۔

(د) اگر عورت قید کی جائے تو اس کا قید خانہ علیحدہ ہوگا، عالمگیری میں ہے:

"وينبغي أن يكون للنساء محبس على حدة تحرزا عن الفتنة، وعن أبي حنيفة أن المرأة تحبس في محبس النساء ولكن يحفظها الرجل" (عالمگیری ۳/ ۴۱۴)۔

(اور مناسب ہے کہ فتنہ سے بچنے کے لئے عورتوں کے لئے علیحدہ قید خانہ ہو اور امام ابوحنیفہؒ سے مروی ہے کہ عورت، عورتوں کے قید خانہ میں قید کی جائے گی، لیکن اس کی پہرے داری مرد کرے گا)۔

اگر نابالغ بچہ کسی مسئلہ میں بطور تادیب قید کیا جائے تو اس کا قید خانہ بالغ لوگوں سے علیحدہ ہوگا، بالخصوص اس صورت میں جب کہ اس کے بگڑنے کا اندیشہ ہو، اس وجہ سے کہ گندے عناصر کے درمیان کچھ دن گزارنے سے غیر شعوری طور پر اس کی ذہنیت بھی فاسد ہوگی۔ الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے:

"تدل أكثر النصوص على أن يكون حبس الحدث في بيت أبيه أووليه على أنه يجوز حبسه في السجن إلا إذا خشي عليه ما يفسده فيتوجب حبسه عند أبيه لا في السجن" (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/ ۳۱۸)۔

(اکثر نصوص سے پتہ چلتا ہے کہ نوعمر کو اس کے والد یا ولی کے گھر میں قید کیا جائے گا، اس کے ساتھ اس کو قید خانہ میں قید کرنا بھی جائز ہے، الا یہ کہ اس بات کا اندیشہ ہو کہ وہ بگڑ جائے گا تو قید خانہ کے بجائے اس کے والد کے پاس قید کرنا واجب ہوگا)۔

۳- قیدیوں سے سچی بات اگلوانے کا مسئلہ

اگر کوئی آدمی کسی الزام میں گرفتار کر کے لایا جائے، اور اس سلسلہ میں اس کے خلاف

کوئی بینہ بھی نہ ہوتو اس سے مار پیٹ اور قید وبند کی دھمکی کے ذریعہ اقبال جرم کرانا درست نہیں ہوگا اوراس حالت کا اقرار باطل قرار دیا جائے گا۔علامہ سرخسی نے مبسوط میں لکھا ہے:

''ولو أن قاضيا أكره رجلا بتهديد ضرب أو حبس أوقيد حتى يقر بحد أو قصاص كان الإقرار باطلا''(مبسوط ۲۴؍۷۰)۔

(اگر قاضی نے کسی آدمی کو حد یا قصاص کے اقرار کے لئے مارنے،قید کرنے یا پاؤں میں بیڑی ڈالنے کی دھمکی کے ذریعہ مجبور کیا تو وہ اقرار باطل ہوگا)۔

حتی کہ اگر قاضی نے اسی اقرار کی بنیاد پر سزا دے دی تو وہ اس کا ذمہ دار ہوگا اور اس کے نقصان کا ضامن ہوگا(تفصیل کے لئے دیکھئے:المبسوط ۲۴؍۷۱)۔

مذکورہ تصریح سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قیدی سے سچی بات اگلوانے کے لئے اس کو بے لباس کرنا،الکٹرک شاک لگانا،اس پر کتے چھوڑنا،اس کو سخت ٹھنڈک میں برف کی سلوں پر ڈالنا اور مسلسل جگے رہنے پر مجبور کرنا،یا اس کی رہائش میں تیز روشنی کرنا درست نہیں ہوگا،اس حالت میں اگر قیدی اعتراف جرم کرتا ہے تو باطل ہوگا،البتہ اگر ملزم ایسا ہے کہ اپنے الزام کے تعلق سے مشہور ومعروف ہے یا دوسرے مضبوط قرائن اس الزام کی تصدیق کرتے ہوں تو مارنے کی اجازت ہوگی،جیسا کہ حسن بن زیاد سے ایک امیر وقت نے دریافت کیا کہ کیا چور کو اقرار کے لئے مارا جاسکتا ہے تو آپ نے فرمایا:''مالم يقطع اللحم أو يبين العظم''یعنی جب تک گوشت نہ کاٹا جائے تو کیا ہڈی ظاہر ہوسکتی ہے،پھر آپ کو اپنی بات پر ندامت ہوئی اور خود امیر کی مجلس میں پہنچے کہ اس سے منع کردیں،مگر دیکھا کہ اس کی پٹائی ہوچکی ہے اور وہ اقرار کرکے مال بھی حاضر کرچکا ہے،جب آپ نے امیر کے سامنے مال دیکھا تو کہا:''مار أيت ظلماً أشبه بالحق من هذا'' یعنی میں نے کوئی ظلم اس سے زیادہ حق کے ہم مثل نہیں دیکھا(مبسوط ۲۴؍۷۰)۔معلوم ہوا کہ عادی اور ڈھیٹ چوروں کو مارنے کی ضرورت پڑتی ہے،اسی وجہ سے حضرت

مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کا بھی خیال یہی ہے کہ آج علماء نے اس کی اجازت دی ہے (بذل المجہود ۱۷/ ۳۲۸) اور فساد زمانہ کے پیش نظر اسی پر اعتماد ہے (شامی ۶/ ۱۴۷)، نیز اہل مدینہ کا بھی یہی قول ہے (مبسوط ۲۴/ ۷۱)۔

۴- قیدیوں کو زنجیروں میں جکڑنے کا مسئلہ

صحابہ کرامؓ نے یمامہ کے سردار ثمامہ بن اثال کو مسجد کے ایک کھمبے میں باندھا تھا جس سے قیدی کو باندھنے اور محبوس کرنے کا جواز فراہم ہوتا ہے (شرح صحیح مسلم ۱۲/ ۳۰۸)۔ اسی طرح شامی میں ہے کہ سفہاء، بدکار اور فسادیوں کو بیڑی ڈالنا درست ہے:

"وصح القيد في السفهاء والدعار وأهل الفساد (شامی ۶/ ۱۱۶)۔

(سفہاء، بدکار اور فسادی لوگوں کے پاؤں میں بیڑی ڈالنا درست ہے)۔

البتہ مدیون کو نہ مارا جائے گا، نہ بیڑی ڈالی جائے گی، نہ ہتھکڑی پہنائی جائے گی، نہ اسے ننگا کیا جائے گا، نہ اس سے مزدوری لی جائے گی اور نہ اس کو صاحب حق کے سامنے بطور اہانت کھڑا کیا جائے گا، جیسا کہ البحر الرائق میں ہے: "**لا يضرب المديون ولا يقيد ولا يغل ولا يجرد ولا يواجر ولا يقام بين يدى صاحب الحق إهانة**" (البحر الرائق ۶/ ۲۸۳)۔

۵- قید تنہائی کی اجازت

اگر کوئی قیدی ایسا ہے کہ اس کو علیحدہ کسی جگہ محبوس کر دیا جائے، تو حسب مصلحت اس کی اجازت ہوگی اور حاکم وقت کے لئے اس کو قید تنہائی میں قید کرنا درست ہوگا۔ الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے:

"**يجوز للحاكم عزل السجين وحبسه منفردا في غرفة يقفل عليها بابها إن كان في ذلك مصلحة**" (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/ ۳۱۹)۔

(حاکم کے لئے حسب مصلحت قیدی کو الگ رکھنا اور اس کو کسی مقفل کمرہ میں بند کردینا جائز ہے)۔

۶-قیدی سے جبراً کام لینا

قیدی کی اہلیت تصرف قید ہونے سے باطل نہیں ہوا کرتی بلکہ اپنے مال میں تصرف بیع وشراء کا مجاز ہوتا ہے۔ الموسوعہ الفقہیہ میں ہے:

"فإن أكره بالحبس على البيع أو الشراء أو التأجير فله الفسخ بعد زوال الإكراه لانعدام الرضا" (الموسوعة الفقهيہ ۳۲۲/۱۶)۔

(اگر قید کرکے بیع وشراء اور تاجیر پر مجبور کیا گیا تو اکراہ کے ختم ہونے کے بعد اس کو عدم رضامندی کے سبب فسخ کرنے کی اجازت ہوگی)۔

لہذا قیدی سے جبراً کام لینا درست نہیں ہوگا، جیسا کہ المبسوط میں ہے:

"ولا يؤاجر من غير اختياره لأن ذلک نوع حجر عليه ولا يجوز ذلک في ماله فلأن لايجوز في نفسه بطريق الأولى" (المبسوط ۹۰/۲)۔

(قیدی کی رضامندی کے بغیر اس سے مزدوری کا کام نہیں لیا جائے گا، اس وجہ سے کہ ایک طرح سے اس کے تصرف سے روکنا ہے، اور یہ اس کے مال میں جائز نہیں ہے تو اس کی ذات میں بدرجہ اولی جائز نہیں ہوگا)۔

لیکن قیدی سے جبراً کام لیا گیا ہے تو وہ اس کی اجرت کا مستحق ہے، اس وجہ سے کہ یہ اپنی جانب سے منفعت پیش کررہا ہے جس کا تقاضا ہے کہ اس کو اس کا عوض ملے، اس وجہ سے کہ بحالت اکراہ بھی عقود نافذ ہوجایا کرتے ہیں۔

۷-زیر سماعت مقدمہ

ایسے مقدمات جو ابھی زیر سماعت ہیں اور ایسے مقدمات جن کا فیصلہ ہوچکا ہے، دونوں

قیدیوں کے بارے میں فرق ہوگا۔ الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے:

"والمعمول به في القديم تميز حبس الوالي الذي يضم أهل الريبة والفساد (الموقوفين) عن حبس القاضي الذي يضم المحكومين ويختلف سجن الوالي عن سجن القاضي" (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/۳۱۸)۔

(زمانہ قدیم میں یہ معمول رہا ہے کہ والی کی قید جس میں مشکوک اور فسادی لوگ (روکے ہوئے) ہوتے ہیں، قاضی کی قید سے الگ رہیں جس میں وہ قیدی ہوتے ہیں جن کے بارے میں فیصلہ کیا جا چکا ہے اور والی کا قید خانہ قاضی کے قید خانہ سے مختلف ہوتا ہے۔

۸- زیر سماعت قیدیوں کو روکنے کی مدت کا مسئلہ

زیر سماعت قیدیوں کو تعزیراً روکا جاتا ہے اور یہ قاضی کی صوابدید پر ہوتا ہے، اس لئے اگر ان کی مدت حراست اصل سزا سے بڑھ جائے تو اس کی اجازت ہوگی، کیوں کہ دونوں قید کی نوعیت میں فرق ہے، پھر تعزیرات کے باب میں قاضی کو اختیار ہوتا ہے کہ ملزم یا مجرم کے حالات کے مطابق فیصلہ کرے، البتہ والی کو چاہئے کہ قیدیوں کے مسائل جلد از جلد حل کرے، امام ابو یوسفؒ نے ہارون رشید کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"مر ولاتک جميعا بالنظر في أمر أهل الحبوس في كل يوم فمن كان عليه أدب أدب وأطلق ومن لم يكن له قضية خلي عنه" (کتاب الخراج ر ۱۵۷)۔

(اپنے تمام والیوں کو حکم دیں کہ وہ قیدیوں کے معاملات کا روزانہ جائزہ لیا کریں، پھر جن کو سزا دینی ہے سزا دے کر چھوڑ دیں، اور جن کا کوئی مسئلہ نہیں ہے انہیں رہا کر دیں)۔

۹- بری ہونے کے بعد زمانہ قید کی ذہنی اذیت کا ہرجانہ

اگر کوئی شخص کسی الزام میں ماخوذ ہوا اور اسے قید خانہ میں ڈال دیا گیا، پھر مقدمہ کی

سماعت کے بعد عدالت نے اسے بری کر دیا تو ایسی صورت میں اسے زمانہ قید کی اذیتوں، پریشانیوں کے مالی ہرجانہ کے مطالبہ کا حق حاصل نہیں ہوگا، اس لئے کہ یہ قید تعزیراً ہے، جس کی شریعت نے اجازت دی ہے۔

۱۰-قیدی کے لئے وکیل صفائی کا مسئلہ

اسلام نے قیدی کو اپنی صفائی پیش کرنے کا حق دیا ہے، چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا:

"إذا تقاضی إلیک رجلان فلا تقض للأول حتی تسمع کلام الآخر" (ترمذی ۱/۲۴۸)۔

(جب آپ کے پاس دو آدمی اپنا مقدمہ لے کر آئیں تو پہلے کے حق میں فیصلہ نہ کر دیں یہاں تک کہ دوسرے کی بات بھی سن لیں)۔

اسی طرح دوسری حدیث میں ہے:

"لو یعطی الناس بدعواهم لادعی الناس دماء رجال وأموالهم ولکن البینة علی المدعی علیه" (مشکوۃ ۲/۳۲۶)۔

(اگر لوگوں کو محض ان کے دعوی کے مطابق دے دیا جائے تو بہت سے لوگ دوسروں کی جان و مال بذریعہ دعوی لینے لگیں گے، لیکن مدعا علیہ پر یمین ہے)۔

اس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ قیدی کو اپنی صفائی پیش کرنے کا پورا پورا حق ہے اور وہ اس سلسلہ میں اپنے وکیل سے رابطہ کر کے عدالت مین اپنی صفائی پیش کرسکتا ہے۔

۱۱-خواتین قیدی کا اپنے ساتھ شیر خوار بچے کو رکھنا

ماں کو اپنے بیٹے سے جذباتی لگاؤ ہوتا ہے، وہ نہیں چاہتی کہ اس کا لخت جگر ایک لمحہ کے

لئے بھی اس کی نگاہ سے اوجھل ہو، شریعت اسلامیہ نے اس جذبہ کا لحاظ کیا ہے، چنانچہ زوجین میں علیحدگی کی صورت میں حضانت کا حق اسی کو حاصل ہے۔ ہدایہ میں ہے:

"وإذا وقعت الفرقة بين الزوجين فالأم أحق بالولد" (ہدایہ ۲/ ۴۱۴)۔

(جب زوجین میں علیحدگی ہو جائے تو ماں بیٹے کی زیادہ حق دار ہے)۔

اسی طرح اگر شوہر مدت رضاعت کے دوران دودھ چھڑانے پر مجبور کرے تو اس کو یہ حق حاصل نہیں ہے۔ درمختار میں ہے:

"وليس له ذلك يعني الإجبار بنوعيه مع زوجته الحرة ولو قبلهما لأن حق التربية لها" (درمختار ۴/ ۳۹۸)۔

(شوہر کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ اپنی آزاد عورت کو دودھ پلانے اور اس کے چھڑانے پر مجبور کرے خواہ دو سال سے پہلے ہی، اس وجہ سے کہ تربیت کا حق ماں کو حاصل ہے)۔

نیز اگر شوہر اپنے بیٹے کو دودھ پلانے کے لئے کسی مرضعہ کا انتظام کرتا ہے تو وہ ماں کے پاس آکر بچہ کو دودھ پلائے گی، درمختار میں ہے:

"ويستأجر الأب من ترضعه عندها لأن الحضانة لها والنفقة عليه"

(درمختار ۵/ ۳۴۷)۔

(باپ کسی عورت کو اجرت پر طے کر دے کہ وہ بچہ کو اس کی ماں کے پاس دودھ پلائے، اس وجہ سے کہ حضانت ماں کا حق ہے اور نفقہ شوہر کے ذمہ)۔

مذکورہ بالا تصریحات سے واضح ہوتا ہے کہ شیر خوار بچہ کو قیدی ماں کے ساتھ قید خانہ میں رکھنا درست ہے اور یہی بچہ کے حق میں ماں کی محبت وشفقت کا تقاضا بھی ہے۔

قیدیوں سے متعلق مسائل اور حل

مولانا محمد اقبال ٹنکاروی ☆

قید عقوبت ہی کی ایک قسم ہے لہذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عقوبۃ کی تعریف، اس کی غرض، اس کی قسمیں بیان کردی جائیں تاکہ سزاؤں کے سلسلہ میں اسلامی نقطہ نظر ابھر کر سامنے آجائے۔

عقوبۃ کی تعریف

علامہ ماوردی بحوالہ (احکام السجن ۲۱۹/) **الحد والتعزیر** سے کی ہے، جب کہ قاموس الفقہ میں بحوالہ معین الحکام اس طرح تعریف کی گئی ہے: "**العقوبة جزاء شرعي على فعل محرم أو ترك واجب أو سنة أوفعل مكروه**" (۳۰۸/۴)۔

ان عقوبات کی غرض کیا ہے؟ تو ملکی قوانین میں عقوبات اس لئے ہوتی ہے کہ امن عامہ کا قیام اور حقوق انسانی کا تحفظ ہو، بیشک اسلام میں سزاؤں کا ایک مقصد یہ بھی ہے، لیکن اس کے ساتھ کچھ اور بھی مقاصد ہیں جن کا تعلق تصور آخرت و رضائے رب کے ساتھ ہے، لہذا اہم مختصراً ان مقاصد کو بھی ذکر کرتے ہیں:

۱- قیام امن جس کی طرف "**ولكم فى القصاص حياة**" سے اشارہ کیا گیا ہے۔

☆ دار العلوم ماٹلی والا، بھروچ، گجرات۔

۲- مجرمین کی حوصلہ شکنی اور عامۃ الناس کو عبرت حاصل ہو جس کی طرف "ویشھد عذابھما الخ" سے اشارہ ہوا۔

۳- تقاضۂ عدل کی تکمیل تا کہ مظلوم کا دل جذبہ انتقام وکینہ وغیرہ سے پاک ہو جائے، اور افراد قانون اپنے ہاتھ میں نہ لیں۔

۴- مجرم کی پاکی وتطہیر وغیرہ (ملخصاً از قاموس الفقہ ۳/ ۹۰-۹۲)۔

چوں کہ اسلامی سزائیں تصور آخرت، احساس عبدیت اور توبہ کی رغبت وغیرہ کو شامل ہیں جو کہ انسانیت کا جوہر ہے، لہذا اسلامی سزاؤں میں اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ سزا کا کوئی پہلو انتقام یا تحقیر سے متصف نہ ہو، لہذا علامہ الماوردی الاحکام میں تحریر فرماتے ہیں: اتصافھا (العقوبة) بالتقويم والإصلاح (ص/ ۲۳۶)۔

"فقد تضافرت النصوص على منعها من المعاني السيئة كالتعذيب والتحقير والقسوة وفررت فيها الأهداف السامية والغايات الكريمة" (احکام السجن / ۲۲) یہی وجہ ہے کہ معمولی گناہ پر سخت سزا یا سخت گناہ پر معمولی سزا نہیں رکھی گئی، اسی طرح شبہات کا فائدہ دے کر تنفیذ حدود کو لازم نہیں کر دیا۔

انہی خصوصیات کی بنا پر عقوبات کی اسلام نے تین قسمیں کر کے ہر ایک کے احکام بھی الگ بیان کئے ہیں تا کہ تخفیف وتشدید علی قدر الحاجۃ ملحوظ رہے، وہ قسمیں حدود، قصاص، تعزیر ہیں، ہمارا مسئلہ قید، اسی تعزیر کی ایک قسم ہے، لہذا ہم تعزیر کے سلسلہ میں قدرے عرض کرنے کے بعد مسئلہ مبحوث عنہا قید کی تفاصیل کا آغاز کریں گے۔

تعزیر کا اصطلاحی معنی

علامہ کاسانی نے اس طرح بیان کیا ہے: "عقوبة غير مقدرة تجب حقاً لله

تعالی أو لآدمي فی کل معصیة لا حد فیها ولا کفارۃ" (بدائع ۷ر ۶۳)، اور اسی وجہ سے شریعت نے تعزیر میں کوئی مقدار وغیرہ مقرر کرنے کے بجائے قاضی اور امام کی طرف تفویض کردی ہے، البتہ کن چیزوں میں تعزیر کی جائے گی اس کو فقہاء کرام نے مفصلاً ذکر کیا ہے، ایک ضابطہ یہ بیان کردیا ہے: "سبب العقوبة في التعزیر الإضرار بالمجتمع وإیذاء الناس في أنفسهم وأموالهم وحقوقهم (احکام السجن ر ۲۷)۔

درمختار میں ہے: "فکل من ارتکب منکرا أو أذی غیرہ بغیر حق بقول أو فعل أو إشارۃ یستحق التعزیر" (درمختار ۴ر ۶۶)۔

جس طرح تعزیر مشروع ہے اسی طرح تعزیر کی الگ الگ انواع بھی فقہاء نے بیان کی ہیں کہ کون سے گناہ میں کیسی سزا دی جائے جس کی اجماع فہرست مذاہب اربعہ کی روشنی میں احکام السجن کے حوالہ سے درج کرتا ہوں: (۱) قتل (۲) جلد (۳) نفی (۴) صلب (۵) ہجر (۶) توبیخ وتہدید (۷) الاعلام (۸) عہدہ سے ہٹا دینا (۹) بعض حقوق سے حرمان (۱۰) مجرم کی شہرت وتشہیر (۱۱) غرامہ، (احکام السجن ملخصاً ص ۳۰ سے ۳۵)۔

قید کا اصطلاحی معنی

اس کا معنی کسی شخص کو اپنے دینی اور معاشرتی کام سے روک دینے کے ہیں، قید کا اصطلاحی معنی بدائع میں یوں ہے: "ھو منع الشخص من الخروج إلی أشغاله ومھماته الدینیة والاجتماعیة (بدائع ۷ر ۱۷۴)، یہی وجہ ہے کہ درخت کے ساتھ باندھنے اور مسجد میں باندھنے پر بھی قید کا اطلاق ہوا ہے۔

قید کی شرعی حیثیت

قید کا ثبوت قرآن اور حدیث سے ہے، نفس قید کی مشروعیت پر یہ آیتیں ہیں:

"فشدوا الوثاق......- وخذوهم واحصروهم ...- أو ينفوا من الأرض۔

دارقطنی میں ہے:"إذا أمسک الرجل الرجل وقتله الآخر فيقتل الذی قتل ويحبس الذی أمسک" (دارقطنی، نیل الاوطار)، اسی طرح واقعہ ابولبابہ اور واقعہ ثمامہ بن اثال وغیرہ سے استدلال کیا گیا ہے۔ نفس قید کی مشروعیت کے بعد فقہاء نے قید کی دو قسمیں بیان کی ہیں: (۱) حبس التعزیر (۲) حبس الاستیثاق (بدائع ۷/۶۵)، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح قید بغرض سزا و تعزیر مشروع ہے اسی طرح قید بطور احتیاط بغرض اقرار جرم وغیرہ جائز ہے۔

حبس کی قسمیں

یہاں پر یہ جان لینا خالی از فائدہ نہیں کہ حبس بقصد الاستیثاق کو تین قسموں پر منقسم کیا گیا ہے: (۱) حبس التہمۃ (۲) حبس الاحتراز (۳) حبس تنفیذ العقوبۃ۔

حبس التہمۃ کی مشروعیت پر سیدنا یوسفؑ کے دو ساتھی جو جیل میں تھے اس سے بھی استدلال کیا گیا ہے، اسی طرح آپ ﷺ نے ایک آدمی کو تہمت کی بنیاد پر قید کیا تھا (فتح القدیر ۵/ ۴۷۱)۔ ہمارے فقہاء نے متہم کے سلسلہ میں تفصیل کی کہ اگر اس شخص پر پہلے کوئی تہمت نہیں آئی اور فی الحال بھی کوئی قرینہ قویہ نہیں ہے تو اس کو قید کرنا جائز نہیں اور اگر وہ شخص مجہول الحال ہو تو اس کی حالت منکشف ہونے تک اس کو قید کیا جا سکتا ہے اور اگر وہ معروف بالفجور ہو تو اس کو بدرجہ اولی گرفتار کر سکتے ہیں، حبس بالتہمۃ کی مدت قید کے سلسلہ میں فقہاء کی آراء مختلف ہیں، مگر مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کی حد بندی نہ کی جائے بلکہ حاکم کی صوابدید پر چھوڑ دیا جائے (شامی ۴/ ۸۸، ابن فرحون ۲/ ۱۵۵)۔

حبس احتراز

دوسرے نمبر پر حبس احترازی ہے جس کی تعریف یوں کی جا سکتی ہے: "التحفظ

لمصلحة العامة علی من یتوقع حدوث ضرر بترکه ولا یستلزم منه وجود التهمة" (احکام السجن ۱۰۸)، ان کا حکم یہ ہے کہ ان کو محبوس بالتہمت کے مقابلہ میں زیادہ رعایت دی جائے گی اور خطرہ اٹھ جانے کے بعد ان کو چھوڑ دیا جائے گا، حبس احترازی پر سیدنا یوسفؑ کے واقعہ سے استدلال کیا جا سکتا ہے (تفسیر خازن ۳/۴۵)، اسی طرح سنن ابوداؤد کی ایک روایت سے بھی جس میں غالب بن عبداللہؓ کو بنوملوح پر حملہ کے لئے بھیجا گیا تھا پھر ان کی ملاقات حارث بن برصاء سے ہوئی تو انہوں نے ان کو قید کر دیا، حارث نے کہا: میں تو مسلمان بننے آیا ہوں، تو حضرت غالبؓ نے کہا: "إن کنت مسلماً فلا یفرک رباطنا یوماً ولیلة وإن تکن غیر ذلک نستوثق منک" (سنن ابوداؤد ۳/۷۶)۔

حبس تنفیذ عقوبۃ

تیسرے نمبر پر حبس تنفیذ عقوبۃ ہے (یعنی مقررہ سزا کے نفوذ کے انتظار میں قید کیا جائے)، اس صورت کے جواز میں آپ ﷺ کا قبیلہ بنوقریظہ کے غداروں کو روک رکھنا پھر ان کے قتل کا حکم دینا اس واقعہ سے استدلال کیا جاتا ہے (کتاب الخراج ۲۱۸) اس انتظار کے کئی اسباب ہو سکتے ہیں، مثلاً عورت ہو اور حاملہ ہو، یا اولیاء قصاص میں سے کوئی غائب ہو، یا مجرم نشہ کی حالات میں ہو وغیرہ۔

یہ کلام تو قید بقصد الاستیثاق کی تفصیل میں تھا، اب تھوڑی تفصیل قید بقصد التعزیر کے تحت پیش خدمت ہے۔

حبس بالتعزیر کی مشروعیت

حبس بالتعزیر کی مشروعیت پر حضرت ابولبابہ کا واقعہ، اسی طرح ان عورتوں کو محبوس رکھنا جو فاحشہ (زنا) کا ارتکاب کریں وغیرہ سے استدلال کیا جاتا ہے، لیکن یہ قسم حبس بالتعزیر نبی

کریم ﷺ کے زمانہ میں دوسری سزاؤں کے مقابلہ میں قلیل الاستعمال رہی ہیں، البتہ سیدنا فاروقؓ وعثمانؓ وعلیؓ کے زمانہ میں یہ برابر استعمال ہوتی رہی۔

حبس بالتعزیر کا موجب کیا ہے تو فقہاء کے کلام سے پتہ چلتا ہے کہ حبس بطور تعزیر کے ان جرائم وافعال میں مشروع ہے جن میں حد نہ ہو، چاہے اس جرم کا تعلق حق اللہ سے ہو یا حق العباد سے ہو۔

حبس بالتعزیر کی اقل مدت ایک دن ہے (درمختار للحصکفی ۵/۳۸۴)۔ اکثر مدت کی کوئی حد نہیں بلکہ حاکم کی صوابدید پر محمول ہے (درمختار ۵/۳۸۹)۔

البتہ فقہاء کے کلام میں حبس قصیر وحبس طویل کا ذکر ملتا ہے، جیسا کہ ابن فرحون نے تبصرہ میں تصریح کی ہے، ایک سال سے کم حبس قصیر ہے اور ایک سال سے زیادہ مدت حبس طویل ہے، فقہاء نے اس بات کی بھی صراحت کی ہے کہ چھوٹے چھوٹے جرائم میں حبس قصیر ہوگا جیسا کہ پڑوسی کو ستانے والے کو تین دن قید کیا جائے گا (ونشریسی ۲/۴۰۲)۔

اسی طرح بڑے گناہ والے یا عادی مجرم کو حبس طویل کی سزا دی جائے گی (ابن فرحون ۲/ ۱۴۲، ابن عابدین ۴/۷۴)، ان تصریحات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اگر حاکم حبس کی تحدید کردے کہ فلاں جرم میں اتنی مدت کی قید ہوگی تو یہ جائز ہے، ایک مسئلہ یہاں یہ بھی ہے کہ کیا حبس مؤبد جائز ہے کہ نہیں تو کتاب وسنت وکلام فقہاء سے اس کے جواز کا پتہ چلتا ہے جیسا کہ آیت کریمہ: "حتی یتوفاهن الموت الخ" اور حدیث: "إن رسول الله ﷺ قتل ثلثة مشركين صبراً" سے مصرح ہے (اخرجہ ابوداؤد فی مراسیلہ)، نیز کاہلی کی بنا پر نماز ترک کرنے والا، عمل لوطی کا مرتکب وغیرہ کی سزا فقہاء نے حبس دائمی ذکر کی ہے (شامی ۴/۷۲)۔

اسی طرح قید تنہائی جائز ہے جیسا کہ سیدنا عمرؓ نے حطیہ شاعر کو کنویں میں بند کردیا (ابن فرحون ۲/۲۱۷)، نیز فقہ کی کتابوں میں مدیون متعنت کو تنہا قید کرنے کا ذکر ہے (ابن عابدین

۵/ ۳۷۷)، اسی طرح مخنث کو تنہا قید کرنے کا ذکر ہے (فتاوی ابن تیمیہ ۱۵/ ۳۱۰)، لیکن یہ یاد رہے کہ شریعت مطہرہ میں خاص خاص اسباب اور مصالح کے پیش نظر ہی قید تنہائی روا ہے جیسا کہ مظاہر حق اور دین حق سے سرکشی کرنا، دوسروں کو ہمیشہ سب وشتم کرتے رہنا، اخلاق کی تخریب کاری، فساد فی الارض وغیرہ، لہذا اگر یہ اندیشہ ہو کہ قید تنہائی کے سبب مجرم کی اصلاح نہیں ہوگی اور وہ عبرت حاصل نہیں کرے گا تو اس صورت میں قید تنہائی مناسب نہ ہوگی، الغرض حاکم وقت جو مصلحت سمجھے وہ کرے، یاد رہے کہ یہ قید تنہائی ہمیشہ کے لئے نہ دے بلکہ اتنی ہی مدت کافی ہے جس میں عبرت کی توقع ہو جیسا کہ بعض ممالک عربیہ میں قید تنہائی کی مدت ۱۵ دن یا اس سے کم تھی جیسا کہ تونس، کویت، مصر (احکام السجن)۔

یہ پوری بحث صرف قید کے متعلق ہے، اب ہم سوالات کا جائزہ اس تفصیل کی روشنی میں لیں گے:

۱- بغیر کسی ثبوت جرم کے کسی کو بقصد الاحتراز قید کر سکتے ہیں اور اس کی مدت کی کوئی تعیین نہیں، حاکم کی صوابدید پر چھوڑ دیا جائے، البتہ اس کے ساتھ مجرم قیدی جیسا برتاؤ نہیں کیا جائے گا۔

۲- کسی مجرم کو خصوصی جرم کی بنا پر قید تنہائی میں رکھا جاسکتا ہے۔

۳- مجرم قیدی اور ملزم قیدی کے درمیان فرق کیا جائے گا اور ملزم کو زیادہ رعایت دی جائے گی۔

۴- تہمت کی بنا پر قید کرنا درست ہے جیسا کہ تفصیلاً گزر چکا ہے۔

۲- (الف): مذہبی امور:

۱- قیدی کو عبادت کی اجازت ہوگی بلکہ سجون اسلامیہ میں تو کوتوال کو پابند بنایا جائے گا

کہ وہ دھیان رکھے کہ مسلمان قیدی نماز کا اہتمام کرتے ہیں یا نہیں؟ احکام السجن میں معالم القربۃ لابن الاخوۃ (ص/۱۸۴) کے حوالہ سے ہے: "نصوا علی أن من وظائف المحتسب مراقبة السجناء فی أداء فرائضهم" (احکام السجن/۳۸۷)۔

شامی (۳۷۸/۵) میں ہے: "ویجب تمکین السجن من الماء للوضوء ونحوه ویحرم منعه من ذلک"، سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ نے گورنروں کو خط میں لکھا تھا: "لا تدعنّ فی سجونکم أحداً من المسلمین فی وثاق لا یستطیع أن یصلی دائماً ولا یبیتنّ فی قید إلا رجلاً مطلوباً بدم" (کتاب الخراج/ص ۱۶۲)۔

۲- دعوت دین کے سلسلہ میں سیدنا یوسفؑ کی دعوت بہترین مثال ہے، اسی طرح مرتد کو تین دن تک جو تذکیر کرنے کی روایات ہیں وہ بھی حق دعوت وضرورت دعوت پر دال ہیں۔

۳- مطالعہ کتب وغیرہ کی بھی آزادی ہوگی، احکام السجن/۳۸۳ پر بحوالہ بدایہ لابن کثیر (۱۴۰/۱۴) ہے: "کان یسمح للسجناء فی السجون الإسلامیة بإدخال الکتب والأقلام والأوراق للقراءة والکتابة کما فعل هارون مع أبی العتاهیه"۔

۴- مذہبی شخصیات وکتب کا احترام تو ویسے بھی آیت کریمہ "ولا تسبوا الذین الخ" سے مصرح ہے جس میں قید وآزادی کی کوئی حد نہیں ہے۔

(ب) جسمانی ضروریات

۱- مناسب غذا و پانی اور کپڑے فراہم کرنا حکومت کی اپنی ذمہ داری ہوگی، نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو ثمامۃ بن اثال کی جب کہ وہ قیدی تھے دیکھ بھال کرنے کا حکم دیا تھا، یہ حکم کتنا فکر انگیز ہے۔

"أجمعوا ما عندکم من طعام فابعثوا به إلی ثمامة بن أثال (فتح الباری ۸/

۸۸)، یہود بنو قریظہ جب غزوہ احزاب میں قید ہوئے اور گرمی بہت تھی تو آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کو ان کے متعلق حکم دیا: "لا تجمعوا عليهم حرّ هذا اليوم وحر السلاح واسقوهم وقيّلوهم (بدائع ۷/ ۱۲۰)، امام ابو یوسفؒ نے کتاب الخراج (ص ۱۶۱) میں نقل کیا ہے: "وكتب عمر بن عبد العزيز إلى عماله أن أجروا على السجناء ما يصلحهم في طعامهم وإدامهم، وكتب أبو يوسف كتاباً إلى خليفة هارون الرشيد يوصيه بإطعام السجناء وتغذيتهم ونصح أن يخصص لهم مبالغ من المال" (الخراج ص ۱۶۲)، یہ ساری وضاحتیں اسی آیت کریمہ "ويطعمون الطعام على حبه مسكيناً ويتيماً وأسيراً" کی رہین منت ہیں، کپڑوں کے سلسلہ میں امام بخاریؒ نے باب ہی قائم کردیا: باب الكسوة للأسارى۔ سیدنا علیؓ قیدیوں کو سال میں دو مرتبہ گرمی اور ٹھنڈی میں کپڑا دیتے تھے (الخراج ص ۱۶۱)۔

۲- صحت وراحت کا جہاں تک مسئلہ ہے تو حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا یہ فرمان کافی ہے: "انظروهن في السجون وتعهدوا المرضى" (ابن سعد ۵/ ۳۵۶)، فقہاء کرام نے بھی اس مسئلہ کو بیان کیا ہے: "إذا مرض المحبوس في سجنه وأمكن علاجه فيه فلا يخرج لحصول المقصود" (شامی ۵/ ۳۷۸)، "ولا يمنع الطبيب والخادم من الدخول عليه لمعالجته وخدمته" (فتح القدیر ۴۷۱)، یہ تو اس وقت ہے جب اس کا علاج قید خانہ میں ممکن ہو، اور اگر ممکن نہ ہو تو "أنه يخرج من سجنه للعلاج والمداواة لصيانة نفسه" (فتح القدیر ۵/ ۴۷۱)، بلکہ فقہاء نے تو نظافت وطہارت کے مسائل بھی بیان کئے ہیں کہ نظافت کا اثر صحت پر ہوتا ہے۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں: "ينبغي تمكين السجين من إزالة شعره في الحبس" (ہندیہ ۳/ ۴۱۸)۔

۳- بیوی سے تعلق رکھنے کے سلسلہ میں فقہاء کے درمیان مختلف آراء پائی جاتی ہیں،

کچھ لوگوں کی رائے یہ ہے کہ قید ایک زجر ہے اور وطی ایک لذت ہے لہذا وطی کی اجازت دینے سے معنیٰ زجر حاصل نہیں ہوگا، جب کہ دوسری رائے یہ ہے کہ جب مصلحت کے خلاف نہ ہو اور میاں بیوی کے لئے رات گزارنے کی قید خانہ میں موزوں جگہ ہو تو قیدی کو وطی کی اجازت دی جائے گی کہ یہ بھی شہوت فرج ہے جس طرح شہوت بطن ہوتی ہے (فتح ۵/۴۷۱، ھندیہ ۳/۴۱۸)، بلکہ بعض احناف نے بیوی کو شوہر کے ساتھ رکھنے کو مستحب لکھا ہے جب کہ بیوی کو فساد و بے راہ روی کا اندیشہ ہو (شامی ۵/۳۷۷، بزازیہ ۵/۲۳۵)۔

۴- تنگ جگہ میں قید کرنے کو ہمارے فقہاء نے روا نہیں رکھا ہے۔ احکام السجن میں بحوالہ الافصاح لابن ہبیرہ ہے: "لا أعرف أنه يجوز لأحد من المسلمين جمع الكثير في حبس يضيق عنهم غير متمكين من الوضوء والصلوة (احکام السجن ۱/۳۹)۔

(ج) عام سماجی حقوق

۱- تعلیم و ہنر: تعلیم اور ہنر کی اہمیت اسلام میں جس قدر تھی اسی قدر ضروری تھا کہ وہ اس تعلیم کو عام کرے، لہذا اسلام نے قیدیوں کی تعلیم کو نہ صرف جائز رکھا بلکہ مستحسن نظروں سے دیکھا، ایسے ہی ہنر کو بھی، اس سلسلہ میں سیدنا یوسفؑ کی تعلیم و تبلیغ مثالاً پہلے پیش کی جا چکی ہے۔ بدر کے قیدیوں کا واقعہ بھی عمدہ مثال ہے۔

۲- ملاقات: قیدی کے دوست واحباب اس سے ملاقات کر سکتے ہیں، مبسوط سرخسی (۲۰/۹۰) میں ہے: "لا يمنع المحبوس من السلام على أصدقائه والحديث معهم إلا من يخشى أن يعلمه الحيلة فيمنع"، اسی طرح گھر والوں اور پڑوسیوں کو بھی ملاقات سے نہیں روکا جائے گا البتہ دیر تک بیٹھے رہنے سے روکا جائے گا: "ولا يمنع المحبوس من دخوله أهله وجيرانه للسلام عليه ويمنعون من طول المكث عنده"

(مبسوط ۲۰/۹۰)۔

۳- اسی طرح ان کو خط و پیغام کی اجازت ہوگی جس طرح ان کو روبرو گفتگو کی اجازت ہے، ہاں اگر یہ مصلحت کے خلاف ہو تو روک دیا جائے گا۔ علامہ ابن کثیر نے (البدایہ ۱۴/۴۸) میں فقیہ و محدث مرد مجاہد علامہ ابن تیمیہؒ کے متعلق بیان کرتے ہیں: "ولما حبس ابن تیمیة استمر فی سجنه یستفتی ویقصده الناس ویزورونه"۔

۴- اسی طرح حاکم وقت کے نزدیک اگر مصلحت کے خلاف نہیں ہو، تو ان کو فون، ریڈیو، اخبار وغیرہ مہیا کر سکتے ہیں، احکام السجن (ص/۴۹۷) میں ہے: "وإن رأی الحاکم مصلحة فی اطلاع المحبوس علی أنواع الکتب والصحف الهادفة لتعریفه بالأنباء المهمة والأخبار المفیدة وتزویده بالثقافة فله أن یفعل ذلک ومثل هذا تمکینه من الاستماع إلی مذیاع"۔

اخلاقی امور

یعنی مرد و عورت بالغ و نابالغ کو قید خانہ میں علیحدہ رکھنا: یہ خصوصیات اسلام میں سے ہے کہ جہاں جرم پر روک لگاتا ہے وہیں اس جرم کے اسباب سے بھی دور رہنے کا حکم دیتا ہے: "ولا تقربوا الزنا" اس پر شاہد عدل ہے، سد ذرائع میں سے ایک ممانعت خلوۃ الرجال مع النساء بھی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ دین فطرت نے اس خلوۃ قبیحہ کا خیال قید کی حالت میں بھی رکھا، بنوقریظہ کے قیدیوں کے سلسلہ میں نبی کریم ﷺ کا یہ معمول زرقانی (۲/۱۳۶) نے بیان کیا ہے، آپ ﷺ نے مرد و عورت دونوں کو الگ الگ رکھا ہے: "أنه حبس رجال بنی قریظة فی ناحیة وجعل نسائهم وذریتهم فی ناحیة أخری"۔ علامہ سرخسی مبسوط (۲۰/۹۰) میں تحریر فرماتے ہیں: "أنه ینبغی أن یکون للنساء محبس علی حدة ولا

يكون معهن رجال تحرزا من الفتنة"، لہذا امردوں کا قید خانہ الگ ہوگا اور عورتوں کا الگ۔

۲- جہاں تک بالغ ونابالغ کی بات ہے تو اولاً نابالغ تو عقوبہ کا اہل ہی نہیں، البتہ اس کو بطور تادیب کچھ سزا دینا چاہے تو دے سکتے ہیں، علامہ طرابلسی (ص ۱۷۴) پر تحریر فرماتے ہیں: "**وقال آخرون بجواز حبس الحدث الفاجر على وجه التأديب لا العقوبة**"، لہذا اگر نابالغ کو تادیباً قید کرلیا جائے تو اسے کہاں رکھا جائے، اگر اس کو بڑوں کے پاس رکھیں تو کئی مفاسد ہیں، لہذا نابالغ کو اس کے ولی کے پاس ہی قید رکھا جائے گا جیسا کہ علامہ شامی نے مرتدہ صغیرہ کا حکم بیان کیا ہے: **إن المرتدة الصغيرة ونحوها تحبس عند وليها حتى تتوب**" (در ۴/ ۲۵۳)۔ علامہ ونشریسی (۸/ ۲۵۸) پر فرماتے ہیں: "**إذا خشي عليه ما يفسده توجب حبسه عند أبيه لا في السجن**"۔ لہذا مناسب یہ ہے کہ نابالغ کو اس کے ولی کے پاس ہی قید کیا جائے، لیکن اگر اس صورت میں تادیب نہ ہو تو حکومت وقت ان کا الگ قید خانہ بنائے جیسا کہ حکومت تونس اور حکومت کویت نے کیا ہے۔

قیدی کی تادیب

اس بات پر تو سب متفق ہیں کہ قیدی کی تادیب جائز ہے، کن باتوں پر تادیب کر سکتے ہیں اس کو بھی فقہاء نے بیان کیا ہے مثلاً: (۱) جو جرم کا عادی ہو یا لوگوں کے درمیان خوف وہراس پھیلاتا ہو (ابن فرحون ۲/ ۱۶۲)، (۲) حق چھپاتا ہو یا مجرم کا پتہ نہ دیتا ہو (السیاسۃ/ ۱۹)، (۳) مالدار قرض دار جب قرض ادا نہ کرے (در ۵/ ۳۷۹)، (۴) بنو ہاشم کو گالیاں دے یا علماء یا اسلاف کو برا بھلا کہے (ابن فرحون ۲/ ۳۰۷) وغیرہ وغیرہ۔

فقہاء نے اس بحث کو اٹھایا ہے کہ تادیب کی کیا صورت ہوگی، اس کو اجمالاً ذکر کر دیتا ہوں: (۱) زجر وتوبیخ ودھمکانا (۲) حلق رأس (ابن فرحون ۲/ ۳۰۴)، (۳) ضرب کے ذریعہ، پھر

فقہاء نے ضرب میں کافی تفصیل کی ہے، (۴) بیڑیاں ڈالنا "فشدوا الوثاق" سے اس پر استدلال ہے، اسی طرح آپ ﷺ کے زمانہ میں ایک شخص کو بیڑیاں ڈالی گئی تھیں (مسلم ۳/ ۱۲۶۲)۔ بیڑیاں کب ڈالی جائیں گی اس کی مختصر وضاحت یہ ہے: (الف) قیدی مطلوب بالدم ہو (دسوقی ۴/ ۳۵۷) (ب) مفسد شریر ہو (ھدایہ ۴/ ۷۷)، (ج) بھاگ جانے کا اندیشہ ہو (ونشریسی ۲/ ۳۱۷)، (د) یا یہ کہ بیڑیاں اس کے لئے باعث عبرت ہو (شامی ۴/ ۶۶)، (۵) تادیب کی ایک صورت قیدی کو کچھ چیزوں سے محروم کر دینا ہے جیسے: (الف) لوگوں سے ملاقات وبات چیت سے محروم کردے (ھندیہ ۳/ ۳۱۹)، (ب) اسباب راحت سے محروم کردے (شامی ۵/ ۳۷۷)، (ج) بعض عبادات سے محروم کردے جیسے جمعہ و جماعت (شامی ۵/ ۳۷۵)، (د) غذا کم کردے، (ہ) کام سے روک دے (شامی ۵/ ۳۷۵)، وغیرہ وغیرہ۔ تادیب کی ایک صورت قید تنہائی گزر چکی ہے۔

جہاں فقہاء نے تادیب کی مختلف صورتوں کو ذکر کیا ہے وہیں پر ان صورتوں کا بھی ذکر کیا ہے جن سے تادیب ناجائز ہے جیسے: (۱) مثلہ کرنا، یا بدن کے کسی عضو کو معطل یا اکھاڑ پھینکنا (ابن قدامہ ۸/ ۳۲۳)، (۲) چہرے پر مارنا، گردن میں طوق ڈالنا، جسم کے نازک حصوں پر مارنا (دردیر ۴/ ۳۵۴، شامی ۵/ ۳۷۹)، (۳) قیدی کے جسم کو الکٹرک شاک دینا، داغنا، لا تعذبوا بعذاب الله کے پیش نظر، (۴) قیدی کو بھوکا رکھنا یا اسے نہایت گرم جگہ یا نہایت ٹھنڈی جگہ رکھنا (ماوردی الاحکام/ ۲۳۹، کتاب الخراج/ ص ۱۱۸)، (۵) کپڑوں سے برہنہ کرنا (ماوردی/ ص ۲۳۹)، (۶) نماز وضو سے روکنا حوالہ گزر چکا ہے، (۷) قیدی کو گالیاں دینا یا اس کے ماں باپ کو برا بھلا کہنا (ماوردی/ ۲۲۶) (۸) داڑھی کا مونڈنا (ابن فرحون ۲/ ۳۱۲)، (۹) کتے وغیرہ چھوڑنا (کتاب الخراج/ ۱۱۸)، (۱۰) ناخن کھینچ لینا، سونے نہ دینا وغیرہ، یہ سب صورتیں حرام ہیں۔

قیدیوں سے کام لینا

قیدیوں سے کام لئے جانے کے سلسلہ میں فقہاء کی رائے دونوں طرف ہے، جواز وعدم جواز (شامی ۵/۸۷ ۳)، جن لوگوں کی نظر زجر وردع کی طرف ہے انہوں نے منع کر دیا اور جن لوگوں نے اصلاح وتقویم وتہذیب اور اداء نفقہ وغیرہ کی طرف نظر کی، انہوں نے اجازت دی، مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ قیدی سے مناسب کام (کھیتی، باغبانی اور کوئی ہنر) انسانی دائرہ میں رہتے ہوئے اجرت مستحقہ کے ساتھ لیا جائے، جس کا فائدہ یہ ہوگا کہ جب قیدی سزا کاٹ کر باہر جائے گا تو ایک ہنر اس کے پاس ہوگا، دوسرا یہ کہ اگر وہ بیکار بیٹھا رہے گا تو کاہلی اور خیالات فاسدہ کا شکار ہوگا، مگر یہ بات یاد رہے کہ اس سے وہی کام لئے جائیں جس کی وہ طاقت رکھے اور اس کو اس کی پوری پوری مزدوری دی جائے، اس سلسلہ میں مزدور کے لئے وارد احادیث مبارکہ پر نظر رکھنی چاہئے، قیدی کی تشغیل کے سلسلہ میں اساری بدر سے استدلال کیا جاسکتا ہے جن کو تعلیم کے کام میں لگایا تھا، اوپر گزر چکا ہے کہ اجرت مستحقہ کے ساتھ جس کا مطلب یہی ہے کہ قیدی کو اجرت دی جائے گی۔

حق ازالہ حیثیت عرفی

شریعت مطہرہ نے حبس بالتہمۃ کی اجازت تو دی ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ سست رفتار عدالتی نظام کی وجہ سے ایک ملزم کو سالہا سال تک قید میں رکھا جائے اور گرفتاری کے موقع پر بھی جی بھر کے اخبار کی سرخیاں بنا کر اسے بدنام کیا جائے اور اسے یوں سماج کی نگاہ میں بے وقعت بنا کر رکھ دیا جائے، پھر جب بے قصور ثابت ہوجائے تو وہ پیسے پیسے کا محتاج اور عزت کا بھکاری ہوجائے، فقہاء نے ایک مسئلہ بیان کیا ہے کہ جب شاہدوں کی شہادت سے کسی پر حد یا قصاص نافذ کردی جائے پھر شاہد اپنی شہادت سے رجوع کرے تو ان گواہوں پر دیت آئے گی

(موصلی فی الاختیار ۸۱/۴)، اسی طرح اگر دوران تعزیر مجرم کا کوئی عضو تلف ہو جائے تو شافعیہ کا مسلک یہ ہے کہ حاکم ضامن ہوگا (ماوردی ۲۳۸)، لہذا اس زمانہ میں بڑھتی ہوئی بے جا گرفتاریوں کو روکنے کے لئے یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر بغیر قرینہ کے گرفتار کیا یا مجہول الحال شخص کو کشف حال کے لئے زائد از مدت قید میں رکھا یا بغیر کسی ٹھوس ثبوت کے لمبی قید میں ڈال دیا، جیسے پوٹا وغیرہ، پھر یہ گرفتار شدہ شخص بے گناہ ثابت ہوا تو وہ الضرر یزال کے تحت حکومت سے مالی، ذہنی وعرفی ہونے والے نقصان کا ہرجانہ طلب کر سکتا ہے۔

حق وکالت: ہر انسان بری الذمہ پیدا ہوا ہے، اصل یہی ہے کہ اس پر کوئی چیز ثابت نہ ہو، لہذا جب کسی پر کوئی جرم ثابت کیا جائے اور وہ منکر ہو تو ظاہر ہے کہ وہ اصل کے مطابق بات کر رہا ہے، لیکن ہر منکر سچا نہیں ہوتا، اسی طرح ہر ملزم مجرم بھی نہیں ہوتا لیکن کبھی ملزم (متہم) قانون والوں اور طاقت کے سامنے اپنی بات کو ٹھیک سے نہیں رکھ سکتا یا اس کی آواز دبادی جاتی ہے، اس وقت حق دفاع اگر کوئی استعمال کرنا چاہے اور کسی کو اپنا وکیل بنائے تو بیشک یہ اپنا حق استعمال کر رہا ہے، اس لئے اس کی اجازت میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے۔

قیدی خواتین کے ساتھ شیر خوار بچے

اس سلسلہ میں کوئی صریح جزئیہ تو نظر سے نہیں گزرا، البتہ حضانت پر قیاس کرتے ہوئے یہ کہہ سکتے ہیں کہ جو ماں کے فاسقہ یا مسافرۃ بسفر انقطاع وغیرہ ہونے پر ماں کا حق حضانت ساقط ہو جاتا ہے (شامی ۵۶۰/۳) اور حکمت اس میں بچہ کی نگہداشت وصحیح تربیت ہے، لہذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بچہ کی تربیت کے پیش نظر اگر بچہ کے لئے دودھ کا انتظام ہو جاتا ہے اور بچہ دوسرے کے پاس رہ سکتا ہے تو بچہ کو ماں کے ساتھ جیل میں نہ رکھا جائے بلکہ باپ دادا یا جو کوئی ولی ہو اس کو دودھ وتربیت کا ذمہ دار بنایا جائے، اس لئے کہ قید خانہ میں عامۃً مجرمین ہوتے

ہیں اور ماحول کا اثر بچہ پر پڑتا ہے، اس لئے یہی مناسب ہے کہ بچہ ماں کے پاس نہ رہے اور اگر بچہ ماں کے سوا کسی کا دودھ نہیں پیتا یا ماں کے علاوہ کسی کے پاس نہیں رہتا تو پھر ماں کے پاس ہی رہنے دیا جائے۔

لیکن اگر امرأۃ غامدیہ کے واقعہ سے استنباط بچہ کے سمجھدار ہونے تک قید ہی کی ملتوی کر دیا جائے تو بہتر ہوگا۔

قیدیوں کے مسائل شرعی نقطہ نظر سے

مولانا اختر امام عادل القاسمی ☆

اسلام نے اپنی تمام تعلیمات میں قیدیوں کے ساتھ عام انسانی احترام میں کوئی کمی نہیں کی، اسلامی نقطہ نظر سے ہر انسان ماں کے پیٹ سے آزاد پیدا ہوا ہے اس لئے اس کو اپنے حقوق کے معاملے میں پوری آزادی ملنی چاہئے۔ البتہ انسان کبھی ایسی سرگرمیوں میں ملوث ہو جاتا ہے، جو عام انسانی اجتماع کے لئے ضرر رساں ثابت ہوتی ہیں، ایسے موقع پر عام انسانی مفادات کے تحفظ کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ اس شخص کی سرگرمیوں کو محدود کیا جائے یا اس پر مکمل بندش عائد کر دی جائے، اسی کے لئے قید کی ضرورت پڑتی ہے، حضرت نبی کریم ﷺ اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں کوئی با قاعدہ قید خانہ یا جیل کا انتظام نہیں تھا۔ اور نہ کبھی ضابطہ حضور ﷺ نے کسی کے لئے سزا تجویز فرمائی (اقضیۃ رسول اللہ ﷺ لابن فرح/۱۱، تبصرۃ الحکام لابن فرحون ۲/۲۱۶، الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/ ۲۸۴)۔

صرف تحقیق حال کے لئے بعض ملزمین کو وقتی طور پر قید کا حکم فرمایا، مثلاً:

ایک مرتبہ قبیلہ بنو غفار کے دو شخص حضور ﷺ کے حضور پیش کئے گئے، ان پر دو اونٹوں کی چوری کا الزام تھا، حضور ﷺ نے ایک کو روک لیا اور دوسرے کو اونٹ تلاش کرنے کا حکم دیا، بالآخر وہ دوسرا شخص دونوں اونٹ لے کر دربار نبوت میں واپس ہوا اور پھر دونوں کی رہائی

☆ جامع ربانی منورواشریف۔

عمل میں آئی (مصنف عبدالرزاق ۱۰/۲۱۶-۲۱۷)۔

قید کا نظام

عہد فاروقی سے اس کا آغاز ہوا اور ضرورت کے تحت قید خانہ کا نظام رائج کیا گیا، حضرت عمر فاروقؓ کے حکم پر مکہ کے گورنر نافع بن عبدالحارث نے اس غرض سے چار ہزار درہم میں صفوان بن امیہ کا مکان خریدا، اسی طرح حضرت علیؓ نے کوفہ میں باقاعدہ قید خانہ قائم کیا (المبسوط ۲۰/۸۹، الطرق الحکمیہ ر ۱۰۳، الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/۳۱۶)۔

نیز حضرت ابوموسی اشعریؓ نے کوفہ میں اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے مکہ مکرمہ میں اپنے اپنے عہد حکومت میں قید خانہ قائم فرمایا (تفسیر خازن ۲/۱۷، زادالمعاد ۲/ ۴۷، الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/۲۸۶)۔

پھر بعد کے ادوار میں تمام ہی مسلم حکمرانوں نے اس نظام کو باقی رکھا، اور اسلامی قاضیوں نے مختلف جرائم میں قید کی سزا تجویز فرمائی -لیکن یہ سب محض وقتی اور ناگزیر ضرورت کے تحت گوارا کیا گیا، اسی لئے قید کے کسی مرحلے پر بھی انسانی احترام کو نظر انداز نہیں کیا گیا، اسلام نے قیدیوں کے ساتھ مراعات اور حسن سلوک کی تعلیم دی، اور ہر حال میں اس پہلو پر دھیان مذکور رکھا ہے کہ وہ بھی تمہاری طرح انسان ہیں، ان کے پاس بھی ضروریات اور تقاضے ہیں اور وہ بھی جذبہ واحساس رکھتے ہیں، اور کل وہ بھی تمہاری طرح آزاد تھے، حالات زمانہ نے ان کو اس حال تک پہونچا دیا ہے، اس لئے ان کے ساتھ ہمدردانہ سلوک کرو۔

قیدیوں کے لئے اسلامی ہدایات

غزوہ بدر میں فتح کے بعد جنگی قیدی حضور ﷺ کے سامنے پیش کئے گئے تو زبان نبوت سے جو جملہ صادر ہوا وہ قیدیوں اور کمزور طبقہ کے لئے نبوت کا سب سے بڑا عطیہ ہے، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"يأيها الناس إن الله قد أمكنكم وإنما هم إخوانكم بالأمس" (مجمع الزوائد ۱/۸۷)۔

(اے لوگوں! اللہ نے آج تم کو ان پر قدرت دی ہے اور کل یہ تمہارے بھائی تھے)۔

قرآن کریم میں قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا ابرار اور مقربین کی صفت قرار دیا گیا۔

"ويطعمون الطعام على حبه مسكيناً ويتيماً وأسيراً" (سورہ دہر:۸)۔

(اور یہ لوگ پوری محبت وخلوص کے ساتھ مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں)۔

حضور علیہ السلام نے یہ ہدایت فرمائی:

"استوصوا بالأسارى خيراً" (طبرانی بحوالہ سیرۃ المصطفی ۱/۵۷۹ مولانا ادریس کاندھلوی)

(قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت قبول کرو)۔

غلام جیسے کمزور طبقہ کے بارے میں فرمایا:

" فأطعمه مما تأكلون واكسوه مما تكسون" (احمد، ابوداؤد، مشکوۃ/۲۹۲)۔

(جو خود کھاتے ہو ان کو کھلاؤ اور جو خود پہنتے ہو ان کو پہناؤ)۔

ان کی عزت نفس کا بھی پورا لحاظ رکھا، اور ارشاد فرمایا:

"لاتقل عبدي ولا أمتي ولكن قل فتائي وفتاتي" (مجمع الزوائد ۶/۸۷)۔

(غلام اور باندی کہہ کر ان کو مت پکارو بلکہ اے میرے بچے اور اے میری بچی کہہ کر آواز دو)۔

انہی تعلیمات کا اثر تھا کہ عہد اول میں جن مسلمانوں کے پاس قیدی تھے وہ اول کھانا قیدیوں کو کھلاتے اور بعد میں خود کھاتے اور اگر کھانا نہ بچتا تو خود کھجور پر اکتفا کر لیتے۔

حضرت مصعب بن عمیر کے حقیقی بھائی ابوعزیر بن عمیر بھی ایک بار قید ہو کر آئے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں انصار کے جس گھر میں تھا ان کا یہ حال تھا کہ صبح وشام جو تھوڑی بہت روٹی

بنتی وہ مجھ کو کھلا دیتے اور خود کھجور کھاتے، میں شرماتا اور ہر چند اصرار کرتا کہ روٹی آپ لوگ کھائیں لیکن نہ مانتے اور یہ کہتے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم فرمایا ہے (مجمع الزوائد ۶/۸۶)۔

ملزم کو قید کرنے کا مسئلہ

محض الزام کی بنا پر کسی پر سزا نافذ نہیں کی جا سکتی، البتہ کبھی ایسی صورت پیش آ سکتی ہے جس میں الزام کی تنقیح اور ثبوت کی فراہمی میں تھوڑا وقت لگ سکتا ہے، اس درمیانی مدت میں ملزم کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ اور اگرچہ کہ وہ ابھی مجرم نہیں ہے، لیکن تنقیح دعوی تک کیا اس کو "قید" میں رکھا جا سکتا ہے؟ اس باب میں فقہاء کی آراء مختلف ہیں۔

۱- قاضی شریح، امام ابو یوسف، اور امام الحرمین کی رائے میں مکمل ثبوت کے بغیر محض الزام کی بنا پر کسی کو قید نہیں کیا جا سکتا، قاضی شریح نے ایک مالی معاملہ میں ماخوذ ملزم کو ثبوت نہ ملنے کی صورت میں محض قسم لے کر بری کر دیا تھا (تبصرۃ الحکام ۱/۴۰۷)۔

امام ابو یوسف اس طرح کی صورت میں زیادہ سے زیادہ کسی معتبر ضمانت دار کا مطالبہ کرتے ہیں، ضمانت مل جانے کی صورت میں ملزم کو اپنے گھر جانے کی اجازت ہے (کتاب الخراج / ۱۹۰، ۱۹۱)۔

اس سلسلے میں ایک واقعہ حضرت عمر بن الخطاب کا نقل کیا جاتا ہے کہ ان کے پاس ایک ملزم گرفتار کر کے لایا گیا، اور ثبوت فراہم نہ ہو سکا تو آپ نے اس کو چھوڑ دیا (المحلی لابن حزم ۱۱/۱۳۱، مصنف عبد الرزاق ۱۰/۲۱۷)۔

۲- بعض فقہاء حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ جن مقدمات میں ثبوت جرم کے بعد قید ہی کی سزا مقرر ہے، مثلاً مالی معاملات، ان میں مکمل ثبوت کی فراہمی کے بغیر ملزم کو قید

میں رکھنا درست نہیں ہے۔

سحنون وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ جن مقدمات کی سزا قید نہیں مثلاً حدود وقصاص کے معاملات، ان میں عدالتی کارروائی مکمل ہونے تک ملزم کو قید میں رکھا جاسکتا ہے (حاشیۃ القلیوبی ۴/ ۲۰۶، درمختار مع ردالمحتار ۴/ ۴۰، ۷/ ۲۹۹، العنایۃ للبابرتی ۵/ ۴۰۱، المغنی لابن قدامہ ۹/ ۳۲۸)۔

۳- جمہور فقہاء کی رائے یہ ہے کہ اگر ملزم کوئی معروف اور نیک شخص ہو، اور اس کی ذاتی زندگی غیر مشتبہ اور صاف ستھری سمجھی جاتی ہو، تو ایسے شخص کو بلا ثبوت قید کرنا یا سزا دینا درست نہیں، البتہ مستور الحال شخص کو تحقیق حال تک قید کرنا درست ہے، یا ملزم کوئی مشتبہ شخص ہو اور اس طرح کے الزامات اس پر لگتے رہے ہوں تو اس کو بھی قید کرنا درست بلکہ نسبتاً بہتر ہے (حاشیہ ابن عابدین ۴/ ۸۸، حاشیۃ الدسوقی ۴/ ۲۷۹، الاحکام السلطانیۃ للماوردی/ ۲۱۹، المغنی لابن قدامہ ۹/ ۳۲۸، بحوالہ الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/ ۲۹۲)۔

قید کی مدت

اکثر فقہاء کی رائے یہ ہے کہ مشتبہ ملزم کے لئے قید کی کوئی مدت مقرر نہیں ہے، یہ حاکم کی صوابدید اور متعلقہ حالات پر موقوف ہے، جتنے دنوں میں صورت حال منقح ہو جائے، اتنے دنوں تک قید میں رکھنے کی گنجائش ہے، علامہ ابن تیمیہ نے اس قول کو امام مالک، امام احمد اور محققین حنفیہ کی طرف منسوب کیا ہے (فتاوی ابن تیمیہ ۳۵/ ۳۹۷، حاشیہ ابن عابدین ۴/ ۸۸)۔

جب کہ مالکیہ کی یہ تصریح بھی ملتی ہے کہ مستور الحال کو لمبے عرصہ تک قید میں نہیں رکھا جا سکتا، لمبے عرصہ کا اطلاق ان کے نزدیک ایک سال سے زائد پر ہوتا ہے (تبصرۃ الحکام ۱/ ۲۶۶، بحوالہ الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/ ۲۹۴)۔

بعض فقہاء کا خیال ہے کہ مستور الحال ملزم کو ایک دن سے زیادہ قید نہیں کیا جا سکتا، کچھ لوگوں نے دو تین دن مقرر کیا ہے، اور بعض نے اس کو وسعت دے کر ایک ماہ تک کی اجازت دی

ہے (حاشیہ ابن عابدین ۴/ ۸۸، تبصرۃ الحکام ۲/ ۱۴۸، المغنی لابن قدامہ ۹/ ۳۲۸)۔

مگر حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کا ظاہر مذہب وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا کہ مدت کی کوئی تحدید نہیں کی جا سکتی، متعلقہ حالات اور حاکم کی رائے پر منحصر ہے، حضرت عمر بن عبد العزیز کی بھی یہی رائے نقل کی جاتی ہے (الاحکام السلطانیہ للماوردی/ ۲۲۰)۔

ایسے لوگ جن پر کسی قسم کا الزام تو نہ ہو، مگر ان سے مفاد عامہ کو نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہو، ایسے لوگوں کو بھی نظر بند یا قید کرنے کی فقہاء نے اجازت دی ہے، فقہاء نے اس کی مثال میں ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جن کی نظر لگتی ہو (حاشیہ ابن عابدین ۶/ ۳۶۴، حاشیۃ القلیوبی ۴/ ۱۶۲، فتح الباری ۱۰/ ۲۰۵)۔

اسی طرح ایسے مجرمین جن کا جرم ثابت ہو چکا ہو، اور عدالت نے ان کو قابل سزا قرار دیا ہو، مگر بیماری یا کسی اور سبب سے متعلقہ سزا ان پر جاری نہ کی جا سکتی ہو تو سبب کے خاتمہ تک ان کو قید میں رکھنے کی اجازت ہے، بشرطیکہ مجرم ایسا ہو جس کے فرار کا اندیشہ ہو، بصورت دیگر اس کو آزاد رکھ کر سبب کے خاتمہ کا انتظار کیا جائے گا (درمختار مع رد المحتار ۴/ ۱۶، المدونہ ۵/ ۲۰۶)۔

۲- قیدیوں کے حقوق

جن ملزمین پر جرم ثابت ہو جائے اور عدالت ان کے لئے سزائے قید کا فیصلہ سنا دے، ان کو سزا کے طور پر قید خانہ میں رکھا جائے گا، مگر عام حالات میں ان کو عام انسانی حقوق سے محروم نہیں کیا جائے گا، اور ان کی بنیادی ضروریات کا پورا لحاظ رکھا جائے گا، فقہاء اسلام نے پوری تفصیل کے ساتھ ان امور پر روشنی ڈالی ہے، مثلاً:

الف- مذہبی امور

قیدیوں کو ان کے مذہبی امور میں مکمل آزادی حاصل ہوگی، وہ اپنے مذہب کے مطابق

عبادت وغیرہ انجام دے سکیں گے، ان کے مذہب کے مطابق ان کو غذا فراہم کی جائے گی۔ فقہاء نے صراحت کی ہے کہ مسلم قیدیوں کو وضو اور نماز وغیرہ سے روکنا درست نہیں ہے (درمختار مع رد المحتار ۳۷۹/۵، ۳۷۸، حاشیۃ القلیوبی ۲۰۵/۴)۔

اگر جمعہ اور عیدین کا انتظام قید خانہ میں ہو، اور شرائط جمعہ بھی موجود ہوں تو قیدیوں کو قید خانہ ہی میں جمعہ وعیدین کی اجازت ہوگی، حنفیہ کے کلام سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ قیدیوں کے لئے جمعہ کی اجازت ہے، اور اگر جمعہ کا انتظام نہ ہو تو قیدی تنہا تنہا ظہر ادا کریں گے (ہدایہ ۶۳/۱، المبسوط ۳۶/۲)۔

بعض حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ قید خانہ میں جمعہ وعیدین کا انتظام نہ ہونے کی صورت میں قیدیوں کو باہر نکلنے کی اجازت ہوگی، شافعیہ میں بغویؒ، اور بویطی اور حنفیہ میں سرخسی کی بھی یہی رائے معلوم ہوتی ہے (الموسوعۃ الفقہیہ ۳۲۱/۱۶، بحوالہ غایۃ المنتہی الکبری ۲۰۶/۱، روضۃ الطالبین ۴۰/۴)۔

مگر مذاہب اربعہ کے جمہور فقہاء کی رائے یہ ہے کہ جمعہ وعیدین کے لئے قیدیوں کو باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہے، البتہ اگر بعض قیدیوں کے لئے حاکم اس میں مضائقہ نہ سمجھے تو حرج نہیں (اولموسوعۃ الفقہیہ ۳۲۱/۱۶، بحوالہ حاشیہ ابن عابدین ۳۷۷/۵، المبسوط ۹۰/۲۰، المغنی ۳۳۹/۲ وغیرہ)۔

ظاہر ہے کہ اس عموم میں ان کی مذہبی کتابوں کا احترام بھی شامل ہے، اس لئے کہ قید کا مقصد تادیب واصلاح ہے، توہین آمیز یا اشتعال انگیز سلوک کی ہرگز اجازت نہیں ہوگی، اس لئے کہ اس سے ردعمل کی نفسیات جنم لیتی ہیں، اور اصلاح کا مقصد پورا نہیں ہوتا۔

رہا دوسرے قیدیوں کے درمیان دعوت دین کا کام تو یہ حاکم کی صوابدید پر موقوف ہونا چاہئے، اس لئے کہ دعوت اس کی بنیادی یا مذہبی ضروریات میں شامل نہیں ہے، نیز دعوتی کام کبھی قیدیوں میں گروپ بندی بھی پیدا کرسکتی ہے، اور داعی قیدی اس طرح قوت بھی حاصل کرسکتا

ہے، اس لئے اس کی اجازت حاکم کی رائے پر منحصر ہوگی، داعی قیدی کے شخصی حالات اگر مثبت محسوس ہوں تو حاکم اس کو دعوتی کام کی اجازت دے سکتا ہے ورنہ نہیں۔

ب- جسمانی ضروریات

قیدیوں کی جسمانی ضروریات اور بنیادی راحت وآرام کا لحاظ رکھنا بھی لازم ہے، مثلاً مناسب غذا اور پینے کا صاف ستھرا پانی فراہم کیا جائے گا، حفظان صحت کے لئے اگر ورزش وتفریح کی ضرورت ہو تو اس کی اجازت ہوگی، ایسی تنگ جگہوں میں قیدیوں کو رکھنا درست نہیں ہے جہاں ہوا اور روشنی کا گذر نہ ہو، یا جہاں کھڑا ہونا یا پاؤں پھیلا کر لیٹنا ممکن نہ ہو، جہاں گھٹن کا احساس ہو، یا ایسی جگہ پر رکھنا جہاں دھواں بھرا ہوا ہو، یا سخت گرم یا سخت ٹھنڈے مکان میں جہاں زندگی دشوار ہو، یا کھلے آسمان کے نیچے جہاں گرمی یا سردی سے جسم بیمار پڑ جائے، ایسی جگہوں پر قیدیوں کو رکھنے کی اجازت نہیں ہے، فقہاء نے صراحت کی ہے کہ اگر کسی قیدی کو ایسے تنگ مقامات پر رکھا گیا، یا غذا اور پانی کا معقول انتظام نہیں کیا گیا، اور وہ مر گیا تو اس کی دیت اس شخص کے ذمہ لازم ہے جس کی لاپرواہی سے قیدی کا یہ انجام ہوا ہے۔ بلکہ بعض فقہاء نے تو قصاص کو واجب کیا ہے (الاحکام السلطانیہ للماوردی ر ۲۳۹، حاشیہ ابن عابدین ۲ر ۴۲۱، فتاوی ہندیہ ۳ر ۴۱۴، الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶ر ۳۲۷)۔

طبی سہولیات

طبی سہولیات بھی قیدیوں کو فراہم کی جائے گی، اور اگر جیل میں یہ سہولتیں میسر نہ ہوں تو شافعیہ اور مالکیہ ان کو جیل سے باہر لے جانے کی اجازت دیتے ہیں، البتہ مفتی بہ قول میں حنفیہ یہ قید لگاتے ہیں کہ بیمار قیدیوں کو باہر لے جانے کے لئے معتبر ضمانت شرط ہے۔ مسلم خلفاء اور حکمرانوں کا تعامل اس باب میں شروع سے یہی رہا ہے کہ قیدیوں کی جسمانی صحت اور طبی سہولیات کی طرف پوری توجہ دی گئی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے باقاعدہ ایک فرمان کے ذریعہ

مملکت کے تمام افسروں کو اس کی طرف خصوصی طور پر توجہ دلائی تھی، خلیفہ مقتدر کے زمانہ میں ڈاکٹروں کی خصوصی خدمات بیمار قیدیوں کے لئے حاصل کی گئی تھیں۔ اور دوا علاج کا پورا انتظام بنایا گیا تھا، یہ ڈاکٹر ہر روز قید خانہ پہنچ کر قیدیوں کا معائنہ کرتے اور علاج تجویز کرتے تھے (حاشیۃ ابن عابدین ۵/ ۳۷۸، فتاوی ہندیہ ۴/ ۴۱۸، شرح ادب القاضی للخصاف ۲/ ۳۷۵، حاشیۃ القلیوبی ۲/ ۲۹۲، طبقات ابن سعد ۵/ ۳۵۶، الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/ ۳۲۱)۔

بیوی سے تعلق کے سلسلے میں فقہاء کی آراء مختلف ہیں:

۱- ایک رائے جس کو اکثر حنفیہ نے اختیار کیا ہے، اور حنابلہ کا مذہب بھی یہی ہے کہ قیدی کو بیوی سے ملنے کی اجازت دی جائے گی بشرطیکہ تنہائی کی ایسی جگہ وہاں میسر ہو، اس لئے کہ پیٹ کی طرح شرم گاہ کی بھوک بھی ایک ضرورت ہے، اس لئے اس ضرورت سے اس کو روکا نہیں جائے گا (المغنی ۷/ ۳۴۵، ۳۵، ہدایہ ۳/ ۲۳۱، فتح القدیر ۵/ ۴۷۱، فتاوی ہندیہ ۳/ ۴۱۸)۔

۲- دوسری رائے جس کو مالکیہ کا مذہب کہا گیا ہے، بیوی سے تنہائی میں ملنے کی اجازت نہیں ہوگی، اس لئے کہ جنسی تعلق کھانے کی طرح حوائج اصلیہ میں شامل نہیں ہے، نیز اس طرح کی لذتوں سے روکنے سے قیدی کی دل شکنی ہوگی، اور وہ اپنے اصلاح حال کی طرف زیادہ تیزی کے ساتھ توجہ دے گا (الشرح الکبیر للدردیر ۳/ ۲۸۱، تبصرۃ الحکام ۲/ ۲۰۵، الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/ ۳۲۴)۔

۳- اور بعض شوافع کی رائے ہے کہ یہ بھی حاکم کی صوابدید پر موقوف ہے، اگر وہ مصلحت سمجھے تو اجازت دے دے ورنہ نہیں (حاشیۃ القلیوبی ۲/ ۲۹۳، الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/ ۳۲۴)۔

ج- سماجی حقوق

قیدیوں کو عام حالات میں اخبارات پڑھنے، ریڈیو سننے، تعلیم و ہنر سیکھنے، احباب و اقارب سے رابطہ رکھنے اور دوسرے قیدیوں سے ملنے کی اجازت ہوگی، البتہ اگر کسی وجہ سے حاکم وقت بعض قیدیوں کے لئے اس کو خلاف مصلحت سمجھے تو اس پر پابندی عائد کر سکتا ہے، بعض

شوافع سے اس کی صراحت نقل کی گئی ہے (دیکھئے: حاشیۃ القلیوبی ۲/ ۳۹۲، اسنی المطالب مع حاشیۃ الرملی ۲/ ۱۸۸، الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/ ۳۲۴)۔

اسی طرح حاکم کو اس کی اجازت ہے کہ کسی خاص مجرم کو اس کے جرم کے پس منظر میں قید تنہائی کی سزا دے، جہاں کسی سے ملنے کی اس کو اجازت نہ ہو، فقہاء نے اس کی بھی صراحت کی ہے (المبسوط ۲۰/ ۹۰، فتاوی ابن تیمیہ ۱۵/ ۳۱۰، المغنی ۸/ ۱۲۴، الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/ ۳۱۹)۔

د- اخلاقی امور

فقہاء نے جرائم کے لحاظ سے الگ الگ قید خانہ یا قید خانہ میں الگ الگ حصے بنانے کی تجویز دی ہے۔ امام ابو یوسفؒ نے اپنی کتاب ''الخراج'' میں باقاعدہ ایک باب اس عنوان پر قائم کیا ہے اور مجرمین کو بنیادی طور پر تین حصوں میں منقسم کیا ہے۔

۱- اہل فجور: یعنی جن گناہوں کا تعلق اخلاقی مفاسد سے ہو۔

۲- اہل تلصص: یعنی چوری وغیرہ کے قبیل کی چیزیں۔

۳- اہل جنایات: یعنی ظلم وزیادتی کے ذیل کی چیزیں۔

اس طرح کی کچھ اور تقسیمات بعض دیگر فقہاء کے یہاں بھی ملتی ہیں، ان تقسیمات کا مقصد یہ ہے کہ قیدیوں میں جرائم پھیلنے سے روکا جائے، اس لئے کہ جرائم کا رجحان بڑی تیزی کے ساتھ پھیلتا ہے، اور ایک طرح کا مجرم دوسری طرح کے مجرم سے بہت جلد متاثر ہونے لگتا ہے، لیکن اگر ہر قسم کے مجرمین الگ الگ ہوں، تو دوسرے جرائم سے ان کے محفوظ رہنے کا زیادہ امکان ہے (کتاب الخراج/ ۱۶۱، ابن عابدین ۵/ ۳۰۷، الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/ ۳۱۹)۔

اسی طرح اخلاقی مفاسد سے بچنے کے لئے یہ بھی لازم ہے کہ مردوں اور عورتوں کو الگ الگ رکھا جائے، تمام فقہاء کا اس پر اتفاق ہے، بلکہ عورتوں کے حصے کا نگراں افسر بھی کسی عورت

ہی کو ہونا چاہئے، اگر اس قسم کی عورت میسر نہ ہوتو صلاح وتقوی میں معروف شخص کا انتخاب ہونا چاہئے (المبسوط ۲۰/ ۹۰، فتاوی ہندیہ ۵/ ۴۱۴، جواہر الاکلیل للآبی ۲/ ۹۳، الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/ ۳۱۷)۔

کبھی بالغوں کے ساتھ نابالغ لڑکے بھی بعض جرائم میں شریک ہو جاتے ہیں، ایسے نابالغ لڑکوں کو قید میں ڈالا جا سکتا ہے یا نہیں؟

مالکیہ اور شافعیہ کا مسلک یہ ہے کہ صرف تادیبی کارروائی کی جائے گی، قید میں نہیں ڈالا جائے گا خواہ مالی معاملہ ہو یا غیر مالی، لیکن فقہاء حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ مالی اور غیر مالی دونوں قسم کے جرائم میں نابالغ لڑکوں کو محض تادیب وتنبیہ کے لئے (نہ کہ سزا کے طور پر) قید میں ڈالنے کی اجازت ہے، تاکہ عام لوگ ان کے ضرر سے محفوظ رہیں، اور ان بچوں کی تنبیہ بھی ہو، البتہ ایسی صورت میں فقہاء نے لازم قرار دیا ہے کہ ان کو بالغوں سے الگ ایسی جگہ پر رکھا جائے جہاں ان کا کوئی مناسب رہنما اور مربی موجود ہو، تاکہ وہ بالغوں سے شر کے ممکن طور پر محفوظ رہ سکیں (درمختار ۴/ ۲۵۴، فتاوی ابن تیمیہ ۳۴/ ۱۷۹، حاشیۃ الدسوقی ۳/ ۲۸۰، معین الحکام/ ۱۸۷، الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/ ۳۱۷، ۳۱۸)۔

۳- طریقہ احتساب

یہ ایک حقیقت ہے کہ ثبوت جرم کے لئے اگر شواہد موجود نہ ہوں، تو مجرم آسانی کے ساتھ اپنے جرم کا اقرار نہیں کرتا، اس لئے تھوڑی سختی کی ضرورت ہوتی ہے، اس کی ایک مثال عہد نبوت میں ابن ابی الحقیق کا واقعہ ہے، جس نے ایک خزانہ غائب کر دیا تھا، اور اس کا اقرار نہیں کر رہا تھا، نبی کریم ﷺ کے حکم پر حضرت زبیر بن العوام نے جب اس کے ساتھ سختی کی تو اس نے اس کا اقرار کیا (رواہ البخاری، فتح الباری ۵/ ۳۲۸)۔

اسی روایت کی بنا پر فقہاء نے مجرموں کے ساتھ فی الجملہ سختی کی اجازت دی ہے، اور اگرچہ کہ جبر واکراہ کی حالت میں اقرار معتبر نہیں ہے، مگر متاخرین حنفیہ نے بدلتے ہوئے حالات

کے پیش نظر اس کی افادیت تسلیم کی ہے، اور اس حالت کے اقرار کو کسی نہ کسی درجہ میں درست قرار دیا ہے، چوری کی بحث کے ذیل میں حصکفی لکھتے ہیں:

"فيقطع إذا أقر بها مرة طائعاً وإقراره بها مكرها باطل ومن المتأخرين من أفتى بصحته ويحل بضربه ليقر" (درمختار ۶/۱۰۶)۔

شامی نے اس پر تفصیلی بحث کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حدود کے لئے اگر چہ کہ یہ اقرار معتبر نہیں ہے مگر دیت وتعزیر کے لئے اس کا اعتبار کیا جائے گا (دیکھئے ردالمحتار ۶/۱۰۸،۱۰۹)۔

مگر یہ سختی اس حد تک جائز ہے جب تک کہ وحشیانہ حد تک نہ پہنچے، اس لئے فقہاء نے مجرموں کے ساتھ تادیبی معاملہ کو محدود کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"إنما هو السوط أو السجن" (کتاب الخراج لابی یوسف/ ۱۳۵)۔

(مجرم کے لئے کوڑا ہے یا قید، اس کے علاوہ کچھ نہیں)۔

اس لئے ایسی کسی بھی کارروائی کی اجازت نہیں دی جاسکتی جو انسانی حدود کو پار کر جائے اور جس سے مجرم کو شدید جسمانی نقصان پہونچے، فقہاء نے تو قید خانہ میں سزا کے طور پر بھی وحشیانہ حرکتوں سے منع کیا ہے، چہ جائے کہ احتساب کے مرحلے میں، جب کہ ابھی سزا کا فیصلہ آنا باقی ہو۔

لہٰذا سزا کے طور پر ہو یا اعتراف جرم کے لئے درج ذیل کارروائیوں کی اجازت نہیں ہے:

☆ قیدیوں کو دھوپ میں کھڑا کرنا، ان کے سر پر تیل ڈالنا، ڈاڑھی مونڈھنا، کتے، بچھو یا اور کوئی درندہ جانور چھوڑنا (کتاب الخراج/ ۱۳۵، المغنی ۷/ ۶۴۱، تبصرۃ الحکام ۲/ ۱۴۷، الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/ ۳۲۸)، اس لئے کہ یہ خلاف شرع بھی ہے اور جسمانی نقصان کا باعث ہے۔

☆ قیدیوں کو بے لباس کرنا، اس لئے کہ ستر عورت ضروری ہے (حاشیہ ابن عابدین ۴/ ۱۳، الاحکام السلطانیہ للماوردی/ ۲۳۹)۔

☆ بھوکا پیاسا رکھنا، جسم کے کسی حصہ کو آگ سے جلانا، یا الکٹرک شاٹ لگانا۔

☆ پانی میں غوطے دینا (السیاسۃ الشرعیہ لابن تیمیہ ر ۱۵۲، فتح الباری ۶ر ۱۵۰)۔

☆ سخت ٹھنڈک میں برف کی سلوں پر ڈال دینا۔

☆ مسلسل جاگتے رہنے پر مجبور کرنا اور اس کے لئے اس کی جائے رہائش میں تیز روشنی یا تیز آواز کا انتظام کرنا، چہرے پر مارنا، گردن میں ناقابل برداشت بوجھ ڈال دینا، زمین پر لٹا کر مارنا، وغیرہ (فتاوی ہندیہ ۳ر ۴۱۴، الاحکام السلطانیہ للماوردی ر ۲۳۹)۔

قیدی کے خاندان کو گالی دینا یا سب وشتم کرنا (بدائع الصنائع ۷ر ۶۴)۔

ناک، کان یا جسم کا کوئی حصہ کاٹنا یا توڑنا، یہ مثلہ ہے اور سخت ممنوع ہے، وغیرہ (بدائع الضائع ۷ر ۱۲۰)۔

☆ اور ہر وہ کام جو خلاف شرع ہو یا جس سے جسم کو کلی یا جزوی نقصان پہنچے۔

۴- قیدی کو بیڑی ڈالنا

قیدیوں کو فرار سے بچنے کے لئے زنجیروں میں جکڑا جا سکتا ہے، ان کو ہتھکڑی بھی پہنائی جا سکتی ہے، بیڑی بھی ڈالی جا سکتی ہے، جیسا کہ حضرت عمرؓ کے سامنے ایک ملزم کو ہتھکڑی لگا کر لایا گیا (مصنف عبدالرزاق ۱۰ر ۲۱۷)۔ نیز حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ایک ملزم کے بارے میں فرمایا (جس پر چوری کا الزام تھا اور وہ کہتا تھا کہ میں نے اسے خریدا ہے): "**فاشدده في السجن وثاقا ولا تحله حتى يأتيه أمر الله**" (اس کو قید خانہ میں مضبوط باندھ دو اور معاملہ کی تحقیق تک نہ کھولو) (المحلی لابن حزم ۱۱ر ۱۳۱)۔

لیکن ایسا وقتی طور پر کرنے کی اجازت ہوگی، ان چیزوں کو تسلسل کے ساتھ باقی رکھنا درست نہیں، اس لئے کہ ان حالتوں میں بنیادی ضروریات بھی پوری کرنی دشوار ہو جاتی ہے، فقہاء نے قیدیوں کو قضائے حاجت سے روکنے کی اجازت نہیں دی ہے، اسی طرح ایسی تنگ جگہ میں رکھنے کی اجازت بھی نہیں دی ہے جہاں ایک دوسرے سے بے پردگی ہو، یا وضو اور

نماز جیسی ضروریات پوری نہ کی جا سکتی ہوں (الشرح الکبیر للدردیر ۳/ ۲۸۲، درالمختار مع الحاشیہ ۵/ ۳۷۸، ۳۷۹)۔

۵-قید تنہائی

حاکم کی اگر رائے ہو تو کسی مجرم کو اس کے خصوصی جرم کے پس منظر میں قید تنہائی دی جا سکتی ہے، الموسوعۃ الفقہیہ میں مبسوط سرخسی، ابن عابدین، فتاوی ہندیہ، حاشیۃ دسوقی، حاشیہ قلیوبی اور دیگر بہت سی کتابوں کے حوالے سے لکھا ہے۔

" ویجوز للحاکم عزل السجین وحبسه منفردا فی غرفة یقفل علیه بابها، ان کان فی ذلک مصلحة" (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/ ۳۱۹)۔

۶-قیدیوں سے جبری کام لینا

الف-فقہاء شافعیہ وحنابلہ نے قیدیوں کو اجرت پر کام کرنے کی اجازت دی ہے تاکہ وہ اپنے گھریلو اخراجات یا قرض وغیرہ کی ادائیگی کا انتظام کر سکیں (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/ ۳۲۱، بحوالہ اسنی المطالب مع حاشیۃ الرملی ۲/ ۱۸۸، المغنی ۴/ ۴۹۵، ہندیہ ۳/ ۴۱۸)۔

ب-لیکن حنفیہ کا مسلک معتمد اور دیگر فقہاء کی رائے یہ ہے کہ قیدیوں کو با جرت کام کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی، ورنہ قید خانہ کی ساری معنویت ہی ختم ہو جائے گی۔ قید خانہ اس کے لئے دوکان یا کارخانہ کی طرح بن جائے گا، اور قید کا مقصد فوت ہو جائے گا (ابن عابدین ۵/ ۳۷۸، فتاوی ہندیہ ۳/ ۴۱۸)۔

ج-تیسری رائے جس کو کویت کے لجنۃ الفقہاء نے اختیار کیا ہے کہ یہ حاکم کی صوابدید پر موقوف ہے (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/ ۳۲۲)۔

دوسری اور تیسری رائے کا مقتضا یہ معلوم ہوتا ہے کہ حاکم کی اگر رائے ہو تو سزا یافتہ

قیدیوں سے بلا اجرت جبری کام لیا جا سکتا ہے، بشرطیکہ کام ان کی طاقت سے باہر نہ ہو، اور ان کی صلاحیت اور ذوق سے ہم آہنگ ہو، البتہ جن قیدیوں کا مقدمہ ابھی زیر سماعت ہے ان کا معاملہ اس سے مستثنیٰ رکھنا چاہئے۔

۷-ملزم اور مجرم کا فرق

جن قیدیوں کا مقدمہ ابھی زیر سماعت ہے، اور جن کے بارے میں سزائے قید کا فیصلہ ہو چکا ہے، قید خانوں میں سلوک کے اعتبار سے ان میں فرق کرنا ضروری ہے، یہی عدل کا تقاضا ہے، ورنہ سزا یافتہ اور غیر سزا یافتہ کا فرق باقی نہ رہے گا، اسی لئے بہت سے فقہاء نے دونوں قسم کے قیدیوں کے لئے الگ الگ قید خانہ یا قید خانہ میں حصہ مقرر کرنے کی ہدایت کی ہے، قرافی، ماوردی، زبیری اور حنابلہ کے ایک طبقہ کی رائے یہ ہے کہ زیر سماعت ملزمین کو قید کرنے کا اختیار صرف حاکم کو ہے، عدالت کو نہیں، عدالت صرف انہی ملزمین کو قید کر سکتی ہے جن کے لئے سزائے قید کا فیصلہ ہو چکا ہو، پہلی قسم کے قید خانہ کو ''سجن الوالی'' اور دوسری قسم کے قید خانہ کو ''سجن القاضی'' کہا جاتا تھا، اگرچہ کہ بعد میں دونوں قسم کے اختیار عدالت ہی کو دے دیئے گئے، اور اب عدالت دونوں قسم کے ملزمین کو قید کرنے کی مجاز ہوگی، لیکن فقہاء کی رائے کے مطابق کم از کم دونوں کے لئے قیام اور سلوک میں امتیاز کرنا ضروری ہے، تاکہ ظلم و زیادتی کا اندیشہ باقی نہ رہے (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/ ۳۱۸-۳۱۹، حاشیہ ابن عابدین ۵/ ۳۷۸-۳۹۹، تبصرۃ الحکام ۱/ ۳۰۴، لسان الحکام / ۲۵۱، الاحکام السلطانیہ للماوردی / ۲۱۹)۔

ملزم کے قید کی مدت

زیر سماعت قیدیوں کو فیصلہ سے قبل اتنے دنوں تک قید میں رکھنا جو ان کے اوپر عائد فرد جرم کی اصل سزا ہے، درست نہیں، بعض فقہاء حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ ایسے مقدمات میں جن کی

آخری سزا ہی قید ہوسکتی ہو، ملزم کو قید کرنے کی اجازت نہیں دیتے، اس لئے کہ فیصلہ سے قبل سزا کا کوئی جواز نہیں ہے، لیکن جو فقہاء (اور اکثر فقہاء کی یہی رائے ہے) قید کی اجازت دیتے ہیں بشرطیکہ ملزم مجہول الحال ہو اور صلاح وتقوی میں معروف نہ ہو، ان میں زیادہ تر فقہاء نے فیصلہ سے قبل قید کی مدت کو حاکم کی رائے پر چھوڑ دیا ہے، مگر کچھ نے اس کی مدت ایک ماہ (رد المحتار ۱۰۸/۶)، کچھ نے ایک دن، بعض نے دو یا تین دن، اور مالکیہ نے ایک سال سے کم مقرر کی ہے (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/ ۲۹۴-۲۹۵)۔

دراصل یہ مدت عدالتی کارروائی کو چاق وچوبند کرنے کے لئے ہے، کسی عدالت کو ہرگز یہ حق حاصل نہیں ہے کہ اپنی غفلت وناکامی کا بدلہ بے قصور ملزموں سے لے، اور اپنی سست رفتار کارروائی کی بنا پر ملزموں کو برسوں جیل میں بے یارومددگار چھوڑ دے، جب کہ اس کا امکان بھی موجود ہے کہ ملزم نتیجتاً بے قصور ثابت ہو۔

۹-ملزم اگر بری ثابت ہو

اگر زیر سماعت ملزم کو قید میں رکھا گیا، اور بعد میں عدالت نے اسے بری کردیا، تو وہ زمانۂ قید میں ہونے والی ذہنی اذیت اور مالی نقصان کا ہرجانہ طلب کرنے کا مجاز نہیں ہے، بشرطیکہ قید کی مدت معروف اصولوں کے مطابق ہو، اور اس دوران اس کے ساتھ کوئی ناروا سلوک بھی نہ کیا گیا ہو، اس لئے کہ جس حد تک قید کی فقہاء نے اجازت دی ہے، وہ ان نقصانات کو مدنظر رکھتے ہوئے دی ہے، اور اسی لئے ملزم کے حالات کے لحاظ سے زمانۂ قید میں کمی بیشی روا رکھی گئی ہے۔

۱۰-قیدی کو رابطہ کی اجازت

قیدی کو اپنے مقدمات کے سلسلے میں وکیل سے رابطہ اور صفائی پیش کرنے کا مکمل حق حاصل ہے، اس لئے کہ حراست کا مقصد تحقیق حال ہے، اگر قیدی کو اپنے معاملہ میں رابطہ اور

بیان صفائی کا اختیار نہ دیا جائے تو حقیقت حال کیسے واضح ہو سکتی ہے؟ بلکہ اگر قیدی پر کچھ دوسرے اور مقدمات ہوں تو ان کے لئے بھی بطور خود یا بذریعہ وکیل عدالتی کارروائی کے لئے اس کو نکلنے کی اجازت دی جائے گی، صرف اتنی دیر کہ زیر بحث مقدمہ کی اس سے متعلق کارروائی مکمل ہو جائے (درمختار مع ردالمحتار ۵/۳۷۸، ۳۹۹، لسان الحکام للابن الشحنہ ۲۵۱/، تبصرۃ الحکام ۱/۳۰۴، المغنی ۹/۲۰۷، الموسوعۃ الفقھیہ ۱۶/۳۲۶)۔

۱۱- قیدی خواتین کے شیر خوار بچے

خواتین قیدیوں کو اپنے ساتھ ایسے شیر خوار بچوں کو جو ماں کے بغیر نہ رہ سکتے ہوں، جیل میں رکھنے کی اجازت ہوگی، یہی شرعی اصولوں کا تقاضا ہے، اس لئے کہ ماں کے جرم کی وجہ سے بچوں کو ماں کی مامتا سے محروم رکھنے کا کوئی جواز نہیں ہے، علاوہ ازیں بچوں کی علاحدگی خود قیدی خواتین کے لئے بھی مسلسل ذہنی اذیت کا باعث ہوگی، اس سلسلے میں بعض احادیث و آثار سے کافی روشنی ملتی ہے۔

نبی کریم ﷺ نے (جنگ میں پکڑی جانے والی خواتین کے بارے میں جن کو باندی بنالیا گیا ہو، اور ان کے ساتھ چھوٹا بچہ ہو) ارشاد فرمایا:

"لاتوله والدة عن ولدها" (رواہ البیہقی، نصب الرایۃ، ۳/۲۶۶)۔

(ماں کو اپنے بچے سے الگ نہیں کیا جائے گا۔

ایک روایت میں ارشاد گرامی اس طرح نقل کیا گیا ہے:

"من فرق بين والدة وولدها فرق الله بينه وبين أحبته يوم القيامة" (بیہقی ۹/۱۲۶، دارقطنی ۳/۶۷)۔

(جو شخص ماں کو اس کے بچے سے الگ کرے گا، قیامت کے دن اللہ تعالی اس کو اپنے دوستوں سے الگ کردے گا)۔

حضرت عبادۃ بن الصامت روایت کرتے ہیں:

"نهى رسول الله ﷺ أن يفرق بين الأم وولدها فقيل يارسول الله! إلى متى؟ قال: حتى يبلغ الغلام وتحيض الجارية" (سنن دار قطنی ۳/ ۶۷)۔

(رسول اللہ ﷺ نے ماں کو اس کے بچہ سے الگ کرنے سے منع فرمایا۔ آپ ﷺ سے عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! کب تک؟ ارشاد فرمایا: جب تک لڑکا بالغ نہ ہو جائے اور لڑکی کو حیض نہ آجائے)۔

حضرت عمران بن حصینؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ملعون من فرق بين والدة وولدها" (حاکم ۲/ ۵۵، دار قطنی ۳/ ۶۷)۔

(وہ شخص ملعون ہے جو ماں کو اپنے بچہ سے الگ کردے)۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ روایت کرتے ہیں:

"وهب لي رسول الله ﷺ غلامين أخوين فبعت أحدهما فقال رسول الله ﷺ: يا علي ما فعل غلامك؟ فأخبرته فقال: رده رده" (ابو داؤد، حدیث: ۲۶۹۶، ترمذی، حدیث نمبر: ۱۲۸۴، حاکم ۲/ ۵۵، دار قطنی ۳/ ۶۶)۔

(رسول اللہ ﷺ نے مجھے دو غلام عطا فرمائے جو دونوں بھائی تھے، میں نے ان میں سے ایک کو فروخت کردیا، رسول اللہ ﷺ نے ایک دن غلاموں کے بارے میں دریافت فرمایا، تو میں نے بیچنے کے بارے میں بتادیا تو آپ نے فرمایا: واپس کرو واپس کرو)۔

ان احادیث کا مقتضا یہ ہے کہ قیدی خواتین کو ان کے شیر خوار بچوں سے الگ نہ کیا جائے۔

قیدیوں کے حقوق-شرعی نقطہ نظر

مولانا عبدالرشید قاسمی ☆

حبس اور قید

حبس کی تعریف

''لغت میں حبس امساک کو کہتے ہیں اور تخلیہ کی ضد ہے اور حبس جگہ کا نام ہے''۔

''حبس شریعت میں کسی کو باز رکھنا اس کے ذاتی تصرف سے چاہے گھر میں یا مسجد میں یا جہاں خصم یا اس کا وکیل بھروسہ کرے اور اس کے ساتھ ساتھ رہے'' (القضاء ونظامہ/ ۵۵۰)۔

قید کرنے کا حکم قرآن وحدیث سے ثابت ہے اور اس سلسلے میں درج ذیل دلائل کو فقہاء نے اپنا مستدل بنایا ہے۔

''إنما جزاء الذين يحاربون الله ورسوله ويسعون في الأرض فساداً أن يقتلوا أو يصلبوا أو تقطع أيديهم وأرجلهم من خلاف أو ينفوا من الأرض'' (آیت مائدہ: ۳۳)

(جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور ملک میں فساد پھیلانے میں لگے رہتے ہیں ان کی سزا بس یہی ہے کہ وہ قتل کیے جائیں یا سولی دیے جائیں یا ان کے ہاتھ اور پیر مخالف جانب سے کاٹے جائیں)۔

☆ مدرسہ جامع العلوم، پٹکا پور، کانپور۔

اس آیت میں "أو ینفوا" سے حبس ہی مراد ہے خصوصاً احناف کے نزدیک، القضاء ونظامہ میں اس کی صراحت اس طرح موجود ہے:

" استدلال آیت میں أو ینفو۔من الأرض سے ہے، نفی سے مراد حبس ہے، یہ احناف کی رائے ہے، چنانچہ احناف کے نزدیک نفی من الارض سے مراد حبس اور قید خانہ ہے، کیوں نکہ محبوس شخص اپنے اہل خانہ سے جدا رہتا ہے، اور غیر احناف کے نزدیک اس سے مراد کسی ایسی جگہ جلاوطن کرنا ہے جہاں اس نے گناہ نہیں کیا ہے، لیکن آیت میں موجود الارض ظاہری عموم کا تقاضہ کرتا ہے لہذا حبس اور سجن کے علاوہ کسی دوسرے معنی کا تصور نہیں کیا جا سکتا" (القضاء ونظامہ /۵۵۱)۔

بلا ثبوت جرم قید یا قید احتیاطی

ڈاکٹر دھبہ زحیلی لکھتے ہیں:

" فقہاء کی ایک جماعت محض شبہ کی بنیاد پر قید کی مشروعیت کی قائل ہے اور دلیل یہ حدیث ہے کہ ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ایک متہم مشتبہ آدمی کو قید کیا اور پھر چھوڑ دیا۔ گویا یہ احتیاطی طور پر قید کرنا تھا۔ نیز آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ مالدار آدمی کا حق ادا کرنے سے ٹال مٹول کرنا اس کی شکایت اور سزا کو حلال کر دیتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک جیل خانہ بنوایا تھا، بعد میں حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کی اتباع کی، احناف نے اس مسئلہ میں "أوینفوا من الأرض" سے استدلال کیا ہے اور کہا کہ النفی سے مراد الحبس ہے" (الفقہ الاسلامی ۷/ ۵۵۹۲)۔

عبدالرحمٰن ابراہیم اپنی کتاب "القضاء ونظامہ" میں ترمذی اور ابوداؤد کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں:

"ترمذی وغیرہ نے بہز بن حکیم سے انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے اپنے دادا سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے ایک آدمی کو کسی تہمت کی بنیاد پر قید کیا اور پھر اسے چھوڑ دیا۔ اور بیہقی میں یہ اضافہ ہے: تہمت کی بنیاد پر ایک آدمی کو دن کے ایک حصے تک قید رکھا (القضاء ر نظامہ ر ۵۵۱ بحوالہ ترمذی ۲ر ۴۳۵، ابوداؤد ۲ر ۲۸۲)۔

اس حدیث سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ شک کی بنیاد پر قید کر سکتے ہیں وہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ مدت بس چند گھنٹوں کی ہونی چاہئے نہ یہ کہ زندگی کا ایک حصہ صرف تفتیش کے نام پر سلاخوں کے پیچھے گزر جائے، حدیث شریف سے صرف اتنا ہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ قید احتیاطی بس چند گھنٹوں کے لئے ہو لیکن معاملہ کی سنگینی کے اعتبار سے یہ مدت گھٹ بڑھ بھی سکتی ہے۔ جیسا کہ شامی میں کتاب السرقہ کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے:" فيحبس حتى يكشف أمره قيل شهرا" (شامی ۶ر ۱۴۷)۔ یعنی چور کو شبہ کی بنیاد پر قید کیا جائے گا، اور بعض فقہاء کی رائے ہے کہ یہ مدت ایک ماہ ہوگی۔ اور یہ فیصلہ مفوض إلى القاضی ہونا چاہئے، کیوں کہ جرائم کی نوعیت الگ الگ ہوتی ہے، بعض جرم چھوٹے ہوتے ہیں اور بعض بڑے، ظاہر ہے کہ اگر الزام چوری کی بنیاد پر قید کیا گیا ہے تو الزام قتل کا جرم چوری سے بڑھا ہوا ہے، وعلی ھذا القیاس، لہٰذا جرم کی شدت اور خفت کے اعتبار سے حبس کی مدت میں کمی زیادتی ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ مقروض اگر مطل الغنی کا مصداق ہے تو اس کے حق میں کوئی رعایت نہیں ہے جب تک حق ادا نہ کر دے قید میں رکھا جائے گا، جب کہ اگر مقروض تنگ دست ہے تو خود قرآن مہلت دینے کو واجب قرار دیتا ہے: "وإن كان ذو عسرة فنظرة إلى ميسرة وأن تصدقوا خير لكم إن كنتم تعلمون" (البقرہ: ۲۸۰)، لہٰذا جرم اور مجرم، الزام اور ملزم کے فرق سے حبس کی مدت میں بھی فرق ہوگا جیسے کہ تعزیر میں اسباب تعزیر کے اعتبار سے قید کی مدت گھٹتی بڑھتی ہے، عبدالرحمٰن ابراہیم لکھتے ہیں:

"تعزیر میں اسباب تعزیر اور اس کے موجب کے اعتبار سے حبس کی مدت میں کمی

وزیادتی ہوگی، لہذا اس کا متعین اندازہ لگانا ممکن نہیں ہے۔ ابن فرحون تبصرۃ الحکام میں فرماتے ہیں: تعزیراً قید کرنے کا مرجع اجتہاد حاکم ہے، جتنی مدت وہ مجرم کی اصلاح کے لئے مناسب سمجھے اتنے دنوں تک قید رکھے گا۔ حتی کہ اگر کسی شخص کی اذیتوں سے لوگ پریشان ہوں تو حاکم اسے تعزیراً موت تک قید کرسکتا ہے جب کہ اسے شرارتوں سے باز رکھنے کے لئے اس کے علاوہ کوئی اور سبیل نہ ہو" (القضاء ونظامہ/ ۵۵٦)۔

صاحب درمختار اور صاحب شامی صاف طور پر فرماتے ہیں کہ احتیاطاً قید کرنا درست ہے، چنانچہ صاحب درمختار فرماتے ہیں:

"**وعزر کل مرتکب منکر**" (یعنی ہر برائی کرنے والے کو سزا دی جائے گی) (شامی ٦/ ۱۱۳)۔

اس پر علامہ شامی نے ایک عنوان قائم فرمایا: **التعزیر قد یکون بدون معصیة**" (تعزیر کبھی بغیر کسی جرم کے بھی ہوتی ہے)۔

اور صاحب درمختار پر ایک اعتراض کیا ہے کہ علامہ حصکفی کی عبارت "**وعزر کل مرتکب منکر**" سے معلوم ہوتا ہے کہ تعزیر صرف جرم کے ساتھ خاص ہے حالاں کہ تعزیر کبھی بلا جرم بھی ہوتی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

"**وظاهره أن المراد حصر أسباب التعزير فيما ذكر مع أنه قد يكون بدون معصية كتعزير الصبي والمتهم كما سيأتي**" (درمختار مع الشامی، کتاب التعزیر ٦/ ۱۱۳ طبع زکریا)۔

قاضی تہمت کی بنیاد پر تعزیر کرسکتا ہے، اور تعزیر بالقید بھی ہوتی ہے، معلوم ہوا کہ تہمت کی بنیاد پر احتیاطاً قید کیا جاسکتا ہے۔

اسی طرح کتاب الکفالہ میں فرماتے ہیں:

"لأن الحبس للتهمة مشروع وكذا تعزير المتهم" (درمختار مع الشامی ۷؍ ۵۷۷)۔ (تہمت کی وجہ سے قید کرنا مشروع ہے جیسا کہ متہم کو تعزیر کرنا مشروع ہے)۔

بہر حال مذکورہ فقہی دلائل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بتقاضائے احوال احتیاطاً قید کیا جا سکتا ہے۔ رہا یہ مسئلہ کہ کتنی مدت کے لئے احتیاطاً قید کیا جا سکتا ہے تو بعض فقہاء نے اس کی مدت ایک ماہ بھی بتائی ہے جیسا کہ شامی کے اس جزئیہ سے معلوم ہوتا ہے:

"فيحبس حتى يكشف أمره وقيل شهرا" (شامی، کتاب السرقۃ ۶؍ ۱۴۷)۔

۲-قیدیوں کے حقوق

قیدیوں کے سلسلے میں یہ ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ ان کے حقوق پامال نہ ہونے پائیں، اور ان کے حقوق مشروعہ کی از حد رعایت کی جائے، حضور اکرم ﷺ نے اس عورت کو جہنمی فرمایا جس نے ایک بلی کو بھوکا پیاسا باندھ رکھا تھا (القضاء ونظامہ؍ ۵۵۸)۔

جب جانور کے حق میں یہ وعید ہے تو انسانوں کے بارے میں خود اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے، مجرم کو جرم کی سزا دی جانی چاہئے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس سے دشمنی نکالی جائے۔ ڈاکٹر عبدالرحمٰن "فقہ السنۃ" کے حوالے سے لکھتے ہیں:

" ومنع المساجين مما يحتاجون إليه من الغذاء والكساء والصحي جور يعاقب الله عليه كما دل عليه الحديث" (القضاء ونظامہ؍ ۵۵۸)۔

(قیدیوں کو ان چیزوں سے روکنا جن کی انہیں ضرورت ہے جیسے غذا، کپڑے، صحت تو یہ ایسا ظلم ہے جس کی سزا اللہ تعالیٰ ضرور دیں گے جیسے کہ (بلی والی) حدیث اس پر دلالت کرتی ہے)۔

اسی طرح عبدالرحمٰن الجزیری فرماتے ہیں:

"ویطعم فی أیام الحبس ویسقی" (کتاب الفقہ علی المذاہب الأربعہ ۵/۳۴۴)۔

(زمانہ قید میں اسے کھانا بھی دیا جائے گا اور پانی بھی)۔

لہٰذا جرم خواہ کتنا ہی سنگین ہو اور اس کی سزا عمر قید یا موت کیوں نہ ہو تاہم قیدیوں کے انسانی حقوق برقرار رہیں گے (تفصیل کے لئے دیکھئے: الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۷/۵۳۱۷، ۸/۶۲۰۸)۔

کسی انسان کو آزادی جیسی عظیم نعمت سے محروم رکھنا ہی ایک سخت سزا ہے، قید فی نفسہ بہت سے حقوق سے بے انتہا محرومی کا نام ہے۔ حبس اور ضرب بظاہر حقوق انسانی کے خلاف ہیں لیکن نصوص کی وجہ سے ان کی اجازت ہے، اس کے علاوہ جو بھی حقوق انسانی ہیں وہ برقرار رہیں گے۔ خواہ وہ مذہبی حقوق ہوں جیسے عبادت کرنا، مذہبی کتابوں کا مطالعہ کرنا، ان کے مذہبی تعلیمات کے مطابق ان کے لئے غذا فراہم کرنا، وہ جس مذہب پر عقیدہ رکھتے ہیں اس مذہب کی مقدس شخصیتوں اور کتابوں وغیرہ کی بے احترامی سے گریز یا جسمانی حقوق ہوں جیسے مناسب غذا، صاف پانی، علاج، حفظان صحت کا خیال، ایسی تنگ جگہ میں قیدیوں کو نہ رکھنا جہاں کھڑا ہونا یا پاؤں پھیلا کر لیٹنا یا دیوار کے باہر کسی چیز کو دیکھنا ممکن نہ ہو۔ یا سماجی حقوق ہوں جیسے اخبارات پڑھنے، ریڈیو سننے، فون پر احباب واقارب سے گفتگو کرنے، دوسرے قیدیوں سے ملاقات، تعلیم اور ہنر سیکھنا وغیرہ یا اخلاقی حقوق ہوں جیسے مردوں اور عورتوں کے لئے الگ الگ قید خانہ، بالغوں اور نابالغوں کے لئے الگ الگ قید خانہ وغیرہ۔ صاحب درمختار فرماتے ہیں:

"ویجعل للنساء سجن علیحدۃ نفیاً للفتنۃ" (درمختار علی الشامی ۸/۵۸)۔

(فتنے کے خوف سے عورتوں کے لئے علیحدہ قید خانہ ہوگا)۔

حاصل یہ ہے کہ ایک ہے قیدیوں کی سزا اور ایک ہے ان کو انسانی حقوق سے محروم رکھنا تو سزا خواہ کتنی ہی سخت ہو لیکن انہیں انسانی حقوق سے محروم نہیں کیا جائے گا۔ پھر ان حقوق میں مذہبی، جسمانی اور اخلاقی حقوق تو پورے کے پورے حاصل ہوں گے البتہ سماجی حقوق مثلاً بیوی

سے تعلق، اخبارات پڑھنا، ریڈیو سننا، باہری دنیا کی اطلاعات یا دوستوں سے ملاقات، فون پر احباب سے بات، دوسرے قیدیوں یا اپنے اعزاء سے ملاقات وغیرہ اس میں مجرم اور جرم کی حیثیت سے مشروط آزادی ہونی چاہئے ورنہ قید کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔

۳-قیدیوں سے سچ اگلوانے کے لئے سزا کی حدود

مخصوص سزاؤں کے علاوہ جو سزائیں ہیں خواہ وہ قاضی اور حاکم کی طرف سے ہوں یا حکومتوں کی طرف سے اور پھر یہ مکث طویل ہو یا قلیل، اور یہ سزائیں جرم ثابت ہونے کے بعد دی جائیں یا محض اتہام کی بنیادی پر یا صرف سچ بات اگلوانے کے لئے، یہ سب تعزیر کے ضمن میں آتی ہیں، اس لئے ہم نے اپنی بحث کی بنیاد اسی تعزیر پر رکھی ہے۔

تعزیر کی تعریف

علامہ شامی فرماتے ہیں:

"هو لغة التأديب مطلقاً وشرعاً تأديب دون حد، أكثره تسعة وثلاثون سوطاً وأقله ثلاثة" (شامی ۶/ ۱۰۳)۔

(تعزیر لغت میں مطلق تادیب کے معنی میں آتا ہے، اور شرعاً حد سے کم تادیب پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ تعزیر کی اکثر مقدار انتالیس کوڑے اور کم مقدار تین کوڑے ہیں)۔

افراد کے اعتبار سے تعزیر کا حکم

"إنه يختلف باختلاف الناس، فتعزير ذوي الهيآت أخف من تعزير عامة الناس مع أنهم يستوون في الحدود مع الناس، لافرق بين عربي وقرشي، فالكل أمام الحدود سواء" (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۵/ ۳۲۱)۔

(تعزیر لوگوں کے احوال کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے، چنانچہ خواص کی تعزیر عوام کے مقابلہ میں اُخف ہوگی باوجودیکہ حدود میں سارے لوگ برابر ہوتے ہیں، اس میں عربی یا قریشی کا کوئی فرق نہیں ہوتا بلکہ سارے ہی لوگ حدود میں برابر ہوتے ہیں)۔

صاحب ردالمحتار اس طرح فرماتے ہیں:

اس کے چار درجے ہیں:

۱- اشراف الاشراف اور ان سے مراد علماء اور سادات ہیں ان حضرات کی تعزیر فقط ان کو آگاہ کردینا ہے، مثلاً قاضی ان سے کہے کہ بھئی ہم کو آپ کی طرف سے شکایات ملی ہیں کہ آپ ایسا کررہے ہیں (یہ مناسب نہیں ہے) چنانچہ وہ اتنی ہی تنبیہ سے باز آجائیں گے۔

۲- اشراف اور اس سے مراد گاؤں کا مکھیا، پردھان، تاجر اور دولت مند ہیں، ان کی تعزیر ان کو آگاہ کرنا، قاضی کی عدالت تک کھینچنا اور ان پر مقدمہ چلانا ہے۔

۳- متوسط طبقے کے لوگ اور ان سے مراد بازاری لوگ ہیں ان کی تعزیر پر عدالت تک کھینچنا اور قید کرنا ہے۔

۴- اور خسیس لوگوں کی تعزیر، پچھلی تعزیرات کے ساتھ ساتھ پٹائی بھی کرنا ہے (شامی ۶/ ۱۰۴، باب التعزیر)۔

شریعت میں تعزیر کا حکم

جو سزائیں شریعت میں منصوص نہیں ہیں وہ سب تعزیر کے ضمن میں آتی ہیں، پہلے یہ کام مفوض الی الحاکم والقاضی ہوتا تھا لیکن اب یہ کام حکومتیں کرتی ہیں۔ حاکم اور قاضی جرم اور افراد کو پیش نظر رکھتے ہوئے سزائیں دیتا تھا لیکن اب قانون عامہ کے ذریعہ ہی عدل ومساوات کو باقی رکھا جاسکتا ہے، شریعت میں تعزیر کا کوئی لگا بندھا ضابطہ نہیں ہے تاہم اس باب میں کافی وسعت ہے اور ادنیٰ سزا سے لے کر قتل تک کی گنجائش ہے۔ چنانچہ عبدالرحمٰن الجزیری ”باب

التعزیر واسع'' کے تحت فرماتے ہیں:

" وبالجملة فإن التعزير باب واسع يمكن للحاكم أن يقضي به على كل الجرائم التي لم يقع الشارع لها حدا أوكفارة، على أن يضع العقوبة المناسبة لكل بيئة ولكل جريمة من سجن أو ضرب أو نفي أوتوبيخ أو غير ذلک لقد أجاز الإسلام التعزير بكل أنواعه للحاكم فقط" (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۵/۳۲۵)۔

(حاصل یہ کہ تعزیر کا باب بہت وسیع ہے جس میں حاکم کو اختیار ہے کہ وہ تمام جرائم میں جن میں شرعاً حد یا کفارہ نہیں ہے گردوپیش کے حالات کے اعتبار سے مناسب سزا تجویز کرے خواہ یہ سزا قید ہو، ضرب ہو، جلاوطنی ہو، ملامت کرنا ہو یا اس کے علاوہ، اسلام نے تعزیر کی اجازت اس کی جملہ انواع کے ساتھ صرف حاکم کو دی ہے)۔

صاحب بدائع لکھتے ہیں:

"إن التعزير فقد يكون بالحبس وقد يكون برفع الصوت وقد يكون بضرب الأسواط" (بدائع ۵/۵۲۵)۔

(تعزیر کبھی قید کرکے ہوتی ہے، کبھی بلند آواز سے ڈانٹ کر اور کبھی کوڑے مار کر)۔

حصکفی اس طرح لکھتے ہیں:

"والتعزير ليس فيه تقدير بل هو مفوض إلى رأى القاضي لأن المقصود منه الزجر وأحوال الناس فيه مختلف ويكون التعزير بالقتل" (درمختار مع الشامی ۶/۱۰۶)۔

(تعزیر کا کوئی متعین ضابطہ نہیں ہے بلکہ یہ مفوض الی رأی القاضی ہے، کیوں کہ مقصود اس سے تنبیہ ہے اور لوگ مختلف الاحوال ہوتے ہیں، تعزیر بسا اوقات قتل کے ذریعہ بھی

ہوتی ہے)۔

مذکورہ فقہی عبارتوں سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ تعزیر کا باب بہت وسیع ہے، اوران جنایتوں میں جن میں سزائیں مخصوص نہیں ہیں وہاں تعزیر ہی پر عمل ہوتا ہے۔ پھر جس طرح جرم ثابت ہونے کے بعد تعزیر کا عمل جاری ہوتا ہے بسا اوقات صرف اتہام کی بنیاد پر بھی اس کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ بھلا ایک شخص جس پر سنگین الزامات ہوں وہ بلاسختی کیسے کسی بات کا اقرار کرے گا لیکن مشکل یہاں یہ ہے کہ شبہ کی بنیاد پر سچ بات اگلوانے کے لئے آخر کس حد تک تعزیر اختیار کی جائے اوراس کا پیمانہ کیا ہو۔ یہ مشکل اس وقت مزید پیچیدہ ہو جاتی ہے جب فقہ کا یہ جزئیہ سامنے آتا ہے: "ولا يصح إقراره ... مكرها" (درمختار ۴/ ۴۴۸) کہ زبردستی اقرار کی شرعاً کوئی حیثیت نہیں ہے، لہذا اگر ایسا شخص سختی کی بنیاد پر کچھ اقرار کر بھی لیتا ہے تو یہ کیسے فیصلہ ہوگا کہ وہ واقعتاً سچ بول رہا ہے یا صرف مار کے خوف سے اقرار کر رہا ہے۔ اور پھر اس پر کوئی حکم کیسے لگایا جا سکتا ہے، بہر حال اب ہم شرعی نقطہ نظر سے اس کا جائزہ لیتے ہیں اور پھر اس روشنی میں اپنی رائے ذکر کریں گے۔

اس سلسلے میں علامہ حصکفی رحمہ اللہ نے کتاب السرقۃ میں ایک واقعہ اور ایک حدیث ذکر کی ہے:

"ونقل عن التجنيس عن عصام أنه سئل عن سارق ينكر؟ فقال: عليه اليمين فقال الأمين: سارق ويمين؟ هاتوا بالسوط فاضربوه عشرة حتى أقر فأتي بالسرقة فقال: سبحان الله مارأيت جوراً أشبه بالعدل من هذا" (درمختار مع الشامی ۶/ ۱۳۶)۔

(تجنیس میں یہ واقعہ منقول ہے کہ (حبّان بن جبلہ نے جو بلخ کے امیر تھے شامی) عصام بن یوسف سے سوال کیا کہ ایسا چور جو چوری سے انکار کر رہا ہے اس کا کیا حکم ہے؟ تو عصام نے فرمایا کہ اس پر قسم ہے، اس پر امین نے کہا کہ چور اور قسم (یعنی چور کو بھلا قسم کی کیا پرواہ)، ذرا کوڑا لاؤ اور

ابھی دس کوڑے نہیں مار پائے تھے کہ اس نے اقرار کرلیا اور مال مسروقہ لے آیا، تو عصام نے کہا: سبحان اللہ میں نے ایسا ظلم نہیں دیکھا جو عدل کے مشابہ ہو جیسا کہ اس واقعہ میں مشاہدہ کیا)۔

یہ واقعہ ذکر کرنے کے بعد پھر حدیث ذکر کی، فرماتے ہیں:

"عن ابن العز الحنفي صح أنه عليه الإسلام أمر الزبير بن العوام بتعذيب بعض المعاهدين حين كتم كنز حي بن أخطب ففعل فدلّهم على المال قال: وهو الذى يسع الناس، وعليه العمل" (درمختار مع الشامی ۱۴۶/۶)۔

(ابن العز نے اپنی کتاب "التنبیہ علی مشکلات الہدایہ" میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت زبیر بن عوام کو بعض معاہدین کے بارے میں جنہوں نے حیی بن اخطب کے خزانے چھپا لئے تھے سزا دینے کا حکم فرمایا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا، چنانچہ ان لوگوں نے مال کا پتہ بتادیا۔ اور اس کی لوگوں کو گنجائش ہے، اور اسی پر عمل ہے)۔

مذکورہ بالا دلائل سے یہ معلوم ہوا کہ سچ اگلوانے کے لئے تعزیر کی جاسکتی ہے لیکن حدود میں رہ کر، کیوں کہ جب اصل مجرم کو ثبوت جرم کے بعد ایسی سزائیں نہیں دی جاسکتیں جو حقوق انسانیت کے خلاف ہو تو تفتیش کے نام پر کیسے اجازت ہوسکتی ہے۔

وھبہ زحیلی ایک جگہ لکھتے ہیں:

"ولا يمنع من أكل ووضوء، ويصلي بالإيماء ولايعيد وحرم تعزير بحلق اللحية وقطع طرف وجرح" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵۶۰۰/۷)۔

(کھانے پینے سے اور وضو سے نہیں روکا جائے گا۔ اور اگر نماز ارکان کی مکمل ادائیگی کے ساتھ نہیں پڑھ سکتا تو اشارے سے پڑھے گا اور ایسی نماز کا اعادہ نہیں ہے، تعزیراً داڑھی کاٹنا، یا کسی عضو کو کاٹنا، یا زخمی کرنا حرام ہے)۔

اس سے معلوم ہوا کہ سچ اگلوانے کے لئے کوئی ایسی سزا نہیں دی جاسکتی جس سے اس کا

عضو متاثر ہو، اور ظاہر ہے کہ جب جرم ثابت ہو جانے کے بعد اس طرح کی سزا ممنوع ہے تو محض شبہ کی بنیاد پر سچ اگلوانے کے لئے ایسی سزائیں کیسے جائز ہو سکتی ہیں۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ایک جگہ لکھتے ہیں:

''پولس غنڈے یا اس طرح کے دوسرے عناصر کے جبر واکراہ کے تحت اگر کسی بات کا اقرار کرالیا جائے تو از روئے شرع اس اقرار کا کوئی اعتبار نہیں، نہ اس پر کوئی شرعی حکم مرتب ہو سکتا ہے اور نہ قاضی اس کو بنیاد بنا کر فیصلہ کر سکتا ہے''**ولا يصح إقراره بطلاق وعتاق مكرها**''

(جدید فقہی مسائل ۱؍۴۴۹، بحوالہ در مختار ۴؍۴۴۸، کتاب الاقرار)۔

لہذا سخت بات اگلوانے کے نام پر انہیں ٹارچر کرنا، قیدیوں کو بے لباس کرنا، انہیں الکٹرک شاٹ لگانا، قیدیوں پر کتے چھوڑنا، ٹھنڈک عذاب دینا، انہیں برف کی سلوں پر ڈال دینا، مسلسل جگے رہنے پر مجبور کرنا، آنکھوں میں تیز روشنی یا کانوں میں تیز آواز کا انتظام رکھنا، پانی میں ڈبکیاں دینا، ان کے بچوں کو ان کے سامنے ٹارچر کرنا، ان کی مذہبی کتابوں کی بے حرمتی کرنا وغیرہ اس طرح تمام امور حرام قرار پائیں گے، کیوں کہ یہ سزائیں تو انہیں بھی نہیں دی جاسکتیں جن کے قتل کا فیصلہ ہو چکا ہے۔

اب رہا یہ مسئلہ کہ پھر آخر سچ اگلوانے کے لئے کیا تدبیر کی جائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس نوعیت کی سزائیں اسلام میں مشروع ہیں اس قسم کی تادیب کی جاسکتی ہے جیسے کوڑے مارنا وغیرہ۔ چنانچہ جب حضور علیہ السلام نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تو انہوں نے چور کو صرف کوڑے مارے۔

خلاصہ یہ کہ تحقیق وتفتیش کے نام پر قیدیوں کو ننگا کرنا، کتے چھوڑنا، برف پر ڈالنا، الکٹرک شاٹ لگانا، تیز روشنی میں انہیں رہنے پر مجبور کرنا، اس طرح کی سزائیں کسی بھی قیمت پر کسی بھی قیدی کو خواہ وہ کتنا ہی بڑا مجرم ہو، شریعت اسلامیہ کی روشنی میں نہیں دی جاسکتی۔

۴-قیدی کو ہتھکڑی پہنانا اور بیڑی ڈالنا

حصکفی فرماتے ہیں:

"**ولا يغل إلا إذا خاف فراره فيقيد**"(درمختار مع الشامی ۵۸/۸)۔

(گلے میں طوق نہیں ڈالا جائے گا الا یہ کہ بھاگنے کا خوف ہو تو اسے قید کر دیا جائے گا)۔

اور کتاب الحظر والاباحۃ میں اس طرح لکھتے ہیں:

"**وكره جعل الغل طوق له (آية في عنق العبد يعلم بإباقه) وفي زماننا لابأس به لغلبة الإباق**"(درمختار مع الشامی ۵۶۶/۹ کتاب الحظر)۔

(غلام کے گردن میں طوق (جس میں اس کے فرار ہونے کی علامت ہو، اور جو غلام آبق ہونے کی خبر دے) مکروہ ہے، لیکن ہمارے زمانے میں غلاموں کے فرار ہونے کی کثرت کی وجہ سے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے)۔

ڈاکٹر وھبہ زحیلی اس طرح لکھتے ہیں:

"**ولا بأس تسويد وجهه ونداء عليه بذنبه ويطاف به مع ضربه ويجوز صلبه**"(الفقہ اسلامی وأدلتہ ۵۶۰۰/۷)۔

(مجرم کے چہرے پر کالک پوتنا، اس کے جرم کا اعلان کرنا، پٹائی کے ساتھ ساتھ علاقہ میں گھمانا حتی کہ سولی دینا، ان امور میں کوئی حرج نہیں ہے)۔

اس میں مقصد مجرم کی اصلاح ہے نہ کہ سزا، برائے سزا، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالی نے جھوٹ کی سزا زبان کاٹنا نہیں فرمائی اور نہ زنا کی سزا زانی کو خصی کرنا، لہذا جس طرح اصلاح ممکن ہو وہی شکل اپنائی جائے گی۔

زحیلی صاحب ایک جگہ اس طرح فرماتے ہیں:

"بندوں کو جرائم سے دور رکھنے کے لئے (اور دوسروں کو ان کے شر سے بچانے کے

لئے) اللہ تعالی نے سخت سے سخت سزائیں ضرور رکھی ہیں اس کے باوجود مجرم جتنی سزا کا مستحق ہے اتنی سزا نہیں دی گئی، یہی وجہ ہے کہ جھوٹ کی سزا شرعاً زبان کا ثنا یا قتل کرنا نہیں۔ اور نہ زنا کی سزا زانی کو خصی کرنا، نہ چوری کی سزا چور کو ختم کرنا ہے، بلکہ اللہ تعالی نے جنایتوں کی سزائیں ایسی رکھی ہیں جو اس کی ذات وصفات (حکمت، رحمت، لطف واحسان) کے مطابق ہوں اور ساتھ ہی یہ ملحوظ ہے کہ ظالم ظلم وعدوان سے باز آجائے۔ اور ہر انسان فقط اتنے پر قناعت کرے جو اس کے خالق ومالک نے اسے عطا کیا ہے، کسی دوسرے کے حق کو سلب کرنے کی طمع نہ کرے" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷ر ۵۳۱۲)۔

شرعی سزائیں سخت ضرور ہیں لیکن اس لئے کہ انسانی قدریں محفوظ رہیں، اور احترام انسانیت باقی رہے، یہی وجہ ہے کہ ثبوت جرم کے بعد سزا دیتے وقت بھی بہت ساری ان چیزوں سے روکا گیا، جو احترام انسانیت کے منافی ہوں (تفصیل کے لئے دیکھئے: الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷ر ۵۳۱۰ تا ۵۳۱۸)۔

مذکورہ بالا فقہی عبارتوں سے دو چیزیں معلوم ہوئیں، ایک یہ کہ مجرم کو سزا دی جاسکتی ہے اور سزا زبانی تنبیہ سے لے کر قتل اور سولی تک (علی حسب رای الامام والقاضی) ہے۔ دوسری چیز یہ کہ کوئی ایسی سزا نہیں دی جائے گی جو حقوق انسانی یا احترام انسانیت کے خلاف ہو اور "ولقد کرمنا بنی آدم" سے متصادم ہو۔ اس آیت کی روشنی میں فقہاء اسلام نے احترام آدمیت کی رعایت میں کافی توجہ دی ہے اور اس کے اصول مرتب فرمائے ہیں۔ ایک مقام پر زحیلی صاحب لکھتے ہیں:

"إنه لا غل ولا تجريد ولا تصفيد ولا تمثيل في الإسلام، وإن للسجين الحق على الدولة في الغذاء والكساء والمأوى الملائم، ومنع التعذيب الوحشي وغيرذلك من أصول الحفاظ على الكرامة الإنسانية" (الفقہ الاسلامی

وادلتہ ۷/ ۵۳۲۵)۔

(اسلام میں نہ طوق ڈالنا ہے نہ بے لباس کرنا، نہ ہتھکڑی پہنانا نہ سخت سزا دینا (مثلہ کرنا) ہے۔ اور قیدیوں کے لئے غذا، کپڑے، مناسب رہائش، وحشیانہ سزاؤوں سے روک اور احترام انسانیت کی حفاظت کے اصول سے متعلق حکومتوں پر حق ہے کہ وہ قیدیوں کے ان تمام حقوق کا تحفظ کریں)۔

لہذا عام حالات میں قیدیوں کو زنجیروں میں جکڑنا، ہتھکڑی پہنانا یا انہیں بیڑی ڈالنا، جائز نہ ہوگا، البتہ استثنائی صورتوں میں ان کا استعمال کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً گرفتار کرتے وقت یا پیشی پر لے جاتے وقت بھاگ جانے کے خوف سے۔ قید خانوں میں جہاں بھاگنے کا کوئی امکان نہیں ہوتا وہاں بلا وجہ ایسا سلوک کرنا اسلامی آئین اور انسانیت کے خلاف ہے۔ اور ظلم وبربریت کا وہ سلوک جو امریکہ نے افغانستان اور عراق کے مظلوم قیدیوں کے ساتھ ابوغریب اور دوسرے ظلم خانوں میں کیا وہ اسلام تو کیا خود ان ظالم حکومتوں کے اپنے قوانین کے خلاف ہے۔ ان وحشیانہ اور قاہرانہ سزاؤں کی جو ان مظلومین پر برپا کی گئیں، اسلام کے عادلانہ اور منصفانہ سزاؤں کے ساتھ کیا نسبت ہو سکتی ہے۔

۵-قید تنہائی

علامہ حصکفی کتاب القضاء میں فرماتے ہیں:

"ولایمکن أحد أن یدخل علیه للاستئناس إلا أقاربه وجیرانه لاحتیاجه للمشاورة ولا یمکثون عنده طویلا.... وفی الشامیة ولا یمکثون طویلا أی بحیث یحصل له الاستئناس بهم بل بقدر مایحصل به المقصود من المشاورة" (درمختار مع الشامی ۸/ ۵۵)۔

(سوائے رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے کسی کو یہ اجازت نہیں دی جائے گی کہ وہ انسیت دینے کے لئے قیدی کے پاس جائے۔ اور رشتہ دار اور پڑوسیوں کا جانا بھی صرف اس غرض سے ہوگا کہ قیدی ان سے اپنے معاملہ کے بارے میں مشورہ کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ بھی زیادہ دیر تک نہیں ٹھہریں گے)۔

لیکن بیوی سے جماع کے تعلق سے فقہاء کی آراء مختلف ہیں۔

علامہ شامی نہر کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

"وفي النهر إذا احتاج للجماع دخلت عليه زوجته أو أمته إن كان فيه موضع سترة..... وقيل يمنع من ذلك لأن الوطء ليس من الحوائج الأصلية" (شامی ۵۶/۸)۔

(اگر اسے جماع کا تقاضا ہے تو اس کی بیوی یا باندی اس کے پاس جائے گی بشرطیکہ خلوت کا نظم ہو.......... جب کہ بعض فقہاء کہتے ہیں: چوں کہ جماع ضروریات اصلیہ میں سے نہیں ہے اس لئے اس کو اس کی اجازت نہ ہوگی)۔

قید تنہائی سے متعلق درمختار اور شامی میں یہ جزئیہ موجود ہے لیکن مدت کا ذکر نہیں ہے جس سے اندازہ لگایا جا سکے کہ آخر کتنی مدت تک اسے قید تنہائی دی جائے، تاہم انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی اپنی رائے کے مطابق عمل کرے گا۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:

"قيل يطين عليه الباب ويترك له ثقبة يلقى له الخبز والماء وقيل الرأي فيه للقاضي" (شامی ۵۸/۸)۔

(قید خانہ کا دروازہ مٹی کے ذریعہ لیپ کر دیا جائے گا۔ اور ایک سوراخ کے ذریعہ اسے کھانا پانی دیا جائے گا، اور بعض فقہاء نے فرمایا ہے کہ اس بارے میں قاضی اپنی صواب دید پر عمل

کرے گا)۔

اسی جزئیہ سے دونوں چیزیں واضح ہوگئیں، ایک یہ کہ قیدی کو قید تنہائی بھی دی جا سکتی ہے، دوسرے یہ کہ مدت قاضی کے سپرد ہے جیسا کہ خود قید تنہائی کا فیصلہ بھی قاضی کے سپرد ہے کہ وہ مجرم اور جرم کے اعتبار سے اس کا فیصلہ کرے۔

۶- قیدیوں سے کام لینے کے حدود اور اجرت کے استحقاق کی وضاحت

ہم نے اپنے وضاحتی نوٹ میں یہ واضح کیا ہے کہ منصوص سزاؤں کے علاوہ تعزیرات کے جملہ اختیارات "مفوض الی رای الحاکم والقاضی" ہیں، اور اب یہ کام حکومتوں کے سپرد ہے۔ وہ پہلے ضابطہ بتاتی ہیں اور ان ہی ضابطوں کے مطابق کیس لڑا جاتا ہے اور پھر رہائی یا سزا دی جاتی ہے (حکومتوں کے اپنے وعدے یہی ہوتے ہیں حقیقت کچھ بھی ہو)۔

اس لئے اگر انہوں نے کسی جرم کی سزا قید بامشقت رکھی ہے تو قیدی سے جبراً کام بھی لیا جائے گا لیکن جہاں تک شرعی تعزیر کا تعلق ہے تو یہ بات عرض کی گئی کہ قاضی یا حاکم کو جسمانی ضرب وتادیب کا اختیار ہے (اگرچہ یہ منصب اب حکومتوں کے سپرد ہو چکا ہے) تو جس طرح جسمانی ضرب وتادیب کرتے ہیں اسی پر قیاس کرتے ہوئے عمل مشقت جس کو ہم جبراً کام لینا کہہ سکتے ہیں اس کا اختیار بھی ہونا چاہئے بشرطیکہ اس تعزیر عملی میں اس کی صحت واستعداد کا لحاظ رکھا جائے، نیز کام کے اوقات بھی محدود ہوں مثلاً آٹھ گھنٹہ، یا دس گھنٹہ عرف عام اور اس کی جسمانی صحت کے اعتبار سے، اور یہ کام اس کے حقوق یا احترام انسانیت کے منافی نہ ہوں اور عبث نہ ہوں، پھر اگر تعزیر یہی ٹھہرے کہ اسے اجرت نہ دی جائے تو ایسی صورت میں وہ اجرت کا مستحق نہ ہوگا کیوں کہ یہی قید مع العمل اس کی سزا اور تعزیر ہے اور سزا میں اجرت نہیں ملتی، اس سے یہ چیز بھی سمجھ میں آگئی کہ اگر کام کی نصف اجرت یا اس سے کم وبیش دی جائے تو یہ بھی درست

ہونا چاہئے کیوں کہ جس طرح بلا اجرت عمل سزا اور تعزیر ہے اسی طرح کم اجرت پر عمل بھی سزا اور تعزیر ہے۔

حاصل یہ ہے کہ اگر قیدی سے کام کرانا تعزیر اور سزا کا جز ہے تو ایسی شکل میں اس سے کام لینا اور اجرت نہ دینا یا کم دینا سب درست ہونا چاہئے۔

پھر جس طرح کام لینا تعزیراً اور سزاءً ہوتا ہے، بسا اوقات قیدی کو کام سے روکنا تعزیراً اور سزاءً ہوتا ہے۔ چنانچہ صاحب ردالمحتار علامہ شامی "ولا یکتسب فیہ" کے تحت فرماتے ہیں:

"ولا يكتسب فيه، وقد صرح في البحر وغيره بأن الأصح المنع..... لأن الحبس مشروع ليضجر، ومتى تمكن من الاكتساب لايضجر، فيكون السجن له بمنزلة الحانوت" (شامی ۸/۵۷ کتاب القضاء)۔

(قید خانہ میں قیدی کو کمانے کی اجازت نہ ہوگی، بحر وغیرہ میں اس کی صراحت ہے کہ یہی قول صحیح ہے، کیوں کہ قید تو اس لئے مشروع ہے تا کہ اسے تنبیہ ہو، لیکن جب کمائی کرے گا تو تنبیہ کیسے ہوگی، قید خانہ تو اس کے لئے بدرجہ دوکان ہو جائے گا)۔

شامی کے جزئیہ "ولا تكتسب فيه" میں یہ صراحت ہے کہ قیدی کو کمائی کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔ اور اگر وہ خود چاہے تو اس کی تمنا پوری نہ کی جائے گی لیکن شامی میں مذکور یہ جزئیہ کتاب القضاء کا ہے، اور سیاق وسباق سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مطل الغنی (مالدار ٹال مٹول کرنے والے مقروض) سے متعلق ہے۔ وہ طویل المیعاد قیدی جن کی زندگی کا ایک لمبا عرصہ جیل میں گزرتا ہے یا وہ تا عمر سزا یافتہ ہوتے ہیں ایسے قیدیوں کے لئے کام کی گنجائش معلوم ہوتی ہے تا کہ ان کا بھلا ہو اور حکومت کا بھی، لہٰذا قیدی اگر از خود کام کرنا چاہیں تو انہیں اس کی مشروط اجازت ہونی چاہئے بلکہ ان سے کام لیا جانا ہی زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔

رہا یہ مسئلہ کہ جبراً کام لے سکتے ہیں یا نہیں اور اجرت کے ساتھ یا بلا اجرت تو اس

سلسلے میں تعزیر میں کافی گنجائش ہے اس لئے صحت واستعداد کے مطابق جبراً بھی کام لیا جاسکتا ہے جب کہ اس کو تعزیر کا جزئیہ بنا دیا جائے، اور اجرت کے استحقاق اور عدم استحقاق میں بھی یہی اصول ہوگا۔

حاصل یہ کہ قیدی سے بشرط صحت واستعداد واوقات کام لیا جاسکتا ہے اور یہ کام اجرت اور بلا اجرت دونوں طرح درست ہے، جیسی قاضی کی رائے ٹھہرے۔ تاہم اس کے بیوی بچوں کے حقوق مالیہ اس پر عائد ہونے کی وجہ سے اگر اجرت دے دی جائے خواہ کم ہی سہی تو یہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

۷- مجرم اور ملزم کے ساتھ سلوک میں فرق

ظاہر ہے جن قیدیوں کا مقدمہ ابھی زیر سماعت ہے وہ بری ہوسکتے ہیں اور مشہور ضابطہ ہے کہ جب تک جرم ثابت نہ ہو جائے متہم کو بری سمجھا جاتا ہے لہذا اس کے ساتھ مجرموں جیسا سلوک جائز نہ ہوگا۔

ڈاکٹر وھبہ زحیلی لکھتے ہیں:

”وإن الأصل في المتهم البراء ة حتى تثبت إدانته“ (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۷/ ۶۴۵۳)۔

(جب تک جرم ثابت نہ ہو متہم کو بری سمجھا جائے گا)۔

تو وہ شخص جو متہم ہو اور وہ کسی بھی وقت بری ہوسکتا ہو بھلا اس شخص کے مساوی کیسے ہو سکتا ہے جس پر فرد جرم عائد ہو چکا ہے اور اس کی سزا کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ سزا یافتہ قیدی کو قید کے ساتھ ساتھ ضرب بھی ہوتی ہے۔

لہذا سزا یافتہ قیدی اور زیر سماعت قیدی کے مابین قید خانہ کے سلوک میں فرق کیا جا سکتا ہے۔

۸- زیر سماعت قیدیوں کو اتنے دنوں قید نہیں رکھا جاسکتا جو ثبوت جرم کے بعد اصل سزا ہو

زیر سماعت قیدی پر جب تک فرد جرم عائد نہیں ہوتا وہ متہم ہے، اور متہم کو بعض مخصوص حالات کے پیش نظر گرفتار اور قید کرنے کی گنجائش ہے لیکن زمانہ قید اتنا ہرگز نہ ہونا چاہئے جو جرم کی اصل سزا ہے۔ یہ چیز عقل اور نقل کے سراسر خلاف ہے کہ قیدیوں کی سماعت کو اتنا سست بنایا جائے کہ وہ بذات خود ایک سزا ہو۔ ظلم کی اس سے بدترین کوئی مثال نہیں ہوسکتی کہ ملزم بے چارہ کو قانونی پیچیدگیوں میں ڈال کر اس کی زندگی کا ایک قیمتی حصہ برباد کردیا جائے۔ پھر یہ کہ کتنے دنوں تک ان کو حراست میں رکھا جائے تو اس بارے میں کوئی حتمی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا، البتہ بعض فقہاء نے چور کو شبہ کی بنیاد پر ایک ماہ قید کرنے کو کہا ہے، اسی پر قیاس کرتے ہوئے جرم کی سنگینی کے اعتبار سے یہ مدت کم زیادہ ہوسکتی ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ کئی سال اسی کارروائی میں گزار دیئے جائیں۔ علامہ شامی نے کتاب السرقۃ میں فقہاء کی ایک ماہ والی رائے اس طرح ذکر کی ہے: "فيحبس حتى يكشف أمره وقيل شهراً" (چور کو احتیاطاً قید کیا جائے گا اور بعض فقہاء نے کہا کہ یہ مدت ایک ماہ ہوگی)۔

۹- برأت کے بعد مالی ہرجانہ

"عن بهز بن حكيم عن أبيه عن جده أن النبي ﷺ حبس رجلا في تهمة ثم خلى عنه، وفي لفظ البيهقي حبس رجلا في تهمة ساعة من نهار" (القضاء ونظامیہ/۵۵۱ بحوالہ ترمذی)۔

(بہز بن حکیم سے انہوں نے اپنے باپ سے، انہوں نے اپنے دادا سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک شخص کو شبہ کی بنیاد پر گرفتار کیا، پھر اسے چھوڑ دیا۔ اور بیہقی میں یہ

اضافہ ہے کہ کچھ دیر کے لئے قید رکھا)۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ شبہ کی بنیاد پر کچھ وقت کے لئے حراست میں لیا جا سکتا ہے لیکن یہ مدت بہت زیادہ نہ ہونا چاہیے۔ دوسری طرف احناف کا مشہور ضابطہ ہے کہ "المنافع لاتضمن" اس اعتبار سے ایسے شخص کے لئے مالی ہرجانہ نہ ہونا چاہئے کیوں کہ حراست کی وجہ سے اس کی جسمانی منفعت فوت ہوئی ہے اگر آزاد ہوتا تو کچھ کام کر کے چند پیسے کما سکتا تھا لیکن اس حراست اور قید کی وجہ سے گویا اس کی اس منفعت کو غصب کیا گیا، اور عندالاحناف منافع کا ضمان نہیں ہوتا لہذ کسی قسم کا کوئی ہرجانہ نہ ہونا چاہئے۔

لیکن ظلم کے دروازہ کو بند کرنے کے لئے جیسے بہت سی جگہوں میں منافع کو قابل ضمان مان لیا گیا ہے یہاں بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے لئے تلف منفعت کی وجہ سے ہرجانہ ملنا چاہئے۔ اور اسی پر ذہنی اذیت کو بھی قیاس کر سکتے ہیں کہ ذہنی اذیت سے بھی چوں کہ ایک آدمی کی صلاحیت متاثر ہوتی ہے لہذا اس پر بھی اسے ہرجانہ ملنا چاہئے۔

امام نووی نے کتاب الجنایات میں ایک جزئیہ تحریر فرمایا ہے:

"وإن جنى على حر جناية نقص به جمال أو منفعة ولا ارش لها مقدر ذكرنا أنه يجب فيهما حكومة" (کتاب المجموع للنووی ۲۰/۵۴۸)۔

(اگر کسی نے کسی آزاد آدمی پر کوئی جنایت کی جس کی وجہ سے اس کے جمال یا منفعت کو نقصان پہنچا اور یہ جنایت ایسی ہو کہ اس کے لئے کوئی متعینہ مقدار دیت کی نہ ہو تو ایسی صورت میں جیسا کہ ہم نے ذکر کیا حکومت (یعنی قاضی، حاکم یا دو عادل مرد جو تاوان اور ضمان طے کریں) واجب ہے)۔

اس سے معلوم ہوا کہ نقص جمال یا فوت منفعت کی وجہ سے ہرجانہ واجب ہوگا، اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قید کی وجہ سے اس کی صلاحیت متاثر ہوئی جو معنوی جمال ہے اور جسمانی

منفعت بھی فوت ہوئی لہٰذا مذکورہ صورت میں ہرجانہ واجب ہونا چاہئے، نیز اگر ہرجانہ لازم کردیا جائے تو اس طرح قیدیوں کو چھٹکارا بھی جلدی ملے گا ورنہ زیادہ مدت تک قید میں رکھا جائے گا۔ یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ شوافع وغیرہ کے یہاں اس کی پہلے سے ہی گنجائش ہے کیوں کہ ان کے وہاں منافع کا ضمان واجب ہوتا ہے۔

۱۰-قیدی کو مقدمات سے متعلق اپنے وکیل سے رابطے کے حقوق

وکالت کے لغوی معنی حفاظت کے آتے ہیں اس اعتبار سے وکیل حفیظ ہوتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے، "حسبنا الله ونعم الوكيل" (اللہ تعالیٰ ہمارے لئے کافی ہے اور وہ بہترین محافظ (حفاظت کرنے والا) ہے) (القضاء ونظامہ ر ۴۶۱)۔

اور تفویض وتسلیم کے معنی بھی آتے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے: "على الله توكلنا" (ہم نے اپنے آپ کو اللہ کے حوالہ اور سپرد کردیا)۔

"والوكالة في الشرع إقامة الشخص غيره مقام نفسه مطلقاً أومقيداً"

(القضاء ونظامہ ر ۴۶۱)۔

(وکالت شرع میں اپنی جگہ پر دوسرے کو اپنا قائم مقام بنانا ہے اور یہ نیابت مطلقاً بھی ہوسکتی اور مقید بھی)۔

حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے:

"فرماتے ہیں کہ جب میں نے خیبر جانے کا ارادہ کیا تو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، سلام کیا اور عرض کیا کہ میرا خیبر جانے کا ارادہ ہے، آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ جب میرا وکیل تمہارے پاس آئے تو تم اس سے پندرہ وسق لے لینا، اور اگر وہ تم سے کوئی نشانی طلب کرے تو اپنا ہاتھ اپنی ہنسلی پر رکھ لینا" (القضاء ونظامہ ر ۴۶۲)۔

ایک قیدی عدالت کے سامنے اپنی برأت کے دلائل تبھی دے سکتا ہے جب وہ قانون اور اپنے مافی الضمیر کو اچھی طرح ادا کرنا جانتا ہو، ورنہ جرم سے بری ہونے کے باوجود بسا اوقات وہ نجات سے محروم رہتا ہے اور صاحب حق ہونے کے باوجود حق حاصل نہیں کر پاتا، چنانچہ ایسے ہی حالات کی طرف حدیث میں صراحت موجود ہے، حضرت اُم سلمہؓ سے روایت ہے:

''حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہاری ہی طرح انسان ہوں، اور تم میرے پاس مقدمے لاتے ہو، ایسا ہو سکتا ہے کہ تم میں سے بعض اپنے دلائل کو اچھی طرح ثابت کرلے جائے اور میں اسی کے مطابق اس کے لئے کسی چیز کا فیصلہ کردوں جو درحقیقت اس کے بھائی کا حق تھا لہذا وہ اسے ہرگز نہ لے کیوں کہ یہ جہنم کا ٹکڑا ہے جو میں اسے دے رہا ہوں'' (القضاء ونظامیہ، ۶۴، بحوالہ بخاری ۹/۸۶، مسلم، ۳/۱۳۳۷)۔

اس سے معلوم ہوا کہ بسا اوقات آدمی حق پر ہوتے ہوئے اپنی بات صحیح انداز میں نہیں کہہ پاتا خصوصاً آج کل کی عدالتوں میں کہ عام آدمی نہ اس زبان سے واقف ہے اور نہ ہی قانون سے، لہذا قیدی کو اپنے مقدمات کے سلسلے میں وکیل سے رابطہ اور صفائی پیش کرنے کا پورا حق حاصل ہونا چاہئے۔

۱۱- قیدی ماں کا اپنے دودھ پیتے بچے کو ساتھ رکھنے کا حق

اس مسئلہ کا تعلق بچے کی حفاظت اور تربیت سے ہے، یہ اس کا بنیادی حق ہے، اور اسی لئے میاں بیوی کی جدائی کے بعد بھی ماں کو حق تربیت باقی رہتا ہے۔ فقہاء کرام نے صراحت کی ہے کہ بچے کی وجہ سے ماں کی سزا میں تاخیر کی جائے گی، اور اگر وہ حمل سے ہے تو کوڑے وغیرہ مارنے میں وضع حمل کا انتظار کیا جائے گا، چنانچہ حضرت غامدیہؓ کے واقعہ میں حضور اکرم ﷺ نے پہلے ان کو واپس کر دیا، پھر دوبارہ بعد ولالت بچے کو لے کر آئیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ابھی بچہ دودھ پیتا ہے جب روٹی کھانے لگے تب آنا، پھر وہ تیسری مرتبہ اس حال میں تشریف لائیں کہ

بچے کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا تھا چنانچہ پھر آپ نے سزا کا حکم دیا۔

معلوم ہوا کہ بچے کے حق کی وجہ سے ماں کی سزا میں تاخیر کی جاسکتی ہے، نیز بچے کے حقوق کی رعایت بہر حال ضروری ہے۔ رضاعت حضانت اور پرورش یہ بچے کے حقوق ہیں اور ان حقوق کی ادائیگی ماں سے بہتر دوسرا کوئی نہیں کرسکتا، لہٰذا قیدی ماں کو بھی بچے کی پرورش کا حق ملے گا، الا یہ کہ قید خانہ میں بچے کی تربیت کا صحیح نظم نہ ہو اور بچے کے اقرباء میں ایسے افراد موجود ہوں جو بچے کی اچھی طرح تربیت کرسکیں۔

لیکن امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس ''باب کراھیۃ التفریق بین السبی'' کے تحت ایک حدیث ذکر فرمائی ہے جو اس سلسلے میں بالکل صریح ہے، فرماتے ہیں:

''عن أبی أیوب قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: من فرق بین والدة وولدھا فرق اللہ بینه وبین أحبته یوم القیمة'' (حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے کہتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص ماں اور اس کے بچے کے درمیان جدائی پیدا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے اور اس کے احباب ورشتہ داروں کے درمیان قیامت میں تفریق پیدا کرے گا)۔

'' والعمل علی ھذا عند أصحاب النبی ﷺ وغیرھم کرھوا التفریق بین السبی بین الوالدة وولدھا وبین الولد والوالد وبین الإخوة'' (ترمذی شریف ۲/ ۲۸۵)۔

(اور اسی پر صحابہ وغیرہم کا عمل ہے، یہ حضرات قیدیوں کے درمیان ماں اور اس کے بچے، باپ اور اس کے بچے اور بھائیوں کے درمیان تفریق کو مکروہ سمجھتے ہیں)۔

ترمذی کے محشی مولانا احمد علی صاحب حاشیہ میں احناف کا مذہب ذکر فرماتے ہیں:

''احناف کے نزدیک بچے (صغیر) اور اس کے ذی رحم محرم کے درمیان تفریق مکروہ

ہے، صغیر کے قید سے کبیر نکل گیا، اور کبیر امام شافعی کے نزدیک سات یا آٹھ سال کی عمر کا ہے اور ہمارے نزدیک جب وہ بالغ ہو جائے''۔

اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ تو بالغ ہونے کے بعد بھی تفریق کے قائل نہیں ہیں۔

"قال أحمد لايفرق بين الوالدة وولدها وإن كبر واحتلم" (حاشیہ ترمذی شریف ۲/ ۲۸۵)۔

(امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بچے اور اس کی ماں کے درمیان تفریق نہیں کی جائے گی چاہے بچہ بڑا اور بالغ کیوں نہ ہو جائے)۔

ان عبارتوں کے عموم سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بچہ اور اس کی ماں بلکہ ذی رحم محرم یعنی قریبی رشتہ داروں کے درمیان تفریق کرنا جائز نہیں ہے۔ رہا یہ شبہ کے بچہ بھی قید میں رہے گا، اس کو کس جرم کی سزا ملے گی تو عرض ہے کہ بچہ جب تک ہے خصوصاً دودھ پینے کے زمانے میں اسے کچھ پتہ نہیں ہوتا کہ وہ کہاں ہے، محل میں، یا جھونپڑے میں، جیل میں، یا جیل سے باہر۔

اب رہا یہ مسئلہ کے کتنے دنوں تک مائیں اپنے بچوں کو بحالت قید اپنے ساتھ رکھ سکتی ہیں تو یہ مسئلہ خاصا پیچیدہ ہے، عام حالات میں تو فقہ کا مشہور مسئلہ ہے کہ اگر بچہ ہے تو سات سال تک اور اگر بچی ہے تو بالغ ہونے تک ماں کی تربیت میں رہے گی، اس کے بعد باپ اسے واپس لے سکتا ہے لیکن قیدی ماں کے حق تربیت کے بارے میں کوئی حتمی مدت کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا، تاہم فقہاء کی رائے پر قیاس کرتے ہوئے یہ مناسب ہوگا کہ مدت رضاعت تک ماں بچے کو اپنے ساتھ رکھ سکتی ہے، اس کے بعد اگر بچے کے لئے رہنے کی کوئی اور جگہ نہ ہو تو چار سال تک ماں کے پاس رہے، چار سال کے بعد چوں کہ بچے کی تعلیمی زندگی شروع ہو جاتی ہے اور خود اس کے اندر تھوڑا بہت شعور پیدا ہو جاتا ہے تو اب اسے ماں کے ساتھ قید خانہ میں نہ رکھا جائے کہ کہیں احساس کمتری کا شکار ہو بلکہ باہر تعلیم و تربیت کا نظم کیا جائے۔

خلاصہ بحث

شرعی سزاؤں اور ''قیدیوں کے ساتھ برتاؤ کا عالمی معیار'' میں فرق فقط اس قدر ہے کہ شرعی سزائیں بظاہر اگرچہ سخت لگتی ہیں لیکن ان کے اندر حقوق انسانیت کے تحفظ اور ایک قیدی کے ساتھ ایسے معاملات کئے جاتے ہیں جہاں ظالم اور مظلوم دونوں کی رعایت ہو جب کہ عالمی قوانین برائے قیدی بظاہر دیکھنے میں بڑے خوش نما اور ملائم معلوم ہوتے ہیں لیکن انسانیت اور حقوق انسانیت کا خون کیا گیا ہے۔ کہیں ظالم دندناتا پھرتا ہے تو کہیں مظلوم ہی سلاخوں کے پیچھے ہوتا ہے، آخر میں عدل وانصاف سے محرومی ہی ہاتھ لگتی ہے، اس کے بعد سوالات کے نہایت مختصر جوابات درج ذیل ہیں:

۱- بتقاضائے احوال احتیاطاً قید کیا جا سکتا ہے، اور اس کی مدت مفوض الی الحاکم یا قاضی ہوگی۔

۲- قیدیوں کو حق آزادی کے سوا جملہ حقوق انسانیت حاصل ہوں گے۔ جرم کی سنگینی کی بنیاد پر اسے قتل تو کیا جا سکتا ہے لیکن حقوق انسانیت سے محروم نہیں کیا جائے گا۔

۳- تحقیق وتفتیش کے نام پر اس کے ساتھ غیر انسانی سلوک کرنا شرعاً جائز نہ ہوگا۔

۴- بعض مخصوص حالات میں مخصوص وقت کے لئے قیدیوں کو زنجیر یا ہتھکڑی لگائی جا سکتی ہے مثلاً گرفتاری کے وقت یا پیشی وغیرہ کے وقت، نہ کہ قید خانہ میں جہاں وہ کہیں بھاگ ہی نہیں سکتا، یعنی یہ سلوک سزا کا جز نہیں بلکہ بھاگنے کے خوف سے ہوگا۔

۵- مخصوص حالات میں کچھ وقت کے لئے قید تنہائی دی جا سکتی ہے۔ اس کا فیصلہ قاضی یا حاکم کرے گا۔

۶- بشرط صحت واستعداد کام لیا جا سکتا ہے، با اجرت بھی، کم اجرت اور بلا اجرت بھی، لیکن یہ بلا اجرت اسی وقت جب کہ یہ کام سزا کا جز ہو۔ لیکن بیوی بچوں کے مالی حقوق کی رعایت

سے کچھ اجرت دے دینا بہتر ہوگا۔

۷- قید خانہ میں سزا یافتہ قیدی اور زیر سماعت قیدی کے سلوک میں فرق کیا جا سکتا ہے۔

۸- زیر سماعت قیدیوں کو اتنے دنوں تک فیصلہ سے پہلے قید میں رکھنا جو ان کے اوپر عائد فرد جرم کی اصل سزا ہے جائز نہیں۔ یہ سراسر ظلم ہے۔

۹- ہرجانہ طلب کر سکتا ہے بشرطیکہ قید معتد بہ مدت سے زیادہ ہو یعنی ثبوت الزام کے لئے قید کی جتنی مدت درکار ہے یہ قید اس سے زیادہ ہو۔

۱۰- قیدی کو اپنے مقدمات کے سلسلے میں وکیل سے رابطہ اور صفائی پیش کرنے کے پورے حقوق حاصل ہوں گے۔

۱۱- خواتین قیدیوں کو اپنے ساتھ شیر خوار بچوں کو جیل میں رکھنے کا حق حاصل ہوگا۔

واللہ اعلم بالصواب۔

اسلامی شریعت میں قیدیوں کے حقوق

مولانا خورشید احمد اعظمی ☆

اللہ تعالی نے انسان کو اپنی عظیم نعمتوں سے نوازا ہے۔ اسے مخلوقات میں شرف وعزت والا بنایا، عقل وعلم کی دولت عطا فرمائی، اپنے احکام کا مکلّف بنایا، ان کے درمیان اپنے انبیاء اور رسول بھیجے، اور اخلاق حسنہ سے سنوارا، اور آزادی کی زندگی سے سرفراز فرمایا، مگر یہی انسان کبھی اپنے مقام اور حیثیت سے نیچے اتر کر اپنی شرافت کو بالائے طاق رکھ کر کچھ ایسی حرکت کر بیٹھتا ہے کہ اسے قید وبند صعوبتیں جھیلنی پڑتی ہیں۔ اور کبھی ظالم ومتکبر حکمرانوں کے ذریعہ شریف انسان کو بھی اس مصیبت سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔

قید وحبس نظام زندگانی کے لوازمات میں سے ہے۔ جس میں عام طور پر معاشرہ میں فساد اور بگاڑ پیدا کرنے والے مجرموں کو بغرض اصلاح رکھا جاتا ہے۔ اور یہ ان کے جرم کی سزا بھی ہوتی ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ان کے ساتھ کسی بھی طرح کے نازیبا اور انسانیت سوز معاملات روا رکھے جائیں۔

مجرموں کی نوعیت اور جرم کے ثابت ہونے یا اس کے شک کے دائرے میں ہونے کے لحاظ سے اس کے ساتھ معاملہ اور سزا میں فرق بھی ہوسکتا ہے۔

۱- کسی ملزم کو ثبوت جرم سے پہلے قید کیا جاسکتا ہے۔ لیکن یہ بھی علی الاطلاق نہیں ہے کہ

☆ محلّہ رگھوناتھ پورہ، مئو۔

کوئی بھی آدمی کسی بھی شخص پر الزام رکھ دے، اور اسے قید میں ڈال دیا جائے، بلکہ کسی کے ملزم ہونے کے لئے شرط ہے کہ اس کے خلاف دو مستور الحال یا ایک عادل شخص کی شہادت اور گواہی ہے:"إن التهمة تثبت بشهادة مستورين أو واحد عدل، فظاهره أنه لو شهد عند الحاكم واحد مستور أو فاسق، بفساد شخص ليس للحاكم حبسه" (شامی ۲/ ۱۲۶) (اگر حاکم کے پاس ایک مستور الحال یا کوئی فاسق آدمی کسی کے فساد کی گواہی دے، تو حاکم کے لئے اس کو قید کرنا جائز نہیں)۔

"لأن خبر الواحد حجة في الديانات والمعاملات فتثبت شهادة العدل التهمة، وإن لم تثبت أصل الحق" (البحر الرائق ۶/ ۳۶۰) (کیونکہ دیانات اور معاملات میں خبر واحد حجت ہے)۔لہذا ایک عادل شخص کی گواہی تہمت کو ثابت کردیگی اگرچہ اصل حق کے لئے مثبت نہ ہو۔ اور جب کسی پر تہمت اور الزام ثابت ہو جائے گا تو اس کو قید کیا جا سکتا ہے، "والحبس بتهمة الفساد مشروع لأنه عليه الصلاة والسلام حبس رجلا بتهمة" (البحر الرائق ۶/ ۳۶۱)۔اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے ذکر کیا ہے:"أن النبي ﷺ حبس رجلا في تهمة ثم خلى عنه" (۴/ ۲۸، رقم: ۱۴۱۷)۔

سنن ابوداؤد میں مذکور ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ کچھ لوگوں کا سامان چوری ہو گیا تھا۔ انہوں نے کچھ لوگوں کو متہم گردانا اور صحابی رسول، نعمان بن بشیرؓ کے پاس ان کی شکایت کی، نعمان بن بشیر نے ان متہم لوگوں کو کچھ دن قید میں رکھا پھر چھوڑ دیا، تو وہ لوگ دوبارہ آئے کہ آپ نے بغیر مار پیٹ کے انہیں چھوڑ دیا تو نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں سے کہا کہ آخر تم لوگ کیا چاہتے ہو، کہو تو میں ان کو پیٹتا ہوں، اگر تمہارا سامان ان کے پاس نکل گیا تو ٹھیک، ورنہ میں تمہاری بھی ویسی ہی پٹائی کرونگا، ان لوگوں نے کہا کہ یہ آپ کا فیصلہ ہے؟ تو نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کا فیصلہ ہے۔ امام ابوداؤد رحمہ اللہ اس حدیث کے ذکر

کے بعد کہتے ہیں کہ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے اپنے اس قول سے انہیں خوف زدہ اور تنبیہ کیا کہ پٹائی اعتراف کے بعد ضروری ہے پہلے نہیں۔ (۴/ ۱۳۵ کتاب الحدود)، اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اعتراف اور ثبوت جرم سے پہلے قید میں ڈالا جا سکتا ہے۔ اس حدیث کے تحت حضرت گنگوہی کا یہ ارشاد منقول ہے: "إلا أن العلماء جوزوا فی أيامنا هذه الامتحان بالضرب وبما شاء من التهديد، لما رأوا من تفويت الحقوق وإتلافها لولا ذلک وكان فيما مضى من الزمان يكتفى باليسير من التهديد فی اعتراف السارق" (الدر المنضود ۶/ ۳۲۵ بحوالہ بذل المجہود)، (مگر علماء نے ہمارے اس زمانہ میں پٹائی اور کسی بھی دھمکی کے ذریعہ تفتیش کو جائز قرار دیا ہے۔ اس سبب سے کہ انہوں نے اس کے بغیر حقوق فوت ہو جانے کو محسوس کیا، اور گزشتہ زمانہ میں چور کے اعتراف میں معمولی دھمکی بھی کافی ہوتی تھی)۔

مگر ظاہر ہے کہ ملزم اگر شریف لوگوں میں سے ہے، اس الزام سے پہلے اس کا کوئی خراب ریکارڈ موجود نہیں ہے تو اس سے تفتیش کرنے میں وہ رویہ نہیں اختیار کیا جائے گا جو کسی فاسق وفاجر اور عادی مجرم سے تفتیش میں اپنایا جائے گا۔ علامہ شامی رحمہ اللہ نے بڑی مناسب بات نقل کی ہے:

"الذی عليه جمهور الفقهاء فی المتهم بسرقة ونحوها أن ينظر فإما أن يكون معروفا بالبر لم تجز مطالبته ولا عقوبته، وهل يحلف؟ قولان، ومنهک من قال: يعزر متهمه وإما أن يكون مجهول الحال فيحبس حتى يكشف أمره، قيل شهرا وقيل باجتهاد ولی الأمر، وإن كان معروفا بالفجور فقالت طائفة يضربه الوالی أو القاضی... الخ (شامی ۶/ ۱۴۷)۔

(چوری یا اس کے مثل معاملہ میں متہم شخص کے بارے میں جمہور فقہاء اس قول پر ہیں کہ دیکھا جائے گا، یا تو وہ شخص نیکی اور صلاح میں معروف ہوگا، تو اس سے مطالبہ یا اس کی سزا

جائز نہیں ہوگی، اور کیا اس سے قسم لی جائے گی اس بارے میں دو قول ہیں۔ اور علماء میں سے بعض نے یہ کہا کہ اس کے متہم کی تعزیر کی جائے گی، اور یا تو وہ متہم شخص مجہول الحال ہوگا تو اس کو قید میں رکھا جائے گا، یہاں تک کہ اس کا معاملہ واضح ہو جائے گا۔ قید کی مدت کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ایک مہینہ، اور ایک قول یہ ہے کہ ولی الامر کے اجتہاد اور صوابدید پر ہے۔ اور اگر وہ متہم شخص فسق وفجور میں معروف ہوگا تو ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ قاضی یا حاکم اس کی پٹائی کرے گا)۔

لہٰذا ملزم کو ثبوت فراہم ہونے سے پہلے محض تفتیش وتحقیق کے لئے بھی قید کرنا جائز ہے، بلکہ اگر ملزم مشتہر بالفساد ہو تو اس کی پٹائی بھی درست ہے، قید کی مدت ولی الامر کی صوابدید پر ہے۔

۲- (الف) مذہبی امور: مذہب انسان کا فطری اور بنیادی حق ہے، اس لئے قید میں بھی اس کو عبادت، مذہبی کتب کا مطالعہ، اس کے مذہب کے مطابق اس لئے غذا کی فراہمی، اس کے حقوق ہیں جو دیئے جائیں گے جب کہ یہ حقوق مقصد حبس سے متعارض نہ ہوں، مثلاً کسی عبادت کے لئے قید سے بار بار نکالنا پڑے یا زیادہ مدت کے لئے نکالنا پڑے تو اس کی اجازت نہیں ہے: "ولا يخرج لجمعة ولا جماعة ولالحج فرض فغيره أولى ولا لحضور جنازة ولو كان بكفيل" (در المختار ۸/ ۵۶) (اور نہیں نکالا جائے گا جمعہ کے لئے اور نہ جماعت کے لئے اور نہ حج فرض کے لئے لہٰذا غیر فرض میں بدرجہ اولی، اور نہ کسی جنازہ کے لئے اگرچہ کوئی کفیل ہو)۔

اس لئے کہ جمعہ کا بدل ظہر موجود ہے۔ اور جماعت فرض نہیں ہے۔ جنازہ کی نماز فرض کفایہ ہے، اور قید میں ہونے کی وجہ سے حج بھی فرض نہیں عدم استطاعت کے سبب۔

نیز کسی مذہبی شخصیت یا مذہبی کتاب کی بے حرمتی بھی نہیں کی جائے گی، خاص طور سے صاحب مذہب قیدی کے سامنے، قرآن کریم میں ہے: "ولا تسبّوا الذين يدعون من دون

الله فيسبّوا الله عدواً بغير علم، كذلك زينا لكل أمة عملهم ثم إلى ربهم مرجعهم فينبئهم بما كانوا يعلمون"(انعام/۱۰۸)۔

ہر شخص کو اپنے مذہب، مذہبی شخصیات، مذہبی کتابوں سے جذباتی لگاؤ ہوتا ہے، اس کے سامنے اس کی بے حرمتی اس کو ردعمل پر مجبور کر سکتی ہے، اور اس کا نتیجہ برعکس پڑ ہو سکتا ہے۔

جیل کے اندر قیدی کو دین کی دعوت کا بھی جواز ہونا چاہئے، قرآن کریم میں حضرت یوسف علیہ السلام کا اپنے قیدی ساتھیوں کو تعلیم و تبلیغ کرنا منقول ہے۔ اور پھر اس کے نتائج مثبت اور مفید ہی ہونے کی امید ہے۔

ب- جسمانی ضروریات: مجرم کو قید میں بطور سزا، اور زجر و توبیخ کے لئے رکھا جاتا ہے۔ اس لئے اس کو وہاں اسی انداز سے رکھا جائے گا کہ یہ مقصد حاصل ہو۔ اور جو اس کی بنیادی جسمانی ضروریات ہیں وہ بھی بقدر ضرورت پوری کی جائیں گی، اسے کھانا اور صاف پانی دیا جائے گا، مگر اس حساب سے کہ جیل اس کی عیش گاہ نہ بن جائے۔

حفظان صحت کے لئے ورزش اور تفریح بھی حاکم کی صوابدید پر منحصر ہے۔ بیمار پڑ جائے تو جیل کے اندر ہی اس کے علاج کا نظم کیا جائے گا۔ "**ولا يخرج للمعالجة لإمكانه في السجن**"(البحر الرائق ۶/۲۷۶)۔

بیوی سے تعلق کا تقاضا ہے تو اس کا نظم کرنا بھی قیدی کے حقوق میں سے ہے۔ "**ولا يمنع من الجماع إن احتاج إليه فتدخل امرأته أو جاريته عليه إن كان فيه موضع سترة**"(البحر الرائق ۶/۲۷۶)(اگر جیل میں پردہ کی جگہ ہو، اور قیدی کو جماع کی حاجت ہو تو اس کی بیوی یا باندی کو اس تک پہنچایا جائے گا)۔

اور اگر جیل میں اس کا نظم نہ ہو تو قیدی کو اس کے لئے نکالنا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔

نیز قیدی اگر متعنت ہو تو اس کے حالات کے اعتبار سے اسے اکیلے کمرہ میں، تنگ و تاریک جگہ

میں بھی رکھا جا سکتا ہے۔ ایسی جگہ جہاں وہ ہاتھ پاؤں نہ پھیلا سکے، یا کھڑا نہ ہو سکے، اس میں تعزیر کے طور پر اتنی دیر کے لئے ہی رکھا جانا چاہئے کہ جس سے اس کے جسم میں کوئی نقص نہ پیدا ہو۔ متعنت قیدی کے بارے میں منقول ہے: "يطين الباب ويترک له ثقبة يلقى منها الماء والخبز" (البحر الرائق ۶/۲۷۴) دروازے پر مٹی چڑھا کر لیپ دیا جائے گا۔ اور ایک سوراخ چھوڑا جائے گا، جس سے کھانا پانی اندر پہنچایا جا سکے)۔

ج- سماجی حقوق: اخبارات پڑھنا، ریڈیو سننا

یہ امور مجرم کی نوعیت اور قاضی کی صوابدید پر موقوف ہے۔ اگر جرم ہلکا ہے، مجرم اشراف میں سے ہے تو اجازت دی جا سکتی ہے، اور اگر مجرم فاسق اور فاجر ہے، جرم کا عادی ہے تو اسے اجازت نہیں دی جا سکتی۔ کیوں کہ یہ امور اس کے بنیادی حقوق میں سے نہیں ہیں اور نہ اس کی ضروریات میں سے ہیں۔

فون پر احباب واقارب سے گفتگو، دوسرے قیدیوں سے ملاقات وغیرہ امور بھی قاضی کی صوابدید پر منحصر ہے، جیل میں رکھنے کا مقصد یہ ہے کہ اسے اپنے جرم کا احساس ہو، زجر وتوبیخ ہو۔ اس لئے موبائل فون رکھنے کی اجازت نہیں ہونی چاہئے۔ اقارب واحباب اور پڑوسیوں سے گفتگو فون کے ذریعہ کرائی جا سکتی ہے کیوں کہ اقارب وجیران قیدی سے مل سکتے ہیں۔ "وصفة الحبس أن يكون في موضع ليس فيه فراش ولا وطاء ولا يمكن أحد يدخل عليه للاستيناس إلا أقاربه وجيرانه ولا يمكثون" (البحر الرائق ۶/۱۷۵) (اور قید کی صفت یہ ہے کہ ایسی جگہ میں ہو جہاں فرش اور نرم بستر نہ ہو، اور اس کی دلجوئی کے لئے وہاں کوئی نہ جا سکے، مگر اس کے رشتہ دار اور پڑوسی اور وہ لوگ بھی دیر تک نہیں رکیں گے)۔

دوسرے قیدیوں سے ملاقات بھی محدود وقت میں کرائی جا سکتی ہے۔ نیز تعلیم اور ہنر سیکھنے کی اجازت ہونی چاہئے، کیوں کہ یہ اس کی اصلاح اور سدھار کا سبب بن سکتی ہیں۔

د- اخلاقی امور

مردوں اور عورتوں نیز بالغ ونابالغ قیدیوں کے لئے الگ الگ قید خانے کا نظم کیا جائے گا تاکہ کوئی نیا فتنہ اور نیا مسئلہ نہ پیش آجائے، "**وفي المحيط: ويجعل للنساء سجن على حدة نفيا لوقوع الفتنة**" (البحر الرائق ۶/۴۷۶) (وقوع فتنہ کو روکنے کے لئے عورتوں کو لئے الگ قید خانہ بنایا جائے گا)۔ اور اس فتنہ کا اندیشہ بالغ ونابالغ کے اجماع میں بھی ہے، اس لئے نابالغ (بچوں) کی الگ جیل بنائی جائے گی۔

۳- قیدی پر جرم ثابت نہیں ہوا، مگر اس پر الزام ہے جس کی تحقیق کے لئے اسے قید میں ڈالا گیا ہے۔ تو اولین صورت تو یہ ہے کہ گواہوں کے ذریعہ اس کا جرم ثابت کیا جائے، لیکن موقع پر گواہ نہیں ہیں۔ اور ملزم کے خلاف کوئی سابقہ ریکارڈ بھی نہیں ہے۔ اور اس کے مجرم ہونے کا قرینہ بھی نہیں ہے تو اس پر زیادہ سختی نہیں کی جائے گی، اور اگر ملزم عادی مجرم ہے یا اس کے مجرم ہونے کے قرائن موجود ہیں تو اس سے سچی بات اگلوانے کے لئے اس پر سختی کی جائے گی، اور اس کی پٹائی بھی کی جائے گی، جیسا کہ بحر کے حوالہ سے علامہ شامی نے نقل کیا ہے: "**وسئل الحسن بن زياد: أيحل ضرب السارق حتى يقر؟ قال: مالم يقطع اللحم لايتبين العظم، ولم يزد على هذا**" (حسن بن زیاد سے پوچھا گیا کہ چور سے اگلوانے کے لئے اس کو مارنا جائز ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ جب تک گوشت نہیں کاٹا جائے گا، ہڈی ظاہر نہیں ہوگی۔ "**وهو ضرب مثل أي ما لولم يعاقب لا تظهر السرقة**" (۶/۱۴۶) یعنی یہ ایک ضرب مثل ہے جس کا استعمال یہاں پر اس معنی میں ہے کہ جب تک سزا نہیں دی جائے گی، چوری کھلے گی نہیں۔

لہذا ملزم سے اقرار کروانے کے لئے امام کو قید کرنے اور سختی کرنے کا حق حاصل ہے۔ جسے وہ اپنے حساب سے کرے گا۔ اگر ملزم کے بارے میں قرائن موجود ہیں تو کوئی بھی مناسب طریقہ اختیار کرسکتا ہے۔ "**ومن السياسة ما حكي عن الفقيه أبي بكر الأعمش أن**

المدعى عليه إذا أنكر فللإمام أن يعمل فيه بأكبر رأيه" (شامی ۶/ ۱۴۷) مگر اس کو بے لباس نہیں کیا جائے گا۔ "ولا يجرد أی من ثيابه في الحبس" (شامی ۸/ ۵۸)۔

اور الکٹرک شاٹ کی بھی اجازت نہیں ہونی چاہئے، کیوں کہ یہ تعذیب بالنار کی قسم سے ہے جس سے حدیث میں منع کیا گیا ہے۔

اسی طرح قیدیوں پر کتے چھوڑنا، ان کو سخت ٹھنڈک میں برف کی سل پر ڈال دینا، یا سخت دھوپ میں کھڑا کر دینا، یا ان کی جائے رہائش میں تیز روشنی یا تیز آواز کا نظم کرنا جس سے اس کی آنکھ یا کان کے متاثر ہونے کا خدشہ ہو وغیرہ امور سے ممانعت وارد ہے۔

"لا يجوز الحبس في مكان يمنع فيه المحبوس الطعام والشراب، أو في مكان حار أو تحت الشمس أوفي مكان بارد أوفي بيت تسدّ نوافذه، وفيه دخان أو يمنع من الملابس في البرد، فإن مات المحبوس فالدية على الحابس وقيل القود" (فتاوی عالمگیری ۳/ ۴۱۴)۔

(ایسی جگہ قید کرنا جس میں قیدی کھانا پانی سے محروم رہے جائز نہیں ہے، اور نہ گرم جگہ میں یا دھوپ میں یا ٹھنڈی جگہ میں یا ایسے گھر میں جس میں دھواں ہوں اور کھڑکیاں بند ہوں، اور نہیں جائز ہے سردی میں اس کو کپڑے سے محروم کرنا، اور اگر قیدی مر جائے تو قید کرنے والوں پر دیت ہوگی، اور قصاص کا بھی قول ہے)۔

لہذا امام اور حاکم ایسی کوئی بھی مناسب سزا دے گا جو اس کی ہلاکت یا اس کے کسی عضو کے ضیاع اور تلف ہونے کا سبب نہ ہو۔

۴- حسب ضرورت قیدیوں کو زنجیروں میں جکڑا جا سکتا ہے، انہیں ہتھکڑی پہنائی جا سکتی ہے اور انہیں بیڑی ڈالی جا سکتی ہے۔ حضرت ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ جب گرفتار ہوئے تھے تو انہیں کھمبے سے باندھا گیا تھا۔ قرآن کریم میں بھی ہے: "فشدوا الوثاق أی إذا

أسر تموهم" (الجامع لأحکام القرآن للقرطبی ۱۶/ ۲۲۶) سنن ابوداود (۳/ ۵۶) میں ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ کے علاوہ، حارث بن البرصاء اللیثی کے باندھے جانے کا بھی واقعہ ہے، نیز حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کی ایک حدیث بھی مذکور ہے: "فرجعت إلی بیتی ورسول الله ﷺ فیه وإذا أبو یزید سهیل بن عمرو فی ناحیة الحجرة مجموعة یداه إلی عنقه بحبل" (۳/ ۵۶-۵۷)۔

لہٰذا مجرم اور جرم کی نوعیت کے لحاظ سے باندھنا، بیڑی ڈالنا وغیرہ جائز ہے۔

۵- مجرم کو اس کے خصوصی جرم کے پس منظر میں یا متعنت اور سرکش ہونے کی صورت میں قید تنہائی دی جاسکتی ہے، بزازیہ کے حوالہ سے ہے: "وفیها: إذا خیف أنه یفر من السجن یحوّل إلی سجن اللصوص وإذا حبس المحبوس فی السجن متعنتاً لایوفی المال، قال الإمام الأرسانیدی: یطین الباب ویترک له ثقبة یلقی منها الماء والخبز وقال القاضی: الرأی فیه إلی القاضی" (البحر الرائق ۶/ ۲۷۶)۔

۶- کسی مجرم کو قید میں ڈالنے کا مقصد اس کی تنکیل وتوبیخ ہے تاکہ وہ گھٹن اور تنگی محسوس کرے، اور اس حد تک پریشان ہو جائے کہ اپنے جرم پر نادم ہو، اور آئندہ کسی جرم کی ہمت وجرأت نہ ہو، اس لئے تعزیراً اس سے کوئی کام لیا جائے تو اس کی اجرت دینا ضروری نہیں ہے۔ لیکن اجرت پر اس سے کام لینا اسے کسب کا موقع دینے کے مرادف ہے، اس لئے اجرت پر کام نہیں لیا جائے گا۔ قیدی کو جیل میں کسب واکتساب کا موقع نہیں دیا جائے گا۔ "واختلفوا فی منعه من الکسب والأصح المنع" (البحر الرائق ۶/ ۲۷۶) (اور قیدی کو کمانے سے روکنے میں علماء نے اختلاف کیا ہے، اور صحیح اس کو کسب سے روکنا ہی ہے)۔ "وفی شرح أدب القضاء عن السرخسی انه الصحیح من المذهب، لأن الحبس مشروع لیضجر، ومتی تمکن من الاکتساب لایضجر، فیکون السجن له بمنزلة الحانوت" (شامی ۸/ ۸۷)

(اور ادب القضاء کی شرح میں سرخسی سے منقول ہے کہ یہی قول یعنی اس کو کمائی سے روکنا ہی صحیح مذہب ہے، اس لئے کہ قیدی کی مشروعیت اس لئے ہے تا کہ وہ پریشان ہو۔ اور جب کمانے کا موقع دیا جائے گا تو اسے گھٹن نہیں ہوگی، اور جیل اس کے لئے بمنزلہ دوکان ہو جائے گی)۔

لہذا قیدی سے اجرت پر کام نہیں لیا جائے گا، اور تعزیراً کام لیا گیا تو اجرت دینا ضروری نہیں ہے۔

۷- جن قیدیوں کا مقدمہ ابھی زیر سماعت ہے۔ اور جن کے بارے میں سزائے قید کا فیصلہ ہو چکا ہے، قید خانوں میں سلوک کے اعتبار سے دونوں میں فرق کیا جا سکتا ہے، اور یہ حاکم اور قاضی کی صوابدید پر ہے کہ کس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔

۸- زیر سماعت ملزموں کو قید میں رکھنا تحقیق حال کے لئے ہے۔ ملزم کے اوپر جرم کا دعوی ہے، اگر واقعۃً وہ مجرم ہے اور جرم کا ثبوت مل جاتا ہے تو اسی کی طرف سے قصور پایا گیا کہ اس نے اپنے جرم کے اعتراف میں تاخیر کی، اور قاضی یا ولی الامر کو یہ استحقاق ہے کہ تحقیق حال کے لئے ملزم کو قید میں رکھے، اور مدت حبس بھی اس کی صوابدید پر ہے، ثبوت فراہم کرنے میں وقت بھی لگ سکتا ہے، اس لئے یہ مدت الگ ہے، اور ثبوت جرم کے بعد سزا کی مدت اور ہے، البتہ ولی الامر کو اپنی طرف سے اتنی تاخیر نہیں کرنی چاہئے کہ اس کی یہ مدت حبس طویل ہو جائے، نیز جرم کی نوعیت کے اعتبار سے وہ تحقیق حال کی مدت کو کم سے کم بھی رکھ سکتا ہے۔

ہمارے زمانہ میں جو تحقیق و تفتیش کی مدت سالہا سال تک بڑھ جاتی ہے وہ یقیناً غیر مناسب ہے، جب کہ آج کل ذرائع اور اسباب اس حد تک مہیا اور فراہم ہیں کہ کسی جرم کی تحقیق ایام اور مہینے میں مکمل ہو سکتی ہے۔ اس لئے مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ سماعت و تحقیق حال کی مدت کو اس حد تک طویل نہ کیا جائے کہ اس پر عائد جرم کی مدت قید سے طویل ہو جائے، کیوں کہ اس کی سزا کی مدت معمولی ہونے کا مطلب ہے کہ جرم بھی معمولی ہے۔ اس صورت میں اس کی

تحقیق زیادہ وقت نہیں لے گی۔

۹-ملزم کو تحقیق حال کے لئے قید میں رکھنا جائز ہے۔اس لئے اگر اس پر جرم ثابت نہ ہو پائے اور کچھ دنوں کی قید کے بعد وہ بری کر دیا جائے تو وہ کسی ہرجانہ کے طلب کرنے کا مستحق نہیں ہوگا۔

۱۰-قیدی کو اپنے مقدمات کے سلسلہ میں وکیل سے رابطہ اور صفائی پیش کرنے کا حق ہے، مگر اس کے لئے اسے قید سے نکالا نہیں جائے گا، بلکہ اس کے وکیل کو اس سے جیل میں ملاقات کی اجازت ہوگی جیسا کہ اس کے اقارب وجیران کو اجازت ہے۔

۱۱-قیدی خاتون اپنے ساتھ شیر خوار بچے کو اس کے باپ کی اجازت سے رکھ سکتی ہے۔لیکن اس کی رضاعت اور غذا کا نظم باپ کر لیتا ہے تو نہ رکھنا ہی زیادہ مناسب اور بہتر ہے۔ اگر چہ ماں کو حق حضانت حاصل ہے ہدایہ کا ایک جزئیہ ہے:"وإذا أرادت المطلقة أن تخرج بولدها من المصر فليس لها ذلك لما فيه من الإضرار بالأب" (ہدایہ ۲/ ۴۱۶) (اور مطلقہ عورت اپنے بچہ کو شہر سے باہر لے جانا چاہئے تو اس کو اجازت نہیں ہوگی کیوں کہ اس میں باپ کو ضرر پہنچانا ہے)۔ بچہ کو جیل میں رکھنے پر بھی یہ ضرر سامنے آتا ہے اس لئے اجازت نہیں ہونی چاہئے۔

قیدیوں کے حقوق - اسلامی تناظر میں

ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی ☆

۱- اسلامی قانون کسی ایسے شخص کو سزا نہیں دیتا جس نے کسی جرم کے بارے میں صرف سوچا ہو یا اس کے ارتکاب کے لئے منصوبہ بنایا ہو الا یہ کہ مجرم ارادہ جرم اور جرم کے منصوبہ پر عملی جامہ پہنانے کے لئے کوئی کارروائی بھی کرے، حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: "إن الله تجاوز عن أمتي ما حدثت به أنفسها ما لم تعمل أو تتكلم"۔

واضح علامات اور یقینی بنیادوں پر ہی مجرم کو قید کیا جانا چاہئے، "ثم بدا لهم من بعد ما رأوا الآيات ليسجننه" آیت مذکورہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عزیز مصر نے یوسف کی براءت کی علامات دیکھنے کے بعد ہی اپنی خفت کو مٹانے اور حقیقت پر پردہ ڈالنے کی غرض سے انہیں قید میں ڈالا تھا (دیکھئے: أحکام القرآن للقرطبی ۹/ ۱۸۶، ۱۹۹۴)۔

معلوم ہوا کہ جو بات کسی کے خلاف کہی جارہی ہے، وہ ٹھوس بنیادوں پر ہو تبھی لائق سماعت ہوگی، اس کی تائید درج ذیل عبارت سے بھی ہو رہی ہے۔

صاحب ہدایہ لکھتے ہیں:

"ولهذا لم يشرع في التعزير بالتهمة قبل ثبوته كما شرع في الحد لأنه من التعزير" (ہدایہ ۲/ ۵۱۶)۔

☆ پرنسپل وشیخ الحدیث دار العلوم مئو۔

بڑی مشہور حدیث ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں بغیر کسی بینہ کے کسی کو رجم کرتا تو اس عورت کو ضرور رجم کر دیتا، فقال عبد الله بن شداد: هي التي قال رسول الله ﷺ لو كنت راجماً امرأة عن غير بينة" (اعلاء السنن ۱۵/ ۱۰۴، رواہ البخاری)، وفي رواية أخرى لو رجمت أحداً بغير بينة لرجمت هذه، قال ابن حجر العسقلاني: ولكن لم يثبت عليها ذلك ببينة ولا اعتراف"۔

سید قطب کا بھی یہی کہنا ہے کہ قطعی ثبوتوں کے بعد ہی کسی کو حوالہ زنداں کیا جائے:

"على أن الإسلام لا يشدد في العقوبة هذا التشديد إلا بعد تحقيق الضمانات الوقائية المانعة من وقوع الفعل ومن توقيع العقوبة إلا في الحالات الثابتة التي لا شبهة فيها" (فی ظلال القرآن لسید قطب ۱۸/ ۲۴۸۹)۔

چونکہ بدون قطعی دلائل کے قید کرنا اس پر ایک طرح کا ظلم ہے۔

"روي عن النبي ﷺ أنه قال: من بلغ حداً في غير حد فهو من المعتدين" -أخرجه البيهقي في السنن كتاب الحدود عن خالد بن الوليد عن النعمان بن بشير وقال في التنقيح ورواه ابن ناجية في فوائده ورواه محمد بن الحسن في كتاب الآثار مرسلاً" (احکام القرآن ۴/ ۵۰)۔

اگر احتیاطاً قید کرنے کی نوبت آجائے تو یہ سزائے قید تعزیری ہوگی اور علامہ ماوردی کے قول کے مطابق وہ ایک دن ہے، احقر کی رائے یہ ہے کہ اس مسئلہ کی تعیین شرعی قاضی کی صوابدید پر محول کیا جائے، یا یہ کہ علامہ ماوردی کے مطابق ہی عمل کیا جائے، لیکن اس دوران کسی یقینی نقطہ پر پہنچنے کی بھرپور کوشش کی جائے (اس کی تفصیلات موسوعہ فقہیہ ۱۲/ ۲۶۹ پر دیکھی جاسکتی ہیں)۔

۲-الف- نصوص قرآنیہ واحادیث نبویہ کے تحت ہر مکلّف پر عبادت فرض ہے چاہے وہ آزاد ہو یا مقید، مذہب کی دعوت دینا، مذہبی کتابوں کا مطالعہ نیز مقدس شخصیتوں سے ملاقات

قیدی کی بنیادی اور شرعی ضروریات ہیں جن پر روک لگائی نہیں جاسکتی، عہد صحابہ و تابعین و بعد کے ادوار میں قیدی کو یہ تمام سہولیات میسر تھیں۔

۱۹۴۶ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے حقوق انسانی کے تحت کچھ قوانین وضع کئے تھے جس کو ۱۰ر دسمبر ۱۹۴۸ء میں آخری شکل دی گئی اس کے دفعہ ۱۸ میں کہا گیا ہے کہ ہر انسان کو آزادی فکر، آزادی ضمیر و آزادی مذہب کا پورا حق ہے، اس حق میں مذہب، یا عقیدہ کی تبدیلی، پبلک یا نجی طور پر تنہا یا دوسروں کے ساتھ ملکر عقیدہ کی تبلیغ، عمل، عبادت اور مذہبی رسمیں پوری کرنے کی آزادی شامل ہے۔

محترم سالار محمد خان ایڈوکیٹ لکھتے ہیں: ''عالمی معیار آزادی مذہب کو تسلیم کرتا ہے، اس کے تمام اہل مذاہب کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کی اجازت ہونی چاہئے، عالمی قانون کا اصرار ہے کہ تمام مذہبی نمائندوں کو قیدیوں کی مذہبی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے قید خانہ میں آنے کی اجازت ملنی چاہئے...... یہ بھی منظور کیا گیا ہے کہ قید خانہ کے عہدداروں کے لئے اس امر کو یقینی بنانا ضروری ہے کہ قیدیوں کو عبادت کرنے، مذہبی کتابوں کو پڑھنے اور اپنے مذہب کے مطابق کپڑا پہننے کا موقع ملے، ان کو مذہبی اجتماع کرنے اور مذہبی نمائندوں سے اجتماعی وانفرادی مقصد کے لئے ملنے کی اجازت ہونی چاہئے''۔ نیز کوئی بھی دھرم و مذہب کسی بھی مذہب کی کتابوں کی بے احترامی کی اجازت نہیں دیتا، قیدیوں کے درمیان دعوت دین کی واضح مثال قرآن عزیز کی اس آیت میں موجود ہے: ''یا صاحبی السجن ء أرباب متفرقون خير أم الله الواحد القهار''، اسی طرح جیل میں جانے کے بعد شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ نے جو تبلیغی ودعوتی خدمات انجام دیں جن کا مفصل تذکرہ الکواکب الدریہ/۱۸۱ پر اور حضرت مجدد الف ثانی سرہندی کی قلعۂ گوالیار میں دعوتی سرگرمی کا تذکرہ (Preching of Islam p. 412) اور انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ اتھکس (۸/۷۴۸) پر دیکھا جاسکتا ہے۔

۲-ب- سالار محمد خان ایڈوکیٹ لکھتے ہیں: ''حکومت کے لئے ضروری ہے کہ وہ قیدیوں کے انسانی وقار کا لحاظ رکھے، اپنے واجبات کی ادائیگی کے لئے حکومت کو بہت سی مادی سہولیات فراہم کرنا چاہیے، ان مادی ضرورتوں میں مناسب رہائش، حفظان صحت کے اصول کے مطابق ماحول کا صحت بخش ہونا، لباس، بستر، غذا، مشروبات اور ورزش شامل ہے''۔

شریعت اسلامیہ بیوی سے تعلق کی بھی قیدی کو اجازت دیتی ہے: ''ولا يمنع من الجماع إن احتاج إليه فتدخل امرأته أو جاريته عليه إن كان فيه موضع سترة'' (البحر الرائق ۶/ ۲۸۳)، ''لأن اقتضاء شهوة الفرج كاقتضاء شهوة البطن'' (تبیین الحقائق ۴/ ۱۸۲، الموسوعہ الفقہیہ ۱۶/ ۳۲۳، اکثر احناف کی یہی رائے ہے۔

ایسی تنگ جگہوں میں قیدیوں کے رکھنے کی شریعت اسلامیہ اجازت نہیں دیتی جہاں کھڑا ہونا یا پاؤں پھیلا کر لیٹنا یا دیوار کے باہر کسی چیز کا دیکھنا ممکن نہ ہو، نیز اس پر حبس وقید کی تعریف بالکل چسپاں نہیں ہوتی، یہ قید کے ساتھ ساتھ ایک اور سزا ہے جبکہ عالمی اصول وضوابط کے مطابق جیل بھیجے جانے والے پر ایک ہی سزا نافذ کی جاتی ہے اور وہ ہے آزادی سے محرومی، اس بات کا لحاظ رکھنا چاہئے کہ چوبیس گھنٹے میں کتنا وقت وہ اس میں گذارے گا، چھوٹی سی جگہ کم نقصان دہ ہے اگر اسے صرف سونے کے لئے استعمال کیا جائے اور دن میں قیدی باہر کھلی فضا میں دوسرے کاموں میں مصروف ہو۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

''فإن الحبس الشرعي ليس هو السجن في مكان ضيق وإنما هو تعويق الشئ ومنعه من التصرف بنفسه'' (فتاوی ابن تیمیہ ۳۵/ ۳۹۸)۔

علامہ ابن قیم جوزیؒ لکھتے ہیں کہ اسلامی قانون میں حبس کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ کسی کو تنگ جگہ میں بند کر دیا جائے بلکہ مفہوم یہ ہے کہ کسی شخص کی حرکت خود اختیاری پر پابندی لگادی جائے

(بحوالہ الطرق الحکمیہ ۱/۱۰۱-۱۰۲)۔

۲- ج- صالح پمفلٹ، ڈائجسٹ وجرائد اور غیر مخرب اخلاق اخبارات کے پڑھنے کی اجازت قیدی کو حاصل ہونی چاہئے، ساتھ ہی صالح پروگرام اور عمدہ خبروں کے سننے کی بھی اجازت، ویڈیو کانفرنسگ کے ذریعہ احباب واقارب سے گفتگو کرنے نیز ان سے ملاقات کا بھی موقع دیا جانا چاہئے، "ولا یمکن أحد یدخل علیه للاستئناس إلا أقاربه وجیرانه ولا یمکثون" (البحر الرائق ۶/ ۲۸۳)۔

بعض قیدیوں کو بعض سے ملاقات کی اجازت بھی دینی چاہئے مگر وہ قیدی جو انتہائی خطر اور خونخوار ہوں، اس لئے کہ ان سے ملاقات کی اجازت پر ممکن ہے کچھ دیگر جرائم سیکھ لے، قیدی کو بہتر تعلیم اور ٹیکنیکل کی اجازت ملنی چاہئے، تاکہ یہ ہنر اور علم خلاصی کے بعد اس کے کام آئے۔

۲-د- فقہاء نے عورتوں اور مردوں، بالغوں اور نابالغوں کے لئے الگ الگ قید خانوں کی تجویز پیش کی ہے:

"نص الفقهاء علی أن یکون النساء محبس علی حدة إجماعاً ولا یکون معهن رجل لوجوب سترهن وتحرزاً من الفتنة والأولی أن تقوم النساء علی سجن مثیلاتهن فإن تعذر ذلک جاز استعمال الرجل المعروف بالصلاح علی محبسهن لیحفظهن وهو المروی عن أبی حنیفة وإذا لم یکن هناک سجن معد للنساء حبست المرأة عند أمینة خالیة عن الرجال أو ذات رجل أمین کزوج أو أب أو ابن معروف بالخیر والصلاح" (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/ ۳۱۷، فتاوی ہندیہ ۳/ ۴۸۶)، نیز عبارت مذکور سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر الگ الگ قید خانہ کا انتظام نہ ہو سکے اور اس بابت دشواری ہو تو قید خانہ کا نگراں صالح ودیندار ہونا چاہئے جو ان کی عصمت وآبرو کا

محافظ ہو۔

۳- الف- اولاً اکراہ کے سلسلہ میں مفسرین اور فقہاء کے اقوال پیش ہیں:

"وإنما حلف خوفاً من ضربه وقتله وأخذ ماله فإن كان إنما تبرع باليمين غلبة خوف ورجاء النجاة من ظلم فقد دخل في الإكراه ولا شئ عليه" (تفسیر القرطبی ۱۰/۱۸۷)۔

(ایک شخص مار یا قتل اور اخذ مال کے خوف سے اور اپنی ذات سے ازالہ ظلم کی غرض سے قسم کھالیتا ہے تو وہ حانث نہ ہوگا اور اس پر کفارہ یمین نہ ہوگا)۔

عبارت مذکورہ سے ضرب، قتل اور مال کے چھین لینے کا خوف اکراہ میں داخل ہے۔

شریعت اسلامیہ نے ان لوگوں پر جن پر حدود وقصاص نافذ کئے گئے ہیں ان کو بھی بے لباس کرنے کی اجازت نہیں دی ہے (دیکھئے: القرطبی ۱۰/۱۹۰، ہدایہ ۲/۴۹۰)۔

یہی حکم تعزیر میں بھی ہے:

"ويجوز في نكال التعزير أن يجرد من ثيابه الأخدر ما يستر عورته.......... ولا يجوز أن تحلق لحيته واختلف في تسويد وجوههم فجوزه الأكثرون ومنع منه الأقلون" (الاحکام السلطانیہ/۲۳۹)، (تعزیری سزا میں بالکل ننگا کرنا جائز نہیں، ہاں اتنے کپڑے اتارنا جائز ہے جس سے بے لباس نہ ہوتا ہو..........نیز حلق لحیہ بھی جائز نہیں، چہرہ کو سیاہ کرنے سے متعلق اکثر حضرات نے جائز کہا ہے، کچھ لوگوں نے ناجائز کہا ہے)۔

"قال مالک من أنه ينزع عن الزاني عند الجلد ثيابه إلا الإزار فإنه لا ينزع لستر عورته به وعن الشافعي وأحمد أنه يترک عليه قميص أو قميصان وروى عبد الرزاق بسنده عن علي كرم الله وجهه أنه أتى برجل في حد فضربه وعليه كساء قسطلاني"۔

ابھی ابھی معلوم ہو چکا کہ ائمہ اربعہ ودیگر فقہاء کرام کے نزدیک قطعاً بے لباس کرنا جائز نہیں کسی کے یہاں ازار تو کسی کے یہاں ایک یا دو کرتا، خود مصنف عبدالرزاق میں اثر صحابی موجود ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس حال میں حد لگائی کہ مجرم کے جسم پر ایک قسطلانی چادر موجود تھی۔

علامہ ماوردی مالکی تحریر فرماتے ہیں:

"تحرم المعاقبة بالتجريد من الثياب لما في ذلك من كشف العورة"

(الاحکام السلطانیہ/۲۳۹)۔

۳- ب- بعض ائمہ کے نزدیک قیدیوں کو مارنے کی اجازت تو ہے مگر حدود شرع میں رہ کر اور ضرب بھی انہیں مقامات پر جہاں حکم شرعی ہے۔

لیکن اکثر احناف وشوافع قیدی کو ضرب کی اجازت بالکل نہیں دیتے، مالکیہ میں اصبغ کا بھی یہی قول ہے، "والقول الثاني لا يضرب بل يحبس كما تقدم وهذا قول أصبغ من أصحاب مالك وقول كثير من الحنفية والشافعية وغيرهم" (فتاوی لابن تیمیہ ۳۵/ ۴۰۱)۔

۳- ج- ويحرم التأديب بإحراق الجسم أو بعضه بقصد الإيلام والتوجيع إلا المماثلة في العقوبة ولا يجوز خنق المحبوس وعصره وغسطه في الماء" (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/ ۳۲۷)۔

"وليس للدائن أن يحبسه في الشمس أو على الثلج أو في مكان يتضرر به" (البحر الرائق ۶/ ۲۸۸، فتاوی عالمگیری ۳/ ۴۸۸)، "تحرم المعاقبة بالإقامة في الشمس أو صب الزيت على الرؤوس" (عالمگیری ۵/ ۳۶۱) مذکورہ عبارتوں سے الکٹرک شاک کی ممانعت ثابت ہو رہی ہے۔

۳-د-اوپر شق (ب) کی تفصیلات میں معلوم ہو چکا ہے کہ کہاں کہاں حد لگائی جا سکتی ہے اور اس سلسلہ میں کس احتیاط کا علم اب ہے کوئی جو بتلائے کہ قیدیوں کے جب بیڑیاں ہتھکڑیاں لگی ہوں اور ان پر خونخوار کتوں کو چھوڑا جائے تو ان کے اعضائے رئیسہ وغیر رئیسہ سالم اور محفوظ رہیں گے؟ ایسے لوگوں سے قصاص لیا جا سکتا ہے اور اسے تادیبی سزا بھی دے سکتے ہیں، تبصرۃ الحکام میں مالکیہ کا مسلک درج ہے کہ جو شخص عمداً کسی کو زخمی کرے گا اس سے قصاص لیا جائے گا اور اس کے ساتھ اسے تادیبی سزا بھی دی جائے گی (التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیہ ۱/ ۴۷)۔

یہ ممکن ہے کہ ان کتوں کو چھوڑنے کی بنا پر قیدی کی موت ہو جائے، حضرات صاحبین کے یہاں قتل عمد آلہ کے علاوہ دوسرے طریقوں سے بھی ہو سکتا ہے، مثلاً کسی کو ڈبو دینے، گلا گھونٹنے، کسی کو اونچی جگہ سے گرا دینے وغیرہ سے بھی، احقر اس طریقہ کار کو بھی اگر کتے کے چھوڑنے پر قیدی مر جاتا ہے تو قتل عمد شمار کرتا ہے اور اس سے قصاص لیا جائے گا۔

"لا تجوز المعاقبة بجدع أنف أو أذن أو اصطلام شفة وقطع أنامل وكسر عظم ولم يعهد شيء من ذلك عن أحد الصحابة ولأن الواجب التأديب وهو لا يكون بالإتلاف وقد نهى النبي صلى الله عليه وسلم بالأسرى فقال في وصية لأمراء السرايا لا تمثلوا" (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/ ۳۲۶-۳۲۷)۔

اگر تعزیری سزا کے وقت کسی کو کوئی اور ضرر پہنچ جائے جو اصل سزا سے زائد ہو تو اس پر ضمان واجب ہے، حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ کسی مقدمہ میں ایک عورت کو دھمکایا تو اس نے خوف کے مارے اپنے پیٹ کو سکیڑ لیا اور اس طرح اس کا حمل گر گیا، اس پر حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ سے مشورہ لیا اور بچہ کی دیت ادا کی۔

مسلسل جگے رہنے پر مجبور کرنے کے لئے تیز روشنی یا تیز آواز کا انتظام رکھنا بالفاظ دیگر صحت کے متاثر ہونے کو یقینی طور پر دعوت دینا ہے اور مسلسل بے خوابی سے طرح طرح کے

امراض پیدا ہو سکتے ہیں جو مفضی الی الموت ہو سکتے ہیں، اس لئے اس کی بھی اجازت قطعاً دینی نہیں چاہئے۔

۳-ہ-" لا یجوز الحبس فی مکان یمنع فیه المحبوس الطعام والشراب أو فی مکان حار أو تحت الشمس أو فی مکان بارد أو فی بیت تسد نوافذه وفیه دخان أو یمنع من الملابس فی البرد فإن مات المحبوس فالدیة علی الحابس وقیل القود" (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶ر)۔

(ایسی جگہ قید کرنا جائز نہیں جہاں قیدی کو کھانا یا پانی نہ مل پائے یا وہ جگہ گرم یا مسلسل دھوپ یا ٹھنڈ رہتی ہو، یا کسی ایسے گھر میں جس میں دھواں ہو اور اس کے روشن دان وغیرہ بند کردیئے گئے ہوں یا ٹھنڈ کے موسم میں اسے گرم کپڑوں کے استعمال پر روک لگادی گئی، اگر اس صورت میں وہ مرگیا تو قید کرنے والے سے دیت یا قصاص لیا جائے گا)۔

۴- غزوہ بنی قینقاع میں حضرت منذر بن حذامہ کو تمام گرفتار شدہ قیدیوں کو ہتھکڑیاں لگانے کا کام سونپا گیا تھا (عہد نبوی میں تنظیم ریاست وحکومت ر ۲۴۳)، ثمامہ بن اثال کو رسول اکرم ﷺ نے مسجد نبوی کے ستون میں سے ایک ستون میں بندھوایا تھا (احکام القرآن: مفتی محمد شفیع ۲۱۱/۴)۔

قرآن کہتا ہے: "حتی إذا أثخنتموهم فشدوا الوثاق" (سورہ محمد)۔

المعجم الوسیط میں ہے: "الوثاق لما یشد به کالحبل وغیره"۔

زنجیروں میں جکڑے جانے، ہتھکڑی پہنائے جانے یا بیڑی ڈالے جانے کا معاملہ قیدیوں اور مجرمین کے حالات پر منحصر ہے، بعض قیدی انتہائی جری ہوتے ہیں اور بار بار ارتکاب جرم کرتے ہیں تو قاضی انہیں حبس دوام کردیتا ہے۔

"فیجوز للقاضی استدامة حبس من تکررت جرائمه وأصحاب

الجرائم الخطیرۃ"(الموسوعۃ الفقہیہ ۲۸۸/۱۶)۔

اس لئے حالات کے اعتبار سے کبھی تو کسی ایک کی ضرورت پڑتی ہے اور کبھی تینوں کی اور کبھی تو کسی کی ضرورت نہیں پڑتی، مثلاً جرم بطور عادت نہ ہو بلکہ غفلت اور سہو سے ہوگیا ہو اور حاکم یہ سمجھتا ہو کہ ابتدائی وعظ ونصیحت ہی اس کے لئے کافی ہے تو پھر اسے قید کرنے کی ضرورت نہیں (التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیہ ۲۱۹/۲)۔

۵- کیا کسی مجرم کو اس کے خصوصی جرم کے پس منظر میں قید تنہائی دی جاسکتی ہے، (الموسوعۃ الفقہیہ ۳۱۹/۱۶) میں درج ذیل عبارت موجود ہے جس سے جواز کا ثبوت ہوتا ہے:

"ویجوز للحاکم عزل السجین وحبسه متفرداً فی غرفة یقفل علیه بابها إن کان فی ذلک مصلحة"۔ اگر قاضی مصلحت سمجھتا ہو تو قیدی کو الگ قید کرسکتا ہے جسے آج کل کی اصطلاح میں "کال کوٹھری" سے تعبیر کرتے ہیں، چونکہ بعض قیدی دوسرے قیدی سے مل کر دیگر جرائم سیکھ سکتے ہیں، اس لئے بھی ایسے قیدیوں کو جن پر جیل کے ذمہ دار مطمئن نہ ہوں قید تنہائی دی جاسکتی ہے۔

۶- اس سلسلہ میں فقہاء کے تین اقوال ہیں، لیکن بندہ کے نزدیک راجح وہی ہے جو امام ابوحنیفہ ودیگر فقہاء امت کا معتمد مسلک ہے، القو ل الثانی یمنع المحبوس من العمل فی حبسه ولا یمکن منه لئلا یهون علیه الحبس ولیضجر قلبه فینزجر وإلا صار الحبس له بمنزلة الحانوت وهذا هو المعتمد فی مذهب أبی حنیفة وبه قال غیرهم من الفقهاء"(الموسوعۃ الفقہیہ ۳۲۱/۱۶-۳۲۲)۔

ڈاکٹر عبدالعزیز عامر کی درج ذیل تحریر سے کام لئے جانے کا جواز تو ہے مگر سیاق کلام بتلاتا ہے کہ وہ اجرت نہ دیئے جانے کے حق میں ہیں۔

اس سلسلہ میں التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیۃ (۱۳۹/۲) کی ایک تحریر پیش ہے، ڈاکٹر

صاحب لکھتے ہیں: ''جہاں تک میں سمجھتا ہوں اسلامی قانون میں کوئی ایسی بات نہیں جو اس کے خلاف ہو بلکہ مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ مجرم سے مشقت لی جائے تا کہ سزائے قید اپنا اثر دکھائے، البتہ یہ سزا اور مشقت ایسی ہونی چاہئے کہ خود مجرم کی شخصیت اور اس کے جرم کی نوعیت کے مطابق اور مناسب ہو''۔ لیکن اس سلسلہ میں سالار محمد خان ایڈوکیٹ لکھتے ہیں: ''عالمی قانون کے مطابق جبری یا لازمی محنت ممنوع ہے تاہم یہ بھی ملحوظ رہے کہ سارے کام خود بخود اس زمرہ میں نہیں آجاتے، آگے سالار صاحب کچھ شرطوں کے ساتھ جواز کا قول نقل کرتے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

''سزایافتہ قیدیوں کو کام کا مکلّف بنایا جاسکتا ہے بشرطیکہ درج ذیل تحفظات فراہم کئے جائیں:

(۱) کام بامقصد ہو، (۲) کام سے ایسی فنی صلاحیتیں پیدا ہوں جو قید سے چھٹکارے کے بعد مفید ثابت ہو، (۳) قیدیوں کو کام کی اجرت ملنی چاہئے، (۴) کام کی کیفیت عمومی ورک کلچر، بالخصوص صحت وتندرستی وتحفظات کے معیاروں کے مطابق ہونی چاہئے، (۵) کام کے اوقات حد سے متجاوز نہ ہوں اور دوسری سرگرمیوں کے لئے بھی وقت بچے''۔

احقر کی رائے ہے کہ قیدی کو اجرت ملنی چاہئے۔

۷- فتاوی ابن تیمیہ (۴۰۱/۳۵) میں ہے: ''لكن حبس المتهم عندهم أبلغ من حبس المجهول'' اس سے قیدیوں کے مختلف احوال کے باعث مختلف حبس کا ثبوت ملتا ہے، لیکن محترم سالار محمد خان ایڈوکیٹ زیر سماعت قیدیوں اور جن کی بابت سزائے قید کا فیصلہ ہوچکا ہے دونوں کے ساتھ یکساں سلوک کئے جانے کے حق میں ہیں، لکھتے ہیں: حقوق انسانی کا عالمی معیار حکومتوں کو اس بات کا پابند بناتا ہے کہ وہ سزائے موت پاتے ہوئے قیدیوں کو وہ ساری سہولتیں مہیا کرائے جو عام قیدیوں کو حاصل ہیں، آگے لکھتے ہیں: دوسرے قیدیوں سے تعلق رکھنے جیسے معاملات میں انہیں کمتر تصور نہ کیا جائے اور ان کے ساتھ برابر تاؤ صرف اس لئے نہیں ہونا

چاہئے کہ وہ سزائے موت والے قیدی ہیں۔

احقر بھی اسی حق میں ہے کہ انہیں بھی وہی حقوق ملنے چاہئیں جو ایک قیدی کو مذہبی، جسمانی، سماجی اور اخلاقی ملا کرتے ہیں۔

۸- جس کا مقدمہ زیر سماعت ہے وہ قیدی کس طرح کا ہے متہم ہے یا متہم نہیں ہے، پہلی صورت میں ائمہ کرام وفقہاء کا اس بابت اختلاف ہے کہ آیا اسے حجۃ کاملہ اور بینہ تامہ سے پہلے قید کیا جا سکتا ہے یا نہیں، بعض حنفیہ وشافعیہ وحنابلہ، قاضی شریح وابو یوسف وامام الحرمین کے نزدیک جائز نہیں (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/ ۲۹۳)۔

جمہور فقہاء جواز کے قائل ہیں: "وذهب جمهور الفقهاء إلى مشروعية حبس التهمة" (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/ ۲۹۲)۔

مجھے سمجھ میں آتا ہے کہ جمہور فقہاء نے جواز کا قول اس صورت میں کیا ہے جب کہ اس کے اتہام پر قرینہ قویہ موجود ہو، لیکن اگر موجود نہ ہو تو جواز کی کوئی صورت نہیں، اس لئے بالاتفاق ایسے شخص کو قید نہیں کیا جا سکتا: "فإذا لم يكن من أهل تلك التهمة ولم تكن قرينة صالحة على التامة فلا يجوز حبسه ولا عقوبته اتفاقا" (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/ ۲۹۳) متہم مجہول الحال کے قید سے متعلق ائمہ کے اختلافات ہیں، کسی نے ایک دن، دو دن، تین دن، تو کسی نے ایک ماہ، لیکن محققین حنابلہ واصحاب ابی حنیفہ نے اسے قاضی اور حاکم کے اوپر محول کیا ہے کہ ایسے متہم کے حالات پر آگاہی کتنے دنوں میں ہو سکتی ہے۔

اب عرض یہ ہے کہ جب کسی شخص کو قرینہ قویہ یا بار بار ارتکاب جرم کے باعث قید کر لیا جائے تو جہاں تک جلد ممکن ہو سماعت کی کارروائی شروع کر دینی چاہئے اور قیدی کو مطلع کر دینا چاہئے کہ کس دن وہ عدالت کے سامنے پیش ہوگا، لیکن اگر دوران مقدمہ اتنی مدت تک مجرم قید رہا جو ثبوت سزا کے بعد کی مدت ہے تو احقر کی رائے یہ ہے کہ اسے فوراً ہی رہا کر دینا چاہئے گو کہ

تعزیری سزا میں لوگوں نے دوہری سزا کا بھی قول کہا ہے، مگر بندہ فی زمانہ اسے کچھ اعذار کے باعث مناسب نہیں سمجھتا الا یہ کہ مجرم انتہائی شاطر اور خونخوار ہو۔

۹- اگر ملزم کو قید میں رکھا گیا اور بعد کو عدالت نے اسے بری قرار دے دیا تو کیا وہ زمانہ قید میں ہونے والی ذہنی اذیت اور مالی ہرجانہ طلب کرسکتا ہے؟

ہاں مدعی سے مالی ہرجانہ کا مطالبہ کیا جاتا ہے، دوران مقدمہ کے اخراجات مدعی سے وصول کئے جاتے ہیں نیز مدعی پر ہتک عزت کا دعوی بھی کیا جاسکتا ہے، المدونۃ الکبری (۲۲/۱۶)، الجوہرۃ النیرۃ (۲۳۵/۲) پر تحریر ہے کہ اگر کسی نے کسی کو ابن الکافرۃ، یا ابن الفاسقہ، یا ابن الفاجرۃ، یا ابن الخبیثہ کہا تو اسے تعزیری سزا دی جائے گی، اس پر تعزیری سزا اسی لئے ہے کہ یہ اس کی ہتک عزت کے باعث ہیں، ٹھیک اسی طرح مدعی پر ہتک عزت کا دعوی اور مقدمہ کے دوران مالی ہرجانہ کا مطالبہ کیا جاسکتا ہے۔

قاسم بن عبدالرحمٰن کی روایت کے مطابق حضرت علیؓ کے سامنے دو گواہوں نے ایک شخص کے خلاف چوری کی شہادت دی اور آپ نے اس کا ہاتھ کاٹ دیا، اس کے بعد گواہوں نے اپنی شہادت سے رجوع کرلیا، اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا: ”اگر مجھے یہ معلوم ہوجاتا کہ تم دونوں نے جان بوجھ کر جھوٹی گواہی دی ہے تو میں تمہارے ہاتھ کاٹ دیتا لیکن چونکہ عمداً جھوٹی گواہی دینے کا کوئی ثبوت نہ تھا اس لئے آپ نے حکم دیا کہ وہ ہاتھ کی دیت ادا کریں، امام مالک، امام شافعی، امام احمد کا یہی خیال ہے، فی زمانہ شہادت وگواہی ایک پیشہ بنتا جارہا ہے اور اس بابت جو دیدہ دلیری بڑھتی جارہی ہے اس سے سبھی واقف ہیں، اس لئے بندہ کی رائے یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ ہی کے قول پر عمل احوط ہو۔

۱۰- چونکہ ہر شخص اپنے اوپر عائد کردہ جرم (خواہ وہ یقین کی بنیاد پر ہو یا شک کی بنیاد پر) کا دفاع زبان کی ہم آہنگی نہ ہونے، ناخواندگی یا علاقائی زبان کے نہ جاننے، کامل طور پر

افہام وتفہیم کی صلاحیت خلقی طور پر موجود نہ ہونے، ہکلا پن گونگے اور بہرے ہونے، یا جسم پر کوئی ایسا عیب ہونے کی وجہ سے جس کی موجودگی میں تمام لوگوں کے سامنے آنا باعث خفت ہو، کامل طور پر نہیں کرسکتا، اس لئے اسے ماہر اور تجربہ کار وکیلوں کی خدمات لینے کی گنجائش ملنی چاہئے، قرآن عزیز کی اس آیت جس میں حضرت ہارونؑ کو حضرت موسیٰؑ نے اپنا نائب اور ترجمان بنانے کی درخواست کی تھی: "وأخي هارون هو أفصح مني لسانا فأرسله معي ردأ يصدقني إني أخاف أن يكذبون" کو استدلال میں پیش کیا جاسکتا ہے۔

مشہور مفسر ابوحیان اندلسی تحریر فرماتے ہیں: "وإنما المعنى أنه لزيادة فصاحته يبالغ في التبيان وفي الإجابة عن الشبهات وفي جداله عن الكفار" (تفسیر البحر المحیط ۷/ ۱۱۸، نیز دیکھئے: قرطبی ۱۳/ ۱۹۰، روح المعانی ۲۰/ ۷۷، تفسیر ابی السعود ۷/ ۱۳)۔

حضرت قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کی تحریر بھی اسی کی موید ہے کہ قیدی کو یہ حق ملنا چاہئے، قاضی کسی شخص کو بحیثیت وکیل یا پیروی کار دار القضاء میں آنے سے اور پیش ہونے سے روک سکتا ہے جس کے بارے میں قاضی محسوس کرے کہ اس شخص کا دار القضاء میں آنا دار القضاء کے وقار اور اس کے اعتماد کو مجروح کرسکتا ہے (اسلامی عدالت ۱/ ۴۱۷)۔

۱۱- شریعت اسلامیہ نے ماں اور اس کے بیٹے کے درمیان تفریق کو بڑی شدت سے محسوس کیا ہے، بندہ اولاً دو روایتیں پیش کر رہا ہے: "عن أبي أيوب سمعت رسول الله ﷺ يقول من فرق بين الوالدة وولدها فرق الله بينه وبين أحبته يوم القيامة" رواه الترمذي وحسنه والحاكم والدارقطني وقال حاكم صحيح الاسناد" (بحواله الترغيب والترهيب للحافظ ابن حجر العسقلاني ۷/ ۲۲)، قال النبي ﷺ لا توله والدة عن ولدها"۔

علامہ ماوردی مالکی لکھتے ہیں: "ولا يفرق فيمن استرقن بين والدة وولدها"

(الاحکام السلطانیہ/ ۱۳۴)، علامہ حصکفی رقمطراز ہیں: "تربية الولد (تثبت للأم) النسبية (ولو) كتابية (أو) بعد الفرقة" (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ۲/ ۶۳۳)۔

عبارت بالا سے معلوم ہوا کہ ماں کو ہی حق حضانت حاصل ہے خواہ شوہر اپنی زوجیت سے اسے الگ کر دے۔

حضرت عاصم بن عمرؓ کے مقدمہ میں حضرت عمرؓ کی مطلقہ ام عاصم کے حق میں فیصلہ دیتے ہوئے اور انہیں حضرت عاصم کی پرورش کا زیادہ حقدار بتلاتے ہوئے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا تھا: ماں کا تھوک بچہ کے حق میں تمہارے شہد سے زیادہ بہتر ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی تحریر فرماتے ہیں: "من فرق بين والدة وولدها يأثم"، "وقال مالك لا يفرق بين الأم وولدها خاصة وقال الشافعي لا يفرق بين صغير وبين أبويه، وروى الدارقطني عن طليق بن عمران عن أبي هريرة عن أبي موسى قال لعن رسول الله ﷺ من فرق بين الوالدة وولدها الخ" (تفسیر مظہری ۷/ ۳۲۶-۳۲۷)۔

قیدیوں کے حقوق سے متعلق مسائل

مولانا نذیر احمد کشمیری

یہ ایک تلخ عالم آشکارہ حقیقت ہے کہ آج کے انسانی معاشرہ میں جو طبقہ انتہائی مظلوم ہے اور جس کے ظلم کو ظلم بھی نہیں سمجھا جاتا ہے وہ طبقہ جیلوں میں محبوس افراد کا ہے۔

اس طبقہ کے وہ افراد جن کا کوئی جرم بھی نہیں ہوتا اور جن کو صرف شک کی بنیاد پر محبوس کر کے ان پر ظلم کے پہاڑ توڑے جاتے ہیں اور جن کی آہ وفغاں کو کوئی سننے والا بھی نہیں ان پر ایسے روح فرسا مظالم کئے جاتے ہیں کہ جن کے سامنے قبائلی سماج کے مظالم بھی ہیچ ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ مجرم افراد پر جرم ثابت ہونے سے پہلے ہی ظلم کرنے والے ان سے بڑے درجہ کے مجرم بن جاتے ہیں، اس لئے کہ وہ ان محبوس ہونے والے مجرموں کو ان کے جرم کی قانونی سزا سے کہیں زیادہ خوفناک جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں۔

جیلوں میں محبوس افراد کے احوال مدہشہ کو جاننے کے بعد یہ کہنا یقیناً بے جا ہے کہ ان قید ہونے والے مجرموں سے کہیں زیادہ بڑے درجہ کے مجرم وہ افراد ہوتے ہیں جن کے پنجۂ استبداد میں یہ مجرم پھنس جائیں، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ محبوس ہونے والے افراد انسان نہیں ہیں، بلکہ جانور ہیں۔

حق یہ ہے کہ پورے عالم میں جانوروں کے ساتھ ایسا ظالمانہ سلوک کہیں نہیں ہوتا جس کو درندگی اور بہیمیت سے تعبیر کرنا بھی اس کی اصل حیثیت کو یقیناً کم کرنا ہے، ان مظالم میں ہر

ہر نوع کے مظالم شامل ہیں۔

قید ہونے والے افراد پر مذہبی مظالم بھی ہوتے ہیں، ان کو ان کے دینی فرائض انجام دینے سے نہایت توہین وتحقیر بلکہ تعذیب وتشدد کے ساتھ روکا جاتا ہے، ان کے مقدس صحیفوں کی توہین کی جاتی ہے حتی کہ قرآن کریم کے مقدس صحیفوں کو نالیوں اور نجاستوں کی جگہ پھینکا جاتا ہے، مسلمان قیدی کو اللہ جل شانہ، ذات رسالت ﷺ، قرآن کریم، ایمانیات اور دینی شعائر کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔

عین نمازوں کے دوران ان پر نجاستیں پھینکی جاتی ہیں مسلمان کی داڑھی کو توہین وتذلیل کے ساتھ نوچنا، اذان کی آواز سنائی دے تو فوراً یہ کہنا یہ تمہارے جھوٹے خدا (نعوذ باللہ) کی آواز ہے اس کی طرف تھوکو، اس کا مذاق اڑاو، غرض مذہبی ودینی اعتبار سے تعذیب کے جو جو طریقے ممکن ہو سکتے ہیں ان کو بے دھڑک اپنانا ایک عمومی معمول ہے۔

جسمانی تشدد میں مارنا بھی ضرب شدید کے ساتھ، الٹا لٹکانا، بجلی کے جھٹکے دینا، جسم پر رولر (جو کئی کوئنٹل وزنی ہوتا ہے) چلانا، پانی میں ڈبکیاں دینا، بالوں سے پکڑ کر گھسیٹنا، سخت ترین سردی میں ننگا رکھنا، برف کی سلوں پر لٹانا، حتی کہ بالوں اور عضو تناسل کو رسی سے باندھنا اور پھر اس رسی کو لٹکانا تا کہ وہ شدید ترین اذیت کا شکار ہو جائے، سر مونڈ کر پھر اس پر تیزاب ڈالنا، تیز ترین روشنی کے بلب کے سامنے کھڑا کرنا، ایسے سیپ میں منہ کرنا کہ اگر حرکت بھی کریں تو دائیں بائیں بجلی کے کرنٹ لگ جائے اور ایسے سیل میں کئی کئی دن تک بند رکھنا جن میں بیٹھنا تو کجا حرکت کرنا بھی ممکن نہ ہو۔

ناخن اکھاڑ دینا، پھر ان پر نمک یا مرچیں ڈالنا، زخمی جسم پر نمک پھینکنا، پیچھے کے راستہ سے مرچوں والا پانی بھرنا، کئی کئی ہفتوں تک جاگنے پر مجبور کرنا غرض کہ جسمانی مظالم کے ایسے ایسے نت نئے طریقے اختیار کئے جاتے ہیں جس کو سوچنا بھی ممکن نہیں ہے اور اسی وجہ سے ان

عقوبت خانوں میں کتنے ہی افراد موت کے منہ میں پہنچ جاتے ہیں، بلکہ ان مظالم کے بنا پر کتنے ہی محبوس خودکشی کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں اور کتنے ہی ان میں کامیاب ہوجاتے ہیں اور کتنے بار بار کی کوششوں کے باوجود بھی اپنی یہ تمنا پوری نہیں کرپاتے اور اس عذاب مسلسل میں مبتلا رہتے ہیں، کتنے ہی ان سخت تر مظالم کی بنا پر از خود بار بار یہ التماس کرتے ہیں کہ ہم کو ماردو ہم لکھ کردیں گے کہ ہم خود طبعی موت مرگئے، یا ہم کو خودکشی کرنے کا ہی موقع دو، مگر ایسا نہیں کرنے دیا جاتا۔

قیدیوں پر مظالم کی ایک قسم ذہنی ونفسیاتی ٹارچ ہے، چونکہ یہ بھی ظلم وتشدد کی ایک عجیب قسم ہے اسی لئے یہ بھی آزمایا جاتا ہے چنانچہ قیدیوں کو مادرزاد ننگا کرنا، ایک دوسرے کے عضو تناسل کو منہ میں لینے، چوسنے، چاٹنے پر مجبور کرنا، ایک دوسرے کے ساتھ بدفعلی کرنے پر مجبور کرنا اور پھر ان کی فلمیں بنانا فحش گالیاں دینا، ماں، بہن، بیٹی کے متعلق ناقابل برداشت فحش اور غلیظ باتیں کہنا، حتی کہ ماں، بہن اور بیٹی کے ساتھ جنسی تعلق قائم کرنے کے متعلق تمسخر آمیز انداز میں سخت تکلیف دہ باتیں کہنا، غرض کہ طرح طرح سے نفسیاتی وذہنی طور پر اذیت پہنچائی جاتی ہے اور خصوصاً اگر جسمانی تشدد سے قیدی کے مرجانے کا خطرہ محسوس ہونے لگے تو پھر نفسیاتی تعذیب کا رویہ اپنایا جاتا ہے۔

قیدیوں کو کھانے پینے اور سونے جاگنے کے اعتبار سے بھی طرح طرح تختۂ مشق بنانا بھی ایک عام بات ہے۔

مضر صحت اشیاء کھلانا، ریت اور مٹی آمیز آٹے، دال اور چاول کھلانا، سڑی ہوئی سبزیاں اور پتھر کے ساتھ پیسا ہوا نمک کھلانا، گندا پانی پلانا، نامرد بنانے والی دوائیاں کھانے میں شامل کرنا، سڑا ہوا اور خراب پانی پلانا، پیشاب پاخانہ کو روکے رکھنے پر مجبور کرنا، پینے کے لئے پیشاب ملا ہوا پانی دینا، مسالوں میں دھنیا کے ساتھ لید، مرچوں کے ساتھ اینٹ پیس کر ملانا اور

پھر انہی سالن میں ملانا، غرض یہ بھی مظالم کی ایک منفرد نوع ہے۔

پھر قیدیوں کو غلط بیان دینے پر مجبور کرنا مثلاً اگر کوئی حقوق اللہ سے وابستہ فرد جیل کا معائنہ کرنے پہنچ جائے یا وکلاء کا کوئی وفد قیدیوں سے ملنے پہنچ جائے اور اس طرح قیدیوں کی حالت زار عوام تک پہنچنے کا خدشہ ہو تو پھر قیدیوں کو ایسے بیانات دینے کے لئے مجبور کرنا جس سے محبوس کرنے والے کسی ظلم کے اتہام سے اپنے آپ کو بچائیں اور اگر وہ بیان دینے پر تیار نہ ہوں تو اس پر مزید ظلم کرنا اور پھر خود بیان لکھ کر اس پر بلا چوں و چرا دستخط کرنے پر مجبور کرنا۔

قیدیوں کو بغیر کسی دفعہ کے لگائے صرف ٹارچر کرتے رہنا اور یا پھر تشدد کر کے ناکردہ جرموں کو قبول کروا کر ان پر وہ دفعات لگوانا جن کا اطلاق ان پر نہ ہوسکتا ہو اور اس طرح ان کو ان جرائم کی سزاؤں کا شکار بنانا جن کا انہوں نے ارتکاب ہی نہ کیا ہو، قیدیوں کو صرف تفتیش کے عنوان سے اتنے عرصہ تک جیلوں میں بند رکھنا کہ اگر ان پر قانونی سزا کا اطلاق بھی ہو جائے تو بھی اتنی طویل سزا ان کے وہ مستحق نہ ہوں۔

علاج و معالجہ کی سہولت سے پوری طرح محروم رکھنا یا پھر تسلی بخش علاج سے محروم کرنا، قیدیوں کو نامعلوم مقام پر بند رکھنا اور ان کے متعلق کو ان سے بے خبر رکھنا، قیدیوں کو اپنے متعلقین سے رابطہ قائم کرنے سے محروم رکھنا اور اس سے آگے بڑھ کر قید کر کے غائب ہی کر دینا بھی آج کی دنیا میں پایا جاتا ہے۔

غرض کہ جسمانی یا مذہبی، نفسیاتی، اخلاقی اور سماجی مظالم کی تقریباً ہر ہر قسم ہے جو محبوس افراد کو کہیں نہ کہیں جھیلنی پڑتی ہے، اس سلسلہ میں جو اقوام اور ادارے حقوق انسانی کا سب سے زیادہ ڈھونڈرہ پیٹتے ہیں اور جو حقوق انسانی کے تحفظ کا سب سے زیادہ نعرے لگاتے ہیں وہی ان حقوق انسانی کی سنگین پامالیوں کے یقینی طور پر مرتکب ہیں، چنانچہ بوسینیا، عراق، افغانستان اور خود یورپین ممالک میں جو صورت حال ہے وہ عالم آشکارہ ہے، بگرام، ابوغریب، گوئنتے ناما اور

دوسرے لاتعداد و نامعلوم عقوبت خانوں کا حال اب کوئی ڈھکا چھپا معاملہ نہیں ہے۔

غرض کہ آج کے جیل خانہ بدترین عقوبت خانے ہیں جو قوموں کا اصلاً چہرہ سامنے لاتے ہیں۔

اس بدترین صورت حال کے متعلق اسلام کی تعلیمات کیا ہیں اور ان تعلیمات کی روشنی میں جیلوں سے متعلق احکام اور محبوس ہونے والے افراد کے کیا کیا حقوق ہیں۔ یہ ان سطور میں زیر بحث ہے۔

اسلام دین عدل ہے۔ وہ انسان کی جان، مال، عزت، دین اور عزت نفس کا محافظ ہے۔ وہ صاف حکم دیتا ہے جس قوم یا جس فرد کے ساتھ تمہاری دشمنی ہے اس کے ساتھ بھی حق وانصاف کا معاملہ کرو۔ ''ولایجرمنکم شنآن قوم علی أن لاتعدلوا۔ اعدلوا'' (المائدہ) تم کو کسی قوم سے عداوت اس پر نہ آمادہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو۔ بلکہ انصاف کرو۔ ''ولایجرمنکم شنآن قوم أن صدوکم عن المسجد الحرام أن تعتدوا'' (المائدہ) تم کو کسی قوم کی ضد وعداوت اس پر برانگیختہ نہ کرے کہ تم مسجد حرام سے روکو۔ اور ظلم وزیادتی کرو۔ ''ولاتعاونوا علی الإثم ولعدوان'' (المائدہ) اور گناہ وزیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون نہ کرو۔

اسلامی شریعت میں جہاں عدل کا حکم ہے۔ اور مختلف انداز سے اسلوب بدل بدل کر اس پر کاربند رہنے کی تلقین کی گئی ہے۔ وہیں رحم حسن سلوک اور انسانیت نوازی کے متعلق بھی نہایت قیمتی تعلیمات ارشاد فرمائی گئی ہیں۔ چنانچہ غزوۂ بدر میں جب سخت ترین دشمنانِ اسلام گرفتار کرکے مدینہ لائے گئے تو ملاحظہ ہو ان کے متعلق کیا ارشاد فرمایا گیا۔ اور پھر مسلمانوں نے اس تعلیم نبوی کی بنا پر ان اسیرانِ جنگ کے ساتھ جو دراصل مستحق قتل تھے کیا سلوک کیا۔ بدر کے قیدی جب لائے گئے تو آپ ﷺ نے ان کو صحابہ کے درمیان تقسیم فرمایا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی ارشاد

فرمایا کہ "استوصوا بالأساری خیرا"۔ ان قیدیوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور ہر طرح کے خیر کی وصیت قبول کرو (طبرانی، مجمع الزوائد)۔

اس وصیت کا نتیجہ یہ نکلا کہ صحابہ میں سے جن کے پاس جو قیدی تھا، وہ اول اس قیدی کو کھانا کھلاتے اور بعد میں خود کھاتے تھے۔ اور اگر کھانا نہ بچتا تھا تو خود صرف کھجور کھاتے تھے۔ چنانچہ حضرت مصعب بن عمیر کے بھائی عزیر بن عمر کا بیان ہے کہ وہ جس انصاری کے گھر میں تھے ان کا حال یہ تھا کہ وہ روٹی جو بہت کم ہوتی تھی مجھے کھلا دیا کرتے تھے اور خود کھجوروں پر قناعت کرتے تھے۔ میں شرمندہ ہوکر انکار کرتا کہ روٹی خود کھاؤں لیکن وہ جواب میں کہتے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے (مجمع الزوائد و طبرانی)۔

قیدیوں میں سہیل بن عمرو بھی تھا جو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ہجو اور مخالفانہ تقریریں کرتا تھا۔ اور اسی بنا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے درخواست کی کہ اس کے دو نیچے کے دانت توڑ دیئے جائیں تاکہ وہ آئندہ بے تکلف اس طرح تقریر نہ کر سکے۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اگر میں اس کا ایک عضو بھی بگاڑ دوں گا تو اگرچہ میں نبی ہوں لیکن اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ میں میرے اعضاء بگاڑ دے گا (تاریخ طبری)۔

بدر میں جو لوگ گرفتار ہوکر قیدی بنائے گئے وہ جنگی قیدی تھے۔ مسلمانوں کے خون کے پیاسے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابِؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانوں کے دشمن اور شمع اسلام کو بجھا دینے کے درپہ تھے۔ مکہ میں ان کے مظالم عالم آشکارہ تھے۔ اس لئے وہ یقیناً سخت ترین سزاؤں اور اذیتوں نہیں بلکہ موت کے مستحق تھے۔ مگر ان کو دوران قید کسی طرح کے ظلم وزیادتی کا شکار نہیں بنایا گیا۔ اور پھر اخیر میں طویل مشورہ کے بعد ایک بہت معمولی فدیہ (چار ہزار درہم) مقرر کیا گیا۔ اور جو لوگ فدیہ ادا نہ کرسکیں ان پر مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھانے کی ذمہ داری ڈال دی گئی اور یہی ان کی آزادی کی شرط مقرر ہوئی۔ اور جو یہ بھی نہ کر پائیں ان کو بلا کسی عوض

وسرزنش کے آزاد کر دیا گیا۔ چنانچہ عمرو بن عبداللہ نام کے شخص کو فدیہ ادا کرنے کی قدرت نہ تھی۔ اس لئے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا، مفلوک الحال ہوں عیال بار ہوں۔ اس لئے مجھ پر احسان فرمایئے آپ نے یہ سن کر بلا کوئی فدیہ لئے رہا کر دیا اور صرف یہ فرمایا کہ آئندہ کبھی ہمارے کسی دشمن کا ساتھ دے کر ہمارے مقابلہ کے لئے نہ آنا۔ اسی طرح مطلب بن حنطب اور صیفی ابن ابی زماعہ بھی کوئی فدیہ لئے بغیر رہا کر دیئے گئے (سیرت مصطفیٰ)۔

قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کا اندازہ اس سے بھی ہو سکتا ہے کہ جب بدر سے کفار قریش کو باندھ کر مدینہ لایا گیا تو اتفاق سے حضرت عباس (جو عم رسول ﷺ تھے) کی رسّی میں زیادہ سخت گانٹھ لگائی گئی تھی جس کے بنا پر حضرت عباس بے اختیار آہیں بھرتے تھے اور کراہتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے قرار ہو گئے اور اس وقت آپ ﷺ نے آرام نہ فرمایا جب تک حضرت عباس کی رسّی ڈھیلی نہ کر دی گئی۔ تمام قیدیوں کے لئے کپڑوں کا انتظام کیا گیا۔ چنانچہ حضرت عباس جو طویل القامت تھے ان کو عبداللہ بن ابی کا کرتا پہنایا گیا جو خود طویل القامت تھا (سیرت النبی از شبلی)۔

غرض کہ اساری بدر کے ساتھ کیا جانے والا سلوک قیدیوں کے ساتھ روا رکھے جانے والے رویہ کے لئے ایک بہترین نمونہ عمل ہے۔ حضرت ثمامہ بن اثال کو پکڑ کر لایا گیا جو یمن سے مکہ جا رہے تھے پھر مدینہ منورہ میں ان کو مسجد نبوی میں ستون کے ساتھ باندھ دیا گیا اور خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور حضرات صحابہ نے ان کو نہ کوئی جسمانی اذیت پہنچائی نہ بھوکا پیاسا رکھا نہ ان کو کسی ذہنی یا نفسیاتی ٹارچر کا شکار بنایا صرف اتنا ہوا کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ثمامہ سے پوچھا کہ کیا ارادہ ہے (کیا اسلام قبول کرنے کے متعلق کوئی خیال آ رہا ہے یا نہیں) دیکھئے کوئی جبر و اکراہ بھی نہیں ہو رہا ہے مگر اس نے جواب میں صاف انکار کر دیا۔ ساتھ ہی اس نے یہ بھی کہا کہ اگر آپ میرے قتل کا فرمان جاری کرتے ہیں تو یہ ایک مستحق قتل کا ہی قتل ہوگا

اور اگر آپ مجھ پر احسان کریں گے تو میں شکر گزار رہوں گا اور اگر آپ کوئی مالی فدیہ چاہتے ہیں تو وہ بتائیں میں پیش کردوں گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی جواب نہ دیا اور دوسرے تیسرے دن یہی سوال جواب ہوتا رہا۔ اس دوران ان پر کوئی تشدد کوئی تعذیب وتذلیل ہرگز نہیں ہوئی۔ اسے خود اپنے متعلق ہرگز یہ یقین نہ تھا کہ میں زندہ چھوٹ سکوں گا۔ اور اگر رحم کی بھیک مل گئی اور مجھے چھوڑ دیا گیا تو بھی نہ جانے کتنا مالی تاوان دینا ہوگا۔ لیکن قیدیوں کے ساتھ کئے جانے والے احسان وظلم کی پوری تاریخ کے لئے یہ واقعہ ایک مینارۂ نور ہے کہ تیسرے دن اس کا جواب سن کر حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "أطلقوا ثمامة" ثمامہ کو چھوڑ دو۔ چنانچہ ثمامہ چھوٹ گئے۔ قریب کے باغ میں جا کر غسل کیا اور واپس حاضر ہو کر نعرۂ شہادت پڑھا اور مسلمان ہوگئے۔ اور پھر بولے اس روئے زمین پر سب سے زیادہ مبغوض چہرہ میری نظر میں آپ کا تھا مگر اب سب سے محبوب چہرہ آپ کا ہے۔ اس روئے زمین میں میری نظر میں سب سے زیادہ قابلِ نفرت دین آپ کا تھا مگر آج کے بعد سب سے پسندیدہ دین یہی ہے آج تک روئے زمین پر سب سے مبغوض شہر میری نظر میں آپ کا شہر تھا۔ مگر آج کے بعد میرے لئے احب البلاد (سب سے پیارا شہر) یہی ہے۔

یہ پورا واقعہ سیرت واحادیث کی کتابوں میں موجود ہے اس سے قیدیوں کے ساتھ کئے جانے والے سلوک کے متعلق پورا اصول اور اس کی بنیاد پر تمام جزئیات کا بیان واضح ہے۔ حسب ضرورت کمی زیادتی ہوسکتی ہے۔

اگر مجرم کے متعلق قرائن پائے جارہے ہوں اور وہ پھر بھی اعتراف نہ کرے تو ڈانٹ ڈپٹ کرنے کی اجازت ہے حتیٰ کہ معمولی مار پیٹ بھی کر سکتے ہیں۔ تاکہ مجرم اپنے جرم کا اعتراف کرے۔ لیکن اس مار پیٹ کی حدیں مقرر ہیں کہ اس کو ضرب شدید نہ ہو اس کے اعضاء کا توڑ پھوڑ نہ ہو اور اس کو معذور بنانے کی حد تک یہ عقوبت نہ ہو اس معمولی مار پیٹ کے دوران اگر مجرم نے

اعتراف کرلیا تو کیا وہ اعتراف معتبر ہوگا۔ اس سلسلہ میں فقہاء نے تصریح کی ہے کہ وہ اقرار جو صرف مار پیٹ کی بنا پر کیا گیا ہو وہ معتبر نہ ہوگا۔ اسی لئے اگر وہ مار پیٹ کے بعد بھی اقرار کرتا ہے تو یہ وہ اقرار ہے جو مجرم کو مجرم ثابت کرنے لئے درکار ہے۔ لیکن اگر اس نے انکار کیا تو مجرم مجرم ثابت نہ ہوگا۔ مجرم کو اثبات جرم تک گرفتار کئے رکھنا درست ہے لیکن اس کی مدت کیا ہوگی۔ اس سلسلہ میں اکثر فقہاء تو امام (حکومت) کی صوابدید کے مطابق کسی بھی ضرورت کے بقدر مناسب مدت تک قید رکھنے کی اجازت دیتے ہیں جبکہ امام شافعی ایک ماہ تک محبوس رکھنے کا حق دیتے ہیں۔ محبوس ہونے والے افراد پر کس کس قسم کی پابندیاں ہوں گی اس سلسلہ میں فقہاء اسلام نے نہایت معتدل اور مبنی بر عدل احکام بیان کئے ہیں کہ جن میں نہ تو محبوس فرد پر بے جا ظلم ہوگا۔ اور نہ ہی اس کے جرم کے باوجود اسے غیر موثر سزا کی بنا پر اسے عادی مجرم بننے کا موقع دیا جائے گا۔

چنانچہ علامہ کاسانی نے لکھا ہے۔

محبوس شخص کو قید خانہ سے باہر نکلنے کی اجازت نہ ہوگی۔ وہ اپنے امور واشغال کے انجام دہی کے لئے بھی باہر نکلنے کا مجاز نہ ہوگا، اسی لئے اسے جمعہ وجماعت میں شرکت کی بھی اجازت نہ ہوگی، نہ ہی وہ جنازہ میں شرکت کر سکے گا، نہ وہ اپنے متعلقین اور اقارب کے پاس بغرض ملاقات جا سکے گا، اسے تمام ان دنیوی ودینی مشاغل سے روک دیا جائے گا جو قید کرنے کے مقصد کے خلاف ہوں، ہاں اس کے اہل وعیال کو اس سے ملاقات کرنے کا حق ہوگا۔ لیکن قید خانہ میں ہی، ظاہر ہے کہ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ اپنی نماز، روزہ اور انفرادی عبادت کے لئے آزاد ہوگا۔

امام سرخسی نے لکھا ہے کہ اسے ایسی جگہ قید کیا جائے جو سخت ہو اسے نرم بستر بھی فراہم نہ کیا جائے، اس کے پاس خوش طبعی کے لئے کسی کو آنے جانے کی بھی اجازت نہ ہوگی، امام سرخسی

نے یہ بھی لکھا ہے کہ عورتوں کا قید خانہ مردوں سے الگ رکھا جائے گا۔

صاحب مبسوط نے یہ بھی لکھا ہے کہ جو شخص لوگوں کو خوف زدہ کر کے لوگوں کا مال اچک لینے کا کام کرے اسے حبس دوام کی سزا دی جاسکتی ہے تا آنکہ وہ اس فعل بد سے توبہ کرے، قید کرنے کی اجازت کے سلسلہ میں خود حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ثبوت موجود ہے۔ اگر چہ یہ بات طے ہے کہ عہد رسالت میں کوئی مستقل قید خانہ نہیں تھا، چنانچہ حضرت رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے ایک شخص کو کہی گئی غلط تہمت کی بنا پر قید کیا (ترمذی)۔

نیز ثمامہ بن اثاثہ کو مسجد نبوی میں اور بدر میں گرفتار شدہ افراد کو صحابہ کے گھروں میں قید کیا گیا۔

حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں بھی یہی طرز عمل جاری رہا، پھر حضرت عمرؓ نے جب باقاعدہ جیل خانہ کی ضرورت محسوس کی تو صفوان بن امیہ کا مکان لے کر اسے قید خانہ بنایا، یہ تاریخ اسلام کا پہلا جیل خانہ تھا، پھر دیگر بلاد میں بھی جیل خانہ بنائے چنانچہ مقروض انسان جو قرض کی ادائیگی میں عمداً غافل ہو کو بھی قید کیا جانے لگا اور یہ سلسلہ قاضی شریح نے شروع کیا (الفاروق از شبلی)۔

حضرت عمر فاروقؓ کے بعد حضرت علیؓ نے اپنے زمانہ میں جیل خانہ بنوائے، چنانچہ ایک جیل خانہ کا نام نافع رکھا، اور پھر اس سے زیادہ مضبوط جیل خانہ دوسرا بنوایا جس کا نام مخیس رکھا (قاموس الفقہ)۔

اوپر درج شدہ احکام کے بعد اب فقہ اکیڈمی کی طرف سے قائم کئے گئے سوالات کے جوابات درج ذیل ہیں۔

(۱) کسی ملزم کو جرم ثابت ہوئے بغیر قید رکھنا صریحاً ظلم ہے۔ اس لئے یہ ہرگز درست نہیں ہوسکتا۔ ہاں اگر اس کے مجرم ہونے کے قرائن موجود ہوں اور اس لئے اسے ظن غالب کی بنا پر محبوس کرنا پڑے تاکہ اثبات جرم کی صورت میں اس پر سزا کا نفاذ ہو تو اس صورت میں قید کرنا

درست ہے، لیکن اس دوران کوئی، جسمانی تشدد، سخت مار پیٹ، ذہنی ٹارچر اور جو جو مظالم رائج ہیں اس پر ان میں سے کوئی ظلم کرنا درست نہیں۔ بس معمولی مار پیٹ، ڈانٹ ڈپٹ، ڈرانا دھمکانا جیسا کہ علامہ کاسانی وغیرہ نے لکھا ہے درست ہے۔ اثبات جرم کے لئے یہ مدت کتنی ہوسکتی ہے اصلاً تو یہ گرفتاری کا حکم جاری کرنے والے حاکم (مفوض الی الامام) کی رائے وصوابدید پر منحصر ہے جیسا کہ اکثر فقہاء کی رائے ہے۔ اور ضرورت کا مقتضیٰ بھی یہی ہے کہ یہ مدت حالات، جرم کی نوعیت اور مجرم کے احوال کی بنا پر مفوض الی القاضی ہو۔ تاہم حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کی رائے ایک ماہ کی مدت کو بھی اختیار کیا جاسکتا ہے۔ جبکہ ترجیح پہلی رائے کو ہی ہے۔

(۲) دوران قید محبوس شخص کے حقوق

(الف) اپنے مذہبی امور کو انجام دینے کی مکمل آزادی واختیار دینا لازم ہے۔ نماز، روزہ، تلاوت، طہارت ستر عورت وغیرہ تمام مذہبی احکام میں اسے پوری طرح آزادی دینا لازم ہے۔ البتہ جمعہ، جماعت، عیدین جنازہ میں شرکت کا حق نہ ہوگا۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔ ”**ومن اظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيهااسمه**“ جب مساجد میں جانے سے روکنے کو ظلم قرار دیا گیا ہے تو نماز سے روکنا اس سے بڑا ظلم ہے۔ اس لئے اس ظلم کی اجازت کیسے ہوسکتی ہے۔ ارشاد قرآنی ہے۔ ”**يسئلونک عن الشهرالحرام قتال فيه- قل قتال فيه كبير وصد عن سبيل الله وكفربه والمسجد الحرام وإخراج أهله منه أكبر عندالله والفتنة اكبرمن القتل**“ (البقرہ) اس ارشاد میں واضح ہے کہ اللہ کے راستہ سے روکنا، اللہ کے ساتھ کفر کرنا مسجد حرام سے اہل ایمان کو نکال دینا اللہ کے یہاں شہر حرام میں قتال سے کہیں بڑا جرم ہے۔ اللہ کے راستے سے روکنا اس میں جہاں ایمان قبول کرنے سے رکاوٹ بننا مراد ہے وہاں اللہ کے قائم کردہ فرائض کی ادائیگی سے روکنا بھی مراد ہے۔ جیسا متعدد مفسرین نے اس کی صراحت کی ہے۔ حدیث مشہور ہے۔ ”**لاطاعة لمخلوق في معصية الخلق**“

(بخاری) یہ واضح ہے جو اس امر کی دلیل ہے۔

(ب) قیدی کو کام جسمانی ضروریات کھانا، پینا، بستر، علاج مناسب جگہ فراہم کرنا۔ اپنے اہل خانہ سے ملنے کے مواقع فراہم کرنا حتی کہ اپنی زوجہ سے تخلیہ فراہم کرنا بھی قیدی کا حق ہے۔ چنانچہ بدر کے قیدیوں کے لئے حسن سلوک کی جو تاکید زبانِ رسالت سے صادر ہوئی وہ ان تمام امور کو شامل ہے۔

(ج) عام سماجی حقوق اخبار، ریڈیو، فون، کتابیں، ورزش، تعلیم، ہنر سیکھنا ان تمام امور کی مشروط اجازت دے سکتے ہیں۔ یہ چونکہ بنیادی ضروریاتِ حیات میں سے نہیں ہیں۔ اس لئے اگر اثبات جرم میں اور نفاذ سزا میں یہ امور مانع بنیں تو پھر ان کی اجازت نہ دینے کی روش بطور قانون کے اپنانے میں کوئی مضائقہ نہ ہوگا۔ لیکن اگر یہ کسی الجھن کا ذریعہ نہ بنیں تو پھر ان تمام سماجی حقوق کا بھی قیدی کو حق دینا لازم ہے۔

(د) عام اخلاقی امور خصوصاً مردوں اور عورتوں کو الگ الگ رکھنا اسی طرح بالغوں اور نابالغوں کے لئے الگ قید خانہ مقرر کرنا انتہائی لازم امر ہے۔

احادیث میں اجنبی مرد وعورت کے تخلیہ کی صریح ممانعت موجود ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: "إياكم والدخول على النساء" (ترمذی) اور فرمایا: "نهانا رسول الله صلى الله عليه وسلم أن ندخل على النساء بغير أزواجهن" (ترمذی) اگر یہ تخلیہ فراہم نہ کیا گیا تو یقیناً یہ مرد اور عورت دونوں قسم کے قیدیوں کے لئے سخت ذہنی پریشانی کا سبب ہوگا، یہ دونوں اپنے اٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے اور ضروریات بشریہ کے پورا کرنے میں سخت انقباض وتکدر محسوس کریں گے۔ اور بلاشبہ یہ ذہنی ٹارچر کے قبیل سے ہے۔ اس لئے یہ جداگانہ انتظام لازم ہوگا۔ یہ اس وقت فرض کے درجہ میں ہوگا۔ جب یہ اختلاط، جنسی زیادتی یا ناجائز تعلقات کے قائم ہونے کا خدشہ ہو۔ ظاہر ہے اگر یہ انتظام نہ کیا گیا تو پھر جیل خانے قحبہ خانے بن جائیں گے۔

اس کے علاوہ ماحول کو فحش کلامی، گالی گلوج، شور شرابہ سے بے وقت جاگنے اور دوسروں کے آرام میں خلل انداز ہونے کا سبب بنے گا۔

(۳) محفوظ رکھنا لازم ہوگا۔

قیدیوں سے سچی بات اگلوانے کے لئے سخت تعذیب، برہنہ کرنا، تشدد کرنا، الکٹرک شارٹ لگانا، ان پر کتے چھوڑنا، برف کی سلوں پر تڑپانا۔ اوراس طرح کے تمام حربے شریعت، اخلاق، عقل، انسانیت اور عام معاشرتی انداز کے سراسر خلاف تو ہیں ہی۔ مہذب قوانین میں بھی اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس طرح کے ظلم وتعدی سے مجرم جس جرم کا اعتراف کرے گا۔ وہ حقیقتاً اعتراف نہ ہوگا اسلامی قانون کا یہ معروف اصول ہے کہ "**الحدود تندر أبالشبہات**" نیز کسی مجرم مثلاً زانی نے اگر بغیر کسی جبر واکراہ کے اقبال جرم کیا ہو اور پھر وہ اپنے اعترافِ جرم کی خود ہی تکذیب کرے تو اس کا وہ اعتراف غیر معتبر ہو جاتا ہے۔ اس لئے طرح طرح کے جسمانی تشدد، یا ذہنی ونفسیاتی ٹارچر کرنے کا نہ تو حق ہی ہونا چاہئے اور نہ ہی اس طرح کے تشدد کا شکار بنا کر کیا جانے والا اعتراف اس کو مجرم ثابت کرنے کی بنیاد بنانا درست ہے۔ چنانچہ علامہ سرخسی کے حوالہ سے اصل درج کیا گیا۔

(۴) قیدیوں کو زنجیروں سے باندھ کر رکھنا، ہتھکڑی پہنانا، اگر ان کی جسمانی اذیت کا سبب بن رہا ہو تو اس کی رعایت کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ بدر کے قیدیوں میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی سخت بندھی ہوئی رسیوں کو ڈھیلا کرانا، احادیث وسیرت کی کتابوں سے ثابت ہے۔ نیز ثمامہ بن اثال کا مسجد نبوی کے ستون سے باندھا جانا بھی ایک ثابت شدہ واقعہ ہے۔ ان دونوں واقعات سے یہ دونوں احوال واضح طور پر سامنے آتے ہیں کہ باندھا جانا درست نہیں جو اذیت کا سبب بنے۔

(۵) کسی مجرم کو اس کے خصوصی جرم کی بنا پر قیدِ تنہائی دینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اس

لئے کہ اگر جیل کے نظام کو درست رکھنے اور قوانین حبس کو پوری طرح نافذ کرنے کے لئے اس کی ضرورت ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ جیسا کہ اوپر درج کیا گیا۔

(۶) جیل میں قیدیوں سے جبراً کوئی کام لینا یقینی طور پر جبر وتعدی ہے۔ اور قرآن کریم کا صاف صریح حکم ہے۔

"ولاتعتدوا إن الله لايحب المعتدين" اگر قیدی سے جبراً کام لیا گیا تو یقینی طور پر وہ اس کے لئے اجرت مثل کا مستحق ہے۔ اور یہ کام کرنا بھی اس کی رضامندی پر موقوف ہے۔

(۷) زیر سماعت قیدی، اور سزائے قید کا مستحق قرار پانے والے مجرم دونوں مذہبی، اخلاقی، سماجی، اور عام حقوق میں یقینی طور پر مساوی قسم کے سلوک کے مستحق ہیں۔ بس فرق اگر ہوگا تو صرف یہ کہ سزا یافتہ شخص کے لئے جن قیود وشرائط کے ساتھ مثلاً تنہائی یا سزا و سہولیات کے اعتبار سے جو درجہ بندی کی گئی ہو جو کسی ظلم وتعدی کا سبب نہ بنے تو ان امور میں فرق وامتیاز قائم کرنے میں کوئی مضائقہ نہ ہوگا۔

(۸) زیر سماعت قیدی کو ہرگز اتنے عرصہ تک فیصلے سے پہلے قید میں رکھنا درست نہ ہوگا جو اس پر عائد الزام کے ثابت ہونے پر پوری سزا کے بقدر ہو۔ اس کی ایک بدیہی وجہ یہ ہے کہ اگر اس پر جرم ثابت نہ ہوگا تو اتنے عرصہ تک اس کو قید رکھنا بجائے خود ظلم ہے۔ اور دوسرے قید دراصل سزا ہے۔ اور سزا اثبات جرم پر موقوف ہے جب ابھی اثباتِ جرم ہوا ہی نہیں تو اس قدر طویلِ حبس، یقیناً حبس بے جا ہے۔

یہ دراصل عدالتی نظام کے ان طویل طولی پیچیدہ بکھیڑوں کا نتیجہ ہے۔ جس میں قیدی کو جرم کی سزا سے زیادہ عرصہ جیل میں گزارنا پڑتا ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ جرائم کے اثبات کے لئے مدت مقرر کرنے میں درجہ بندی کی جائے۔ اور ہر جرم کے لئے ایک مقررہ مدت

میں اس کے اثبات کی حد مقرر کردی جائے۔تاکہ قیدی عدالت کی طویل کارروائی کے نتیجے میں ظلم کا شکار ہونے سے بچ جائے۔

(۹) ملزم کو قید میں رکھ کر، بعد میں اگر وہ عدالت کی طرف سے جرم ثابت نہ ہونے کی بنا پر بری ہوگیا۔تو حنیفہ کے مختار مسلک کے مطابق اگرچہ مالی جرمانہ لینا درست نہیں لیکن دیگر ائمہ کے یہاں مالی تاوان لینے کی گنجائش ہے۔اس لئے اس کے لئے اس ذہنی کوفت، جسمانی تکلیف اور عرصہ تک جیل میں رہنے کی بنا پر اس کی صحت، معاش اور اہل خانہ سے دوری کی بنا پر ہونے والے حرج درحرج کے لئے ضرور مالی جرمانہ کا مستحق قرار دینا لازم ہے۔

اس سلسلہ میں اگرچہ حنیفہ کے قول مختار کے مطابق مالی جرمانہ لینا درست نہیں ہے۔ لیکن قاضی ابو یوسف اور مالکیہ وحنابلہ کے قول کے مطابق اس رفع ظلم کے لئے اس عرصہ کا تاوان ضرور لازم ہونا چاہئے۔ اس کے لئے تفصیلی دلائل علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے فتاوی میں موجود ہیں نیز ابن قیم رحمہ اللہ کی رائے بھی یہی ہے۔

(۱۰) قیدی کو اپنے مقدمات کے سلسلہ میں وکلاء سے ربط گواہوں سے تعاون، اور اپنی صفائی کے لئے ہر قسم کی مدد لینے کا مکمل اختیار ہونا چاہئے۔ تاکہ انصاف کے تقاضہ پورے ہوسکیں۔اور وہ رفع الزام کرسکے۔

(۱۱) خواتین قیدیوں کو اگر وہ مطالبہ کریں تو اپنے شیر خوار بچے اپنے ساتھ رکھنے کا پورا حق ہوگا۔

اور یہ اس لئے کہ حق رضاعت وحق حضانت دونوں بچے کا حق بھی ہے اور ماں کا حق بھی۔لیکن اس کے لئے مطالبہ کرنا شرط ہونا چاہئے۔

قیدیوں کے حقوق

مفتی سید باقر ارشد قاسمی ☆

۱- بغیر ثبوت ملزم کو قید کرنے کا جواز و عدم جواز

اس سوال میں دو جزء ہیں: ایک یہ کہ کسی ملزم کو اس کے جرم کا ثبوت فراہم ہوئے بغیر قید کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اور دوسرا یہ کہ اگر قید کیا جائے تو کیا اس کے لئے کوئی مدت مقرر کی جا سکتی ہے؟

پہلے جزء کی تفصیل یہ ہے کہ بغیر ثبوت کے کسی کو قید کیا جانا جائز نہیں، البتہ ثبوت کی فراہمی تک اس کو نگرانی میں رکھا جا سکتا ہے تاکہ وہ فرار نہ ہو سکے، ثبوت کی فراہمی سے قبل سزا دینا جیسا کہ پولیس ریمانڈ میں دینے (تاکہ پولیس کے لئے موقع ہو کہ وہ جبراً اقبال جرم کرائے یا ثبوت فراہم کرے) یا پھر جیل میں قید کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی، اس کے لئے حکام کو چاہئے کہ وہ الگ سے تفتیش خانہ بنائے جہاں پر جبر و تشدد، دہشت اور وحشت کا ماحول نہ ہو اور وہ جیل خانوں اور قید خانوں کی طرح بھی نہ ہوں، بلکہ اس جگہ پر ملزم سے پوچھ تاچھ کی جا سکے اور اس کو روک رکھا جائے تاکہ فرار نہ ہو سکے اور دوران تفتیش جرم کے سلسلہ میں اگر وہ مجرم ہے تو اقبال کروانے کے لئے معمولی طور پر سختی کی جا سکتی ہے۔

دوسرے جزء کے سلسلہ میں احقر کی رائے ہے کہ جلد از جلد ثبوت حاصل کر کے ملزم کا

☆ بنگلور، کرناٹک۔

فیصلہ کر دیا جائے، مہینوں مہینوں تک جیل خانوں میں بند رکھنا اور سالہا سال تک مقدمہ چلانا یا جرم کی تحقیق کے لئے سالوں لگا دینا جائز نہیں، کوئی خاص مدت کی تخصیص نہیں کی جا سکتی، ثبوت فراہم ہونے تک اس کو روک رکھا جائے، البتہ اس دوران اس کو سزا یا بنیادی ضرورتوں سے محروم کر دینا یا ٹارچر کرنا جائز نہیں۔

۲- (الف) مذہبی امور سے متعلق قیدیوں کے مسائل

مذہبی امور کے تحت قیدیوں کے مسائل مقاصد شریعت کے من جملہ اصول میں سے ایک اصل "حفاظت دین" کے تحت آتے ہیں، لہذا یہ قیدیوں کے بنیادی حقوق میں شامل ہیں۔

عبادت کی آزادی اور مذہبی کتابوں کے مطالعہ کی اجازت

مقاصد شریعت میں حفاظت دین بھی ایک اصل ہے اور اس مقصد کے ضیاع کو کسی بھی حالت میں گوارا نہیں کیا جا سکتا، شرعی اعتبار سے دین کی آزادی انسان کا بنیادی حق ہے چاہے وہ قیدی ہی کیوں نہ ہو، دین کے معاملہ میں کسی پر زبردستی نہیں کی جا سکتی، قرآن میں ارشاد ہے: "لا إكراه في الدين" (سورۃ البقرۃ) اور رسول اکرم ﷺ کی سیرت میں کئی ایسے واقعات ہیں جو آپ ﷺ کی مذہبی رواداری پر دال ہیں، مذہب انسان کا نجی معاملہ ہے اس میں کسی کو دخل دینے کا نہ ہی اخلاقی حق ہے اور نہ ہی قانونی حق حاصل ہے، چنانچہ خطبات بنگلور میں حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب دامت برکاتہم نے آپ ﷺ کی مذہبی رواداری کا ایک واقعہ ذکر کیا ہے کہ یمن کا ایک بڑا عیسائی عالم اسقف ابی الحارث ساٹھ عیسائیوں کے وفد کے ساتھ خدمت اقدس میں حاضر ہوا، انہوں نے اپنے عقیدہ کے مطابق نماز ادا کرنی چاہی تو آپ ﷺ نے مسجد نبوی کے گوشہ میں انہیں عبادت کی اجازت مرحمت فرمائی اور انہوں نے اپنے مذہب کے مطابق نماز ادا کی (خطبات بنگلور ر ۸۳)۔

لہذا عبادت کے معاملہ میں قیدیوں پر کسی بھی قسم کی پابندی نہ صرف غیر شرعی ہے بلکہ غیر انسانی ہے، انسانی حقوق کی پامالی ہے، عبادت کی کھلی آزادی دوران قید قیدی کا حق ہے، اسی طرح مذہبی کتابوں کا مطالعہ بھی اس کا بنیادی حق ہے۔

دوسرے قیدیوں کے درمیان دعوت دین

یہ بھی حفاظت دین کے تحت آتا ہے کہ دعوت دین ایک فریضہ ہے اور حفاظت دین کی ایک کڑی۔

مذہبی تعلیمات کے مطابق غذا کی فراہمی

ویسے تو غذا کی فراہمی بنیادی حق ہے، مگر قیدی کی طبع، اس کی پسند یا ناپسند، مذہبی اصول وحدود کا خیال رکھنا اخلاقی طور پر ضروری ہے، قیدی کے ساتھ اس کی عزت نفس کو مجروح کیا جانا ظلم ہے اور مذہبی حدود واصول کو توڑنا اس کی عزت نفس پر حملہ ہے، لہذا یہ ضروری ہے کہ قیدی کی مذہبی تعلیمات کے مطابق غذا فراہم کی جائے۔

قیدی کے مذہب کی مقدس شخصیتوں اور کتابوں وغیرہ کی بے حرمتی

رسول اکرم ﷺ نے یہ تعلیم دی کہ کسی دوسرے کے مذہب کی اور مذہبی شخصیتوں کی توہین نہ کی جائے، کیوں کہ دوسرے مذاہب کا احترام کرنے کا حکم ہمیں شریعت میں ملتا ہے، قیدی کے مذہبی مقدس شخصیتوں اور کتابوں کی بے حرمتی جائز نہیں۔

ب- جسمانی ضروریات سے متعلق قیدیوں کے مسائل

جسمانی ضروریات کے تحت قیدیوں کے مسائل مقاصد شریعت کے من جملہ اصول

میں سے ایک اصل ''حفاظت نفس'' کے تحت آتے ہیں، لہذا یہ قیدیوں کے بنیادی حقوق میں شامل ہیں۔

قیدیوں کے لئے ورزش وتفریح کی اجازت

کسی بھی انسان کا بنیادی حق مناسب غذا، صاف پانی، علاج اور حفظان صحت کی تدابیر ہیں، قیدی جو حکام کے رحم وکرم پر ہوتا ہے، اس کا بھی بنیادی حق یہ ہے کہ اس کو یہ اشیاء یا مواقع فراہم کئے جائیں، قیدی کو مناسب غذا بلکہ اگر کسی بیماری کا شکار ہے تو اس کو پرہیزی کھانا اور صاف پانی فراہم کیا جائے، جیسا کہ بدر کے قیدیوں کے سلسلہ میں روایتوں میں آتا ہے، ابوعزیز کی روایت ہے کہ جب وہ مجھے بدر سے قیدی بنا کر لائے تو مجھے انصار کے ایک خاندان میں جگہ ملی (بطور قید)، وہ دونوں وقت مجھے اپنے کھانوں میں سے روٹی دیتے اور خود کھجور پر اکتفاء کرتے (سیرت ابن کثیر ۲/ ۴۷۵)، قیدیوں کے ساتھ بہتر سلوک کا حکم ہے ہی، ساتھ ہی ان کے لئے اچھی غذا، صاف پانی، ہوادار کمرہ یہ سب مہیا کرنا جیل حکام کا فریضہ ہے۔

علاج: یہ انسان کی ضرورت بھی ہے اور انسانی ہمدردی کی علامت بھی، آج جگہ جگہ پر مختلف ادارے اور تنظیمیں بلاتفریق مذہب وقوم معذوروں اور بیماروں کی بلا معاوضہ خدمت کر رہے ہیں اور مفت علاج کی خدمات پیش کر رہے ہیں۔

ایسے ماحول میں قیدیوں کے لئے علاج کی سہولت ازحد ضروری ہے، اس کے لئے قید خانہ ہی میں کسی ڈاکٹر یا کلینک کا انتظام ہوتا کہ کسی ہنگامی صورت میں علاج کیا جاسکے، اگر جیل خانہ کے ڈاکٹر سے قیدی کا علاج ممکن نہ ہو تو یہ لازم ہے کہ قیدی کو باہر لے جا کر اس کا علاج کیا جائے۔

قیدی کا یہ بھی بنیادی حق ہے کہ اس کا میڈیکل چیک اپ وقتاً فوقتاً کرایا جائے تاکہ

اس کی صحت برقرار رہے، اس کے ساتھ ساتھ حفظان صحت کے لئے ورزش اور تفریح کا بھی انتظام ہو۔

بیوی سے تعلق کی اجازت

ایک بالغ انسان کی بنیادی ضرورت کسی غم خوار کی تسلی یا مورل سپورٹ (moral support) ہے۔ نفسیاتی طور پر قیدی اپنے آپ کو تنہا اور بے بس سمجھنے لگتا ہے اور اس سے اس میں نفسیاتی بیماری پیدا ہونے کا اندیشہ رہتا ہے، نیز نیک سلوک، ہمدردی، محبت و مؤدت سے ایک ظالم شخص بھی صحیح راستے پر آسکتا ہے۔ اس لئے قیدی کا بنیادی حق یہ بھی ہے کہ اس کو اس کے رشتہ داروں سے ملنے دیا جائے خصوصاً بیوی سے ملاقات کی اجازت دی جائے تا کہ نفسیاتی و ذہنی طور پر اپنے آپ کو اکیلا نہ سمجھے، کیوں کہ قید خانہ صرف عقوبت خانہ ہی نہیں بلکہ اصلاح خانے بھی ہیں، قیدیوں کو سزا ان کی اصلاح کے لئے دی جاتی ہے نہ کہ انتقاماً ان سے بدلہ لیا جاتا ہے، لہذا قید خانوں میں دین وایمان کی حفاظت، اخلاق و کردار کی تعمیر کا نظم بھی ہونا چاہئے اور ہر اس سبب سے گریز کرنا چاہئے جس سے کہ قیدیوں کے اخلاق و کردار تباہ ہوں یا ان کے دین وایمان میں کمی واقع ہو۔

اس لئے احقر کی رائے یہ ہے کہ اگر جیل میں میاں بیوی کے لئے تخلیہ کے لئے سہولت مہیا کی جاسکتی ہو تو اس بات کی قیدی کو اجازت دینے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ کم از کم مہینے میں ایک دو بار بیوی سے ملاقات کر سکے، اس سے یہ ہوگا کہ قیدی کسی غلط راستہ پر نہ جائے گا جیسا کہ جیل خانوں میں یہ عام ہے کہ قیدی بری عادتوں کا شکار ہو جاتے ہیں، اس سے بچانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ قیدی کو بیوی سے تعلق کی اجازت دی جائے۔

تنگ وتاریک کوٹھری میں قید کرنے کا حکم

جیسا کہ اوپر ابھی احقر نے عرض کیا کہ قیدی کو قید اس لئے کیا جاتا ہے کہ وہاں اس کی

تربیت ہو، اخلاقی وتہذیبی اعتبار سے اس کو سنوارا جائے اور جس جرم میں یا برائی میں وہ ملوث ہے اس کے بارے میں اس میں یہ احساس پیدا کیا جائے کہ وہ جرم ہے گناہ ہے، قید کا مطلب انتقام نہیں ہے۔

لہٰذا قیدی کو کسی ایسی کوٹھری میں رکھنا جہاں وہ ٹھیک سے بیٹھ بھی نہ سکتا ہو یا باہر کی دنیا سے بالکل کٹ کر رہ گیا ہو غلط ہے، ایسا کرنا اخلاقی طور پر جائز نہیں، جیل کے حکام کو چاہئے کہ قیدی کو پاک، قدرتی روشنی وہوادار، دیگر سہولیات سے پر کمرہ میں قیدی کو رکھیں تا کہ اس کی جسمانی وذہنی صحت بحال رہے، پاکی وصفائی کے لئے الگ سے مقام ہو تا کہ وہ وہاں اپنی حوائج ضروریہ سے فارغ ہو اور غسل وغیرہ کر سکے۔

ج-قیدیوں کے عام سماجی حقوق

قیدیوں کو اخبارات پڑھنے، ریڈیو سننے کی اجازت

قیدی کو اخبارات پڑھنے کی اجازت دی جائے، یا کم از کم اس بات کا انتظام ہو کہ وہ عام عالمی وملکی حالات اور خود اس شہر کے حالات سے واقفیت رکھے چونکہ وہ بھی سماج کا ایک حصہ ہے، لہٰذا اس کا حق ہے کہ وہ عام حالات سے واقف رہے۔

قیدیوں کو فون پر احباب واقارب سے گفتگو کرنے کی سہولت

جیسا کہ اوپر احقر نے لکھا کہ ایک بالغ انسان کی بنیادی ضرورت کسی غم خوار کی تسلی یا مورل سپورٹ (moral support) ہے، نفسیاتی طور پر قیدی اپنے آپ کو تنہا اور بے بس سمجھنے لگتا ہے، لہٰذا فون پر وقتاً فوقتاً احباب واقارب سے گفتگو کی اجازت اس کو نفسیاتی طور پر خوش حال کرے گی اور وہ اپنے آپ کی اصلاح کی جانب توجہ دے سکے گا، نیز احباب واقارب بھی گفتگو میں اس کو نیک تلقین کر سکیں گے، احباب واقارب کو ملنے سے روکنے سے قیدی کی جسمانی وذہنی صحت پر برا اثر

پڑسکتا ہے، لہذا احباب واقارب سے ملاقات اور بات چیت کی اجازت ہونی چاہئے۔

قیدیوں کو آپس میں ایک دوسرے سے ملاقات کی اجازت

انسان کے سماجی حقوق میں سے ایک حق اپنے جیسے لوگوں سے ملاقات بھی ہے، قیدیوں کے لئے اس بات کی اجازت ہونی چاہئے کہ وہ دوسرے قیدیوں سے ملاقات کرسکیں۔

قیدیوں کو تعلیم وہنر سکھانے کا حکم

یہ بیحد ضروری ہے کہ قید کے ایام میں ان پڑھ قیدیوں کے لئے تعلیم کا اور بے ہنر قیدیوں کے لئے کوئی ہنر سیکھنے کا انتظام ہو، اس سے ان کی بہتر اصلاح ہوسکتی ہے اور مابعد قید وہ بہتر طور پر ایک شہری بن کر زندگی گزار سکیں گے۔

د- مرد وعورت اور بالغ ونابالغ کو الگ الگ قید خانوں میں رکھنا

قید خانوں میں مردوں اور عورتوں کو الگ الگ رکھا جائے، یہ ضروری بھی ہے اور اخلاقی اعتبار سے اہم بھی، مردوں اور عورتوں کے اختلاط سے کئی طرح کے دوسرے جرائم خود قید خانوں میں پنپنے لگتے ہیں، اس لئے مکمل طور پر مردوں اور عورتوں کو الگ الگ رکھا جائے۔

اسی طرح بالغوں ونابالغوں کو بھی الگ الگ قید خانوں میں رکھا جائے کیوں کہ اس سے بھی کئی مفاسد کے کھلنے کا امکان ہوتا ہے۔

۳- قیدیوں سے سچی بات اگلوانے کے لئے دھمکانے کی حد کیا ہے

قیدی سے سچی بات اگلوانے کے لئے اس کو ڈرایا دھمکایا جاسکتا ہے، اس کے لئے حد یہی ہے کہ ایسے مقامات پر مار لگائی جاسکتی ہے کہ جس سے کسی عضو کے تلف ہونے کا اندیشہ نہ ہو یا

جان جانے یا ہمیشہ کے لئے معذور ہو جانے کا خوف نہ ہو اور اتنی مقدار میں مار لگائی جاسکتی ہے جتنی کہ وہ سہہ سکتا ہے، بہتر تو یہ ہے کہ اس کو سمجھا بجھا کر، ہمدردی ومحبت سے سچی بات کہلوانے کی کوشش کی جائے، اگر مار پیٹ کے دوران قیدی ہمیشہ کے لئے معذور ہو جائے تو جیلر پر اس کا حرجانہ واجب ہوگا۔

سچی بات اگلوانے کے لئے قیدیوں کو بے لباس کرنا

کسی کو بے لباس کر دینا سزا کے طور پر ہی سہی یا سچائی جاننے کے لئے ہی سہی جائز نہیں ہے، یہ اہانت کے زمرے میں آتا ہے، کسی کی اہانت کی شریعت اجازت نہیں دیتی اور اس سے انسان کے اندر شرمندگی سے بغاوت کے جذبات ابھرتے ہیں، اس کے علاوہ کسی کو بے ستر کرنا یا بے ستر دیکھنا حرام ہے۔

سچی بات اگلوانے کے لئے قیدیوں کو مار پیٹ کرنا

سچی بات اگلوانے کے لئے معمولی طور پر مار لگائی جاسکتی ہے، اس کے لئے حد یہی ہے کہ ایسے مقامات پر مار لگائی جاسکتی ہے کہ جس سے کسی عضو کے تلف ہونے کا اندیشہ نہ ہو یا جان جانے یا ہمیشہ کے لئے معذور ہو جانے کا خوف نہ ہو اور اتنی مقدار میں مار لگائی جاسکتی ہے جتنی کہ وہ سہہ سکتا ہے، اگر مار پیٹ کے دوران قیدی ہمیشہ کے لئے معذور ہو جائے تو جیلر پر اس کا حرجانہ واجب ہوگا۔

سچی بات اگلوانے کے لئے قیدیوں کو الیکٹرک شاک لگانا

رسول اکرم ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا کہ کسی کو جلا کر مارا جائے، کیوں کہ جلانے کا حق صرف اللہ کی ذات کو ہے، لہذا سچی بات اگلوانے کے مقصد سے قیدیوں کو الیکٹرک

شاک نہیں لگایا جاسکتا، الیکٹرک شاک بھی جلانے کے زمرہ میں آتا ہے، اس طرح کی سزا دینا کسی بھی طرح جائز نہیں، اگر جیل کے حکام نے ایسی سزا دی اور اس سے قیدی کو ہمیشہ کے لئے جسمانی نقصان ہوگیا تو اس کا ہرجانہ جیلر کو ادا کرنا ہوگا۔

سچی بات اگلوانے کے لئے قیدیوں پر کتے چھوڑنا

یہ بھی جائز نہیں کہ قیدیوں سے سچائی جاننے کے لئے کتے چھوڑے جائیں، یہ غیر انسانی حرکت ہے، انسانی معاشرہ وسماج اس طرح کی انسانی اہانت کی اجازت نہیں دیتا، ایسی سزا دینا ناجائز ہے۔

قیدیوں کو سخت ٹھنڈک میں برف کی سلوں پر ڈال دینا

انسانی جان کی حفاظت ضروری ہے اور مقاصد شریعت میں سے ایک مقصد جان کی حفاظت ہے اس سلسلہ میں کوئی بھی ایسا فعل یا طریقہ جس سے انسانی جان جاسکتی ہے جائز نہیں ہے، چونکہ قیدی قید کی سزا پا رہا ہے، اس لئے اس کی جان کی حفاظت جیل کے حکام کے فرائض میں داخل ہے، اسلام جانوروں پر بھی نرمی ورحم دلی کا درس دیتا ہے، ایسی حالت میں کسی قیدی سے سچائی کو اگلوانے کے لئے سخت ٹھنڈک میں برف کی سلوں پر ڈال دینا اس کی جان کی ہلاکت کی کوشش ہے اور بے رحمی کی انتہاء ہے، لہذا ایسا کرنا اسلام میں سخت حرام ہے، اگر ایسی سزا دیتے ہوئے کوئی قیدی مر جائے تو جیل کے حکام پر قصاص یا دیت واجب ہوگی۔

قیدیوں کو مسلسل جاگنے پر مجبور کرنا

قیدیوں کو مسلسل جاگنے پر مجبور کرنا یا اس کے لئے رہائش میں تیز روشنی یا تیز آواز کا انتظام رکھنا بھی سخت حرام ہے، انسانی حقوق میں انسان کے آرام وسہولت کی فراہمی بھی داخل

ہے، قیدیوں کو مسلسل جگے رہنے پر مجبور کرنا بھی غیر انسانی حرکت ہے جس کی کسی بھی طرح شریعت اجازت نہیں دیتی، نیز اس طرح کی سزا سے قیدی کی ذہنی حالت بگڑنے کا اندیشہ رہتا ہے یا اسے نفسیاتی مرض لاحق ہوسکتا ہے اور ایسی صورت حال کو پیدا ہونے دینا جیل حکام کے لئے جائز نہیں، کیوں کہ قیدی کی برقراری صحت کی ذمہ داری جیل کے حکام کے ذمہ ہوتی ہے۔

قیدیوں کو زنجیروں میں جکڑے رکھنا یا ہتھکڑی یا بیڑی ڈالنا

قیدیوں کو اگر کہیں باہر لے جایا جارہا ہو تو ایسی صورت میں اس کو ہتھکڑی یا بیڑی ڈالی جا سکتی ہے، لیکن اگر وہ قیدی اپنے قید کئے ہوئے کمرے میں موجود ہے تو ایسی صورت میں اسے جسمانی آزادی ہونی چاہئے، کمرے میں یا جائے قید میں اس کو ہتھکڑیوں یا بیڑیوں میں جکڑے رکھنے کی اجازت نہیں ہوگی، لیکن اگر مجرم خطرناک ہے کہ زنجیروں میں یا بیڑیوں میں نہ رکھیں تو بھاگ جانے کا خدشہ ہو یا قید کی جگہ کھلے مقام پر ہو جہاں سے فرار کا راستہ مل سکتا ہے تو ایسی صورت میں اسے پابہ زنجیر کیا جا سکتا ہے، چنانچہ صحیح البخاری کی ایک حدیث ہے جس میں رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''عجب الله من قوم يدخلون الجنة فى السلاسل'' (بخاری، حدیث: ۲۹۴۴)۔

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قیدی کو زنجیریں پہنائی جا سکتی ہیں، اسلام میں اس کی اجازت موجود ہے۔

نیز امام مسلم نے ایک باب قائم کیا ہے: باب ربط الاسير وحبسه وجواز المن عليه (کتاب الجہاد والسیر) اس باب کے ذیل میں حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک روایت ذکر کی ہے، فرماتے ہیں: ''بعث رسول الله ﷺ خيلاً قبل نجد، فجاءت برجل من بنی حنيفة يقال له ثمامة بن أثال سيد أهل اليمامة فربطوه بسارية من سوارى المسجد.....الخ'' (

صحیح مسلم، حدیث: ۴۵۴۳)، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قیدیوں کو جکڑا جا سکتا ہے۔

قیدیوں کو خصوصی جرم پر قید تنہائی

قیدی کو جرم کے مطابق سزا دینے کی اجازت شرعاً موجود ہے، لیکن اس سزا کے دوران اس کے بنیادی حقوق متاثر ہوں یہ شریعت کو گوارا نہیں، قیدی کی صحت کا خصوصی طور پر خیال رکھنے کی ہدایت ملتی ہے، لہٰذا احقر کے خیال میں قید تنہائی کی اجازت نہ ہونی چاہئے: کیوں کہ اس سے قیدی کی صحت متاثر ہوتی ہے اور یہ شریعت کو گوارہ نہیں، رسول اکرم ﷺ نے قیدیوں سے نرمی کا معاملہ کرنے کا حکم دیا ہے چنانچہ ابوعزیز سے روایت ہے، کہتے ہیں: "كنت في الأسارى يوم بدر فسمعت رسول الله ﷺ يقول: استوصوا بالأسارى خيراً ...." (الاصابہ تمییز الصحابہ، تحت ترجمہ ابوعزیز بن عمیر..... ایضاً فی البیان والتعریف: رقم ۲۲۵ بحوالہ الطبرانی) یعنی ابوعزیز کہتے ہیں کہ میں بدر کے قیدیوں میں شامل تھا، چنانچہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

قیدیوں سے جبراً مشقت لینا اور اس کی اجرت کا حکم

جبراً مشقت قیدی کی سزا پر اور اس کی صحت پر منحصر ہے، اگر عدالت نے قید با مشقت کی سزا سنائی ہے تو ایسی صورت میں قیدی کی مرضی کے خلاف اس سے مشقت لی جا سکتی ہے بشرطیکہ وہ صحت مند ہو اور مشقت کے قابل ہو، لیکن اگر عدالت نے مشقت لینے کا حکم نہیں دیا ہو تو ایسی صورت میں اس سے جبراً مشقت لینا جائز نہیں اور قیدی کی صحت اس قابل نہیں یا عمر کے اس مرحلہ میں ہے جس میں وہ مشقت کر نہیں سکتا تو ایسی حالت میں مشقت لینا اخلاقی طور سے غلط بات ہے، حکام کو اس کی اجازت نہیں کہ ایسے قیدی سے مشقت لیں۔

کام لینے پر اس کی اجرت دینی چاہئے، قیدی اس کی اجرت کا حقدار رہو گا۔

زیر سماعت مقدمہ والے قیدی اور سزاء قید والے قیدی میں فرق

سزائے قید والے قیدی کے لئے وہی سزا ہوگی جو عدالت کی جانب سے دی جا چکی ہوگی اور زیر سماعت مقدمہ کے قیدی کو سزا دینے کی گنجائش نہیں ہے، البتہ عدالت کے حکم سے تفتیش کے لئے معمولی طور پر سزا دی جا سکتی ہے، لیکن دونوں طرح کے قیدیوں میں فرق ہونا چاہئے، زیر سماعت مقدمہ والے قیدی کی سزا ہی قید ہے، اس کو روکے رکھنا ہے، جب اس کا جرم ثابت ہو جائے تو ایسی صورت میں عدالت کے حکم پر اس کو سزا دی جا سکتی ہے۔

زیر سماعت مقدمہ کے قیدیوں کے مسائل

مسئلہ ہے کہ زیر سماعت قیدیوں کو اتنے دنوں تک فیصلے سے پہلے قید میں رکھنا جو ان کے اوپر عائد فرد جرم کی اصل سزا ہے، اس سلسلہ میں تفصیل یہ ہے کہ جرم ثابت ہو جانے پر اس کے لئے جو سزا دی جانے والی ہے، اس سے وہ بری ہو جائے گا کیوں کہ وہ سزا پا چکا ہے، بعد میں پھر سزا دینے کی گنجائش نہیں ہوگی، اگر جرم ثابت نہیں ہوا تو ایسی صورت میں عدالت یا حکام اسے دی جانے والی ناحق سزا کا ہرجانہ بھریں۔

اسی لئے بہتر ہے کہ زیر سماعت قیدی کے مقدمہ کا فیصلہ جلد از جلد کیا جائے اور یہ انتظام ہو کہ فیصلہ کی تاخیر سے قیدیوں کے حقوق متاثر نہ ہوں۔

ملزم کا جرم ثابت نہ ہو سکا، اس کو دی گئی قید کا حکم

اگر ملزم کو قید کر رکھا مگر بعد میں اس کا جرم ثابت نہ ہو سکا تو ایسی صورت میں اس کو دی گئی سزا یا دوران قید ہونے کی اذیت یا نقصان کی تلافی کے لئے اس شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ عدالت سے یا حکام۔ سے مالی ہرجانہ طلب کرے۔

قیدی کو مقدمات کے لئے وکیل کی خدمات کا حصول اور صفائی کا حق

قیدی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے مقدمہ کی پیروی کے لئے وکیل سے رابطہ کرے، قیدی کو وکیل سے رابطہ کے سلسلہ میں کسی بھی قسم کی رکاوٹ ناانصافی ہے، قیدی کا یہ بنیادی حق ہے کہ وہ اپنے مقدمہ کے سلسلہ میں اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لئے ہر جائز قدم اٹھا سکتا ہے، وکیل کی خدمات کا حصول بھی قیدی کا حق ہے۔

اسی طرح اپنی صفائی پیش کرنے کے سلسلہ میں بھی اس کو آزادی دینی چاہئے تاکہ وہ اپنی بے گناہی کو ثابت کر سکے، اس سلسلہ میں اس کو بھرپور موقع دیا جائے۔

خواتین قیدیوں کا اپنے شیر خوار بچوں کو ساتھ رکھنا

احقر کی رائے میں خواتین قیدیوں کو اس بات کی اجازت ہو کہ وہ اپنے شیر خوار بچوں کو ساتھ رکھ سکیں تاکہ اس بچہ کے لئے غذا کی فراہمی متاثر نہ ہو، لیکن اگر بچہ ماں کے بغیر یا ماں کے دودھ کے بغیر رہ سکتا ہے اور اس کی دیکھ بھال کرنے والے موجود ہیں تو ایسی صورت میں ٹھیک نہیں ہوگا کہ بچہ ماں کے ساتھ جیل کے ماحول میں رہے۔

شریعت کی نظر میں قیدیوں کے حقوق

مولانا اقبال احمد قاسمی کانپوری

مذہب اسلام نے جس طرح خبیث جرائم پر سخت سے سخت سزائیں دیکر انسانوں کو جرائم سے پاک ماحول فراہم کرنے کی کامیاب سعی کی ہے (جیسا کہ اسکی شہادت وہ ممالک دیتے ہیں جہاں شرعی سزائیں نافذ ہیں جبکہ دیگر ممالک میں جرائم روز افزوں ہیں) اسی طرح ان سزاؤں کے مستحق افراد کے حقوق کا بھی بھرپور خیال کیا ہے۔ اسلام کی نگاہ میں کسی کو سزاء کے مستحق ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اسکو بنیادی حقوق سے بھی محروم کردیا جائے انسان تو افضل مخلوق ہے اس کا مقام تو سب سے بلند ہے علماء نے احادیث کی روشنی میں یہاں تک لکھا ہے کہ ایسے جانور جن کو مارنا مستحب ہے، جیسے کہ سانپ بچھو وغیرہ ان کے مارنے کے حکم کا یہ مطلب نہیں کہ اگر ان کا پیاسا ہونا معلوم ہوجائے تو ان کو پانی نہ پلایا جائے، اس لئے کہ ہم مسلمانوں کو یہ حکم ہے کہ جس کو کسی وجہ سے قتل کیا جائے اس میں بہتری کی رعایت کی جائے اسی وجہ سے جس کو قتل کرنا ضروری ہے اس کے بھی ہاتھ پاؤں وغیرہ کاٹنے کی ممانعت ہے (فتح-فضائل صدقات ص ۱/۶۷)۔

غرضیکہ اگر کسی شخص کو کسی جرم کے ثبوت میں یا محض الزام کی بنا پر قید کیا گیا ہے تو اسکی قید و بند کی زندگی کے دوران اس کے تمام تر انسانی حقوق کا خیال رکھنا باعث اجر وثواب ہے، اور اس میں کسی قسم کی تفریق برتنا ناانصافی ہے۔ چنانچہ اللہ پاک نے نیک بندوں کی صفات میں مطلق قیدیوں کے خیال رکھنے کا بھی ذکر کیا ہے۔ ارشاد ہے:

ویطعمون الطعام علیٰ حبه مسکینا ویتیما واسیراً (دہر، ص ایبان القرآن)۔

وہ (اللہ کے نیک بندے) اللہ کی محبت میں مسکین، یتیم اور قیدیوں کو کھانا کھلانے کا اہتمام کرتے ہیں (باوجودیکہ وہ قیدی کافر اور لڑائی میں برسر پیکار رہتے تھے)۔

جہاں تک قیدیوں کے حقوق کی تفصیلات ہیں ان کا تذکرہ سوالنامہ کی ترتیب کے مطابق حسب ذیل ہے۔

۱-قید احتیاطی-بلا ثبوت جرم محض الزام کی بنا پر قید کرنا

کسی ملزم کو اسکے جرم کا ثبوت فراہم ہوئے بغیر قید کرنے کے سلسلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے چونکہ قید بھی ایک قسم کی سزاء ہے اور آدمی کی حیثیت اس سے مجروح ہوتی ہے اس لئے جب تک واقعی جرم ثابت نہ ہو کسی کو قید کرنا زیادتی ہوگی اس کے برخلاف فقہاء کی ایک جماعت بتقاضائے احوال تفتیش کے طور پر یا احتیاطاً قید کئے جانے کے جواز کی قائل ہے۔

علامہ وہبہ زحیلی فرماتے ہیں:

قال جماعة من الفقهاء لمشروعية الحبس بدليل ان النبی صلی الله علیه وسلم حبس رجلا فی تهمة ثم خلی عنه، وهذا هو الحبس الاحتیاطی۔
(الفقہ الاسلامی وادلتہ: ۷/ ۵۵۹۲)۔

فقہاء کی ایک جماعت حبس وقید کے جواز کی قائل ہے، دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تہمت زدہ شخص کو قید میں رکھا پھر تفتیش کے بعد اس کو چھوڑ دیا یہی ''قید احتیاطی'' ہے (جو فقہاء کے نزدیک جائز ہے)۔

فما رواه الترمذی وغیره عن بهز بن حکیم عن أبیه عن جده أن النبی صلی الله علیه وسلم حبس رجلا فی تهمة ثم خلی عنه وفی لفظ البیهقی: حبس رجلا فی تهمة ساعة من النهار! (ترمذی وابوداؤد) بحوالہ القضاء ونظامہ ص ۵۵۱)۔

ترمذی میں ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تہمت کی بنا پر ایک شخص کو گرفتار کیا پھر اس کو بری کر دیا، بیہقی میں ہے کہ متہم شخص کو دن میں تھوڑے وقت کے لئے قید میں رکھا تھا۔ (کذا فی ابوداؤد و ترمذی)۔

مذکورہ بالا تصریحات سے محض الزام و تہمت کی بنا پر برائے تحقیق و تفتیش کسی کو قید کرنے سے متعلق جواز کی ترجیح معلوم ہوتی ہے ساتھ ہی یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ یہ مدت مختصر ہونی چاہئے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدی کو جلد رہا کیا باقی قید احتیاطی کی مدت کیا ہونی چاہئے اس کی مستقل بحث کی ضرورت ہے۔

قید احتیاطی کی مدت

مذکورہ بالا عبارت اور حدیث شریف سے صرف یہ روشنی ملتی ہے کہ یہ قید احتیاطی بس مختصر وقفہ کے لئے ہی ہو لیکن یہ بات بھی کہی جاسکتی ہے کہ وہاں معاملہ نے سنگین رخ نہ اختیار کیا ہو اور چند گھنٹوں کی کارروائی سے اطمینان حاصل ہو گیا ہو اس لئے معاملہ کی نزاکت کے اعتبار سے مدت میں کمی وبیشی کی اجازت ہونی چاہئے جیسا کہ خود حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ مقروض اگر مالدار ہونے کے باوجود ٹال مٹول کر رہا ہے تو اس کی قید کو ادائیگی قرض تک بڑھا دیا جائے جبکہ تنگ دست مقروض کے لئے تو خود قرآن سفارش کرتا ہے ''وإن كان ذو عسرة فنظرة إلى ميسرة وأن تصدقوا خير لكم'' (البقرہ) چونکہ جرائم کی نوعیت مختلف ہوتی ہے بعض جرائم معمولی نوعیت کے ہوتے ہیں جبکہ بعض بہت اہم لہٰذا جرم کی شدت اور خفت کے اعتبار سے حبس و قید کی مدت میں کمی زیادتی ہوگی جیسے کہ تعزیر کے باب میں اسباب تعزیر کے اعتبار سے سزاء قید کی مدت میں کمی وبیشی ہوتی رہتی ہے۔

وتختلف مدة الحبس في التعزير باختلاف اسبابه وموجباته ولذا فلا يمكن تقديره قال بن فرحون في تبصرة الاحكام فحبس التعزير راجع إلىٰ

اجتهاد الحاكم يقدر ما يرى أنه ينزجر به۔ (القضاء ونظامہ ص ۵۵۶)۔

تعزیری قید کی مدت اسباب تعزیر کی نوعیت کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے اسی لئے اس کا کوئی متعین اندازہ ممکن نہیں۔ تبصرۃ الحکام میں ابن فرحون فرماتے ہیں کہ یہ حاکم کے اجتہاد ورائے پر موقوف ہے وہ مجرم کی تنبیہ کے لئے جس قدر قید مناسب سمجھے متعین کرسکتا ہے۔

اس موقعہ پر علامہ شامی نے کتاب السرقۃ میں قید احتیاطی کی اکثر مدت ایک ماہ ہونے کا قول بھی نقل کیا ہے۔

فيحبس حتى يكشف أمره قيل شهراً (شامی ص ۶/ ۱۴۷)

کسی شخص کو اس کا معاملہ منکشف ہونے تک قید میں رکھا جاسکتا ہے بعض فقہاء اس کی مدت ایک ماہ بیان کرتے ہیں۔

بظاہر قید احتیاطی کی مدت کا فیصلہ مفوض الی رأی القاضی ہونا چاہئے کہ وہ جرم اور مجرم نیز الزام اور ملزم کے فرق اور واقعات کی نزاکت کے پیش نظر کوئی فیصلہ صادر کرے۔

۲- قیدیوں کے ضروری حقوق اور آزادی کے حدود

انسانوں کو جرائم سے روکنے اور مجرموں کو زجر و توبیخ کے لئے ضرورتاً قید و بند کی اجازت ہر قانون اور شریعت میں دی گئی ہے، اگرچہ کسی انسان کو آزادی جیسی نعمت سے محروم کرکے قید میں رکھنا ہی مستقل سزاء ہے اس لئے بظاہر یہ حقوق انسانی کے خلاف ہے لیکن تنبیہ اور اصلاح کی ضرورت کے پیش نظر نصوص میں اس کی اجازت دی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إنما جزاء الذين يحاربون الله ورسوله ويسعون في الايرى ض فساداً أن يقتلوا أويصلبوا أوتقطع ايديهم وارجلهم من خلاف أو ينفوا من الارض۔ (المائدہ ص ۳۳)

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور ملک میں فساد پھیلانے میں لگے

رہتے ہیں ان کی سزاء بس یہی ہے کہ وہ قتل کیے جائیں یا سولی دیے جائیں یا ان کے ہاتھ اور پیر مخالف جانب سے کاٹے جائیں یا وہ ملک سے نکال دیے جائیں۔

مجرم کو قید خانہ میں بند کرنا یہی اس کا زمین سے نکالنا ہے امام اعظم ابوحنیفہ کی یہی رائے ہے۔ (معارف القرآن ۳/ ۱۲۲)

وموضع الاستدلال فی الآیة قوله تعالیٰ "أو ینفوا من الأرض فان المراد بالنفي الحبس هذا علی راء الاحناف (القضاء ونظامہ ص ۱۵۵)۔

محل استدلال آیت میں "**أو ینفوا من الارض**" کا جملہ ہے کیونکہ مراد نفی الارض سے حبس اور قید ہے۔ یہی احناف کی رائے ہے۔

لیکن کسی کو قید میں ڈالے جانے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ وہ اب ہر ناروا سلوک کا مستحق ہو گیا اور دیگر حقوق انسانی کے قابل نہیں رہا بلکہ وہ عام انسانوں کی طرح اپنے مذہبی حقوق (عبادت، مطالعہ اور ان کی مذہبی کتب کا احترام وغیرہ) نیز جسمانی حقوق (خوراک، پوشاک، علاج اور صحت کا لحاظ) اسی طرح سماجی حقوق (عزیز واقارب سے میل ملاقات، فون پر محتاط گفتگو، ذرائع ابلاغ کے استعمال) یا اخلاقی حقوق (مرد وعورت کے قید میں امتیاز برتنا اور علیحدہ نظم رکھنا، بالغ نابالغ کے لئے الگ الگ قید خانہ بنانا وغیرہ) کا برابر طور پر مستحق رہتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ جرم خواہ کتنا ہی سنگین ہو اور اس کی سزاء عمر قید یا موت کیوں نہ ہو تاہم قیدیوں کے انسانی حقوق برقرار رہیں گے۔ علامہ زحیلی لکھتے ہیں:

الکرامة حق طبعي لکل انسان رعاها الاسلام فلا یجوز إهدار کرامة أحد أو اباحة دمه وشرفه، سواء کان لحسنا أو سیئا، مسلما او غیر مسلم، لان العقاب اصلاح وزجر لا تنکیل واهانه، ولایحل شرعاً السب والاستهزاء والشتم کما لایجوز التمثیل بأحد حال الحیاة أو بعد الممات، ولو من اعداء

اثناء الحرب أو بعد انتهائها، ويحرم التجويع والاظماء والنهب والسلب۔ (الفقہ الاسلامی ص ۶۲۰۸)۔

احترام انسانیت ہر انسان کا فطری حق ہے اسلام نے ہر موقع پر اسکی رعایت کی ہے لہٰذا کسی کی بے عزتی کرنا یا اسکے خون اور شرافت کو مباح سمجھنا جائز نہیں ہے خواہ کوئی نیکوکار ہو یا بدکار، مسلمان ہو یا غیر مسلم، کیونکہ سزا کا مقصد اصلاح اور تنبیہ ہے نہ کہ محض توہین، اور شرعاً برا بھلا کہنا اور استہزاء کرنا گالی دینا حلال نہیں ہے۔ جیسا کہ کسی کا مثلہ کرنا زندگی کی حالت میں یا مرنے کے بعد جائز نہیں ہے اگرچہ دوران جنگ دشمنوں سے سابقہ ہو یا جنگ کے بعد، اور بھوکا، پیاسا رکھنا بھی حرام ہے، اور کسی مجرم کے ساتھ لوٹ کھسوٹ کا معاملہ کرنا بھی ناجائز ہے۔

وإن للسجين الحق على الدولة في الغذاء وادكساء والمأوى الملائم ومنع التعذيب الوحشي وغير ذلك من أصول الحفاظ على الكرامة الانسانية۔ (ص ۷/۵۳۲۵)۔

حکومت پر قیدیوں کے سلسلہ میں ذمہ داری ہے (یعنی قیدیوں کا حق ہے) کہ ان کو غذاء، لباس، مناسب رہائش فراہم کرے اور وحشیانہ سزا وغیرہ سے پرہیز کرے اور حفظانِ صحت کے اصول پر انسانی حقوق کا خیال رکھے۔ (الفقہ الاسلامی)۔

مذکورہ مسئلہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کے جیل خانہ کی زندگی کا اگر مطالعہ کیا جائے تو قرآن کریم سے بھی رہنمائی ملتی ہے کہ جیل خانہ میں مذہبی آزادی بھی تھی صرف مذہبی امور کی انجام دہی کی آزادی نہیں بلکہ تبلیغ کی بھی آزادی تھی جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے دیگر قیدیوں کو تبلیغ کرتے ہوئے کہا "يصاحبي السجن أأرباب متفرقون خير أم الله الواحد القهار" (یوسف) اسکے علاوہ غذا وغیرہ کی فراہمی وقت کے اہتمام کے ساتھ ہوتی تھی کما يدل قوله تعالىٰ "قال لاياتيكما طعام ترزقانه إلا نباتكما بتاويله قبل أن ياتيكما"

اسی کے ساتھ قیدیوں کو اپنے متعلقین سے ملنے کی اجازت تھی کہ وہ ان کے پاس آ جاسکیں جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس ایک شخص جیل میں آ کر گفتگو کرتا ہے "یوسف أی الصدیق افتنا فی سبع بقرات" ان قرآنی ارشادات سے کافی حد تک قیدیوں کے حقوق کا خلاصہ واضح ہو جاتا ہے جس کا حاصل یہی ہے کہ قیدیوں کی سزا سے قطع نظر وہ قید و بند کی حالت میں حقوق انسانی سے محروم نہیں کئے جانے چاہئیں۔

۳- سچ اگلوانے اور اقرار جرم پر مجبور کرنے والی سزائیں اور ان کا حکم

لہٰذا قیدیوں سے سچی بات اگلوانے کے لئے ٹارچر کرنا انھیں الکٹرک شاک لگانا، ان کے ناخن اکھیڑ لینا، ان کو بے لباس کر دینا، کتے چھوڑ دینا، ٹھنڈک کا عذاب دینا پانی میں ڈبکی دینا، برف کی سلی پر لٹا دینا، مذہبی کتابوں کی بے حرمتی کرنا تیز روشنی یا تیز آواز لگا دینا وغیرہ صورتیں اختیار کرنا قطعاً ناجائز وحرام ہے۔ البتہ زبانی دھمکانا اور چند کوڑے وغیرہ لگا کر بات کی تحقیق کرنا بھی صرف انھیں ملزموں سے جائز ہوگا جن کا ریکارڈ پہلے سے مشتبہ یا خراب رہا ہو صاف ستھرے لوگوں کو ملزم بنا کر ان کو اذیت میں مبتلا کر کے کسی معاملہ کے لئے اقبال جرم کرانا شرعاً ناجائز وحرام ہے اور ایسے اعتراف جرم کے کوئی معنی نہیں ہوں گے اور اس کو شرعاً مجرم نہیں مانا جائے گا۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے: شامی ۶/۷/۱۴، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷/۵۳۱۷)۔

۴- قیدیوں کو زنجیروں میں جکڑنا یا ہتھکڑی اور بیڑی ڈالنا

شرعاً مجرم جن سزاؤں کا مستحق ہے وہ اپنے وقت پر بھگتے گا اس سے قبل ہی اس کو قید کی حالت میں زنجیروں میں جکڑنا، انھیں بیڑی ڈالنا یا ہتھکڑی پہنانا جائز نہیں ہے البتہ اگر مجرم کے بارے میں یہ اندیشہ ہو کہ وہ گرفتاری سے راہ فرار اختیار کر سکتا ہے یا پیشی پر لے جاتے وقت چکمہ دے کر نکل سکتا ہے ایسی صورتوں میں زنجیروں میں جکڑنے یا بیڑی ڈالنے کی گنجائش ہے، لیکن قید

خانوں میں جہاں بھاگنے کا کوئی امکان نہیں ہوتا وہاں اس قسم کی بندشوں کی حاجت نہیں ہوتی لہذا قید خانہ میں جکڑ کر رکھنا انسانیت سوز حرکت ہوگی جو کہ اسلامی قانون کے رو سے بجائے خود ظلم کے مترادف ہے آج دنیاوی قید خانے اور جیل خانے اسی قسم کے مظالم سے بھرپور ہیں۔ علامہ حصکفی فرماتے ہیں:

ولا يغل إلا إذا خاف فراره فيقيد۔ (درمختار، شامی ص ۷/ ۵۸ کتاب القضاء)۔

اور طوق نہ پہنایا جائے، مگر جب کہ اس کے فرار ہونے کا خطرہ ہوتو جکڑا جاسکتا ہے۔

علامہ زحیلی لکھتے ہیں:

انهٔ لاغل ولاتجريد ولا تصفيد ولا تمثيل في الاسلام۔(ص ۷/ ۵۳۲۵)۔

اسلام میں نہ طوق پہنانا ہے، نہ بے لباس کرنا، نہ بیڑی ڈالنا اور نہ ہی مثلہ بنانا ہے (ہاتھ پاؤں وغیرہ کاٹنا)

۵- کسی مجرم کو قید تنہائی کی سزا دینا

قید خانہ کی زندگی میں عام حالات میں قیدیوں سے ان کے رشتہ داروں اور پڑوسیوں وغیرہ کو ملنے کی اجازت ہوتی ہے اس کے علاوہ جیل خانہ خود آباد رہتا ہے وہاں قیدیوں کی بھیڑ ہوتی ہے جس میں ایک دوسروں سے ملاقات اور گفتگو کے مواقع ہوتے ہیں رہا مسئلہ کہ خاص جرم کی بنا پر کسی قیدی کو اس طرح مقید رکھنا کہ وہ سب سے الگ تھلگ بند کر کے رکھا جائے اور کوئی اس سے مل نہ سکے جسے "قید تنہائی" سے تعبیر کیا گیا ہے اسکی بھی اجازت فقہاء کی عبارتوں سے ملتی ہے نیز حدیث پاک میں جو غزوۂ تبوک کا واقعہ ملتا ہے اس میں متخلفین مخلصین کے ساتھ بھی تو قید تنہائی جیسا حکم تھا جیسا کہ تفصیل کتابوں میں ملتی ہے۔

ردالمحتار میں ہے:

قيل يطين عليه الباب ويترك له ثقبه يلقى له الخبز والماء وقيل

الرأي فيه للقاضي۔ (حوالۂ بالا)۔

بعض فقہاء کا قول ہے کہ دروازہ پر مٹی لیپ کر اس میں ایک سوراخ کھلا چھوڑ دیا جائے جس سے اسکو روٹی پانی دیا جا سکے اور ایک قول یہ ہے اس قاضی کی رائے پر عمل کیا جائے گا۔

قید تنہائی کے علاوہ دیگر قیدیوں کی بابت حکم میں بھی ملاقات وغیرہ کی اجازت محدود ہوتی ہے جیسا کہ درمختار کتاب القضاء میں ہے:

ولا يمكن أحد أن يدخل عليه للاستئناس إلا اقاربه وجيرانه لإحتياجه الشاورة ولايمكثون عنده طويلا۔ (درمختار مع الشامی ۸/۵۵)۔

مجرم کے پاس انسیت اور دل بہلانے کے لئے سوائے اقارب اور پڑوسیوں کے باقی کسی کو اجازت نہیں ہے اور ان سے ملاقات کی اجازت مشورہ وغیرہ کی ضرورت کی بنا پر ہے لہٰذا ان کے پاس دیر تک یہ لوگ بھی نہیں ٹھہر سکتے۔

خلاصہ کلام یہ کہ بعض خصوصی احوال میں کسی خاص مجرم کے لئے قید تنہائی کی سزاء تجویز کرنا قاضی کے لئے جائز ہے قاضی جس قدر اور جتنی مدت قید تنہائی کی ضرورت مجرم اور جرم کے اعتبار سے مناسب سمجھے وہ اس کا فیصلہ کر سکتا ہے۔

۶-قیدیوں سے جبریہ کام لینے اور اس کی اجرت کا مسئلہ

شامی میں ہے:

ولا يتكسب فيه، وقد صرح في البحر وغيره بأن الأصح المنع لأن الحبس مشروع ليضجر، ومتى تمكن من الاكتساب لا يضجر فيكون السجن له بمنزلة الحانوت۔ (کتاب القضاء شامی ۸/۵۷)۔

قیدخانہ میں قیدی کمائی نہ کرے گا، بحر وغیرہ میں ہے کہ اصح قول یہ ہے کہ قیدی کو کمانے سے روکا جائے گا، کیونکہ قید تنبیہ کے لے مشروع ہوا ہے اور جب وہ وہاں کمانے میں بلا

اختیار ہوگا تو تنبیہ نہ رہے گی بلکہ قید خانہ اس کے لئے تو گویا دوکان بن جائے گا (شامی)۔

قیدی کو از خود کمانے اور اجرت پر کام کرنے کی آزادی نہ ہوگی تاہم قیدیوں کو اسکی اجازت دی جاسکتی ہے خصوصا طویل المیعاد قیدی کے لئے مناسب ہے کہ اجرت پر اس سے کام لیا جائے تا کہ اس کا بھی بھلا ہو اور حکومت کا بھی البتہ جبریہ کام لینا یا بلا اجرت کام لینا یہ تعزیراً واقعی قیدی مجرم کے لئے جو قید با مشقت کی زندگی کے زمرہ میں ماخوذ ہو اس کے لئے ایسی تعزیر قاضی وحاکم کی اجازت سے جائز ہے۔

۷- مجرم اور ملزم کا فرق

جن قیدیوں کا مقدمہ ابھی زیر سماعت ہے وہ ابھی مجرم نہیں قرار پائے ہیں صرف ملزم ہیں اور وہ بری بھی ہوسکتے ہیں ایسے قیدی اور ان کے علاوہ باضابطہ مجرم قرار دیئے گئے اور سزاء قید کا فیصلہ سنائے گئے قیدیوں کے درمیان زمین وآسمان کا فرق ہے۔ کیونکہ فقہ کا مشہور اصول ہے کہ جب تک جرم ثابت نہ ہو جائے ملزم اور متہم شخص کو بری تصور کیا جائے گا لہٰذا ان کے ساتھ مجرموں جیسا سلوک جائز نہ ہوگا۔ وہبہ زحیلی فرماتے ہیں:

وإن الأصل في المتهم البراء ة حتى تثبت إدانته۔ (الفقہ الاسلامی ۷/ ۶۴۵۳)۔

متہم شخص کے بارے میں اصل تو یہی ہے کہ وہ بری ہے الا یہ کہ اس کا قصور ثابت ہو جائے۔

بہر حال وہ متہم شخص جو کسی بھی وقت بری ہو سکتا ہے اور وہ مجرم شخص جس کے لئے سزاء قید کا فیصلہ ہو چکا ہو دونوں کیسے ہم پلہ ہو سکتے ہیں لہٰذا زیر سماعت قیدی اور فرد جرم عائد شدہ قیدی کے مابین قید خانہ کے سلوک میں فرق قرین قیاس اور مقتضاء عدل وانصاف ہے۔

۸-اصل مجرم کی سزاء قید کے برابر زیر سماعت قیدی کو مقید کرنا

زیر سماعت قیدیوں کو جن کو محض الزام یا اتہام اور شبہ کی بنا پر قید میں لیا گیا ہو اگر ان کا ریکارڈ پہلے سے داغدار نہیں ہے تو ان کو قید میں رکھنا ہی شرعاً درست نہ ہوگا جو حضرات کسی جرم میں واقعی مشکوک ومشتبہ ہوں ان کو گرفتار کرنے اور قید کر دینے کی اجازت تو ملتی ہے لیکن زمانہ قید اتنا طویل ہرگز نہ ہونا چاہیئے جو کہ اصل جرم کی سزاء کے مساوی ہو یہ طویل قید عقل ونقل کے سراسر خلاف ہوگی حکام کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ ملزم بنائے گئے شخص کے بارے میں بعجلت ممکنہ طے کرے کہ یہ قید میں رکھے جانے کے قابل کسی جرم میں ملوث ہے یا بری ہے۔قیدیوں کی سماعت کو اتنا سست بنا دینا کہ وہ قید ملزم کے لئے مجرم کے کٹھرے میں کھڑے شخص کی مانند ہو جائے بجائے خود یہ ظلم کے مرادف ہے۔الزام ثابت نہ ہو پانے کے باوجود محض الزام کی بنا پر جیل میں رکھ کر اس کی زندگی کا قیمتی حصہ برباد کر دینا انصاف نہیں بدترین ظلم ہے۔آخر کفالت وضمانت کا قانون موجود ہے پھر اس کے باوجود سالہا سال قیدی رکھنا اور ضمانت پر بھی رہا نہ کرنا سرکاری ظلم نہیں تو اور کیا کہا جائے گا۔

رہا یہ مسئلہ کہ ایسے زیر سماعت قیدیوں کو کتنی مدت قید میں رکھ سکتے ہیں تو اس کی کوئی متعینہ حد شرعاً نہیں ہے البتہ بعض عبارات سے زائد سے زائد مدت ایک ماہ معلوم ہوتی ہے۔

فيحبس حتى يكشف أمره وقيل شهراً (شامی ص ۱۴۷ کتاب السرقۃ)۔

ملزم کو اس کا معاملہ واضح نہ ہونے تک مقید رکھا جائے اور بعض نے ایک ماہ قید کی بات کہی ہے۔

۹-ملزم کے بری ثابت ہونے پر مدت قید کا حرجانہ

ملزم کو کسی شکایت یا شبہ کی بنا پر کچھ وقت کے لئے حراست میں لینا تو شرعاً جائز اور

معمول کی کارروائی میں شامل ہے اگر ایسے ملزم کو عدالت نے بری کر دیا تو معمولی مدت کی قید میں رکھنے کا کوئی جرمانہ شرعاً عائد نہیں ہوتا حدیث میں ہے:

فما رواه الترمذی وغیره عن بهز بن حکیم عن أبیه عن جده أن النبی صلی الله علیه وسلم حبس رجلا فی تهمة ثم خلی عنه وفی لفظ البیهقی حبس رجلا فی تهمة ساعة من النهار. (القضاء ونظامہ، ص ۵۵۱)۔

ترمذی نے بہز بن حکیم کی روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو تہمت کی بنا پر قید کیا پھر اس کو چھوڑ دیا اور بیہقی کے الفاظ ہیں کہ دن میں تھوڑی دیر کے لئے اسکو تہمت کے تحت گرفتار کیا تھا۔

اور اگر کسی جرم کے الزام میں اتنے دنوں تک قید میں رکھا گیا جتنے دن قید کی ضرورت نہ تھی تو اب برأت کے بعد مالی ہرجانہ اور ضمان کا استحقاق ہوگا یا نہیں بظاہر اس صورت میں احناف کے اصول ''المنافع لاتضمن'' کے پیش نظر ایسے شخص کے لئے بھی مالی ہرجانہ کا حق نہ ہونا چاہئے کیونکہ حراست کی وجہ سے اس کی جسمانی منفعت فوت ہوئی ہے اگر آزاد ہوتا تو کچھ منافع حاصل کر سکتا تھا لیکن اس حراست اور قید نے گویا اس کے منافع کو غصب کر کے ضائع کر دیا اور عند الاحناف منافع کا چونکہ ضمان نہیں لہٰذا یہاں پر بھی کسی قسم کا ہرجانہ وصول کرنے کا حق نہ ہونا چاہئے۔

لیکن اگر احناف کے اس اصول پر یہاں عمل کیا گیا تو تحقیق کے نام پر پکڑے گئے قیدیوں کو وقت پر چھٹکارہ بھی مشکل سے ملے گا اور نقصان کی تلافی بھی نہیں ہو سکے گی۔ اس لئے اس قسم کے ظلم کے سدباب کے لئے جس طرح بعض جگہوں میں منافع کو قابل ضمان مان لیا گیا ہے یہاں بھی تلفِ منفعت کی وجہ سے ضمان دلانا عین مصلحت اور تقاضائے انصاف ہوگا۔

امام نووی کتاب الجنایات میں لکھتے ہیں:

وإن جنى على حر جناية نقص بها جمال أو منفعة ولا ارش لها مقدر ذكرنا انه يجب فيهما حكومة۔ (کتاب المجموع للنووی ۲۰/۵۴۸)۔

اور اگر کسی آزاد کا کوئی ایسا نقصان کیا جس سے اس کے جمال میں کمی واقع ہوئی یا منفعت ختم یا کم ہوگئی اور اس کا کوئی متعین تاوان مقرر نہ ہو تو ہم اس سلسلہ میں ذکر کر چکے ہیں کہ (حاکم، یا دو عادل شخص کا) فیصلہ معیار ہوگا کہ وہ اس کا ہرجانہ طے کرے۔

اس عبارت سے جمال میں کمی اور منفعت کے ضیاع پر ہرجانہ کا ثبوت ملتا ہے اور مذکورہ مسئلہ میں بھی لمبی قید کے سبب صلاحیت بھی متاثر ہوتی ہے جو کہ جسم کا معنوی جمال ہے اور جسمانی و مالی منفعت بھی ضائع ہونا ظاہر ہے ذہنی اذیت بھی دماغی منفعت میں نقص پیدا کرتا ہے ان وجوہ سے ضمان لازم ہونے کا قول اختیار کرنا چاہئے جیسا کہ شوافع کا یہی مسلک ہے جو علامہ نووی کی کتاب سے ظاہر ہے۔ اگرچہ احناف کے یہاں اس سلسلہ کی صراحت نظر سے نہیں گزری تاہم عصر حاضر میں مذکورہ مسئلہ میں شوافع کا قول قابل عمل نظر آتا ہے۔ ورنہ مظالم کی راہ انصاف کی آڑ میں کھل جائے گی جیسا کہ آج کی حکومتوں کا رویہ ہے۔

۱۰-مقدمات کے لئے قیدیوں کو وکیل کرنے کا حق

وکالت کا ثبوت کتاب و سنت سے ہے، اور وکیل کسی بھی معاملہ میں اپنے مؤکل کا ترجمان ہوسکتا ہے، وکالت کی صورت عقلاً بھی مسلم ہے کیونکہ بسا اوقات انسان کو ایسے اعذار اور عوارض پیش آتے ہیں مثلاً بیماری، وطن سے دوری، کثرت مشاغل یا اپنے مافی ضمیر کو اچھی طرح ادا نہ کرسکنا وغیرہ کہ ان وجوہ سے ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ آدمی اپنی طرف سے کسی کو اپنا وکیل اور نائب بنائے اور ظاہر ہے کہ نیابت کے فرائض انسان جب ہی انجام دے سکے گا جب مؤکل سے ملنے اور سارے حالات جاننے اور بتلانے کی مکمل آزادی ہو، اسی طرح کوئی بھی قیدی عدالت کے روبرو اپنی برائت کے دلائل جب ہی اچھی طرح پیش کرسکتا ہے جبکہ وہ قانون، اور

اپنے مافی ضمیر کی ادائیگی پر پوری قدرت رکھتا ہو ورنہ جرم سے بری ہونے کے باوجود عین ممکن ہے کہ وہ مجرم ہی قرار پا جائے اور صاحب حق ہونے کے باوجود حق سے محروم رہ جائے جیسا کہ حدیث میں اس کا ذکر ہے:

عن ام سلمة رضی الله عنها أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال إنما أنا بشر مثلكم وإنكم تختصمون إلي ولعل بعضكم أن يكون ألحن بحجته من بعض فاقضي على نحو ما أسمع فمن قضيت له بحق أخيه شيئا فلا يأخذ فانما اقطع له قطعة من النار. (بخاری و مسلم بحوالہ القضاء و نظامہ ص ۶۴)۔

ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہاری طرح انسان ہوں اور بیشک تم لوگ میرے پاس مقدمات لاتے ہو اور بسا اوقات تم میں بعض لوگ اپنی بات چرب زبانی سے ثابت کر لے جاتے ہیں اور میں گفتگو کے مطابق فیصلہ بھی کر دیتا ہوں لیکن کسی کے لئے اگر کسی بھائی کی کوئی چیز کا فیصلہ کر دوں تو وہ اس کو ہرگز نہ لے لے کیونکہ یہ تو اس کے لئے جہنم کا ٹکڑا ہوگا جو میں دے رہا ہوں (بخاری و مسلم بحوالہ القضاء و نظامہ ص ۶۴)۔

خلاصہ کلام یہ کہ دیگر معاملات حقوق کی طرح جرم و سزا کے مقدمات میں بھی قیدی کو حق ہے کہ وکیل سے رابطہ کرے اور صفائی پیش کرنے کے لئے رائے و مشورہ لے، البتہ حدود و قصاص جیسے معاملات میں مؤکل کی حاضری وکیل کے ہمراہ لازم ہوگی کیونکہ حدود و قصاص میں کسی کی قائم مقامی شرعاً درست نہیں۔

۱۱- قیدی خواتین کو اپنے شیر خوار بچے کو ساتھ رکھنے کا حق

حدیث میں ہے:

عن أبي أيوب قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من فرق بين والدة وولدها فرق الله بينه وبين أحبته يوم القيمة.

والعمل علی ھذا عند أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم وغیرھم، کرھوا التفریق بین السبی بین الوالدۃ وولدھا وبین الولدو الوالد وبین الاخوۃ۔ (ترمذی شریف ص ۲/۲۸۵)۔

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے ماں اور اس کے بچہ کے درمیان جدائیگی پیدا کی اللہ پاک اس کے اور اسکے دوستوں کے درمیان قیامت میں تفریق پیدا کردیں گے۔ صحابہ کا یہی عمل رہا ہے کہ وہ قیدی کے درمیان اس طرح تفریق کو مکروہ جانتے ہیں کہ ماں اور اس کے بچے کو یا بچے اور اس کے باپ کو یا بھائی بھائی کو جدا جدا کردیا جائے۔ (دیکھئے: کتاب المجموع ۱۰/۳۲۶، شامی ۶/۲۱)۔

قیدی ماں کو اپنے دودھ پیتے بچہ کو ساتھ رکھنے کے مسئلہ کا تعلق بچہ کی حضانت کے باب سے بھی ہے حق حضانت ماں کا بنیادی حق ہوتا ہے، اس لئے میاں وبیوی کی جدائی کے بعد بھی ماں کو حق تربیت باقی رہتا ہے، اور یوں بھی بچہ کے حقوق کی رعایت بہر حال ضروری ہے، رضاعت، حضانت اور پرورش یہ بچہ کے حقوق ہیں اور ظاہر ہے ان حقوق کی ادائیگی ماں سے بہتر دوسرا کوئی نہیں کرسکتا لہٰذا قیدی ماں کو بھی بچہ کی پرورش کا حق رہے گا، البتہ اگر بچہ کے اعزاء واقرباء (محارم) میں ایسے افراد موجود ہوں جو بچہ کو اچھی طرح تربیت کرسکیں تو پھر حسب موقع ماں کے بجائے دوسرے محارم سے تربیت کی خدمت لی جائے گی اور ماں کو قید میں بچہ کو رکھنے کا حق پھر نہ رہے گا۔

لیکن بحالت قید ماں کتنے دنوں تک اپنے بچہ کو ساتھ رکھ سکتی ہے اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ ہے کہ عام حالات میں اتنی طویل قید ہی شرعاً نامناسب ہے کہ جیل میں اتنی لمبی حضانت کا مسئلہ پیدا ہو بچہ کی رعایت سے قید کے بجائے دوسری سزاء تجویز کی جانی چاہئے۔

دوسری بات یہ ہے کہ حق حضانت کا اصول بظاہر یہاں پر بھی ملحوظ رکھا جانا چاہئے کہ بچہ سات سال تک اور بچی بالغ ہونے تک ماں کے پاس رہے لیکن جیل کی زندگی کوئی عزت کی

زندگی نہیں ہوتی اس لئے جیسا کہ اجنبی مرد سے شادی متبادل نظم ہونے کی صورت میں صرف مدتِ رضاعت تک بچوں کو ماں کے پاس رہنے دیا جائے گا پھر بچوں کی تربیت دوسرے اعزاء کے حوالہ ہوگی۔

قیدیوں کے حقوق اور مسائل

مولانا محمد شاہجہاں ندوی ☆

اسلام یقیناً عدل وانصاف پر مبنی دین ہے، اس کی تمام تعلیمات اور اس کے تمام احکام وقوانین کی بنیاد عدل اور احسان پر ہے، اسلام نے جہاں دیگر معاملات میں عدل وانصاف کا حکم دیا وہیں قیدیوں کے ساتھ بھی عدل واحسان کا معاملہ رکھا ہے، قرآن کریم نے نیک لوگوں کی جن صفات کی بنیاد پر تعریف کی ہے، ان میں سے ایک صفت قیدی خواہ کافر ہو یا مسلمان، خواہ جنگی قیدی ہو، یا کسی جرم میں قید کیا گیا ہو، اس کو کھانا کھلانا اور اس کے ساتھ احسان کرنا بھی ہے، ارشاد ربانی ہے: "ویطعمون الطعام علی حبه مسکیناً ویتیماً وأسیراً" (الانسان: ۸) (اور وہ محض اللہ کی محبت میں مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانے کھلاتے ہیں)، اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے قیدیوں کے ساتھ بھی احسان کرنا سکھایا ہے، ورنہ پرانے زمانہ میں یہ دستور تھا کہ قیدیوں کو ہتھکڑیاں اور بیڑیاں ڈال کر روزانہ باہر نکالا جاتا تھا اور وہ سڑکوں پر یا محلوں میں بھیک مانگ کر پیٹ بھرتے تھے، یہ اسلام ہی کی برکت ہے کہ اس نے یہ طریقہ بند کیا اور قیدیوں کے ساتھ احسان کرنا سکھایا (الخراج لابی یوسف رص ۱۴۹-۱۰۱ ضمن موسوعۃ الخراج، ط: دار المعرفۃ، بیروت، ۱۹۷۹ء)۔

خود سرکار دوعالم ﷺ نے قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی ہے، چنانچہ جب ثمامہ بن اثال مسلمانوں کے ہاتھ قید ہوئے اور ان کو نبی اکرم ﷺ کے پاس لایا گیا، تو آپ

☆ الجامعۃ الاسلامیۃ شانتاپورم، مالاپورم کیرالہ۔

نے مسلمانوں سے فرمایا: "احسنوا أساره" (ان کو بہتر طریقہ سے قید میں رکھو)، فرمایا: "أجمعوا ماعندکم من طعام، فابعثوا به إليه" (تمہارے پاس جو کچھ بھی کھانا ہوا سے جمع کر کے ثمامہ کے پاس بھیج دو)، چنانچہ اس تعلیم کا اثر یہ ہوا کہ مسلمان ان کو سرکار دو عالم ﷺ کی اونٹنی کا دودھ بھی پیش کرتے تھے (آداب الحرب فی الاسلام للشیخ محمد الخضر الحسین رص ۲۸-۲۹)۔

اسی طرح آپ ﷺ نے معرکہ بدر کے قیدیوں کو اپنے صحابہ میں تقسیم کر کے ان کے ساتھ بہتر معاملہ کی ہدایت دیتے ہوئے فرمایا: "استوصوا بهم خيراً" (ان کے ساتھ بھلائی کی ہدایت قبول کرو)، چنانچہ اس ہدایت کا یہ اثر ہوا کہ خود ان قیدیوں میں سے ایک مصعب بن عمیر کے بھائی ابوعزیز بن عمیر بن ہاشم کہتے ہیں کہ میں انصار کی ایک جماعت کے پاس تھا، وہ لوگ نبی ﷺ کی ہدایت کا اس قدر خیال رکھتے تھے کہ کھاتے وقت خود کھجور پر اکتفا کرتے اور مجھے خصوصی طور سے روٹی کھلاتے، ان میں سے اگر کسی کو روٹی کا ایک ٹکڑا بھی دستیاب ہو جاتا تو وہ مجھے ترجیح دیتے، میں شرم کے مارے ان کو لوٹا دیتا، لیکن وہ دوبارہ مجھے لوٹا دیتے (السیرۃ النبویہ' لابن کثیر ۲/ ۲۸۵)۔

فقہاء کرام نے بھی قیدی کے ساتھ حسن سلوک کی ہدایت دی ہے، چنانچہ قاضی ابویوسف تحریر کرتے ہیں: "والأسير من أسرى المشركين، لابد أن يطعم ويحسن إليه، حتى يحكم فيه، فكيف برجل مسلم، قد أخطأ أو أذنب، يترك يموت جوعا" (کتاب الخراج رص ۱۴۹)، (مشرک قیدی کو بھی کھلانا اور اس کے ساتھ احسان کرنا لازم ہے، یہاں تک کہ اس کا فیصلہ ہو جائے، پھر مسلم قیدی جس نے غلطی یا گناہ کا ارتکاب کیا، اسے بھوکا مرتا کیسے چھوڑا جا سکتا ہے؟)۔

اسی طرح حضرت علیؓ نے قیدیوں کے سلسلہ میں فرمایا: "يحبس عنهم شره، وينفق عليه من بيت مالهم" (مرجع سابق رص ۱۵۰) (مجرم کو قید کر کے لوگوں سے اس کے شر کو

روک لیا جائے گا، اور سرکاری خزانہ سے مجرم قیدی پر خرچ کیا جائے گا)۔

اسلام نے نہ صرف قیدیوں کو کھانا دینے کا نظم کیا، بلکہ سردی اور گرمی کے مناسب لباس کا بھی نظم کیا اور سلاطین اسلام کا اس پر برابر عمل رہا (مرجع سابق، ص ۱۴۹)۔

یہ ہیں اسلام کی وہ پاکیزہ تعلیمات جو مجرم قیدی کے ساتھ بھی احسان پر آمادہ کرتی ہیں اور ہر غیر انسانی سلوک سے باز رکھتی ہیں، لیکن جب سے طاقت کا توازن بگڑ گیا ہے، اہل اسلام انحطاط کے دور میں چلے گئے ہیں، اس وقت سے قیدیوں کے ساتھ وہ روح فرسا بدسلوکی کی جا رہی ہے کہ اس پر انسانیت کی پیشانی شرمندگی سے تر ہے۔

اس مختصر جائزہ کے بعد اب سوالات کے جوابات درج ہیں:

۱- (الف) کسی ملزم کو اس کے جرم کا ثبوت فراہم ہوئے بغیر بہ طور احتیاط تحقیق کے لئے قید میں رکھا جا سکتا ہے، قرآن کریم میں ہے: "تحبسونهما من بعد الصلاة" (المائدة: ۱۰۶) (پھر اگر کوئی شک پڑ جائے، تو نماز کے بعد دونوں گواہوں کو (مسجد میں) روک لیا جائے)۔

ایک حدیث میں وارد ہے: "إن النبي ﷺ حبس رجلا في تهمة ثم خلى عنه" (ترمذی، کتاب الدیات، باب ماجاء فی الحبس فی التھمۃ، حدیث نمبر: ۱۴۱۷، نسائی فی السارق، حدیث نمبر: ۴۸۷۲، اور ابوداؤد، کتاب الأقضیۃ، حدیث نمبر: ۳۶۳۰) (سرکار دو عالم ﷺ نے ایک شخص کو الزام میں قید کیا پھر اسے رہا کر دیا)۔ "لمعات" میں ہے: "فيه أن حبس المدعى عليه مشروع قبل أن تقام البينة" (تحفۃ الأحوذی ۴/۶۷۷، ط: دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۹۹۸) (اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مدعا علیہ کو ثبوت فراہم کئے جانے سے پہلے قید کرنا مشروع ہے)۔

لیکن اس قید کے لئے شرط ہے کہ کسی قوی قرینہ سے الزام کی تائید ہو رہی ہو، یا ملزم پر شک کئے جانے کی واضح علامتیں ہوں، یا ملزم بدکرداری کے ساتھ معروف ہو (رد المحتار ۶/۱۲۶، الأحکام السلطانیہ للماوردی، ص ۲۲۰)، تو اگر ملزم کے خلاف کوئی صحیح قرینہ نہ ہو، تو ایسے ملزم کو قید کرنا جائز

نہیں ہے۔

لیکن ابو یوسف، قاضی شریح اور امام الحرمین، جرم کے کامل ثبوت کے بغیر قید میں رکھنے کو درست نہیں سمجھتے ہیں، امام الحرمین تحریر کرتے ہیں: "**الشرع لا یرخص في معاقبة أصحاب التهم، قبل إلمامهم بالسيئات**" (غیاث الأمم، ص ۲۲۹) (شریعت ملزمین کو جرم بتائے بغیر سزا دینے کو جائز نہیں ٹھہراتی ہے)۔

ب- اس سلسلہ میں فقہاء سے جو صراحت منقول ہے، وہ یہ ہے کہ قید احتیاطی کی کم سے کم مدت کی کوئی حد نہیں ہے، چنانچہ چند منٹ کی تحقیق کے بعد بھی اسے چھوڑا جا سکتا ہے، لیکن زیادہ سے زیادہ کتنی مدت تک قید میں رکھا جا سکتا ہے، اس کا تعلق امام مالک، احمد اور محققین حنابلہ وحنفیہ کے نزدیک حاکم کی صوابدید پر ہے (فتاوی ابن تیمیہ ۳۵/ ۳۹۷)، جب کہ مالکیہ نے صراحت کی ہے کہ مجہول الحال کو طویل مدت تک قید میں نہیں رکھا جا سکتا ہے اور حبس طویل ان کے نزدیک ایک سال سے زیادہ کی مدت ہے (مرجع سابق ۳۵/ ۳۹۷)، لیکن بعض فقہاء نے تحقیق حال کے لئے ملزم کو زیادہ سے زیادہ ایک دن قید میں رکھنے کی اجازت دی ہے، جبکہ بعض دیگر فقہاء کے نزدیک زیادہ سے زیادہ دو تین دن ملزم کو قید میں رکھا جا سکتا ہے جب کہ بعض کے نزدیک ایک ماہ تک قید میں رکھنے کی گنجائش ہے (تبصرۃ الحکام ۲/ ۱۴۷، المغنی لابن قدامہ ۹/ ۳۲۸، ط: عالم الکتب بیروت)۔ ابن عابدین تحریر کرتے ہیں: "**وإما أن يكون مجهول الحال، فيحبس، حتى يكشف أمره، قيل شهرا، وقيل باجتهاد ولي الأمر**" (رد المحتار ۶/ ۱۴۷) (ملزم اگر مجہول الحال ہو تو اسے قید میں رکھا جائے گا، یہاں تک کہ اس کا معاملہ واضح ہو جائے، کہا گیا ہے کہ ایک ماہ تک اور بعض نے کہا ہے کہ حاکم کی صوابدید پر چھوڑا جائے گا)۔

میری رائے ہے کہ فساد زمانہ کو دیکھتے ہوئے تحقیق حال کے لئے حراست کی مدت زیادہ سے زیادہ تین دن مقرر کی جائے۔

۲-الف- قیدیوں کے ساتھ معاملہ کی بنیاد چوں کہ حسن سلوک ہے، لہٰذا ان کو مذہبی امور کی مکمل آزادی ہے، چنانچہ ان کو عبادت کرنے، مذہبی کتابوں کا مطالعہ کرنے اور دوسرے قیدیوں کے درمیان دعوت دین کا موقع فراہم کیا جائے گا، اسی طرح ان کی مذہبی تعلیمات کے مطابق ان کے لئے غذا فراہم کی جائے گی، ایسے ہی وہ جس مذہب پر عقیدہ رکھتے ہیں، اس مذہب کی مقدس شخصیتوں اور کتابوں وغیرہ کی بے احترامی سے گریز لازم ہے، مذہبی امور کی انجام دہی کی مکمل آزادی کی بنیادی دلیل قرآن کریم کا یہ بیان ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے دعوت وتبلیغ کا کام قید خانہ میں بھی جاری رکھا، قرآن کریم حضرت یوسف علیہ السلام کی سیرت کے اس پہلو کو اس طرح پیش کرتا ہے: "يا صاحبي السجن أ أرباب متفرقون خير أم الله الواحد القهار، ما تعبدون من دونه إلا أسماء سميتموها أنتم و آباؤكم، ما أنزل الله بها من سلطان، إن الحكم إلا لله، أمر ألا تعبدوا إلا إياه، ذلك الدين القيم، ولكن أكثر الناس لا يعلمون" (یوسف:۳۹-۴۰) (اے زنداں کے میرے دونوں ساتھیو! کیا الگ الگ بہت سے رب بہتر ہیں، یا اکیلا اللہ ہی جو سب پر غالب ہے، اس کو چھوڑ کر تم جن کی پوجا کر رہے ہو، وہ اس کے سوا کچھ نہیں ہیں کہ بس چند نام ہیں، جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے رکھ چھوڑے ہیں، اللہ نے ان کی کوئی دلیل نہیں اتاری، اختیار واقتدار صرف اللہ ہی کا ہے، اس کا حکم ہے کہ خود اس کے سوا کسی کی پوجا نہ کرو، یہی سیدھا طریق زندگی ہے، لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں)۔

امام ابو یوسف حکومت کی ذمہ داری قرار دیتے ہیں کہ قیدیوں کی دیکھ بھال اور رعایت کرے، ان کے ساتھ انصاف کا معاملہ کرے اور ان پر زیادتی نہ ہونے دے (الخراج ص ۱۵۱)۔

بلکہ فقہاء کرام کی رائے ہے کہ قاضی عہدہ سنبھالنے کے بعد سب سے پہلا کام یہی کرے گا کہ قیدیوں کے معاملات پر غور کرے گا، ہدایہ میں ہے: "وينظر في حال المحبوسين

لأنه نصب ناظرا" (الهداية ۳/۱۰۲، ط: دار احیاء التراث العربی، بیروت) (قاضی قیدیوں کے احوال پر غور کرے گا، کیوں کہ وہ نگراں بنایا گیا ہے) بلکہ بعض فقہاء نے اسے واجب قرار دیا ہے (دیکھئے حاشیۃ الدسوقی علی شرح الکبیر للدسوقی المالکی ۶/۱۶-۱۷)۔

ان فقہی جزئیات سے معلوم ہوا کہ قیدیوں کے ساتھ کسی طرح کی زیادتی درست نہیں، لہذا ان کو مذہبی امور کی مکمل آزادی فراہم کی جانی چاہئے۔

ب-۱- قید کا اصل مقصد قیدیوں کو تصرفات سے روکنا ہے (الطرق الحکمیۃ ص ۱۰۲) اور ان کو تنگی میں ڈالنا ہے، تاکہ جرائم سے باز رہیں، لہذا اس بنیادی مقصد سے جو حقوق متصادم نہ ہوں وہ ان کو فراہم کئے جائیں گے، لہذا جسمانی ضروریات جیسے مناسب غذا، صاف پانی، علاج کی سہولت اور حفظان صحت کے لئے ورزش وتفریح کی ان کو اجازت دی جائے گی، ابو یوسف تحریر کرتے ہیں: "ولم تزل الخلفاء يا أمير المؤمنين! ما يقوتهم في طعامهم وأدمهم، وكسوتهم الشتاء والصيف" (الخراج ص ۱۴۹) (امیر المومنین! خلفاء برابر قیدیوں کے لئے سردی اور گرمی کے مناسب حال غذا اور لباس کا نظم کرتے رہے ہیں)، "ردالمحتار" میں ہے: "لمداواة مرضه لإمكان ذلك في السجن" (ردالمحتار ۸/۵۷) (یعنی قیدی قید خانہ سے باہر نہیں نکلے گا، کیوں کہ علاج جیل میں ممکن ہے) اور اگر علاج وہاں ممکن نہ ہو، تو باہر جا سکتا ہے، یہی شافعیہ اور مالکیہ کے کلام سے ظاہر ہے اور اسی کی طرف خصاف اور ابن ہمام کا میلان ہے (فتح القدیر ۵/۴۵، شرح ادب القاضی للخصاف ۲/۱۷۵)، لیکن حنفیہ کے نزدیک مفتی بہ یہ ہے کہ کفیل کی ضمانت کے ساتھ نکل سکتا ہے (الدرالمختار ۸/۵۷)۔

لیکن یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ فقہاء نے اپنے زمانہ کے اعتبار سے بات کی ہے، میری رائے ہے کہ اس دور میں حکومت پر علاج کی سہولیات فراہم کرنا لازم ہے، کیوں کہ قید کا مقصد ہلاک کرنا نہیں ہے۔

۲- جہاں تک بیوی سے تعلق کا مسئلہ ہے، تو اس سلسلہ میں فقہاء کی رائیں مختلف ہیں:

۱- بیوی سے تعلق قائم کرنے کی مناسب جگہ قید خانہ میں ہو کہ دوسرے کی نظر نہ پڑے، تو قیدی کو بیوی سے تعلق قائم کرنے سے نہیں روکا جائے گا، یہ اکثر حنفیہ، بعض شافعیہ اور حنابلہ کا مذہب ہے، رد المحتار میں ہے: "**إذا احتاج للجماع، دخلت عليه زوجته أو أمته، إن كان فيه موضع سترة**" (رد المحتار نقلا عن النہر ۸/۵۶) (اگر قیدی کو جماع کی ضرورت ہو تو اس کے پاس اس کی بیوی یا باندی جائے گی، اگر قید خانہ میں محفوظ جگہ ہو)، اور مغنی میں ہے: "**وإن حبس الزوج فأحب القسم بين نسائه، بأن يستدعي كل واحدة في ليلتها، فعليهن طاعته إن كان ذلك مثلهن**" (المغنی ۸/۱۴۸، ط: المكتبة التجارية مكة المكرمة) (اگر شوہر قید ہو جائے، اور اس نے بیویوں کے درمیان عدل کرنا چاہا، اس طرح کے ہر ایک کو اس کی رات میں بلائے، تو ان پر اس کی اطاعت لازم ہے، اگر وہ جگہ ان جیسی عورتوں کی رہائش گاہ کے مثل ہو)۔

۲- بیوی سے تعلق قائم کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی، کیوں کہ قید کا مقصد قیدی کے دل میں وحشت پیدا کرنا ہے، تاکہ وہ جرائم سے باز آجائے، جب کہ لذت اندوزی اور عیش وعشرت کے ساتھ دل میں وحشت پیدا کرنا ممکن نہیں اور وطی کھانے کی طرح اصلی اور بنیادی ضروریات میں سے نہیں ہے، یہ مالکیہ، بعض شافعیہ اور حنفیہ کا مسلک ہے (تبصرۃ الحکام لابن فرحون المالکی ۲/۲۰۵، معید النعم للسبکی ص ۱۰۹، فتح القدیر ۵/۴۷۱، الفتاوی الہندیہ ۳/۴۱۸، الفتاوی البزازیہ ۵/۲۲۵)۔

۳- بیوی سے جماع قیدی کا مشروع حق ہے، لیکن قاضی کسی مصلحت کی بنا پر اس سے روک سکتا ہے، یہ بعض شافعیہ کا مسلک ہے (حاشیۃ الشبر املسی ۴/۳۲۴، ط: مصطفی البابی الحلبی)۔ میری رائے میں حکومت پر لازم ہے کہ قید خانہ میں مناسب جگہ کی تعمیر کرائے، جہاں قیدیوں کو چار ماہ میں ایک بار مہذب اور پردہ پوش طریقہ سے اپنی جنسی خواہش پوری کرنے کا موقع دیا جائے۔

۳- ایسی تنگ جگہ میں قیدیوں کو رکھنا جہاں کھڑا ہونا، یا پاؤں پھیلا کر لیٹنا ممکن نہ

ہو، جائز نہیں ہے، چنانچہ امام ابو یوسفؒ نے دھوپ میں کھڑا کرنے کی سزا کو حرام قرار دیا ہے (الخراج ۱۲۵)۔

۴- ایسی تنگ وتاریک جگہ میں قیدی کو رکھنا کہ دیوار کے باہر کسی چیز کو دیکھنا ممکن نہ ہو، اسی طرح اگر وہ جگہ ایسی ہو کہ قیدی کا دم گھٹتا ہو، تو ناجائز ہے (الخراج ۱۱۸)۔

ج- عام حالات میں عام سماجی حقوق، جیسے اخبارات پڑھنے، ریڈیو سننے، فون پر احباب واقارب سے بقدر ضرورت مشورہ وگفتگو کرنے، دوسرے قیدیوں سے ملاقات، قید خانہ میں تعلیم وتعلم اور ہنر سیکھنے کی اجازت دی جاسکتی ہے، ''الدرالمختار'' میں ہے:'' **ولا يمكن أحد أن يدخل عليه للاستئناس، إلا أقاربه وجيرانه، لاحتياجه للمشاورة، ولا يمكثون عنده طويلا، بحيث يحصل له الاستئناس بهم، بل بقدر ما يحصل به المقصود من المشاورة**'' (الدرالمختار مع ردالمحتار ۸/۵۵) (کسی کو اس کے پاس انسیت کی خاطر آنے کی قدرت نہ دی جائے گی، مگر اس کے رشتہ داروں اور پڑوسیوں کو آنے دیا جائے گا، کیوں کہ اسے مشورہ کرنے کی ضرورت ہے، لیکن وہ زیادہ دیر اس کے پاس نہیں ٹھہریں گے، اس طرح کہ اسے ان سے انسیت حاصل ہو، بلکہ اتنی دیر ٹھہریں گے کہ مشورہ کا مقصد اس سے حاصل ہو جائے)۔

جہاں تک تعلیم وتعلم کا تعلق ہے، تو خود بعض صحابہ کرام نے بدر کے قیدیوں سے کتابت سیکھی تھی۔

لیکن اگر یہ چیزیں جرائم کی شدت کے لحاظ سے قید کے مقصد (یعنی مجرمین کو وحشت کا احساس ہو، اور وہ جرائم سے باز رہیں) کے خلاف ہو تو پھر عام سماجی حقوق سے ان کو محروم بھی رکھا جاسکتا ہے، مبسوط میں ہے:''**ولهذا قالوا: ينبغي أن يحبس في موضع خشن، لا يتبسط له في فراش ولا وطاء ولا أحد يدخل عليه ليستأنس ليضجر قلبه**

بذلک" (المبسوط ۲۰/ ۱۰۷، ط: داراحیاء التراث العربی بیروت ۲۰۰۲م) (اسی وجہ سے فقہاء نے کہا ہے کہ مجرم کو کھردری جگہ میں رکھا جائے، اسے نرم گداز بستر نہ دیا جائے اور نہ اس کے پاس کوئی ایسا آدمی جائے جس سے وہ انسیت حاصل کرے، تاکہ اس کے دل میں اکتاہٹ پیدا ہو)۔

ردالمحتار میں ہے: "**وفی شرح أدب القضاء عن السرخسی أنه الصحیح من المذهب لأن الحبس مشروع لیضجر، ومتی تمکن من الاکتساب لایضجر، فیکون السجن له بمنزلة الحانوت**" (ردالمحتار ۸/ ۵۷) (قید خانہ میں اسے کمائی کرنے کی اجازت نہ ہوگی، یہی صحیح مذہب ہے، اس لئے کہ قید اکتاہٹ پیدا ہونے کے لئے مشروع ہے اور جب اسے کمائی کی قدرت ہوگی، تو اکتاہٹ میں وہ مبتلا نہ ہوگا، پھر تو قید خانہ اس کے لئے دوکان کے درجہ میں ہو جائے گا)۔

ان فقہی جزئیات سے معلوم ہوا کہ مخصوص حالات میں عام سماجی حقوق سے قیدیوں کو محروم بھی کیا جاسکتا ہے۔

و-۱- فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عورتوں کے لئے علیحدہ قید خانہ ہو، کیوں کہ مرد وعورت کا اختلاط باعث فتنہ ہے، الدرالمختار میں ہے: "**ویجعل للنساء سجن علی حدة نفیا للفتنة**" (الدرالمختار ۸/ ۵۸) (فتنہ سے بچنے کے لئے عورتوں کے لئے الگ قید خانہ بنایا جائے گا)۔

۲- بالغوں اور نابالغوں اور خنثی مشکل کے لئے الگ قید خانے بنائے جائیں گے (حاشیۃ الدسوقی ۳/ ۲۸۰، حاشیۃ الصعیدی علی کفایۃ الطالب ۲/ ۲۰۱)۔

واضح رہے کہ نابالغ کو بہ طور تادیب قید کیا جائے گا، مبسوط میں ہے: "**وبعضهم قال: الحبس للصبی بطریق التأدیب، حتی لا یتجاسر علی مثله، ولکن هذا إنما یکون فیما یباشر من أسباب التعدی قصداً، أما ما وقع خطأ منه فلا**" (المبسوط ۲۰/ ۱۰۸) (بعض کہتے ہیں کہ بچہ کو بہ طور تادیب قید کیا جائے گا، تاکہ اس جیسی حرکت پر اسے

دوبارہ جسارت نہ ہو، لیکن یہ اسی صورت میں ہوگا جس میں بچہ زیادتی کے اسباب قصداً انجام دے، لیکن جو چیز اس سے بہ طور خطا ہو، تو اس میں بہ طور تادیب قید نہیں کیا جا سکتا ہے)، معاملات مالیہ کی طرح جرائم بھی نابالغ کو بہ طور تادیب قید کیا جا سکتا ہے اور اکثر نصوص فقہیہ سے پتہ چلتا ہے کہ نابالغ کو باپ یا ولی کے گھر میں قید کیا جائے، لیکن قید خانہ میں بھی قید کیا جا سکتا ہے، مگر یہ کہ اس کے بگڑنے کا خطرہ ہو تو لازم ہے کہ اسے باپ کے پاس قید کیا جائے (حاشیۃ الدسوقی ۲/ ۲۸۰، بدائع الصنائع ۷/ ۶۳، ط: دار الکتب العلمیۃ، بیروت)۔

۳-(الف) قیدیوں سے سچی بات اگلوانے کے لئے ان کو اس طرح بے لباس کر دینا کہ ستر کھل جائے، حرام ہے، ''الدر المختار'' میں ہے: "**ولا یجرد**" اور ''رد المختار'' میں ہے: "**أي من ثیابه في الحبس**" (الدر المختار ورد المختار ۸/ ۵۸) (قیدی کو قید میں برہنہ نہیں کیا جائے گا)۔

ب- قیدیوں سے سچی بات اگلوانے کے لئے معمولی درجہ میں مار پیٹ کی اجازت ہے، بنیادی دلیل وہ حدیث ہے جس میں منقول ہے کہ حیی بن اخطب کے چچا ''سعیہ'' نے حیی کے سونے اور زیورات کے ذخیرہ کو جس کی مالیت دس ہزار دینار تھی، غزوہ خیبر کے موقع سے چھپا لیا اور آپ ﷺ کے دریافت کرنے پر جواب دیا "**أذهبته النفقات والحروب**" (اسے اخراجات اور جنگوں نے ختم کر دیا ہے) اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: "**العهد قریب، والمال أکثر من ذلک**" (اسے بنی النضیر کی جلا وطنی کے موقع سے مدینہ منورہ سے خیبر لانے پر زیادہ زمانہ نہیں گزرا ہے اور مال اس سے زیادہ ہے کہ اخراجات میں ختم ہو جائے)۔

پھر آپ نے سعیہ کو حضرت زبیر کے حوالہ کیا اور انہوں نے اسے ہلکی ضرب لگائی اور اس نے سچی بات اگل دی اور مال کی جگہ بتا دی (ابوداؤد، کتاب الامارۃ، باب ماجاء فی حکم أرض خیبر باسناد قوی، حدیث نمبر: ۳۰۰۶، جامع الأصول لابن الأثیر الجزری ۲/ ۶۴۲، ط: دار الملاح، وعزاہ الی البخاری)۔

ماوردی تحریر کرتے ہیں: "**یجوز للأمیر مع قوة التهمة أن یضرب المتهوم**

ضرب التعزير، لاضرب الحد، ليأخذه بالصدق عن حاله، فيما قرف به واتهم، فإن أقر، وهو مضروب، اعتبرت حاله فيما ضرب عليه، فإن ضرب ليقر، لم يكن لإقراره تحت الضرب حكم، وإن ضرب ليصدق عن حاله وأقر تحت الضرب، قطع ضربه، واستعيد إقراره، فإذا أعاده كان مأخوذا بالإقرار الثاني، دون الأول" (الأحکام السلطانیہ/۲۲۰) (امیر کے لئے جائز ہے کہ الزام قوی ہونے کی صورت میں ملزم کو تعزیری ضرب لگائے، نہ کہ حد ضرب، تاکہ سچی صورت حال بیان کرنے کا اسے پابند بنا سکے، اس جرم کے سلسلہ میں جس کا اس نے ارتکاب کیا ہے اور جس سے اسے متہم قرار دیا گیا ہے، پھر اگر اس نے مار پیٹ کی حالت میں اقرار کیا، تو ضرب کے مقصد کے لحاظ سے اس کی حالت کا اعتبار ہوگا، تو اگر اقرار ہی کے لئے اسے مارا گیا، تو مار کی حالت کے اقرار کے لئے کوئی حکم نہ ہوگا اور اگر اپنی صحیح حالت بیان کرنے کے لئے اسے مارا گیا اور اس نے مار کی حالت میں اقرار کیا، تو مار بند کردی جائے گی اور اس سے دوبارہ اقرار لیا جائے گا، اگر اس نے دوبارہ اقرار کر لیا تو دوسرے اقرار کی وجہ سے ماخوذ ہوگا اور پہلے اقرار کا کوئی اعتبار نہ ہوگا)۔ تعزیر پر قیاس کرتے ہوئے امام احمد کے ایک قول کے مطابق کہ تعزیر دس کوڑے سے زائد نہ ہو (المغنی ۱۰/۳۴۲) اس مار پیٹ کی بھی یہی حد مقرر کی جا سکتی ہے، اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے کہ سرور دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "لا يجلد أحد فوق عشرة أسواط، إلا في حد من حدود الله" (بخاری، کتاب الحدود، باب کم التعزیر والأدب، حدیث نمبر: ۶۸۴۸) (اللہ تعالی کی حد کے سوا کسی کو دس کوڑے سے زیادہ نہ مارا جائے)۔

یا حنفیہ کے مسلک کے مطابق ۳۹ کوڑے کے ساتھ اس کی تحدید کی جا سکتی ہے۔

ج- قیدیوں سے سچی بات اگلوانے کے لئے انہیں الکٹرک شاک لگانا حرام ہے، امام ابو یوسفؒ نے دھوپ میں کھڑا کرنے کو ناجائز قرار دیا ہے، تو الکٹرک شاک لگانا کیسے جائز ہوسکتا

ہے؟ (الخراج رص ۱۰۹، ضمن موسوعۃ الخراج)۔

د- قیدیوں سے سچی بات اگلوانے کے لئے ان پر کتے چھوڑنا بھی حرام ہے، امام مالک سے پوچھا گیا کہ قیدی کو تیل اور گبریلے (بھونرے کی مانند پردار کالا کیڑا جو گوبر میں ہوتا ہے) کے ذریعہ سزادی جاسکتی ہے تو آپ نے جواب دیا، حلال نہیں، سزا یا تو کوڑا ہے یا قید ہے (أسنی المطالب ۴ر۹، وتبصرۃ الحکام ۲ر۱۴۷)۔

ھ- قیدیوں سے سچی بات اگلوانے کے لئے سخت ٹھنڈک میں برف کی سلوں پر ڈال دینا بھی حرام ہے (غایۃ المنتہی للکرمی ۳ر۳۱۷، الفتاوی الہندیہ ۳ر۴۱۴، التراتیب الاداریۃ للکتانی ۱ر۲۹۵، اسنی المطالب ۴ر۴، و۴۶، الانصاف ۹ر۴۳۹، المغنی ۷ر۶۴۳، شرح المحلی مع حاشیۃ القلیوبی ۴ر۹۷، ۲۰۵، الخراج رص ۱۰۹)۔

و- قیدیوں سے سچی بات اگلوانے کے لئے انہیں مسلسل جگے رہنے پر مجبور کرنا اور اس کے لئے ان کی جائے رہائش میں تیز روشنی، یا تیز آواز کا انتظام رکھنا حرام ہے، فقہاء نے صراحت کی ہے کہ قیدی کو کھانے پینے اور قضائے حاجت سے روکنا ناجائز ہے، اسی طرح گرم وسرد جگہ یا دھوپ میں رکھنا، یا دھویں دار گھر میں بند کر کے روشن دان بند کر دینا حرام ہے، اسی طرح سردی میں سردی سے بچاؤ کے لباس چھین لینا یا نہ فراہم کرنا بھی حرام ہے (الأحکام السلطانیہ رص ۲۳۹، التراتیب الاداریہ للکتانی ۱ر۲۹۵)۔

۴-۱- قید خانہ میں بیڑی ڈال کر یا ہتھکڑی پہنا کر رکھنا درست نہیں ہے، مگر یہ کہ فرار یا مجرم کے شر کا خطرہ ہو، الدر المختار میں ہے: "ولا یغل إلا إذا خاف فرارہ، فیقید" (الدر المختار ۸ر۵۸) (قیدی کی گردن میں بیڑی نہ ڈالی جائے گی، مگر جب کہ فرار کا خطرہ ہو، تو پیر میں بیڑی ڈالی جاسکتی ہے)۔

لیکن اس دور میں فرار کا خطرہ نہیں لہذا زنجیر میں جکڑ کر رکھنا درست نہ ہوگا۔

۴- قید کرتے وقت قیدی کو ہتھکڑی پہنائی جاسکتی ہے، بخاری شریف کی ایک حدیث میں ہے: "عجب الله من قوم يدخلون الجنة في السلاسل" (صحیح البخاری کتاب الجہاد، باب الأساری فی السلاسل، حدیث نمبر: ۳۰۱۰) (اللہ تعالی ایسی قوم سے خوش ہے، جن کے جنت میں داخل ہونے کا سبب زنجیر بن جائے)، ابن جوزی کہتے ہیں: "معناه أنهم أسروا وقيدوا، فلما عرفوا صحة الإسلام، دخلوا طوعا، فدخلوا الجنة" (فتح الباری ۱۷۶/۶) (مفہوم یہ ہے کہ ان لوگوں کو قید کرکے بیڑی ڈال دی گئی، پھر وہ اسلام کے صحیح ہونے سے آگاہ ہوئے اور خوشی سے اسلام میں داخل ہوگئے، لہذا جنت میں داخل ہوگئے)۔

۵- کسی مجرم کو اس کے خصوصی جرم کے پس منظر میں قید تنہائی دی جاسکتی ہے: "ويجوز للحاكم عزل السجين، وحبسه منفردا في غرفة، يقفل عليه بابها، إن كان في ذلك مصلحة" (فتاوی ابن تیمیہ ۳۱۰/۱۵، المغنی ۱۲۴/۸، التراتیب الاداریہ للکتانی ۲۹۵/۱، الانصاف لابن ہبیرہ ۳۹/۱۵) (حاکم کے لئے جائز ہے کہ قیدی کو علیحدہ رکھے اور خاص کمرہ میں تنہا رکھ کر اس کا دروازہ بند کردے اگر اس میں مصلحت ہو)۔

۶- قدیم عہد میں فقہاء نے جو بحث کی ہے وہ یہ ہے کہ قیدی کو کام کی قدرت دی جائے گی یا نہیں؟ اور ان کی رائے کا خلاصہ یہ ہے کہ:

(۱) قیدی کو کام کی قدرت دی جائے گی، یہ شافعیہ، حنابلہ اور بعض حنفیہ کا مذہب ہے (المغنی ۴۹۵/۴، واسنی المطالب مع حاشیۃ الرملی ۱۸۸/۲-۱۸۹، و۱۹۴، الفتاوی الہندیہ ۴۱۸/۳)۔

(۲) کام کی قدرت نہ دی جائے گی، تاکہ قید کا مقصد فوت نہ ہو اور اس کا دل قید سے گھبرائے، پھر وہ جرم سے باز رہے، حنفیہ کے نزدیک یہی معتمد مذہب ہے (الفتاوی الہندیہ ۴۱۸/۳)۔

۳- کام کی قدرت دی جائے یا نہ دی جائے، یہ حاکم کی صوابدید پر ہے، یہی مرتضی شیعی کا قول ہے (البحر الزخار ۸۲/۵)۔

لیکن اس دور میں جبراً کام سزا کے طور پر لیا جاتا ہے اور یہ سزا کا ایک حصہ ہے، لہذا جو لوگ تعزیر بالمال کو جائز سمجھتے ہیں ان کے یہاں یہ جائز ہونا چاہئے اور کام کی اجرت سرکاری خزانہ کی ملکیت سمجھی جائے گی۔

واضح رہے کہ ابوحنیفہ، محمد اور امام شافعی جدید مذہب کے لحاظ سے اور حنابلہ تعزیر بالمال کو نامشروع سمجھتے ہیں، جب کہ اگر مصلحت ہو تو ابو یوسف اور امام مالک کا مشہور مسلک یہ ہے کہ تعزیر کے طور پر مال لینا جائز ہے، جب کہ ابن تیمیہ اور ابن قیم تعزیر کے طور پر مال لینے اور ضائع کر دینے کو بھی جائز سمجھتے ہیں (ردالمحتار ۶/ ۱۰۵-۱۰۶، الزیلعی ۳/ ۲۰۸، حاشیۃ الشبر املسی علی نہایۃ المحتاج ۷/ ۱۷۴، والحسبہ/ ۴۰، تبصرۃ الحکام ۲/ ۳۶۷-۳۶۸، الطرق الحکمیہ/ ۲۵۰، کشاف القناع ۴/ ۷۴-۷۵، الاحکام السلطانیہ لأبی یعلی/ ۲۹۵)۔

۷- جن قیدیوں کا مقدمہ ابھی زیر سماعت ہے اور جن کے بارے میں سزائے قید کا فیصلہ ہو چکا ہے، ان دونوں میں سلوک کے اعتبار سے فرق کیا جا سکتا ہے، کیوں کہ جس کا جرم ثابت ہو چکا ہے اور جس کے جرم کے ثبوت کا احتمال ہے، دونوں میں فرق ہے، لہذا سلوک میں بھی فرق ہو سکتا ہے۔ خود فقہاء نے صراحت کی ہے کہ ہر قیدی کے ساتھ اس کے جرم کے مناسب سلوک ہونا چاہئے، چنانچہ مالی معاملات جیسے قرض میں محبوس اور جرائم میں محبوس میں فرق کیا جائے گا اور مدیون کو چور کے ساتھ ایک جگہ نہیں رکھا جائے گا (ردالمحتار ۸/ ۵۸، الفتاوی الہندیہ ۳/ ۴۱۳)۔

۸- اسلامی شریعت زیر سماعت قیدیوں کے معاملات جلد نپٹانے کی تاکید کرتی ہے اور یہی عدل وانصاف کا تقاضہ ہے، لہذا قوی شواہد کے بغیر کسی کو قید میں رکھنا درست نہیں ہے، البتہ اگر قوی شواہد پائے جانے کی وجہ سے کسی کو قید میں رکھا گیا اور ضمانت پر اس کی رہائی معاشرہ کے لئے خطرناک ہو، تو ایسی صورت میں اسے قید میں رکھا جا سکتا ہے، البتہ فیصلہ میں تاخیر کو اسلامی شریعت پسند نہیں کرتی ہے، امام ابو یوسف تحریر فرماتے ہیں: " **فمر ولاتک جمیعا بالنظر**

في أمر أهل المحبوس، في كل أيام ، فمن كان عليه أدب، أدب وأطلق ومن لم يكن له قضية، خلي عنه" (الخراج ص ۱۵۱) (آپ اپنے تمام حکام کو ہر روز قیدیوں کے معاملات میں غور کرنے کا حکم دیجئے، جو قابل سزا ہو، اسے سزا دے کر رہا کر دیا جائے اور جس کا معاملہ نہ بنتا ہو اسے چھوڑ دیا جائے)۔

عالمگیری میں ہے: "ويحبس الدعارون، الذين هم مخوفون على المسلمين، وأهل الفساد، حتى تعرف منهم التوبة، والدعار من يقصد إتلاف أموال الناس، أو أنفسهم أو كليهما، فإذا كان يخاف على الناس منه في النفس والمال، حبس في السجن، حتى تظهر منه التوبة" (الفتاوی الہندیہ ۳/ ۴۱۴، ط: دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۹۸۰) (شر پسند عناصر کو جو مسلمانوں کو ہراساں کرنے والے ہوں، نیز اہل فساد کو قید میں رکھا جائے گا، جب تک وہ تائب نہ ہو جائیں، شر پسند وہ ہے جو لوگوں کے مال یا جان یا دونوں ضائع کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، اگر اس کی طرف سے لوگوں کے سلسلہ میں جان و مال کا خطرہ ہو تو اسے اصلاح حال اور تائب ہونے تک قید میں رکھا جائے گا)۔

اس سے معلوم ہوا کہ خاص صورتوں میں زیر سماعت قیدیوں کو ان کے اوپر عائد فرد جرم کی اصل سزا کی مدت تک قید میں رکھا جا سکتا ہے لیکن خواہ مخواہ بغیر معقول شواہد کے کسی کو قید میں رکھنا اسلامی شریعت جائز نہیں قرار دیتی ہے (الطرق الحکمیہ ص ۱۰۱-۱۰۴) جب کہ بعض فقہاء حنفیہ وشافعیہ وحنابلہ کے نزدیک ایسے فرد جرم میں جس کی اصل سزا قید ہے، بغیر کامل ثبوت کے ملزم کو قید میں رکھنے کو جائز نہیں قرار دیتے ہیں (رد المحتار ۸/ ۶۵-۶۷، بدائع الصنائع ۷/ ۶۵، المغنی لابن قدامہ ۹/ ۳۲۸، تبصرۃ الحکام ۱/ ۲۰۷)۔

۹- فساد زمانہ کو دیکھتے ہوئے ملزم کو زمانۂ قید میں ہونے والی ذہنی اذیت کی وجہ سے مالی ہرجانہ طلب کرنے کا حق ہے اور یہ مالی معاوضہ یا تو حکومت خود ادا کرے، یا جس محکمہ کی غلطی

سے اسے قید کی اذیت جھیلنی پڑی، اس معاوضہ کو اس کے ذمہ ڈالا جائے۔

ذہنی اذیت یا حکومت یا اس کے عملہ کی طرف سے ناحق قید کئے جانے پر مالی معاوضہ طلب کرنے کے سلسلہ میں فقہی کتب میں کوئی جزئیہ نہیں ملا، البتہ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک اگر کوئی شخص کسی آزاد کو قید کر لے اور اس کے منافع کو معطل کر دے تو وہ شخص مدت قید کی اجرت مثل کا ضامن ہوگا، لیکن صحیح قول کے مطابق شافعیہ کے نزدیک ضامن نہیں ہے، ہاں البتہ اس سے جبری کام لے تو اجرت مثل کا ضامن ہوگا (الدسوقی ۳؍ ۴۵۴، وروضۃ الطالبین ۵؍ ۱۳-۱۴، وکشاف القناع ۴؍ ۱۱۱-۱۱۲)۔

۱۰-قیدی کو اپنے مقدمات کے سلسلہ میں وکیل سے رابطہ قائم کرنے، صلاح ومشورہ کرنے اور حقیقت حال سے باخبر کرنے کی مکمل آزادی ہے، وہ اپنی مصلحت کے پیش نظر ایک یا ایک سے زائد وکیل مقرر کر سکتا ہے۔

یہ قیدی کا بنیادی حق ہے، اس سے کسی بھی قیدی کو محروم نہیں کیا جا سکتا ہے، رد المحتار کے حوالہ سے یہ جزئیہ گزر چکا ہے کہ قیدی کو اپنے عزیز واقارب سے صلاح ومشورہ کا حق ہے، یہی حکم وکیل سے صلاح اور مشورہ کا بھی ہے، لہذا حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وکیل سے ملنے، مشورہ کرنے اور حقیقت حال سے باخبر کرنے کے مواقع قیدی کو فراہم کرے اور قیدی اور وکیل کے درمیان کسی طرح کی رکاوٹ نہ کھڑی کرے۔

۱۱-اگر شیر خوار بچہ ماں کے علاوہ کسی کا دودھ نہ لے، یا اس کا باپ اس قابل نہ ہو کہ کسی عورت کو دودھ پلانے کے لئے اجرت پر رکھ سکے تو ایسی صورت میں خواتین قیدیوں کو شیر خوار بچوں کو جیل میں رکھنے کا حق ہوگا، کیوں کہ جب معتمد قول کے مطابق احناف کے نزدیک بیوی کو شوہر کے پاس جماع کے لئے جانے کی اجازت دی جائے گی، تو پھر خواتین قیدی کو بھی شیر خوار بچہ اپنے ساتھ جیل میں رکھنے کی اجازت دی جائے گی۔

اسلام میں قیدی کے حقوق

مفتی ارشد فاروقی ☆

کہتے ہیں کہ قدیم جہالت جدید روپ دھار رہی ہے تو پھر آج کی ترقی یافتہ دنیا کی جیلوں کی صورت حال جاہلی دور کا نیا چہرہ پیش کر رہی ہے، گوانتانا موبے، کیوبا، چھتیس ہزاری کشمیر کے قید خانے ماضی وعہد قدیم کی یاد ہی تازہ نہیں کر رہے ہیں بلکہ اضافے کر رہے ہیں۔

شریعت اسلامی کا عادلانہ نظام عالم میں امن وامان کی بقا، عام شہریوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے ایسے لوگوں کے لئے موزوں ومناسب سزائیں تجویز کرتا ہے جو نقص امن کا ذریعہ بنتے ہوں یا لوگوں کو نقصان پہنچانے کے درپے ہوں یا اخلاقی مجرم ہوں۔

اسلام نے سزاؤں کی دو تقسیم کی ہے، پہلی ''حدود'' کہلاتی ہیں:

۱- سزا کی حد متعین کردی ہے۔

الف- جیسے شادی شدہ وغیر شادی شدہ زانی وبدکار کی سزائیں ''الزانية والزاني فاجلدوا كل واحد منها مائة جلدة'' (سورۂ نور:۲)۔

ب- چوری کی سزا ''السارق والسارقة فاقطعوا أيديهما'' (سورۂ مائدہ:۳۸)۔

ج- تہمت لگانے کی سزا ''يرمون المحصنات'' (سورۂ نور:۴)۔

د- شراب نوشی کی سزا۔

☆ جامعہ امام انور دیوبند۔

۲-سزا کی حد متعین نہیں کی ہے، یہ سزائیں تعزیر کہلاتی ہیں۔

تعزیر ان جرائم کے مرتکبوں کی کی جاتی ہے جن کے بارے میں شریعت نے سزا کی کوئی مقدار وحد متعین نہیں کی ہے۔

''تعزیر'' بھی قرآن کریم میں ثابت ہے: " واهجروهن فی المضاجع واضربوهن" (النساء ۳۴) بیوی کی تادیب کے لئے خوابگاہ کی علیحدگی یا تادیبی کارروائی تعزیر ہی کے قبیل سے ہے۔

''تعزیر'' کا ثبوت فعلی وقولی احادیث اور اجماع امت سے ثابت ہے، ہر اس بڑے جرم پر جاری ہوگی جس کی شریعت نے ''حد'' متعین نہ کی ہو۔

تعزیر کی مختلف صورتیں ہیں:

الف-حراست میں لینا۔

ب-زدوکوب کرنا۔

ج-ملامت کرنا۔

د-ڈرانا دھمکانا۔

ہ-مالی جرمانہ عائد کرنا (اس شق میں فقہاء کے مابین اختلاف ہے) (سیاسۃ وأدب العقاب فی التشریع الاسلامی: مجلۃ الأزہر جلد ۲، ط ۱۹۶۲ جاد الحق)۔

بطور تعزیر حراست وقید میں ملزم ومجرم کو رکھنا بہ اتفاق ائمہ وعلماء درست ہے۔ حدیث سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ ایک شخص کو محبوس رکھا۔

فقہاء کرام نے ایسے جرائم کی فہرست جاری کی ہے جن میں قید کی سزا مقرر کی گئی ہے۔

(۱) قتل کا ملزم۔

(۲) چوری کا ملزم۔

(۳) مار پیٹ کرنے والا۔

(۴) شراب پینے کی نیت سے محفل سجانے والے۔

(۵) مخنث۔

(۶) نوحہ خواں (مرد وعورت)۔

(۷) بوس وکنار اور چھیڑ خوانی کرنے والے۔

(۸) تہمت لگانے والے۔

(۹) مسلمان سود خور۔

ان مجرموں اور ملزموں کو بطور تعزیر زیر حراست قید خانے میں رکھا جائے گا، یہ بھی حقیقت ہے کہ ان مجرموں کو جیل میں کتنی مدت کے لئے رکھا جائے اس کی کوئی متعین مدت نہیں کی گئی بلکہ حاکم وقت یا قاضی ومحتسب کی صوابدید پر موقوف ہے، وہ حالات کا تجربہ کرے محبوس کی سیرت وشخصیت سے اندازہ لگائے کہ کسے کتنی مدت اصلاح حال کے لئے کافی ہوسکتی ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ "قید وبند" مکافات وسزا کی ایک قسم ہے جس پر فقہاء کا اجماع ہے اور احادیث وعمل صحابہ سے ثابت ہے۔

قید وبند بطور سزا کی تنفیذ میں بھی شریعت نرم روی، ایذا رسانی سے گریز کی ہدایت دیتی ہے۔ جو رسول اللہ ﷺ کے فرمان عالی سے ثابت ہے: "إن الله كتب الإحسان على شئي فإذا قتلتم فأحسنوا القتلة وإذا ذبحتم فأحسنوا الذبحة" (رواہ مسلم)۔

اس حدیث سے چند امور میں رہنمائی ملتی ہے:

(۱) قیدیوں کو ذلیل ورسوا نہ کیا جائے۔

(۲) ایذاء رسانی سے گریز کیا جائے۔

(۳) قیدی کے ساتھ غیر انسانی سلوک نہ برتا جائے "ولقد كرمنا بني آدم" (اسراء/۷۰)۔

فقہاء نے قیدیوں کے حقوق کے بارے میں کہا کہ قیدی کو مندرجہ حقوق حاصل ہوں گے:

(۱) بیمار قیدی کے علاج معالجہ کی ذمہ دار حکومت ہوگی۔

(۲) قیدی کے اخراجات کی ذمہ دار حکومت ہوگی۔

(۳) بیمار قیدی کی دیکھ ریکھ کے لئے کوئی میسر نہ ہوتو اسے اس کے گھرانے کے حوالہ کیا جائے۔

(۴) قیدی کام کاج کے لئے باہر نہیں جاسکتا۔

(۵) جماعت، جمعہ وعیدین کے لئے نہیں نکل سکتا۔

(۶) کسی کی نماز جنازہ پڑھنے کے لئے نہیں نکل سکتا۔

(۷) تیمارداری۔

(۸) جیل سے باہر جاکر ملنا جلنا۔

(۹) مہمان نوازی۔

قیدی کو ان امور کی اجازت دی جائے گی

(۱) عزیزوں سے ملنے کا حق حاصل ہوگا۔

(۲) خرید وفروخت۔

(۳) ہبہ کرسکتا ہے۔

(۴) صدقہ کرسکتا ہے۔

تعزیر کے باب میں حاکم بالکل مطلق العنان نہیں ہوتا بلکہ اصولی طور پر ان قوائد وضوابط کا پابند ہوتا ہے جن کی تدوین فقہاء شریعت نے کی ہے۔

(۱) سزاؤں کی تجویز و مقدار شریعت کی مقررہ مصالح کے خلاف نہ ہو۔

(۲) سزا کا مقصد فساد و بدامنی کا خاتمہ ہو، انسان کی آزادی و آبرو پامال کرنا نہ ہو۔

(۳) سزا جرم کے بقدر ہو۔

(۴) سزا کی تنفیذ مساویانہ ہو تمام عدالتوں میں اس کی پابندی کی جائے۔

۱-تہمت کی بنیاد پر قید کرنا اور اس کی مدت

شریعت نے جن انسانی بنیادی حقوق کے تحفظ کا حکم دیا ہے ان میں سے ایک عزت نفس اور آبرو ہے، اور جب تک کسی انسان کا مجرم ہونا ٹھوس دلائل اور مطلوبہ شہادت کے ذریعہ ثابت نہ ہو جائے اس وقت تک حد یا تعزیر کا نفاذ نہیں کیا جا سکتا۔

قید کرنا تعزیر کی ایک قسم ہے اس لئے جب تک ملزم کے جرم کا ثبوت مہیا نہ ہو اس وقت تک ملزم کو قید کی سزا دینا اس کی عزت و آبرو پر حملہ کرنا ہوگا جس کی شریعت میں اجازت نہیں۔

اگر قید کی ضرورت متقاضی ہو تو مدت قید کی تعیین حاکم کی صوابدید پر مبنی ہوگی یا جن ممالک میں بعض جرائم کی تعزیر کی تعیین کو قانونی شکل حاصل ہے وہاں اس کے مطابق عمل کی گنجائش ہے۔

۲-قیدیوں کو کیا حقوق حاصل ہیں؟

(الف) مذہبی امور-عبادت کرنا: عبادت کرنے کا حق قیدی کو حاصل ہے، وہ تمام آیات و احادیث جن سے عبادات کا وجوب ہوتا ہے ہے اس کا مخاطب قیدی بھی ہے، نماز، روزہ، زکوۃ کا پابند ہے، حج قیدی کے لئے قید کی وجہ سے مؤخر رہے گا۔ جمعہ وعیدین واجب نہیں۔ البتہ جن جیلوں میں جمعہ وعیدین کا اہتمام کیا جاتا ہے وہاں ان میں شامل ہونا ضروری ہے۔

مذہبی کتابیں-قرآن کی تلاوت کا قیدی اسی طرح پابند ہے جس طرح وہ آزاد رہنے کی حالت میں پابند تھا "فاقرؤوا ما تیسر من القرآن"(سورۂ مزمل:۲۰)، "اتل ما أوحی إلیک" (سورۂ عنکبوت:۴۵) تلاوت قرآن کے ساتھ کتب تفسیر واحادیث ودیگر متعلقہ کتابیں پڑھنے کا حق اسے حاصل ہے۔

دعوت دین-امر بالمعروف ونھی عن المنکر کسی مقام وفرد کے ساتھ مختص نہیں ہے، قیدی دین حق کی اشاعت کا اسی طرح مکلّف ہے جس طرح غیر قیدی، بلکہ داعی قیدی جیل میں رہنے والوں کی سیرت سازی میں بنیادی کردار ادا کرسکتا ہے: "أدع الی سبیل ربک" (سورۂ نحل:۱۲۵) کا حکم قیدی کو دعوت دین کا مکلّف بناتا ہے۔

غذا کی فراہمی-قیدی کے لئے مذہبی تعلیمات کے مطابق غذا فراہم کرنا ضروری ہے، قیدی کے عقیدے اور مذہبی شخصیات اور مقدس کتابوں کی بے حرمتی خود ایک مجرمانہ عمل ہے اس سے گریز کرنا قیدی کے حق کا تقاضا ہے۔

ب-جسمانی ضروریات-قیدی کے حقوق میں یہ شامل ہے کہ اسے مناسب موزوں غذا، پینے کا پانی، وقت ضرورت علاج اور ایسا ماحول مہیا کیا جائے جس میں وہ ہلاکت وامراض سے محفوظ رہ سکے۔

رہائش کے لئے تنگ وتاریک جگہ فراہم کرنا انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہے، ایسی جگہ جس میں بہ سہولت قیدی رہ سکے فراہم کرنا جیلر کی ذمہ داری ہے۔

جنسی تعلق-قیدی مرد ہو یا عورت اگر قیدی کی مدت طویل ہے تو انہیں جنسی تعلق قائم کرنے کے لئے انتظامات قید خانہ میں کئے جانے چاہیں کہ جنسی خواہش کی تکمیل بھی انسانی صحت اور بقاء نسل انسانی کے لئے ضروری ہے، اس لئے اگر مرد مقید ہو تو اسے بیوی سے ملنے کا حق حاصل ہے اسی طرح عورت اسیر ہو تو اسے شوہر سے ملنے کا حق حاصل ہے اور خلوت صحیحہ کا موقع

فراہم کیا جانا چاہیے۔

''قیدیوں کے خلوت کے حقوق - اسلام کی نظر میں'' کے عنوان سے یہ بحث اسلامی دنیا میں سال گذشتہ چھڑی اس سلسلے میں مصر کے مفتی ڈاکٹر علی جمعہ نے ایک فتوی دیا:

فتوی کی اصل عبارت یہ ہے:

"یجوز شرعاً اختلاء المسجون بزوجته وكذلك الزوجة المسجونة بزوجها لممارسة الحقوق الشرعية الخاصة بالزوجين، وذلك لأن العقوبة في الإسلام شخصية لا تتعدى الجاني إلى غيره" (رسالة القاهرة ''مطالب باجازة الخلوة الشرعية في سجون مصر'' جريدة العالم الاسلامي، العدد: ۱۸۵۸، الاثنين ۲۸ رجب ۱۴۲۵، ۱۳ ستمبر ۲۰۰۴، عبد العظیم الباسل)۔

(قیدی مرد بیوی سے اور قیدی بیوی مرد سے شرعی طور پر خلوت میں مل سکتے ہیں تا کہ ازدواجی حقوق کی ادائیگی ہو سکے کیوں کہ اسلام میں سزا کا تعلق صرف اسی فرد سے ہوتا ہے جو مجرم ہے، اس میں دوسرے کی حق تلفی نہیں کی جاتی)۔

اس طرح جب بیوی مقید ہو تو اس کی وجہ سے شوہر کو اور جب شوہر مقید ہو تو اس کی وجہ سے بیوی کو ازدواجی حق سے محروم نہیں کیا جائے گا۔

سماجی حقوق - قیدی کو سماجی حقوق بھی حاصل ہونے چاہئیں اخبارات پڑھنے، دوسرے قیدیوں سے ملاقات کرنے اور ایسے ہی فون کے ذریعہ احباب واقارب سے بات کرنے کا حق حاصل ہونا چاہئے جو حکام کی نگرانی میں ہو۔ تعلیم و ہنر سیکھنے کے مواقع بھی مہیا ہونا چاہئے۔

اخلاقی امور - قیدیوں کے بارے میں اخلاقی اصول وضوابط کی حد بندی اور پابندی ضروری ہے، مردوں عورتوں کے لئے مخلوط نظام رہائش نہیں ہونا چاہئے، ویسے بھی بچوں کی جیل علیحدہ ہوتی ہے۔ صنفی آوارگی سے محفوظ رکھنے کے لئے ان حقوق کی رعایت ضروری ہے۔

۳-اقبال جرم کے لئے ڈرانے دھمکانے کی حدیں

الف-اگر کسی قیدی کے بارے میں غلبۂ ظن ہو کہ وہ کوئی راز یا قیمتی فارمولہ جسم کے کسی حصے پر چھپائے ہوئے ہے تو جامہ تلاشی لی جاسکتی ہے اور اس مقصد کے لئے بے لباس کرنے کی اجازت ہوگی۔

اس حدیث سے استدلال کیا جاتا ہے جس میں رازدارانہ خط لے جاتی ہوئی ایک خاتون گرفتار کی جاتی ہیں اور ان سے خط طلب کیا جاتا ہے وہ انکار کرتی ہے پھر جامہ تلاشی کی دھمکی بے لباس کرنے بات کہی جاتی ہے بالآخر بنتی برراز مکتوب دستیاب ہوجاتا ہے۔

ابورافع کہتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں یعنی مجھے، زبیر اور مقداد کو روانہ فرمایا اور حکم دیا: ''خاخ'' جاؤ، وہاں ایک لونڈی ایک خط لئے ہوئے ہوگی، وہ خط اس سے حاصل کرلیا جائے، ہم تیزی کے ساتھ سفر کرتے ہوئے اس لونڈی تک جا پہونچے اور مکتوب طلب کرنے لگے، وہ انکار کرتی رہی پھر ہم نے اس سے کہا: '' لتخرجن الكتاب أو لنلقين الثياب '' یہ کہنا تھا کہ اس نے مکتوب ہمارے حوالے کردیا (صحیح مسلم ۲/ ۳۰۲)۔

امام نووی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ بہ وقت ضرورت جاسوس وسی آئی ڈی کی جامہ تلاشی لی جاسکتی ہے (شرح نووی مسلم ۲/ ۳۰۲)۔

ب- مار پیٹ-قید میں رکھنا خود تعزیر وسزا ہے اس کے بعد مار پیٹ کرنا عام حالات میں درست نہیں ہے، الا یہ کہ قیدی ایسا مجرم ہے جو جیل میں ہوتے ہوئے بھی سرکشی کا مظاہرہ کرتا ہے تو تادیبی کارروائی کے طور پر ایسی ضرب اور زدوکوب کی اجازت ہوگی جس میں ضرب کے متعلق آداب شرعی کا لحاظ رکھا جائے، جیسے چہرہ پر نہ مارے، ایسی ضرب نہ ہو جس سے کسی عضو کو نقصان پہنچ جائے، جسم پر تشلت پڑ جائے (ثابت بن انس، باب فی الاسر ینال منہ ویضر)۔

ج- الکٹرک شاٹ لگانا-شریعت کی تعلیمات کے مطابق مجرم قیدی کوالکٹرک شاٹ لگانا درست نہیں ہے، کیوں کہ اس سے اسے سخت جسمانی نقصان پہنچ سکتا ہے، اس کے حواس معطل ہو سکتے ہیں۔خون کے دوران کوشدید نقصان پہنچ سکتا ہے۔

د- کتے چھوڑنا- قیدیوں پر کتے چھوڑنا درندگی کی علامت ہے، انسانی وقار کی توہین ہے اور شدید نقصان پہونچانے کی کوشش ہے، حدیث میں دو درندوں جانوروں کولڑانے کی ممانعت آئی ہے، اس پہلو سے بھی ایک انسان پر کتے چھوڑنا ممنوع ہوگا۔

ھ-قیدی کو برف پرلٹانا-ٹھنڈک کے موسم میں قیدی کو برف کی سل پرڈالنالٹانااور پر مجبور کرنا اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے، اس سے قیدی کے صحت کو نقصان پہنچنے کا شدید اندیشہ ہے، اور "زمہریر" سے مشابہت پائی جاتی ہے۔جس طرح کسی مخلوق کو آگ سے جلانے کی ممانعت ہے اسی طرح جہنم کے عذاب میں "زمہریر" ہے، اس لئے برف کی سل پرلٹانے کی سزا سے گریز ضروری ہے۔

و- جگے رہنے پر مجبور کرنا-مختلف ذرائع سے قیدی کو جگے رہنے پر مجبور کرنا بھی درست نہیں ہے، مسلسل بے خوابی سے دماغی توازن بگڑ سکتا ہے، قدرت نے رات نیند کے لئے بنائی ہے: "وجعلنا نومکم سباتا" (سورۂ نبأ:۹) جگے رہنے پر مجبور کرنا ان آیات کی خلاف ورزی کرنی ہوگی۔

۴-قیدیوں کوزنجیروں ہتھکڑیوں اور بیڑی میں جکڑا جاسکتا ہے؟

قیدی کو اس اندیشے سے کہ ہوفرار نہ وہ جائے حسب ضرورت باندھ کر رکھ سکتے ہیں لیکن بندش جارح، اذیت رساں نہ ہوا (سنن ابی داؤد ۲/ ۲۶۳)۔اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ نے جوحسن برتاؤ فرمایا ہے اس کی سرگزشت سیدنا ابوہریرۃ کی زبانی سنیے۔رسول اللہ ﷺ نے

کچھ سواروں کو نجد بھیجا وہ یمامہ کے سردار ثمامہ بن اثال کو پکڑ لے آئے اور مسجد کے ایک ستون میں باندھ دیا جب رسول اللہ ﷺ کا گزر ہوا تو فرمایا: ثمامہ تمہاری اپنے بارے میں کیا رائے ہے؟ انہوں نے جواب دیا: اے محمد (ﷺ)! اگر آپ ہمیں قتل کریں گے تو ایک صاحب حیثیت کا خون کریں گے، اگر احسان فرمائیں گے تو احسان شناس پر مہربانی کریں گے، اگر آپ مال کے خواہاں ہیں تو فرمائش کی تکمیل کی جائے گی، رسول اللہ ﷺ انھیں چھوڑ کر چلے گئے، جب آپ ﷺ دوسرے دن تشریف لائے تو وہی سوال و جواب دہرائے گئے۔ آپ ﷺ نے کچھ تعرض نہ کیا اس کے بعد جب آپ ﷺ تیسرے دن تشریف لائے تو پھر وہی سرگذشت رہی، یہ صورت حال دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ ثمامہ کو آزاد کر دیا جائے، اب ثمامہ مسجد سے متصل کھجور کے درخت کے پاس گئے غسل کیا اور مسجد میں آ کر کلمۂ شہادت کا نعرہ بلند کیا ''أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدا عبده ورسوله'' اور ثمامہ کہنے لگے اے محمد (ﷺ) بخدا روئے زمیں پر آپ سے زیادہ ناپسندیدہ کوئی شخصیت نہ تھی لیکن اب آپ انتہائی محبوب شخصیت بن کر دل و دماغ پر چھا گئے، آپ کے دین سے زیادہ برا میرے یہاں اور کوئی دین نہیں تھا، پر اب آپ کے دین سے بہتر کوئی نظام حیات متصور نہیں، پہلے آپ کے شہر کو ناپسند کرتا اب اس پر فدا ہوتا ہوں، آپ کے دستے نے مجھے گرفتار کر لیا جب کہ عمرے کے ارادے سے نکلا تھا اب آپ کا میرے بارے میں کیا فیصلہ ہے، آپ ﷺ انہیں مبارک باد دی اور عمرہ کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ پھر جب ثمامہ مکہ آئے تو لوگوں نے بددین ہونے کی پھبتی کسی، اس موقع پر وہ کہہ اٹھے: میں رسول اللہ ﷺ پر ایمان لایا اور ان کا تابعدار رہوا۔ اہل مکہ سن لو! یمامہ سے گندم کا ایک دانہ بھی رسول اللہ ﷺ کی اجازت کے بغیر تم تک نہ پہنچ پائے گا۔

اس مفصل روداد میں قیدی کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے، کس اخلاق کا مظاہرہ کیا جائے عزت نفس کا کس درجہ خیال رکھا جائے اس کا جلوہ نظر آتا ہے۔

☆ قیدی کو ستون میں باندھنا ثابت ہے جس سے یہ نتیجہ نکالا جائے گا کہ قیدی کو باندھ سکتے ہیں، ہتھکڑی پہنا سکتے ہیں، اور وقت ضرورت پاؤں میں بیڑی بھی ڈالی جا سکتی ہے۔

☆ تین دن قید میں رکھنا بھی اس سے ثابت ہوتا ہے۔

☆ قیدی سے پوچھ تاچھ کا خوب تر طریقہ بھی سکھایا گیا۔

☆ قیدی کے ساتھ حسن برتاؤ کا انداز بھی سامنے آیا۔

☆ بعض روایات میں ثمامہ کے بند ڈھیلے کرنے کی ہدایت آئی ہے کہ قیدی کو ہتھکڑی یا زنجیر یا بیڑی ڈالتے وقت خیال رہے کہ اس کے دست و پا..................

☆ اگر قیدی کے پاؤں میں بیڑی یا ہاتھ میں ہتھکڑی ڈالی جائے تو اس بات کا خیال رہے کہ وہ پنجگانہ نماز بہتر طریقہ پر ادا کر سکے۔

☆ قیدی کے ساتھ ایسا رویہ اپنایا جائے کہ وہ جرم پر نادم ہو، دوبارہ انجام دینے کا جذبہ کافور ہو جائے، صالح فرد بن کر صالح معاشرہ میں شامل ہو جائے جس طرح ثمامہ کا حال ہوا۔

۵- قید تنہائی کی بہ وقت ضرورت گنجائش ہے۔ البتہ اس سے ملنے جلنے کے وہ حقوق حاصل ہوں گے جو عام قیدیوں کا حال ہوتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ تعزیر کی تعیین کا حق ہر زمانے کے حکام کو دیا گیا ہے۔

۶- قیدیوں کو مصروف رکھنے خوش حال رکھنے کے لئے فرق مراتب کو ملحوظ رکھتے ہوئے کام لیا جا سکتا ہے، احادیث کے ذخیرے میں ان روایات سے استدلال کیا جا سکتا ہے جن سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں کو زبان سکھانے کے عوض بعض کافروں کی رہائی قرار پائی، اس سے دو چیزیں ثابت ہوتی ہیں: (۱) کام کرانے کی اجازت (۲) کام کی مزدوری دینے کی ضرورت۔

۷- جن قیدیوں کا مقدمہ زیر سماعت ہے وہ ابھی صرف ملزم کی حیثیت رکھتے ہیں ان

کے مسائل سزا یافتہ مجرموں کے مسائل سے علیحدہ ہیں جن کو مجرم قرار دیا گیا ہے، وہ جیل میں مجرم کی حیثیت سے گزارا کریں گے اور ان پر وہ سزائیں نافذ ہوں گی جو ان کے لئے طے ہوئی ہیں۔

ملزم کا قیام جیل میں حفاظتی بندوبست کے تحت ہے اس کے ساتھ مجرم کا معاملہ روا رکھنا درست نہ ہوگا۔ مجرم کے مقابلہ میں ملزم کو زیادہ حقوق اور سہولتیں حاصل ہونی چاہئے۔

۸- زیر سماعت قیدی کو فیصلے سے قبل سزا کی مدت کے برابر جیل میں رکھنا عدل وانصاف کے تقاضے کے خلاف ہے بلکہ صریح ظلم ہے۔ جب ملزم کے مقدمے عدالت میں پیش ہوں تو فیصلے میں تاخیر عدالت کی حیثیت عرفی کو مجروح کرتی ہے۔

اس لئے عدلیہ نظام کو چست اور سریع الحرکت ہونا چاہئے، نظام عدل کی خرابی بسیار کی نظیر اس قیدی کو بنائی جا سکتی ہے جو چالیس سال سے زائد جیل میں رہا اور اس مدت میں اس پر باقاعدہ مقدمہ بھی قائم نہ ہو سکا۔

۹- جس ملزم کو قید میں رکھا گیا اور عدالت نے اسے بری کر دیا تو یہ ملزم حیثیت عرفی مجروح ہونے، ذہنی اذیت پہنچنے کا مالی جرمانہ طلب کر سکتا ہے، عدالتی نظام میں یہ شق موجود ہونی چاہئے تاکہ لوگوں کے حقوق محفوظ ہوں اور فساد کا خاتمہ ہو۔

۱۰- قیدی مقدمات کی پیروی کے لئے وکیل رکھ سکتا ہے۔

۱۱- خواتین قیدیوں سے شیر خوار بچوں کو علیحدہ نہیں کیا جائے گا، الا یہ کہ جیل کا ماحول بچوں کو موافق نہ آئے اور متبادل بہتر نظم موجود ہو، حدیث میں ہے کہ پرورش ونگہداشت کے مقصد کے لئے ماں پر حد زنا جاری کرنے میں تاخیر کی گئی۔ اس لئے جیل میں ماں کے ساتھ شیر خوار بچے کو رکھا جائے گا۔

اسلام میں قیدیوں کے حقوق

مولانا محمد اشرف عباس قاسمی ☆

الحمدلله وحده، والصلاة والسلام علی من لانبی بعده۔ أمابعد!

اسلام، دنیا میں ایک ایسا نظام عدل قائم کرنا چاہتا ہے جس میں سب کو یکساں حقوق حاصل ہوں، اور کوئی بھی فرد رنگ، نسل، صنف اور مذہب کی بنیاد پر تفریق کا شکار ہوکر انصاف سے محروم نہ رہ جائے۔ اسلام اپنے ماننے والوں کو ہر حال میں اس بات کا پابند بناتا ہے کہ وہ حد سے نہ گزریں، کمزور طبقات کے حقوق کا خیال رکھیں، حتی کہ عین حالت جنگ میں بھی بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کے قتل کی اجازت نہیں دی گئی ہے۔ اسی طرح قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک اور انہیں عطا کردہ حقوق بھی کتاب وسنت اور فقہ اسلامی میں موجود ہیں، یہ الگ بات ہے کہ قیدیوں کی انواع الگ الگ ہیں۔ بعض بہت خطرناک قسم کے قیدی ہوتے ہیں، بعض جنگی قیدی ہوتے ہیں، بعض سیاسی قیدی ہوتے ہیں اور بعض چوری یا اسی طرح کے کسی اور واردات کی وجہ سے حوالات میں پہونچ جاتے ہیں، ہم ذیل میں کسی خاص قسم کی تخصیص کے بغیر قیدیوں کے عمومی حقوق سے متعلق اسلامی تعلیمات کا جائزہ لے رہے ہیں۔

قید کا ثبوت

نفس قید وحبس کا ثبوت کتاب اللہ سے بھی ہے اور سنت رسول اللہ ﷺ سے بھی۔

☆ جامعہ مظہر سعادت ہانسوٹ، بھروچ، گجرات۔

چنانچہ قرآن کریم میں ہے:"وخذوهم واحصروهم" (انہیں پکڑوں اور باندھو)۔محاربین کی سزا کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ پاک فرماتے ہیں:"أو ينفوا من الأرض" (المائدہ:۳۳)۔ علماء کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ یہاں نفی سے مراد قید کرنا ہے:"قال القرطبي: وقال مالك والكوفيون: نفيهم سجنهم فينفي من سعة الدنيا إلى ضيقها فصار كأنه إذا سجن فقد نفي من الأرض" (القرطبی: الجامع لأحکام القرآن ۶/۱۵۳)۔"قال الألوسي: المراد بالنفي عندنا هو الحبس والسجن، والعرب تستعمل النفي بذلك المعنى لأن الشخص به يفارق بيته وأهله(لألوسی:روح المعانی ۶/۱۷۶)۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: "ان النبي ﷺ حبس رجلا في تهمة" (البیہقی ۶/۷۷)۔

یعنی رسول اکرم ﷺ نے الزام کے سبب ایک شخص کو قید فرمادیا تھا۔

قید خانے کی تاریخ

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدیم زمانے میں بھی قید خانے کا رواج رہا ہے۔قرآن کریم میں حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے میں قید خانہ اور اس میں حضرت یوسف علیہ السلام کی دعوتی واصلاحی سرگرمیوں کا ذکر موجود ہے، البتہ شروع اسلام میں قید خانے کی عمارت نہیں ہوتی تھی، بلکہ ایسے لوگوں کو مسجد میں یا دہلیز پر ہی باندھ دیا جاتا تھا۔سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے قید خانے کے لئے عمارت خریدی۔ایک قول یہ ہے کہ خلفاء ثلاثہ کے دور میں قید خانہ تھا ہی نہیں۔اسلام میں حضرت علیؓ پہلے شخص ہیں جنھوں نے قید خانہ کی تعمیر کی (ابن الھمام: فتح القدیر ۷/۲۶۰ بیروت؛ وفی ذلک یقول علی رضی اللہ عنہ: الاتراني كيسا مكيسا، بنيت بعد نافع مخيسا، بابا حصيناً وأمينا كيسا)

قاضی ابو یوسفؒ فرماتے ہیں: **وأول من فعله علي بن أبي طالب كرم الله وجهه بالعراق، ثم فعله معاوية بالشام ثم فعل ذلك الخلفاء من بعده** (ابو یوسف القاضی: کتاب الخراج ر ۱۵۰)۔

۱- کیا کسی ملزم کو اس کے جرم کا ثبوت فراہم ہوئے بغیر قید کیا جا سکتا ہے؟

بغیر تحقیق و تفتیش کے کسی پر کوئی حکم لگا دینا یا اس کو قید و بند کی صعوبتوں میں ڈال دینا مزاج شریعت کے خلاف ہے، قرآن کریم ہمیشہ ثبوت اور احتیاط سے کام لینے کی تلقین کرتا ہے: "**يا أيها الذين آمنوا إن جاء كم فاسق بنبأ فتبينوا أن تصيبوا قوما بجهالة فتصبحوا على ما فعلتم نادمين**" (الحجرات/ ۴) (اے ایمان والو! اگر کوئی شریر آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو خوب تحقیق کر لیا کرو، کبھی کسی قوم کو نادانی سے ضرر نہ پہنچا دو، پھر اپنے کئے پر پچھتانا پڑے)۔

عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں: "**ولا تبين في قيد إلا رجلا مطلوبا بدم**" (المرجع السابق ص ۱۵۰)۔

حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ نے ایک خفیہ خط کے ذریعہ کفار مکہ کو رسول اکرم ﷺ کے ارادوں سے باخبر کرنا چاہا اور انہوں نے اس کے لئے ایک خاتون کی خدمت حاصل کی، رسول اکرم ﷺ کو بہ ذریعہ وحی اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے حاطب سے اس کے متعلق اس وقت تک استفسار نہ کیا جب تک کہ وہ خط اس خاتون سے حاصل کر کے خدمت اقدس میں پیش نہ کر دیا گیا۔

البتہ بعض صورتوں میں گرفتاری کے بغیر جرم کی تہہ تک رسائی نہیں ہو پاتی، یا اس بات کا اندیشہ ہے کہ مجرم کو اگر بھنک لگ گئی تو وہ راہ فرار اختیار کر سکتا ہے تو ان حالات میں بہ طور احتیاط کے گرفتاری کی گنجائش ہے، بشرطیکہ وہاں ایسے پہلو موجود ہوں جو اس کے مجرم ہونے کی نشاندہی کرتے ہوں۔ بطور احتیاط کے جرم کے ثبوت کے بغیر اگر کسی مجرم کو قید کر دیا جاتا ہے تو اس

صورت میں چوں کہ اب تک اس کے خلاف جرم ثابت نہیں ہوسکا ہے محض ایک ضرورت کی بنا پر اسے محبوس کرلیا گیا ہے لہذا ''الضرورة تقدر بقدرها'' کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسے جتنی جلد ہوسکے رہا کیا جائے، یا جرم ثابت ہو جانے کی صورت میں آگے کی کارروائی کی جائے۔ چوں کہ جرائم کی نوعیت اور اشخاص کے احوال مختلف ہوتے ہیں اس لئے اسے قاضی کی رائے پر مفوض کیا جائے گا، اور اس سلسلے میں کسی خاص مدت کی تحدید نہیں کی جاسکتی۔ والصحيح أن التقدير مفوض إلى رأى القاضي لاختلاف أحوال الأشخاص فيه'' (المرغینانی: الہدایہ مع البنایہ ۸/۷۳)۔

الف- مذہبی امور

جس طرح عام حالات میں اسلام مذہبی رواداری اور سیر چشمی کا مظاہرہ کرتا ہے، اسی طرح بے بس قیدیوں کو بھی یہ حقوق حاصل رہیں گے۔ ایک اعرابی رسول اکرم ﷺ کے پاس دبے پاؤں اس وقت آپہنچا جب آپ غزوہ ذات الرقاع سے لوٹ رہے تھے اور درخت پر تلوار لٹکا کر اس کے سایہ میں آرام فرما رہے تھے۔ اعرابی تلوار سونت کر پوچھا: من يمنعك مني؟ تم کو مجھ سے کون بچائے گا۔ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: الله۔ اتنا سننا تھا کہ اعرابی پر لرزہ طاری ہوگیا، تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور اب تک جو قتل کرنے کی تاک میں تھا اب بالکل بے بس قیدی کی طرح آپ کے رحم وکرم پر ہے۔ اسی حالت میں رسول اکرم ﷺ اسے قبول حق کی دعوت دیتے ہیں، لیکن وہ اپنے مذہب پر اصرار کرتا ہے۔ آپ اس سے کوئی تعرض نہیں کرتے ہیں اور وہ چلا جاتا ہے (دیکھئے صحیح البخاری مع الفتح ۷/۴۲۶، رقم: ۴۱۳۶)۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ قیدی اپنے مذہبی امور میں آزاد ہیں۔ وہ اپنی مذہبی کتابوں کا مطالعہ کرسکتے ہیں، ان کی مذہبی تعلیمات کے مطابق انہیں غذا فراہم کی جائے گی، اور ان کی

مذہبی شخصیات اور کتابوں کی بے توقیری سے احتراز کیا جائے گا۔ کیوں کہ یہ احکام تو مسلمانوں کو عام حالات کے لئے بھی دیے گئے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے: "ولا تسبوا الذين يدعون من دون الله فيسبوا الله عدواً بغير علم" (الأنعام:۱۰۹) (اور دشنام مت دو ان کی جن کو یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں پھر وہ براہ جہل حد سے گزر کر اللہ تعالی کی شان میں گستاخی کرے)۔

کوئی بھی مسلم قیدی دوسرے قیدیوں تک دین کی دعوت پہنچا کر یوسف علیہ السلام کی سنت زندہ کرسکتا ہے، البتہ مذہب کے نام پر کسی بھی ایسے عمل کی اجازت نہیں دی جاسکتی جو دوسروں کی دل آزادی کا سبب بنے۔

ب- جسمانی ضروریات

قیدیوں کی جسمانی ضروریات مثلاً اکل وشرب کی فراہمی بھی مسلم ریاست کے فرائض میں شامل ہے۔ ولأسير من أسرى المشركين لابد أن يطعم ويحسن إليه حتى يحكم فيه" (ابو یوسف القاضی: کتاب الخراج/ص ۱۴۹)۔ غیر مسلم قیدی کا جب تک فیصلہ نہ ہو جائے اسے کھلایا پلایا جائے اور اچھی طرح رکھا جائے۔ امام ابو یوسفؒ اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے ہارون رشید کو لکھتے ہیں: "ان قیدیوں کے حسب حال کھانے اور سالن کا انتظام کیجئے اور ان کا ماہانہ وظیفہ متعین کر دیجئے، اور اصلاح وتقوی کے مالک ایک ایسے شخص کا انتخاب کر لیجئے جو تمام قیدیوں کا اندراج رکھے۔ یہ سارے نام اس کے پاس ہوں، وہ ہر مہینے یہ نام پکارے، ٹھنڈی میں قیدیوں کو قمیص اور کمبل دیا جائے اور گرمی میں قمیص اور تہہ بند، (المصدر السابق/ص ۱۵۰)۔

قرآن کریم میں ایسے لوگوں کی خاص فضیلت ذکر کی گئی ہے جو اپنا کھانا ضرورت اور چاہت کے باوجود قیدیوں کی نذر کر دیتے ہیں، ارشاد باری ہے: "ويطعمون الطعام على

حبه مسكيناً ويتيماً وأسيراً" (الدھر:۸) (اور وہ لوگ خدا کی محبت سے غریب، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں)۔ قاضی ابوبکر ابن العربیؒ اس آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں: "وفي إطعامه ثواب عظيم، وإن كان كافراً فإن الله يرزقه فقد تعين بالعهد إطعامه، ولكن من الفضل في الصدقة، لا من الأصل في الزكاة، ويدخل فيه المسجون من المسلمين فإن الحق قد حبسه عن التصرف وأمره فيما وجب عليه فقد صار له على الفقير المطلق حق زائد بما هو عليه من المنع عن التمول في المعاش أو التصرف في الطلب" (ابوبکر بن العربی: احکام القرآن ۱۸۹۸/۴)۔ قیدی کو کھلانے میں بڑا ثواب ہے اگر چہ وہ کافر ہو، کیوں کہ اللہ اس کو رزق دیتا ہے، اس کو کھلانا، پلانا، ذمہ داری بن چکی ہے، البتہ صدقے کے زائد مال سے اس کا نظم ہوگا، اصل زکوۃ سے نہیں۔ اسی میں مسلم قیدی بھی شامل ہیں، اس لئے کہ حق نے اسے تصرف سے روک دیا ہے اور واجبات کی ادائیگی میں محبوس کر رکھا ہے۔ اس اعتبار سے مطلق فقیر کے مقابلہ میں اسے ایک گونہ امتیاز حاصل ہے کیوں کہ اسے تو کسب معاش یا کسی بھی طلب وجستجو سے بہ زور روک دیا گیا ہے" مصعب بن عمیر کے بھائی ابوعزیر بن عمیر کہتے ہیں: كنت في رهط من الأنصار حين أقبلوا بي من بدر فكانوا إذا قدموا غداء هم أو عشاء هم خصوني بالخير وأكلوا التمر لوصية رسول الله ﷺ إياهم بنا. ما تقع في يد رجل منهم كسرة خبز إلا نفخن بها فأستحيي، فأردها. فيردها عليّ لا يمسها (ابن ہشام: ۲۸۸/۲)۔

غذائی ضروریات میں صاف پانی اور علاج کا انتظام بھی شامل ہے۔

ورزش وتفریح

حفظان صحت کے لئے ورزش وتفریح قیدیوں کا کوئی حق واجب نہیں۔ قیدیوں کے

جرائم کی نوعیت کے اعتبار سے اس کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ کبھی حبس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ مضطر ہو کر ادائیگی حق پر آمادہ ہو جائے، اور ظاہر ہے کہ اس طرح کی سہولیات اس مقصد میں آڑے آ سکتی ہیں۔

بیوی سے تعلق

بیوی سے تعلق کے سلسلہ میں فقہاء کے یہاں دونوں آراء ملتی ہیں، علامہ عینیؒ فرماتے ہیں: "ولو احتاج إلى الجماع تدخل زوجته أو جاريته فيطؤها حيث لا يطلع عليه أحد وقيل الوطأ ليس من أصول الحوائج فيجوز أن يمنع" (العینی: البنایہ ۸/ ۳۱) (اگر جماع کا تقاضہ ہو تو اس کی بیوی یا باندی اس کے پاس چلی جائے اور وہ اس سے اپنے جذبات کی تسکین کر لے۔ لیکن دوسرا قول یہ ہے کہ اس کو جماع کی اجازت نہیں دی جائے گی، اس لئے کہ جماع ضرورت اصلیہ میں سے نہیں ہے)۔

غزوہ تبوک سے لوٹنے کے بعد رسول اکرم ﷺ نے تین صحابہ کرام کے سماجی بائیکاٹ کا حکم دیا تھا۔ چالیس دنوں کے بعد اس میں یہ شق بھی داخل کر دی گئی تھی کہ یہ تینوں حضرات اپنی بیویوں سے علاحدہ رہیں اور جماع وصحبت سے بالکل گریز کریں۔ قال كعب: حتى إذا رسول مضت أربعون من الخمسين إذا رسول الله ﷺ يأتيني فقال: إن رسول الله ﷺ يأمرك أن تعتزل امرأتك قال: فقلت: أطلقها أم ماذا أفعل؟ قال: لا بل اعتزلها فلا تقربنها۔ قال: فأرسل إلى صاحبيّ مثل ذلك" (اخرجہ البخاری، رقم: ۲۷۵۷، مسلم رقم: ۵۳-۲۷۶۹)۔

اس لئے ہمارے خیال میں اس مسئلہ میں قدرے تفصیل کی جائے، اسلامی عدالتی نظام کسی بھی مستغیث کو جلد انصاف فراہم کرتا ہے اور مجرم پر جلد ہی سزا کا نفاذ علم میں آ جاتا ہے، اس

نظام کے اعتبار سے مدت مدیدہ کے لئے قید وحبس کی ضرورت ہی نہیں پیش آتی ہے۔ البتہ کبھی ایسی صورت حال بھی پیش آتی ہے کہ طویل مدت تک کسی کو قید خانہ میں رہنا پڑتا ہے۔ تو اب غور کر لیا جائے، اگر طویل مدت کے لئے کوئی محبوس ہے تو اسے جماع کی اجازت دی جائے ورنہ نہیں واللہ اعلم۔

تنگ جگہوں میں قیدیوں کو رکھنا: اس میں ایسی تنگ جگہ میں قیدیوں کو رکھنا جہاں کھڑا ہونا یا پاؤں پھیلا کر لیٹنا یا دیوار کے باہر کسی چیز کا دیکھنا ممکن نہ ہو۔ عام حالات میں درست نہیں، اس باب میں درحقیقت اعتدال سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ قیدی کو نہ تو بہت آرام دہ، کشادہ اور مکیف جگہ فراہم کی جائے اور نہ اسے ایسے تنگ وتاریک حجرہ میں رکھا جائے جہاں دم گھٹنے لگے: "**ینبغي أن یکون موضعاً خشناً ولا یبسط له الفراش ولا وطاء ولا یدخل له أحد یستأنس به**" (ابن الہمام: فتح القدیر ۷/۲۶۰)۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی کہتے ہیں کہ حبس شرعی کا بنیادی طور پر یہ مطلب ہی نہیں کہ اسے کسی تنگ وتاریک جگہ میں مقید کر دیا جائے۔ حبس کا مطلب کسی شخص کو بے بس بنا دینا اور اسے کسی بھی طرح کے تصرف سے روک دینا ہے۔ خواہ گھر میں ہو یا مسجد میں۔ "**إن الحبس الشرعي في أصله لیس هو الحبس في مکان ضیق وإنما هو تعویق الشخص، ومنعه من التصرف سواء أکان في بیت أم مسجد، أم کان بتوکل شخص أو وکیله علیه وملازمته له**" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۶/۵۰۹)۔

ج- عام سماجی حقوق

اخبارات اور ریڈیو کی اجازت: اگر قید کا مقصد محض نظر بند کرنا اور عام لوگوں سے دور رکھنا ہے تو ایسے قیدیوں کو اخبارات اور ریڈیو کی اجازت ہوگی، اور اگر قید کا مقصد کسی حق کی وصولی

کے لئے اس پر دباؤ بنانا ہے تو اسے ایسی سہولیات فراہم نہ کی جائیں، حافظ ابن الھمامؒ نے قیدیوں کو بعض سہولیات فراہم نہ کرنے کا جواز یہ کہہ کر پیش کیا ہے: " **لأنه ليضجر قلبه فيسارع للقضاء**" (ابن الھمام: فتح القدیر ۲۶۰/۷)۔

احباب واقارب سے ملاقات اور گفتگو: قیدی کو احباب واقارب کی ملاقات اور ان کے ساتھ بات چیت سے محروم نہیں کیا جاسکتا، احباب واقارب کو ملنے کی اجازت ہوگی، ممکن ہے کہ وہ ان کی فہمائش سے راہ راست پر آجائے، البتہ یہ ملاقات مختصر ہوا کرے گی۔ **ولا يمنع من دخول أهله وجيرانه للسلام عليه لأنه قد يفضي إلى المقصود من الإيفاء بمشورتهم ورأيهم ويمنعون من طول المكث**" (ابن الھمام: فتح القدیر ۲۶۱/۷)۔

اگر فتنہ اور انتشار کا خطرہ نہ ہو تو دوسرے قیدیوں سے ملاقات میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔

قید کا مقصد یہ ہے کہ مجرم اپنی سابقہ مجرمانہ زندگی سے تائب ہوکر صحیح روش اختیار کرے، اس کے لئے فہمائش اور تذکیر کے ذرائع بھی استعمال کئے جائیں اور تعلیم وہنر سے بھی انہیں آراستہ کیا جائے، جس سے وہ صحیح معنوں میں انسان بن سکیں، ظاہر ہے کہ اسلام ایسے جذبہ کی بھرپور تشجیع کرے گا۔

د- اخلاقی امور

اسلام اخلاقیات کا سب سے بڑا داعی اور نقیب ہے۔ اسلام کسی ایسے امر کی اجازت نہیں دیتا جس سے اخلاقیات پر کسی بھی حال میں ضرب پڑتی ہو۔ اس لئے اسلامی ریاست کا فرض بنتا ہے کہ وہ مرد وعورت اور بالغ ونابالغ کے لئے علاحدہ علاحدہ قید خانہ تعمیر کرے۔ تاکہ کسی بھی طرح کے مخرب اخلاق شر وفساد سے بچا جاسکے اور مرد وخواتین تکلف کے بغیر سہولت کے

ساتھ رہ سکیں۔ بلکہ قاضی کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ مرد وزن کے مقدمات علاحدہ علاحدہ سنے۔ تا کہ اختلاط النساء مع الرجال کے فتنہ اور قباحت سے بچا جا سکے۔ تو ظاہر ہے کہ بھلا مرد وخواتین کو ایک ساتھ رکھنے کی اجازت کیسے دی جا سکتی ہے۔ **وینبغی للقاضی أن یقدم النساء علی حدة والرجل علی حدة لأن الناس یزدحمون فی مجلسه وفی اختلاط النساء مع الرجال عند الزحمة من الفتنة والقبح مالا یخفی**"(السرخسی: المبسوط ۱۶/۸۰)۔

۳-قیدیوں سے سچی بات اگلوانے کے لئے ایک حد تک سختی کی اجازت ہے۔ چنانچہ حضرت علیؓ اور ان کے ساتھیوں نے حاطب بن ابی بلتعہ کا خط لے جا رہی خاتون پر سختی برتتے ہوئے دھمکی آمیز لہجہ اختیار کیا تھا: "**قال علی: حتی أتینا الروضة فإذا نحن بالضعینة قلنا لها: أخرجی الکتاب، قالت: مامعی کتاب۔ قلنا: لتخرجن الکتاب أو لنلقین الثیاب قال: فأخرجته من عقاصها**"(البخاری فی صحیحہ رقم: ۴۲۷۴)۔

اسی غزوہ بدر سے عین قبل کفار مکہ کے جو دو غلام مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے تھے، ان سے بھی پوچھ تاچھ میں سختی برتی گئی۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے: السیرۃ النبویۃ لابن ہشام ۲/۲۵۹۔

امام ابو یوسفؒ ایک قیدی کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں: "**عوقب وأطیل حبسه**"(ابو یوسف: کتاب الخراج / ۱۵۱)۔

البتہ ان چیزوں میں حد سے گزر جانے اور بہیمانہ رویہ روا رکھنے کی قطعاً اجازت نہیں دی جا سکتی۔ لہذا قیدیوں کو بے لباس کرنا، خوب مار پیٹ کرنا، الیکٹرک شاٹ لگانا، قیدیوں پر کتے چھوڑنا، قیدیوں کو سخت ٹھنڈک میں برف کی سلوں پر ڈال دینا اور انہیں مسلسل جگائے رکھنا جائز نہیں ہے۔ قرآن کریم میں محاربین کے لئے جو سخت سزائیں متعین ہیں وہاں جرم کی نوعیت بالکل الگ ہے۔ عام قیدیوں پر اس کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا۔ امام ابو یوسفؒ خلیفہ ہارون رشید کو قیدیوں کے حال زار سے واقف کرانے کے بعد کہتے ہیں: " **فمر ولا تک جمیعاً بالنظر فی أمر**

أهل الحبوس في كل أيام فمن كان عليه أدب أدب وأطلق ومن لم يكن له قضية خلي عنه. وتقدم إليهم أن لا يسرفوا في الأدب ولا يتجاوزوا بذلك إلى ما لا يحل ولا يسع ـ فإنه بلغني أنهم يضربون الرجل. في التهمة وفي الجناية. الثلاث مائة والمأتين وأكثر وأقل ـ وهذا مما لا يحل ولا يسع، كما بلغني أن ولا تک يضربون ...أن ابن آدم لم يعر من الذنوب فتفقد أمرهم ومر بالإجراء عليهم مثل مافسرت لک"(ابو یوسف القاضی: کتاب الخراج رص ۱۵۱)۔

(آپ اپنے ماتحت افسران کو مکلّف کریں کہ وہ روزانہ قیدیوں کے احوال کا معائنہ کریں۔ جو مستحق ہو اسے سزا دے کر رہا کریں۔ اور جس کا کوئی مسئلہ ہی نہ ہو اسے چھوڑ دیں۔ آپ انھیں یہ بھی ہدایت دیجئے کہ وہ سزا اور تنبیہ میں اعتدال رکھیں۔ اور اس حد تک نہ جا پہنچیں جس کی شریعت میں اجازت اور گنجائش نہیں ہے۔ کیوں کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ کے افسران ایک شخص کو کسی جرم پر تین تین سو اور دو دو سو کوڑے مارتے ہیں۔ شریعت میں اس کا کوئی جواز اور گنجائش نہیں ہے۔ اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ افسران قیدیوں کو خوب پیٹتے ہیں...دیکھئے کوئی بھی انسان گناہوں سے پاک نہیں ہوتا، اس لئے آپ ان کے معاملے کا جائزہ لیجئے اور میری ذکر کردہ تفصیلات کے مطابق کارروائی کیجئے)۔

حدود وقصاص اور کفارہ کے علاوہ گناہ اور جرم کی جتنی صورتیں پیش آتی ہیں سب پر تعزیر ہوتی ہے۔ اور یہ تعزیر جرم کی نوعیت کے اعتبار سے خلیفہ المسلمین یا قاضی یا حاکم تجویز کریگا۔ تعزیر کی ہی ایک صورت یہ ہے کہ اس کو قید خانہ میں ڈال دیا جائے گویا قید خانہ میں ڈال دیا جانا مستقل ایک تعزیر ہے۔ اور اسلام فقط یہ چاہتا ہے کہ جرم کی نوعیت کے اعتبار سے مجرم سے نمٹا جائے (ابوزھرۃ: الجریمۃ والعقوبۃ فی الفقہ الاسلامی/ص ۴۴۵)۔

۴- قیدیوں کو زنجیروں میں جکڑا جا سکتا ہے، انہیں ہتھکڑیاں پہنائی جا سکتی ہیں اور

انہیں بیڑی ڈالی جاسکتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:"فإذا لقیتم الذین کفروا فضرب الرقاب حتی إذا أثخنتموهم فشدوا الوثاق" (محمد/) (سوتمہارا جب کفار سے مقابلہ ہو جاوے تو ان کی گردنیں ماردو، یہاں تک کہ جب تم ان کی خوب خونریزی کر چکو تو خوب مظبوط باندھ لو)، نیز یمامہ کے سردار ثمامہ بن اثال کو جب مسلمانوں نے گرفتار کیا تھا تو انہیں ایک ستون سے باندھ دیا تھا۔ عن أبی هریرة رضی الله عنه قال: بعث رسول الله ﷺ خیلا قبل نجد فجاء ت برجل من بنی حنیفة یقال له ابن اثال۔ سید أهل الیمامة۔ فربطوه بساریة من سواری المسجد" (اخرجہ مسلم فی صحیحہ، رقم ۵۹-۱۷۶۴)۔

اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں رسول اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: "اللہ پاک اس قوم سے خوش ہوتے ہیں جسے بیڑیاں پہنا کر جنت میں داخل کیا جاتا ہے۔ اور ایک روایت میں ہے جسے زنجیروں کے ساتھ جنت کی طرف گھسیٹ کر لے جایا جائے گا۔" یعنی کفر کی حالت میں مسلمانوں سے لڑتے ہیں، قیدی بنائے جاتے ہیں، ہتھکڑیاں بیڑیاں لگادی جاتی ہیں۔ دارالاسلام لایا جاتا ہے، پھر دارالاسلام آکر حلقہ بگوش اسلام ہو جاتے ہیں اور اس طرح جنت میں داخل ہو جاتے ہیں:"عن أبی هریرة رضی الله عنه عن النبی ﷺ قال: عجب الله من قوم یدخلون الجنة فی السلاسل، وفی روایة یقادون إلی الجنة بالسلاسل" (رواہ البخاری، مشکاۃ المصابیح، رقم:۳۹۶۰)۔

اسی طرح صحابہ کرام نے بنو عامر بن صعصعہ ایک شخص کو گرفتار کر کے اسے جکڑ دیا تھا: "أسر أصحاب النبی ﷺ رجلا من بنی عامر بن صعصعة فمرّ به علی النبی ﷺ وهو موثق" (الجصاص الرازی: أحکام القرآن ۵/۲۷۰)۔ البتہ اس عمل میں بہت زیادہ تشدد سے کام نہ لیا جائے کہ جان ہی نکلنے لگے۔ جیسا کہ حضرت عباسؓ کے ساتھ ہوا تھا (دیکھئے: أسد الغابہ لابن الأثیر ۳/۱۰۹)۔

۵- مجرم کے لئے قید تنہائی: کسی مجرم کو اس کے خصوصی جرم کے پس منظر میں قید تنہائی دی جاسکتی ہے۔ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ محبوس فی الدین عید، جمعہ، جماعت، حج اور کسی رشتہ دار کے جنازے میں شرکت کے لئے بھی نہیں نکل سکتا، اس طرح وہ الگ تھلگ پڑا رہے گا جس سے اسے اپنے جرم کا احساس ہوگا، اور اس کی تلافی کی بات سوچے گا۔ "**والمحبوس في الدين لايخرج لصوم رمضان ولا لعيد ولا جمعة ولا لصلاة جماعة ولا لحج فريضة ولا لحضور جنازة بعض أهله**" (ابن الھمام: فتح القدیر ۷/ ۲۶۰)۔

۶- جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے کہ حدود وقصاص اور کفارہ کے علاوہ گناہ اور جرم کی جتنی صورتیں پیش آتی ہیں، سب پر تعزیر ہوتی ہے۔ اور یہ تعزیر جرم کی نوعیت کے اعتبار سے خلیفۃ المسلمین یا قاضی یا حاکم تجویز کرے گا۔ اس اعتبار سے بطور تعزیر صحت مند قیدیوں سے جبراً کام لیا جاسکتا ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ کام تعزیر کا ایک حصہ ہے، اس لئے قیدی اس پر کسی اجرت کے مستحق نہیں ہوں گے۔ البتہ حکومت کو چاہئے کہ اس پر کچھ اجرت مقرر کردے جس سے قیدیوں کو کسی حد تک راحت حاصل ہو، قاضی ابو یوسفؒ نے ہارون رشید کو مشورہ دیا تھا کہ وہ ہر قیدی کا ماہانہ وظیفہ مقرر کردیں، اور ہر مہینے ہر قیدی کو دس دراہم دیا کریں۔ "**وصير ذلك دراهم تجرى عليهم في كل شهر يدفع ذلك إليهم ويكون للإجراء عشرة دراهم في الشهر لكل واحد**" (ابو یوسف القاضی: کتاب الخراج/ص ۱۵۰)۔

۷- جن قیدیوں کے بارے میں سزائے قید کا فیصلہ ہو چکا ہے اور قاضی نے جرم کی نوعیت سامنے رکھتے ہوئے جس طرح کی سزا تجویز کردی ہے، اسی کے مطابق عمل درآمد کیا جائیگا۔ البتہ انہیں وہ تمام مذہبی، جسمانی اور اخلاقی حقوق حاصل رہیں گے جنہیں دلائل کی روشنی میں اوپر ثابت کیا جاچکا ہے، جہاں تک تعلق ہے ان قیدیوں کا جن کے مقدمات زیر سماعت ہیں، ان کے بارے میں جلد بازی درست نہیں ہوگی۔ انہیں صرف محبوس رکھا جائے اور معمول کے مطابق

زندگی گزارنے دی جائے۔ مقدمات کی تفتیش کے دوران تھوڑی بہت سختی برتی جاسکتی ہے۔ باضابطہ کوئی سزا تجویز نہیں کی جاسکتی تا آں کہ قاضی کا فیصلہ آجائے۔

۸- اس کی اجازت نہیں۔ دنیاوی عدالتوں کے اصول وضوابط کچھ ایسے پیچیدہ ہوتے ہیں کہ ایک مسئلہ کے حل تک پہنچنے کے لئے سالہا سال لگ جاتے ہیں۔ اس کے برخلاف شرعی عدالتیں تیزی سے اپنا کام نمٹا سکتی ہیں۔ اگر مقدمات کی تعداد زیادہ ہے تو اسلامی ریاست مزید عدالتیں قائم کرے تاکہ صحیح وقت پر ہر کس وناکس کو انصاف مل سکے۔ اس لئے زیر سماعت قیدیوں کو اتنے دنوں تک فیصلے سے پہلے قید میں نہ رکھا جائے جو ان کے اوپر عائد فرد جرم کی اصل سزا ہے۔

۹- فقہی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ قید میں ہونے والی ذہنی وجسمانی اذیت پر مالی ہرجانہ طلب نہیں کیا جاسکتا۔ کیوں کہ تعزیر میں مالی جرمانہ جائز نہیں۔ امام ابو یوسفؒ کا ایک قول جواز کا ہے۔ لیکن فتوی عدم جواز پر ہے۔ "لا بأخذ مال في المذهب، قال في الفتح: وعن أبي يوسف يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال وعندهما وباقي الأئمة لا يجوز ومثله في المعراج وظاهره أن ذلك رواية ضعيفة عن أبي يوسف قال في الشرنبلالية: لا يفتي بهذا لما فيه من تسليط الظلمة على أخذ مال الناس فيأكلونه" (ابن عابدین: رد المحتار ۱۰۶/۶)۔

لیکن موجودہ صورت حال میں اس مسئلہ میں غور وفکر کی ضرورت ہے۔ ایک آدمی جسے جسمانی وذہنی اذیت سے دوچار ہونے کے علاوہ معاشی مار بھی پڑتی ہے۔ اس کے لئے اس میں کوئی گنجائش نکل سکتی ہے یا نہیں، اس دوران بلا وجہ جس طرح وہ محبوس اور تمام کاموں سے معطل رہا کم از کم حبس کے وقت کے اعتبار سے تو اس کو کچھ نہ کچھ گنجائش ملنی چاہئے واللہ اعلم۔

۱۰- قیدی اپنے مقدمات کے سلسلے میں وکیل سے رابطہ کرتا ہے۔ جس طرح دیگر عقود دو

معاملات مثلاً نکاح وبیع میں اس کی اجازت ہے۔موفق وغیرہ نے فی الجملہ وکالت کے جواز پر اجماع نقل کیا ہے۔اور ضرورت بھی اس کی مقتضی ہے، کیوں کہ ہر شخص ہر کام بہ ذات خود انجام دینے کا اہل نہیں ہوتا۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے: الملخص الفقہی للشیخ فوزان ۲/ ۶۴، ہدایہ ۳/۱۳۶)

اسی طرح قیدی کو صفائی پیش کرنے کے مواقع دیئے جائیں گے۔جلد بازی میں اس کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔حاطب بن ابی بلتعہؓ کا خط جب پکڑا گیا تو آپ ﷺ نے ان کے خلاف فوری فیصلہ لینے کے بجائے ان کی بات سنی، اور انہوں نے اپنی صفائی پیش کی۔ ثمامہ بن اثال کی بھی آپ ﷺ نے پوری بات سنی تھی۔واقعہ افک میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی صفائی پیش کرنے کو کہا گیا تھا۔

۱۱-شریعت میں حضانت کا سب سے مقدم حق ماں کو ہے۔اب اگر ماں قید کر لی جاتی ہے تو محض قید کی وجہ سے اس کا یہ حق سلب نہیں ہوگا۔اس لئے اسے (اگر قید خانے میں سہولت ہو) اپنے شیر خوار بچوں کو قید خانہ میں رکھنے کا حق حاصل ہوگا۔واللہ اعلم۔

قیدیوں کے حقوق اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

مولانا محمد ابوبکر قاسمی ☆

قیدیوں کے حقوق اسلامی تعلیمات کے تناظر میں

عربی زبان میں قیدی کو اسیر کہا جاتا ہے، جنگ کے دوران یا جنگ کے اختتام کے بعد وہاں کے باشندے یا فوجی جو گرفتار کئے جائیں عموماً اسی قسم کے لوگوں کو اسیر کہا جاتا ہے، تاہم اس کے علاوہ جاسوسی کے الزام میں یا کسی اور جرم کے سبب گرفتار کئے گئے شخص کو بھی اسیر کہا جائے گا، بلکہ حضرات مفسرین نے اسیر کے مفہوم میں مقروض شخص کو بھی داخل کیا ہے، اسی طرح علم سیکھنے اور سکھانے والے بھی اسیر کے مصداق ہیں (ملاحظہ ہو تفسیر انوار القرآن ۱۲/۲۵۱)۔

قرآن کریم کی مشہور سورت سورۃ الدھر (جسے سورہ انسان بھی کہا جاتا ہے) میں اللہ تعالی نے اپنے نیک بندوں کا ذکر کرتے ہوئے ان کا یہ خصوصی وصف ذکر کیا ہے کہ وہ لوگ اپنا محبوب و پسندیدہ کھانا جہاں یتیم و مسکین کو کھلاتے ہیں وہیں قیدی و اسیر کو بھی اس سے حصہ دیتے ہیں، ساتھ ہی زبان حال سے کہتے ہیں کہ ہمارا یتیم و مسکین کو اور قیدیوں کو کھانا کھلانا صرف رضائے الہی کے جذبے سے ہے، ہم کو اس کھلانے کا نہ کوئی مالی عوض چاہئے اور نہ ہی ہم تعریف و شکریہ کے آرزومند ہیں، ارشاد خداوندی ہے:

"ویطعمون الطعام علی حبه مسکیناً ویتیماً وأسیراً إنما نطعمکم لوجه

☆ مدرسہ اسلامیہ شکرپور، بھروارہ، دربھنگہ۔

الله لانريد منكم جزاءً ولا شكوراً'' (سورۃ الدہر: ۸-۹)۔

(اور وہ لوگ اپنا محبوب ومرغوب کھانا غریب ویتیم اور قیدی کو کھلاتے ہیں (اور زبان یا دل سے کہتے ہیں کہ) ہم تم لوگوں کو محض خدائے تعالی کی رضامندی کے لئے کھانا کھلاتے ہیں (اور اس کھلانے کا) تم سے نہ کوئی عملی بدلہ چاہتے ہیں اور نہ ہی قولی بدلہ کہ تم شکریہ ادا کرو)۔

حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے معارف القرآن میں لکھا ہے:

قیدی سے مراد ظاہر ہے کہ وہ قیدی ہے جس کو اصول شرعیہ کے مطابق قید میں رکھا گیا ہے خواہ وہ کافر ہو یا مسلمان مجرم، مگر بہر حال اس کو کھانا کھلانا حکومت اسلامی کی ذمہ داری ہے، جو شخص اس کو کھانا کھلاتا ہے وہ گویا حکومت اور بیت المال کی اعانت کرتا ہے، اس لئے قیدی چاہے کافر بھی ہو اس کو کھانا کھلانا ثواب ہوگا خصوصاً ابتدائے اسلام میں تو قیدیوں کو کھانا کھلانا اور پانی پلانا اور ان کی حفاظت عام مسلمانوں میں تقسیم کر کے ان کے ذمہ کر دی جاتی تھی، جیسے غزوہ بدر کے قیدیوں کے ساتھ معاملہ کیا گیا (معارف القرآن ۸/ ۶۳۴، پارہ: ۲۹)۔

حضرت مولانا عبد الماجد دریابادی نے مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے تفسیر ماجدی میں لکھا ہے کہ اس آیت سے یہ (مسئلہ) نکلا کے غیر مسلم اسیروں کی بھی امداد واعانت موجب اجر آخرت ہے۔

" ففيه دليل على أن إطعام الأسارى إن كان من أهل الشرك حسن يرجى ثوابه" (معالم، روح) اور قرآنی الفاظ "يطعمون الطعام" کی تفسیر کرتے ہوئے محققین علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ خلقت کے ساتھ حسن سلوک کی ساری ہی صورتیں آیت میں شامل ہیں جس کا ایک اہم جز کھانا کھلانا بھی ہے: "وإطعام الطعام كناية عن الإحسان إلى المحتاجين والمواساة معهم بأى وجه كان وإن لم يكن ذلك بالطعام بعينه (كبير) أقول وهذا يدل على أن المراد من قوله إنما نطعمكم ليس هو الإطعام

فقط بل جميع أنواع المواساة من الطعام والكسوة (كبير) فكأنه ينفعونه بوجوه المنافع" (روح) (تفسیر ماجدی، سورۃ الدھر، ص ۱۱۶۲، حاشیہ ۵)۔

سورہ الدہر کی مندرجہ بالا آیت کی تفاسیر کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قیدیوں کی تمام جائز ضرورتوں کو پورا کرنا اس کا بنیادی حق ہے۔

قیدیوں کے بارے میں مذکورہ تمہید کے بعد فقہ اکیڈمی کے مرسلہ سوالوں کا جواب لکھا جاتا ہے۔

۱- کسی ملزم کو اس کے جرم کا ثبوت فراہم ہوئے بغیر محض تہمت کی بنا پر بھی قید کیا جا سکتا ہے، لیکن اگر جرم کا ثبوت نہ ہو تو فوراً چھوڑ دیا جائے، چنانچہ امام ترمذی علیہ الرحمہ نے ابواب الدیات کے تحت ایک باب قائم کیا ہے، "باب ماجاء في الحبس في تهمة" اس باب کے تحت امام ترمذیؒ نے حضرت بہز بن حکیم کی سند سے مرفوعاً یہ حدیث نقل کی ہے: "إن النبي ﷺ حبس رجلا في تهمة ثم خلى عنه" (ترمذی ۱/۲۶۱) (حضور پاک ﷺ نے ایک شخص کو بربنائے تہمت گرفتار کر کے قید خانہ میں ڈال دیا پھر (جرم نہ ثابت ہونے پر) اس کو چھوڑ دیا)، قطاع الطریق کو جیل میں ڈالنا خود قرآن کریم میں مذکور ہے: "أو ينفوا من الأرض" (سورۃ المائدہ: ۳۳) (یا ان کو زمین سے نکال دیا جائے) زمین سے نکالنے کا کیا مقصد ہے تو اس سلسلہ میں سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ ایسے مجرم کو قید خانہ میں بند کر دیا جائے، کیوں کہ اگر قید خانہ میں نہ ڈالا جائے اور یونہی دوسرے شہر میں آزاد چھوڑ دیا جائے تو وہ وہاں بھی لوگوں کو ستائے گا، حضرت امام ابوحنیفہؒ بھی اسی کے قائل ہیں، شامی میں کتاب القضاء کے تحت مجرم کو قید خانہ میں ڈالنے کے سلسلہ میں ایک علیحدہ فصل ہے جس کا مطالعہ اہل علم کے لئے مفید ہے۔ امام قدوریؒ نے اپنی مشہور کتاب مختصر کے کتاب الحجر میں قرض خواہوں کے مطالبہ پر مفلس مقروض کو قید کرنے کا ذکر کیا ہے، لیکن کتنے دنوں تک تحقیق حال کے لئے قید رکھا جائے تو اس سلسلہ میں

انہوں نے دو تین ماہ کا ذکر کیا ہے جس کی شرح میں صاحب جوہرہ نے چار سے چھ ماہ تک قید خانہ میں محبوس رکھنے کی بھی روایت نقل کی ہے، اور آخر میں یہ فیصلہ سنایا ہے کہ:

"وھذا لیس بتقدیر وإنما ھو علی حال المحبوس فمن الناس من یضجره الحبس القلیل ومنھم من لا یضجره الکثیر فوقف ذلک علی رأی الحاکم فیه فإذا لم یتبین للحاکم... بأن قامت البینة أوسأل جیرانه العارفین فلم یوجد له شئ أخرجه" (الجوھرۃ النیرہ ۱/۳۰۰)۔

((قیدیوں کو محبوس رکھنے کی مذکورہ مدتیں) شرعاً متعین نہیں ہیں بلکہ یہ قیدی کے احوال پر مبنی ہیں، بعض قیدیوں کو معمولی قید بھی پریشان بنا دیتا ہے اور بعض قیدیوں کو بہت مدتوں تک بھی قید کرنے سے کوئی پریشانی نہیں ہوتی اس لئے حاکم کی صوابدید پر محبوس رکھنے کی مدت کے معاملہ کو چھوڑ دیا جائے، اگر گواہوں اور احوال جاننے والے پڑوسیوں سے معلوم کرنے پر کوئی جرم ثابت نہ ہو تو پھر ایسے قیدی کو چھوڑ دیا جائے گا)۔

فتاوی عالمگیری میں امام طحاویؒ کے حوالہ سے ایک مہینہ تک محبوس رکھنے کا ذکر ہے، اور بہت سے مشائخ نے امام طحاوی علیہ الرحمہ کی روایت پر فتوی دیا ہے (فتاوی عالمگیری ۳/۴۱۵)۔

۲- جیل خانہ میں قیدیوں کو جو حقوق شرعاً حاصل ہوں گے ان کی تفصیل دلائل کے ساتھ ذیل میں لکھی جاتی ہے:

الف- ہر قیدی کو مذہبی امور کی انجام دہی میں آزادی ہوگی، اور اسے اپنے مذہب کے مطابق عبادت کرنے، مذہبی کتابوں کا مطالعہ کرنے، اسی طرح اپنے مذہب کی دعوت دینے کا حق حاصل ہوگا، اسی طرح جس مذہب پر وہ عقیدہ رکھتا ہے اس کے لئے غذا کے فراہم کرنے میں اس کا لحاظ رکھنا ضروری ہوگا، نیز ہر قیدی کو اپنے مذہب کی مقدس شخصیتوں اور کتابوں کے احترام کرنے کی اجازت حاصل ہوگی، کسی بھی قیدی کو اپنے مذہب کے خلاف امور کے انجام دینے پر مجبور نہیں کیا

جا سکتا، چنانچہ قرآن کریم کی سورۃ البقرہ میں خداوند قدوس کا فرمان ہے:" **لا إكراه في الدين**" (سورۃ البقرہ/۲۵۶) (کسی دین کے قبول کرنے میں کسی شخص پر زبردستی نہیں کی جاسکتی) قرآن کریم کا مذکورہ جملہ اس وقت نازل ہوا جب بعض صحابہ نے اپنی اولاد یا اپنے متعلقین کو زبردستی اسلام میں داخل کرنا چاہا، تو اللہ رب العزت نے زبردستی کسی شخص کو مسلمان بنانے سے منع کیا۔

ب- قیدیوں کی جسمانی ضروریات، مناسب غذا، صاف شفاف پانی، ستر پوشی کے لئے نیز جاڑے گرمی سے حفاظت کے لئے کپڑا، اسی طرح دوا علاج نیز حفظان صحت کے لئے جسمانی ورزش وغیرہ کا نظم کرنا بھی ان لوگوں پر واجب ہوگا جن کی نگرانی میں قیدیوں کو رکھا گیا ہے، سورہ الدھر آیات/ ۸-۹ میں قیدیوں کو کھانا کھلانے اور اس کے ذیل میں مفسرین نے قیدیوں کی تمام ضروریات کو پورا کرنے کا ذکر کیا ہے، روایات حدیث میں غلاموں کو کھانا کھلانے، کپڑا پہنانے اور حسب استطاعت کام لینے کے سلسلہ میں جو ہدایات وارد ہوئی ہیں ان کی تعمیل قیدیوں کے سلسلہ میں بھی ہوگی (ملاحظہ ہو، بخاری شریف، کتاب العتق ۱/۳۴۶)۔

اسی طرح قیدیوں کے رہنے کے لئے رہائش کا نظم کرنا بھی لازم ہے جہاں وہ رہ سکے، سو سکے، لیٹ سکے، اگر کسی حکومت نے یا کسی شخص نے کسی قیدی کو ایسی تنگ جگہ رکھا جہاں قیدی کا کھڑا ہونا یا پاؤں پھیلا کر لیٹنا یا دیوار کے باہر کسی کو دیکھنا ممکن نہ ہو تو یہ شرعاً اور اخلاقاً جائز نہیں ہے، جو حکومت یا شخص کسی قیدی کے ساتھ یہ سلوک کرتا ہے اس کا یہ فعل سراسر مذموم اور حد انسانیت سے گرا ہوا ہے۔

ج- قیدیوں کو عام لوگوں کی طرح سماجی حقوق بھی حاصل ہوں گے، مثلاً اخبارات کا پڑھنا، ریڈیو کا سننا، فون پر احباب واقارب سے گفتگو کرنا، دوسرے قیدیوں سے ملاقات کرنا یا عام لوگوں کا قیدیوں سے ملاقات کرنا اور اسی طرح جیل خانہ میں پردہ کے ساتھ بیوی سے ہمبستر ہونے کا موقع فراہم کرنا، دوران قید قیدیوں سے بچوں کو تعلیم دلانا، یا قیدیوں کو تعلیم دینا، اسی

طرح قیدیوں کا کام کاج کرنا، کوئی ہنر سیکھنا یا اجرت لے کر کوئی کام کرنا وغیرہ ان تمام امور کے انجام دینے کی قیدیوں کو اجازت ہوگی، چنانچہ غزوہ بدر کے قیدیوں سے بچوں کو تعلیم دلوانا خود حضور پاک ﷺ کے عمل سے ثابت ہے، بیوی سے ہمبستری کا ذکر، اسی طرح جیل میں کمانے کا ذکر فتاوی عالمگیری میں ہے: "ولو احتاج إلى الجماع لا بأس بأن تدخل زوجته أو جاريته في السجن فيطؤ ها حيث لا يطلع عليه أحد (إلى قوله) وقال القاضي فخر الدين الفتوى اليوم على أنه لا يمنع من الاكتساب ولا يمنع المسجون من دخول أهله وجيرانه عليه ولكن لا يمكنون من أن يمكثوا ثمة طويلا" (فتاوی عالمگیری، کتاب القضاء، الباب السادس والعشرون فی الحبس ۴۱۸/۳)۔

(اگر قید میں محبوس بیوی سے جماع کے لئے پریشان ہو تو کوئی حرج نہیں ہے کہ اس کی بیوی یا باندی کو جیل خانہ میں جانے کی اجازت دی جائے تاکہ وہ قیدی اپنی بیوی سے (پردہ کے ساتھ) جماع کرلے کہ کوئی شخص اس کو نہ دیکھے، اور قاضی فخر الدین کے بقول مفتی بہ قول یہ ہے کہ قیدی کو جیل خانہ میں کمانے کھانے سے منع نہیں کیا جائے گا۔ اسی طرح قیدی سے ملنے کے لئے اس کے قرابت داروں، پڑوسیوں کو اس کے پاس پہنچنے سے روکا نہیں جائے گا۔ البتہ ملنے والوں کو قیدی کے پاس زیادہ دیر تک ٹھہرنے کا موقع نہیں دیا جائے گا)۔

الغرض قیدی کو جیل خانہ میں رہتے ہوئے ہر طرح کی سہولت دی جائے گی، البتہ جیل سے باہر نکل کر جمعہ، جماعت، نماز عید و نماز بقرعید، یا فریضہ حج کی ادائیگی، اسی طرح نماز جنازہ پڑھنے کے لئے جیل خانہ سے نکلنے کی اجازت نہ ہوگی، چنانچہ درمختار میں ہے: "ولا يخرج لجمعة ولا لجماعة ولا لحج فرض فغيره أولى ولا لحضور جنازة اھ" (رد المحتار کتاب القضاء، فصل فی الحبس ص ۳۴۹)۔ فتاوی ہندیہ میں ہے: ولا يخرج المحبوس في الدين من السجن لمجي شهر رمضان ولا للفطر ولا للأضحى ولا للجمعة ولا لصلوة

مکتوبة ولا لحجة فریضة ولا لحضور جنازة بعض أهله وإن أعطى كفيلا بنفسه كذا في المحيط" (فتاوی عالمگیری ۳/ ۴۱۸)۔

ہاں اگر قیدی شخص کے والدین یا قریبی رشتہ دار کی تجہیز وتکفین کرنے والا کوئی دوسرا شخص نہ ہوتو کسی کفیل شخص کی ضمانت پر مفتی بہ بقول کے مطابق قیدی کو نکلنے کی اجازت ہوگی، چنانچہ فتاوی عالمگیری میں ہے: "إذا مات للمحبوس والد أوولد ولم يكن بحضرته أحد للغسل والتكفين يخرجه القاضي من السجن هو الصحيح (إلى قوله) والفتوى على أنه يخرج في قرابة الولاد بكفيل، كذا في الكبرى" (فتاوی ہندیہ ۳/ ۴۱۸)۔

(جب قید میں محبوس شخص کے والد یا لڑکے کی وفات ہوجائے اور وہاں کوئی شخص میت کو نہلانے اور کفن پہنانے والا نہ ہوتو قاضی قیدی کو قید خانہ سے نکلنے کی اجازت دے گا، یہی قول صحیح ہے، اور فتوی اس بات پر ہے کہ قیدی شخص کو اپنے قریبی رشتہ دار کی نماز جنازہ میں شرکت کی غرض سے کفیل کے ساتھ نکلنے کی اجازت ہوگی)۔

د- حضرات فقہاء نے تحفظ کی غرض سے مختلف قسم کے قیدیوں کے لئے علیحدہ علیحدہ انتظام کرنے کی ہدایات کا بھی مفصل ذکر کیا ہے، چنانچہ اگر قیدیوں میں کوئی عورت ہوتو اس کو مردوں سے علیحدہ رکھنے کی کتب فقہ وفتاوی میں صراحت کی گئی ہے، ہندیہ میں ہے: "وينبغي أن يكون للنساء محبس على حدة تحرزا عن الفتنة وعن أبي حنيفة رحمه الله تعالى أن المرأة تحبس في محبس النساء ولكن يحفظها الرجل، اهـ" (فتاوی عالمگیری ۳/ ۴۱۴)۔

(فتنہ سے بچاؤ کی خاطر مناسب یہ ہے کہ عورتوں کا علیحدہ جیل خانہ ہو، اور حضرت امام ابوحنیفہ سے مروی ہے کہ عورتوں کو عورتوں کے جیل میں ہی محبوس رکھا جائے گا، البتہ عورتوں کی حفاظت اور نگہداشت کوئی مرد کرے گا)۔

اسی طرح نابالغ بچوں کو بالغ قیدیوں سے علیحدہ رکھنا مناسب ہے، کیوں کہ بالغ قیدیوں کے بگاڑ سے متاثر ہو کر بچوں کے بگڑنے اور دوسری اخلاقی خرابیوں میں ملوث ہونے کا قوی امکان ہے۔

اسی طرح جو بڑے مجرم قسم کے قیدی ہیں جیسے کوئی بڑا ڈکیت یا چور ہو تو ایسے مجرم قیدیوں کو عام قیدیوں سے علیحدہ رکھنا ہی مناسب ہے (ملاحظہ ہو: درمختار، کتاب القضاء ۴/۳۵۰) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۳- قیدیوں سے سچی بات اگلوانے کے لئے دھمکانے کی خاطر ایسی جگہ اسے قید رکھا جائے گا جو سخت ہو، اس کے لئے نرم بستر کا انتظام نہ کیا جائے، اسی طرح اس کی دل جوئی کی خاطر کسی کو ملنے سے روکا جا سکتا ہے، جیسا کہ فتاوی عالمگیری میں ہے: "وينبغي أن يحبس في موضع خشن لا يبسط له فراش ولا وطاء ولا أحد يدخل عليه ليستأنس ليضجر قلبه"۔

(مناسب ہے کہ قیدی کو کھردری جگہ رکھا جائے، اس کے لئے نرم بستر نہ بچھایا جائے اور نہ ہی اس کی دلجوئی کے لئے کوئی شخص اس کے پاس جائے تاکہ اس کا دل تنگ ہو)۔

لیکن قیدیوں کو قید خانہ میں بے لباس کر دینا یا مار پیٹ کرنا یا انہیں الکٹرک شاٹ لگانا یا قیدیوں پر کتے چھوڑنا یا قیدیوں کو سخت ٹھنڈک میں برف کی سلوں پر ڈال دینا یا انہیں مسلسل جگے رہنے پر مجبور کرنا یا اس کی جائے رہائش میں تیز روشنی یا تیز آواز کا انتظام کرنا تو یہ سب صورتیں ناجائز ہیں، اور قیدیوں کے ساتھ انتہائی ظالمانہ رویہ ہے، جس کی نہ عقلاً اجازت ہے اور نہ ہی شرعاً کوئی گنجائش ہے بلکہ قیدیوں کے ساتھ بدسلوکی سے پیش آنے اور ان کے ساتھ مذکورہ قسم کی بداخلاقی وظلم کا مظاہرہ کرنے سے حضرات فقہاء نے منع کیا ہے۔

چنانچہ درمختار میں ہے: "ولا يغل ولا يجرد" (شامی ۴/۳۵۰) (قیدیوں کے گردن

میں بیڑی نہ ڈالی جائے، اور نہ اسے ننگا کیا جائے)۔

فتاوی عالمگیری میں قدرے تفصیل ہے:

"لا ينبغي للقاضي أن يضرب محبوسا في دينه ولا في غيره ولا يصفد ولا يقيد ولا يغل ولا يمد ولا يجرد ولا يقيمه في الشمس" (فتاوی ہندیہ ۳/ ۴۱۴)۔

(قاضی کے لئے قیدی کو مارنا جائز نہیں ہے خواہ وہ قیدی دین کے سلسلہ میں گرفتار ہوا ہو یا اس کے علاوہ میں، اور نہ ہی قیدی کو ہتھکڑی لگائی جائے، اور نہ اس کے پاؤں میں بیڑی ڈالی جائے، اور نہ ہی گردن میں طوق ڈالا جائے، اور نہ قیدی کو کھینچا جائے اور نہ اس کے بدن کا کپڑا اتارا جائے اور نہ اس کو دھوپ میں کھڑا کیا جائے)۔

اسی طرح فتاوی عالمگیری میں قیدی کو برف پر کھڑا رکھنے سے بھی منع کیا گیا ہے (ملاحظہ ہو: حوالہ سابق ۳/ ۴۱۶)۔

الغرض قیدیوں کو دھمکانے کے لئے مذکورہ سزائیں دینا شرعاً اور عقلاً درست نہیں ہے۔

۴- جن قیدیوں کے بھاگنے کا خطرہ ہو ان کے پاؤں میں بیڑی ڈال کر چوروں کے جیل میں ڈالا جاسکتا ہے بشرطیکہ کوئی دوسرا خطرہ نہ ہو، چنانچہ درمختار میں ہے:

"إذا خاف فراره فيقيد أو يحول لسجن اللصوص" (شامی ۴/ ۳۵۰)۔

فتاوی عالمگیری میں اس مسئلہ کو قدرے تفصیل سے لکھا گیا ہے (ملاحظہ ہو: فتاوی ہندیہ ۳/ ۴۱۴)۔

۵- سخت قسم کے مجرم کو اس کے جرم کے پس منظر میں قید تنہائی کی سزا دی جاسکتی ہے، چنانچہ حضرات فقہاء نے ذکر کیا ہے کہ متعنت وسرکش قسم کے قیدی کو جیل خانہ کی کوٹھری میں بند کرکے اس کے دروازہ کو مٹی گارے سے بند کردینے کی قاضی کو اجازت ہے، چنانچہ درمختار میں ہے:

"وهل يطين الباب، الرأي فيه للقاضي، بزازيه" (شامی ۴/۳۵۰) (اور کیا کال کوٹھری کے دروازہ کو مٹی کے گارے سے بند کر دیا جائے تو اس سلسلہ میں قاضی کو اختیار ہے اور اس کی رائے کا اعتبار کیا جائے گا)۔

۶- قیدی سے جبراً کام لینا تو جائز نہیں ہے ہاں قیدی کی رضامندی سے اس کو اجرت دے کر اس سے ایسا کام لیا جا سکتا ہے جو قیدی کے لائق ہو، اور اس کام کی ادائیگی میں کوئی روکاوٹ نہ ہو، فتاوی ہندیہ میں ہے:

"ولا أمنعه عن طلب قدر قوت يومه لنفسه ولعياله" (عالمگیری ۳/۴۱۶)۔

(کسی قیدی کو اپنے اخراجات اور بچوں کی ضروریات کی تکمیل کے لئے روزی کی طلب سے روکا نہیں جا سکتا)، لہذا اگر کوئی قیدی جیل خانہ میں کام کرے گا تو شرعاً اسے اجرت ملے گی۔

۷- جیل خانہ میں ہر قسم کے قیدی کے ساتھ یکساں سلوک کیا جائے گا، خواہ وہ قیدی سزائے موت والا ہو یا ابھی اس کا معاملہ اور مقدمہ عدالت میں زیر سماعت ہی کیوں نہ ہو، قیدیوں کی ضروریات کی تکمیل کے لئے اللہ تعالی نے اپنے کچھ صالح بندوں کا یہ خصوصی وصف ذکر کیا ہے کہ وہ لوگ صرف رضائے الہی کی خاطر اپنے مال سے یتیم و مسکین اور قیدیوں کی ضرورتوں (مثلاً کھانا پینا- پہننا وغیرہ) کو پورا کرتے ہیں (ملاحظہ ہو: سورۃ الدھر/ ۸-۹)۔

مذہب اسلام کی رو سے جب جانوروں کو کھلانا پلانا باعث ثواب ہے، تو پھر انسانوں کو کھلانا پلانا، ان کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ کرنا اگرچہ وہ قیدی ہی کیوں نہ ہوں، کیوں کر موجب اجر نہ ہوگا۔

۸- کسی بھی قیدی کو اتنے دنوں تک فیصلے سے پہلے دوران سماعت قید میں رکھنا جتنے دنوں تک ثبوت جرم کے فیصلہ کے بعد بطور سزا کے قید میں رکھا جائے گا، عقلاً و نقلاً درست نہیں ہے، بلکہ زیر سماعت قیدی کو اس کے جرم کی تحقیق کرکے جلد از جلد جرم کے ثابت نہ ہونے کی صورت میں رہا

کر دینا چاہئے، اور اگر جرم ثابت ہو جائے تو پھر اس کو واجبی سزا دینے پر اکتفاء کرنا چاہئے۔

بر بنائے تہمت پکڑے گئے قیدی اور سزا کے مستحق قیدی کو قید میں رکھے جانے کی مدتوں میں ضرور فرق ہونا چاہئے، خود حضرات صحابہ نے شبہ کی بنا پر کسی شخص کو گرفتار کر کے باندھ دیا، پھر جب شبہ کا ازالہ ہو گیا تو اسے چھوڑ دیا، چنانچہ امام ابوداؤد نے کتاب الجہاد باب فی الأسیر یوثق کے تحت ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک سریہ میں حضرت حارث بن برصاء لیثی کو لوگوں نے گرفتار کر لیا، انہوں نے عذر پیش کیا کہ ہم مسلمان ہونے کے ارادہ سے حضور پاک ﷺ کی خدمت میں جانے کی غرض سے نکلے ہیں، تو صحابہ نے ان سے کہا کہ اگر آپ مسلمان ہیں تو ہمارے ایک دن ایک رات آپ کو گرفتار رکھنے سے آپ کو کچھ نقصان نہیں پہونچے گا، اور اگر آپ اس کے برعکس ہوں گے، تو ہم آپ کو باندھ کے رکھیں گے، چنانچہ صحابہ نے ان کو باندھ کر رکھا۔

"فقلنا إن تكن مسلما لم يضرك رباطنا يوماً وليلة وإن لم تكن غير ذلك نستوثق منك فشددنا وثاقا" (ابوداؤد ۲/ ۳۶۳-۷)۔

اس واقعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی کو بر بنائے شبہ گرفتار کیا جائے تو جس قدر جلد ممکن ہو شبہ کا ازالہ کر کے فوراً اسے چھوڑ دیا جائے، خواہ مخواہ کسی شخص کو شبہ کی بنیاد پر گرفتار کر کے طویل مدت تک گرفتار رکھنا کوئی شریفانہ فعل نہیں ہے، اور نہ ہی شرعاً یا عقلاً اس قسم کے فعل کی اجازت ہے۔ واللہ اعلم۔

۹- اگر کسی ملزم کو قید میں رکھا گیا اور بعد میں عدالت نے اس کو بری کر دیا تو ایسی صورت میں زمانہ قید میں رہتے ہوئے جو اسے ذہنی و مالی اذیت پہونچی ہے تو اس کا مالی ہرجانہ طلب کرنا احقر کے نزدیک درست ہے۔ کیوں کہ دور حاضر میں بلا قصور لوگوں کو خواہ مخواہ پھنسا کر جیل خانہ بھیجوانے کا عام رواج ہو گیا ہے۔ اور اگر کوئی بلا قصور شخص پکڑا گیا تو وہ شخص جیل

چھوٹنے کے بعد اگر اپنے نقصان کا مالی معاوضہ وصول کرے تو شرعا یہ درست ہے تاکہ بلاقصور شخص کو گرفتار کرانے کی وبا میں کمی آئے۔

حضرات فقہاء نے پانچ امور میں ضمان کو واجب کیا ہے (۱) اعیان (۲) منافع (۳) زوائد (۴) نواقص (۵) اوصاف۔

مندرجہ ذیل پانچوں امور کی تشریح کے لئے قاموس الفقہ جلد چہارم بحث ضمان ۳۱۸۔ ۳۲۴ کا مطالعہ کیا جائے۔

فقہاء احناف نے اگرچہ منافع کے ضیاع کی صورت میں ضمان کو واجب نہیں کیا ہے، لیکن ہمارے زمانہ کے حالات اور سماج میں شرپسند عناصر کے غلبہ کو دیکھتے ہوئے اگر احناف کی رائے پر عمل کیا جائے تو شرپسند عناصر کو جہاں مزید جرم کے کرنے کا حوصلہ ملے گا وہیں تقاضائے انصاف بھی مجروح ہوگا، اس لئے فی زماننا جمہور کا نقطہ نظر قرین ثواب معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۰- قیدی کو اپنے مقدمات کے سلسلہ میں وکیل سے رابطہ اور صفائی پیش کرنے سے متعلق دور حاضر کے حالات میں بہت سے حقوق حاصل ہیں، جن کو دنیا کے قانونی دستاویزوں میں وضاحت سے بیان کیا گیا ہے جن میں سے چند کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

۱- قید خانے میں لائے جانے والے ہر فرد کی حراست سے متعلق درست حکم نامے کی جانچ کی جائے۔

۲- مقام حراست میں باضابطہ رجسٹر ہو جس میں تمام قیدیوں کی آمد کی تاریخ، وقت اور ان کے معاملات کی پوری تفصیل درج ہو، نیز وہاں عدالتی شخصیتوں اور قیدیوں کو حقوق دلانے والے اشخاص کی رسائی ممکن ہو۔

۳- قیدیوں کی شناخت کے لئے ان کے معاملات کا پورا اندراج ہو تاکہ یقین کے ساتھ بتایا جاسکے کہ ان کی حراست قانون کے دائرے میں ہوگئی ہے، نیز اندراجات کی نمبرنگ

ہوتا کہ غیر متعلق ڈاٹا کا اس میں اندراج نہ ہو سکے۔

۴- جب کسی قیدی کا جرم ثابت نہ ہو تو ایسی صورت میں حراست کے لئے لکھا ہوا قانونی حکم نامہ ضروری ہے جس میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہو کہ وہ آدمی کس دن عدالت کے سامنے پیش ہوگا۔

۵- جتنا جلد ممکن ہو قیدیوں کو یہ سہولت دی جائے کہ وہ اپنے اہل خانہ اور قانونی نمائندوں کو اپنا اتہ پتہ بتاسکیں۔

۶- نیز پناہ گزیں قیدیوں سے بین الحکومتی اداروں کے بااختیار افراد کو یا قیدیوں کے متعلقین کو ملنے اور رابطہ رکھنے کا موقع فراہم کیا جائے۔

۷- قید خانہ میں داخل کئے جانے کے بعد فوراً ماہر ڈاکٹروں سے قیدیوں کا چیک اپ کرایا جائے۔

۸- قید خانہ میں داخل کئے گئے تمام قیدیوں کو قید خانہ کے اصول وضوابط اور دستور العمل کا ایک نسخہ ضرور دیا جائے۔

۹- جو قیدی علاقائی زبان نہ جانتا ہو یا ان پڑھ اور معذور ہو ان کی آگاہی کا کوئی مناسب حل نکالا جائے۔

۱۰- قیدیوں کو دیئے گئے حقوق کا انہیں علم ہوتا کہ وہ اپنے حقوق کو حاصل کرسکیں یا ظلم وجبر کی صورت میں شکایت کرسکیں۔

۱۱- خواتین قیدی کے ساتھ جیل میں ان کے شیر خوار بچوں کو رکھنا

اگر کوئی خاتون (عورت) قید کی گئی اور اس کی گود میں کوئی شیر خوار بچہ ہے تو اپنے ساتھ جیل میں شیر خوار بچہ کو رکھنے کا بھی شرعاً اور عرفاً حق حاصل ہے، چنانچہ امام ابوداؤد نے کتاب

الجہاد میں باب فی التفریق بین السبی کے نام سے ایک باب قائم کیا ہے جس میں یہ روایت درج کی ہے:

"عن علی رضی الله عنه أنه فرق جارية وولدها فنهاه النبی ﷺ" (ابوداؤد، ج ۲) (حضرت علیؓ نے (قید کی گئی) ایک خاتون اور اس کے بچہ کو باہم جدا کر دیا تو حضور پاک ﷺ نے آپ کو اس سے منع فرمایا)۔

حضرات فقہاء نے والدہ اور ولد کے علاوہ دیگر قرابت داروں کے درمیان تفریق کرنے اور اس کی مدت کے سلسلہ میں مفصل بحث کی ہے، مذکورہ باب کے تحت شروح ابوداؤد کا مطالعہ کیا جائے (ملاحظہ ہو: الدر المنضود ۴؍ ۴۲۴)۔

قیدیوں کے مسائل اور حقوق

مفتی تنظیم عالم قاسمی ☆

اسلام سراپا رحمت اور شفقت ہے، اس مذہب میں عدل واحسان کی بارہا تاکید کی گئی ہے اور یہی اس مذہب کی روح ہے، ظلم وزیادتی، ناحق مار پیٹ، ستانا اور کسی کو خواہ مخواہ پریشان کرنا اس مذہب میں جائز نہیں، اسلام کی نظر میں مرد وعورت امیر وغریب، محتاج اور غنی سب برابر ہیں، کسی کو کسی پر فوقیت حاصل نہیں، اس لئے کسی امیر کو غریب کے ساتھ ناروا سلوک کرنے کی اجازت نہیں دی گئی اور نہ ہی کسی صاحب طاقت کو بے کس اور کمزوروں پر اپنی طاقت استعمال کرنے حق دیا گیا ہے۔

انسان ہونے کے اعتبار سے قیدیوں کے ساتھ بھی حتی الامکان حسن سلوک رکھا جائے گا، قیدیوں سے کوئی ایسا برتاؤ نہ کیا جائے جو غیر انسانی ہے، کیونکہ جرائم تو بہر حال انسان سے ہی ہوتے ہیں، جانوروں سے نہیں ہوتے، اس لئے انسانیت کا احترام بہر حال لازم ہے، جس طرح غلام سے غلامیت کے باوجود آدمیت کے خواص باطل نہیں ہوتے، اسی طرح قیدیوں سے انسانیت باطل نہیں ہوگی "**وماکان من خواص الآدمية في الرقيق لا يبطل بل يبقى على أصل الحرية**" (فتح القدیر: ۴۴/۳)، ایک انسان کو انسان ہونے کی حیثیت جن چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے انھیں بہر حال فراہم کیا جائے گا، جیسے پیٹ بھر کھانا، پیاس بجھانے کے لئے

☆ استاذ حدیث دار العلوم سبیل السلام، حیدرآباد۔

پانی فراہم کرنا، تن ڈھاکنے کے لئے کپڑا مہیا کرنا وغیرہ۔ لہذا قیدیوں کو بھوکا، پیاسا رکھنا یا بے لباس کرنا جائز نہیں، رسول اکرم ﷺ نے بنی قریظہ کے قیدیوں کے بارے میں اپنے صحابہ کرام کو ہدایت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا: "أحسنوا إسارهم وقيلوهم واسقوهم، وقال: لاتجمعوا عليهم حر هذا اليوم وحر السلاح" (الموسوعۃ الفقھیہ: ۱۹۸/۴)۔ (انہیں خوش اسلوبی سے اور حسن سلوک سے قید کرو، انہیں آرام کا موقع دو، کھلاؤ، پلاؤ اور تلوار اور اس دن کی گرمی دونوں کو یکجا مت کرو)۔

جن دنوں میں بنو قریظہ کے قیدیوں کو قید کیا گیا تھا، وہ گرمی کے ایام تھے، تپش زیادہ تھی، اس لئے آپ ﷺ نے بطور خاص دن کی گرمی دھوپ اور قیلولہ کے لئے مواقع فراہم کرنے کی تاکید فرمائی، کیونکہ گرمی کے ایام میں قیدیوں کی گرمی کا خیال نہ رکھنا، انہیں دھوپ میں چھوڑ دینا بلکہ آرام کا موقع نہ دینا بھی غیر اسلامی حرکت ہے اور قیدیوں کے ساتھ غیر انسانی حرکت جائز نہیں۔ معلوم ہوا کہ قیدیوں کو الکٹرک شاٹ لگانا، قیدیوں پر کتے چھوڑنا، قیدیوں کو سخت ٹھنڈک میں برف کی سلوں پر ڈال دینا، حد سے زیادہ مار پیٹ کرنا، مسلسل جگے رہنے پر مجبور کرنا یا ان کی جائے رہائش میں تیز روشنی یا تیز آواز کا انتظام کرنا شرعاً درست نہیں ہے۔

چوری، قتل وغارت گری، زنا کاری، شراب نوشی، ظلم وزیادتی اور اس طرح کے دیگر جرائم یقیناً اسلام کی نظر میں بھی انتہائی شنیع اور قابل مذمت ہیں، ان کے مرتکبین سخت سے سخت سزا کے مستحق ہیں لیکن شریعت نے اس کے بھی حدود متعین کئے ہیں اور ان میں اہم چیز انسانیت کا احترام ہے، ہر وہ سزا جس سے آدمیت کی توہین ہوتی ہو جائز نہیں ہے۔ اسیران بدر میں ایک شخص سہیل بن عمرو تھا جو نہایت فصیح اللسان تھا اور عام مجمعوں میں آنحضرت ﷺ کے خلاف تقریریں کیا کرتا تھا، حضرت عمرؓ نے کہا: یارسول اللہ! اس کے دو نیچے کے دانت اکھڑوا دیجئے کہ پھر اچھا نہ بول سکے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اگر اس کے عضو بگاڑوں تو گو نبی ہوں لیکن خدا اس کی جزا

میں میرے اعضاء بھی بگاڑے گا (تاریخ طبری ۱۳۴۴)، آپ ﷺ کی شان اقدس میں توہین آمیز کلمات کہنا یقیناً بڑا جرم ہے، لیکن اس کے باوجود اس کے عوض میں دانت اکھاڑنے کی رائے قبول نہیں کی گئی، اس لئے کہ یہ مثلہ کے دائرے میں آتا ہے، اسی طرح دانت اکھاڑنے سے ایک عضو سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو جاتا جو انسانی ضرورت ہے۔ اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ قیدیوں کو اس طرح بے تحاشہ نہیں مارا جائے گا اور نہ کوئی ایسی سزا دی جائے گی جس کے سبب ان کا کوئی عضو شل اور ضائع ہو جائے، ان کے کسی عضو کی منفعت ختم ہو جائے کیوں کہ یہ غیر انسانی اور رحم وکرم کے خلاف ہے۔

اسلام میں حقوق انسانی اور بنیادی آزادی کے تحفظ کا مکمل لحاظ رکھا گیا ہے، غیر انسانی یا ذلت آمیز سلوک کی قطعاً گنجائش نہیں، آج کل دنیا کے مختلف ممالک میں قیدیوں کے ساتھ جو ناروا سلوک کیا جاتا ہے وہ نامناسب بلکہ ناجائز ہے جیسے قیدیوں کو ٹارچر کرنا، تفتیش وتحقیق کے نام پر الٹا لٹکا دینا، ایسی جگہ قید کرنا جہاں بیٹھنے، لیٹنے اور آرام کرنے کی گنجائش نہ ہو، بے لباس کرنا وغیرہ، ابوغریب جیل میں جو سزائیں دی جاتی ہیں کون سا دل ہے جو ان سزاؤں کی کیفیت سن کر تڑپتا نہ ہو اور ان سزاؤں کی تصویر دیکھ کر رونگٹے کھڑے نہ ہوتے ہوں، دیگر شعبہائے حیات کی طرح اس شعبے میں بھی اسلام نے عدل واحسان پر مبنی تعلیمات اور اصول پیش کئے ہیں، اس سلسلے میں جنگ بدر کے قیدیوں کے احوال پیش کئے جا سکتے ہیں، مشہور سیرت نگار علامہ شبلی نعمانیؒ اسیران بدر کے ساتھ صحابۂ کرام کے سلوک کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”صحابہ نے ان کے ساتھ یہ برتاؤ کیا کہ ان کو کھانا کھلاتے تھے اور خود کھجور کھا کر رہ جاتے تھے، ان قیدیوں میں ابوعزیز بھی تھے جو حضرت مصعب بن عمیر کے بھائی تھے، ان کا بیان ہے کہ مجھ کو جن انصاریوں نے اپنے گھر میں قید کر رکھا تھا، جب صبح یا شام کا کھانا لاتے تو روٹی میرے سامنے رکھ دیتے اور خود کھجوریں اٹھا لیتے، مجھ کو شرم آتی اور میں روٹی ان کے ہاتھ میں دیتا

لیکن وہ ہاتھ بھی نہ لگاتے اور مجھ ہی کو واپس دیتے، اور یہ اس بنا پر تھا کہ آنحضرت ﷺ نے تاکید کی تھی کہ قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے'' (سیرۃ النبی: ۱/ ۳۴۰)۔

ایسے لوگ جو جنت میں جائیں گے، ان کے اوصاف بیان کرتے ہوئے ایک وصف یہ بھی بیان کیا کہ وہ لوگ قیدیوں کو کھانا کھلاتے تھے، ارشاد باری ہے: ''**ویطعمون الطعام علی حبه مسکیناً ویتیماً وأسیراً**'' (سورۃ الدھر: ۸) (اور کھلاتے ہیں کھانا اس کی محبت پر محتاج کو اور یتیم کو اور قیدی کو' قیدی سے مراد ظاہر ہے کہ وہ قیدی ہے جس کو اصول شرعیہ کے مطابق قید میں رکھا گیا ہو خواہ وہ کافر ہو یا مسلمان مجرم، چونکہ مجرم قیدیوں کو کھانا کھلانا حکومت کی ذمہ داری ہے، اگر کوئی شخص قیدیوں کو کھلاتا ہے تو گویا اسلامی بیت المال کی اعانت کرتا ہے بالخصوص ابتدائے اسلام میں جب کہ بیت المال کا کوئی منظم نظام نہیں تھا، اس لئے صحابہ کرام میں قیدیوں کو تقسیم کرکے ان کے کھانے پینے اور ضروریات زندگی کی تکمیل کی جاتی تھی۔

تاہم قرآن واحادیث سے قیدیوں کو زنجیروں سے جکڑنے، ہتھکڑیاں لگانے اور پاؤں میں بیڑیاں لگانے کی اجازت معلوم ہوتی ہے کہ مجرم کی شوکت ختم ہوجائے اور اس کی شر سے لوگ محفوظ رہیں، ارشاد باری ہے، ''**فإذا لقیتم الذین کفروا فضرب الرقاب حتی أثخنتموهم فشدوا الوثاق**'' (سورہ محمد: ۴)۔

(سو جب تمہارا ے مقابلہ کافروں سے ہوجائے تو ان کی گردنیں مار چلو یہاں تک کہ جب ان کی خوب خونریزی کرچکو تو خوب مضبوط باندھ لو)۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فوج کا ایک دستہ قبیلۂ نجد کی طرف روانہ فرمایا، ان لوگوں نے یمامہ کے رئیس ثمامہ بن اثال کو گرفتار کرلیا، ان کو مدینہ لے کر آئے اور مسجد نبوی کے ایک ستون سے اچھی طرح باندھ دیا، رسول اللہ ﷺ نے اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی بلکہ جب ان کے پاس سے آپ ﷺ کا گذر ہوتا تو سوال کرتے' **ماذا عندک یا**

ثمامة"؟ (تمہارا میرے بارے میں کیا خیال ہے)- وہ جواب میں کہتے کہ آپ ﷺ کے بارے میں میرا اچھا اور بہتر خیال ہے، اگر آپ ﷺ قتل کریں تو ایک واجب القتل کو قتل کریں گے اور اگر آپ چھوڑ دیں تو ایک شکر گزار شخص کو چھوڑیں گے، اور اگر آپ ﷺ کو مال و دولت مطلوب ہے تو فرمایئے مال حاضر کر دوں گا، ایمان قبول نہ کرنے کی بنیاد پر مصلحتاً آپ ﷺ نے ان کو تین دن تک اس طرح ستون میں بندھا ہوا رکھا اور یہی سوال و جواب ہوتا رہا، تیسرے دن آپ ﷺ نے ان کو چھوڑ دینے کی ہدایت دی، وہ قید سے آزاد ہوئے، دل میں آپ ﷺ کی محبت اور ایمان کی الفت گھر کر چکی تھی، غسل کے بعد ایمان قبول کر لیا (سنن ابی داؤد، حدیث نمبر: ۲۳۳۱)۔

اس زمانے میں باضابطہ کوئی قید خانہ نہیں تھا، قیدیوں کو اسی طرح باندھ کر بے بس کیا کرتے تھے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قیدیوں کو باندھنا، ہتھکڑیاں پہنانا اور پاؤں میں بیڑیاں ڈالنا جائز ہے، "**في الحديث دلالة على جواز الاستيثاق من الأسير الكافر بالرباط والغل والقيد وما يدخل في معناها إن خيف انفلاته ولم يؤمن شره إن ترك مطلقا**" (عون المعبود: ۷ / ۳۳۷)، اگر قیدیوں کو بھاگنے یا ان کے بے بس نہ ہونے اندیشہ کا ہو تو ان کو تصرفات سے روکنے کے لئے قید کرنے کے ساتھ آنکھوں پر پٹی باندھی جا سکتی ہے یا تنہا کسی مکان میں قید کیا جا سکتا ہے۔ علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں: "**فإن الحبس الشرعي ليس هو السجن في مكان ضيق وإنما هو تعويق الشخص ومنعه من التصرف بنفسه**" (فتاوی ابن تیمیہ ۳۵ / ۳۹۸)۔

یعنی قید کا اصل مقصد قیدیوں کو اپنے تصرفات اور شرارت سے روکنا ہے اور اس کے لئے تمام قیدیوں کو ان کے ذاتی حالات کے تناظر میں دیکھا جائے گا، ہر قیدی کا مزاج، قوت طاقت اور منصوبے الگ الگ ہوتے ہیں، اگر کسی قیدی کے بارے میں اطمینان ہو کہ یہ نہیں

بھاگے گا تو اسے ہتھکڑی یا بیڑی لگانے کی ضرورت نہیں، اور اگر کوئی قیدی طاقتور ہو، اسے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا ہو، فرار ہونے کا احتمال ہو تو اس کی آنکھوں پر پٹی بھی باندھی جا سکتی ہے وغیرہ وغیرہ، غرض یہ کہ اصل مقصد قیدیوں کو زیر کرنا اور ان کے شوکت کو ختم کرنا ہے اس کے لئے جیل میں ڈالنا ضروری نہیں، یہ مقصد جس طرح بھی حاصل ہو وہ قید شرعی میں داخل ہے (دیکھئے: الموسوعۃ الفقہیہ طبع کویت ۱۹۶/۴)۔

سرکش قیدیوں کو معمولی جسمانی اذیت بھی دی جا سکتی ہے، اس کے جواز پر عہد نبوی کے اس واقعے سے روشنی پڑتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے غزوۂ بدر کے موقع پر قریش کے حالات معلوم کرنے کے لئے بعض صحابہ کو مامور کیا، ان حضرات نے ابوسفیان کے بارے میں معلومات اکٹھا کرنے کی غرض سے ایک غلام کو گرفتار کر لیا اور اس کی پٹائی بھی کرتے رہے آپ ﷺ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے، جب نماز سے فارغ ہوئے تو غلام کی پٹائی پر کسی ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا بلکہ فرمایا کہ غلام صحیح کہتا ہے، اس کو ابوسفیان کا علم نہیں (ابوداؤد، حدیث: ۲۳۳۲)، لیکن یاد رہے کہ کوئی بات اقرار کرانے یا کسی جانکاری کے حصول کے لئے صرف معمولی ضرب ہی لگائی جا سکتی ہے، غیر انسانی مار جیسے ضرب شدید، ٹارچر کرنا، کرنٹ لگانا وغیرہ کسی بھی صورت میں جائز نہیں، ایسے قیدیوں کو زیادہ سے زیادہ طویل عرصے تک کے لئے قید خانہ میں ڈالا جا سکتا ہے، یا مصلحت دیکھی جائے اور شر و فساد زیادہ ہو تو قتل کیا جا سکتا ہے، جیسا کہ باغیوں کو قتل کی اجازت ہے (دیکھئے: تبیین الحقائق ۲/ ۲۹۴ مکتبہ امدادیہ ملتان)۔

ابن قدامہ حنبلی ایک جگہ قیدیوں سے متعلق بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وہ قیدی جو خود سپردگی سے گریز کرے اور قید کرنے والے احکامات کی بجا آوری سے انکار کرے یا مقابلہ آرائی کے لئے آمادہ ہو جائے تو اسے ساتھ چلنے پر مجبور کیا جائے گا، خواہ اس کے لئے طاقت کا استعمال کرنا پڑے، اور اگر اس طرح سختی کارگر ثابت نہ ہو تو اسے سزائے موت

دی جاسکتی ہے کیوں کہ اس کا زندہ باقی رہنا اہل کفر کے لئے باعث تقویت اور مسلمانوں کے لئے نقصان دہ ثابت ہوگا (المغنی لابن قدامہ: ۸ر۳۷۷)۔

اس جزیے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ کوئی قیدی جب کنٹرول سے باہر ہو جائے تو اس کو زیر اور ناتواں کرنے کے لئے مصلحتاً کوئی ایسا کام کیا جاسکتا ہے جس سے قیدی کی قوت وشوکت ٹوٹ جائے بشرطیکہ وہ کام غیر انسانی نہ ہو، ان ساری باتوں اور بحثوں پر غور کیا جائے تو قیدیوں سے متعلق دو باتیں واضح ہوتی ہیں: (۱) قید کرنے کا مقصد قیدیوں کو زیر کرنا اور ان کی طاقت کو کچلنا ہے، یہ مقصد جس طرح حاصل ہو اس کے ساتھ ویسا معاملہ کیا جاسکتا ہے۔ (۲) مجرموں کا جرم خواہ کتنا بھی سنگین ہو وہ انسان ہی رہتا ہے لہذا سزا دیتے ہوئے ان کی انسانیت کا خیال رکھا جائے اور کوئی غیر انسانی سزا نہ دی جائے۔

دراصل اسلام انسانی حقوق اور بنیادی آزادی کے تحفظ کا پابند کرتا ہے اور کوئی ایسے عمل کی اجازت نہیں دیتا جو حقوق انسانی اور بنیادی آزادی کو متاثر کرتا ہو جیسے انسان کے زندہ رہنے کے لئے مناسب غذا، صاف پانی کی ضرورت ہے، قیدیوں کو اس سے محروم نہیں رکھا جائے گا، اسی طرح علاج ومعالجہ، حفظان صحت کے لئے ورزش وتفریح، بیوی سے جنسی تعلق وغیرہ ضروریات زندگی کی تکمیل کی انہیں مکمل اجازت ہوگی کہ یہ چیزیں انسانی حقوق میں داخل ہیں، مذہبی امور میں بھی ان سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا، جس مذہب کو وہ مانتا ہے اس کی یا اس مذہب کے پیشواؤں اور کتابوں کی توہین نہیں کی جائے گی، اور نہ دوسرے مذہب کے قبول کرنے پر انہیں مجبور کیا جائے گا، مذہبی کتابوں کے مطالعہ، مذہبی تعلیمات کے مطابق غذا فراہم کرنا، دوسرے قیدیوں کے درمیان دعوت دین یہ سب مذہبی امور ہیں جو انسان کی بنیادی حقوق اور بنیادی آزادی میں شامل ہیں، کسی جرم کے سبب ان کے یہ حقوق ختم نہیں ہوں گے، یہی وجہ ہے کہ عام حالات میں مشرک سے اور ذمی ومستامن سے ان کے عقائد ومذہب سے تعرض کرنے سے رسول اکرم

علیہ السلام نے منع فرمایا ہے جب کہ شرک بہت بڑا جرم ہے، اس کے باوجود آپ علیہ السلام نے ان کے انسانی اور بنیادی حقوق سے کوئی تعرض نہیں فرمایا۔

بنیادی حقوق میں اخبارات پڑھنے، ریڈیو سننے، فون پر احباب واقارب سے گفتگو کرنے، دوسرے قیدیوں سے ملاقات، تعلیم اور ہنر سیکھنا بھی داخل ہے، ان حقوق سے انہیں محروم نہیں کیا جائے گا، البتہ فون پر بات چیت میں اگر اندیشہ ہو کہ اس کے ذریعے وہ سازش کرسکتا ہے تو اسے روک دیا جائے گا، ورنہ عام حالات میں اس کی اجازت ہوگی، جیسا کہ شریعت نے عورتوں کو اجازت دی ہے کہ وہ ہفتہ میں ایک بار اپنے والدین سے اور سال میں ایک مرتبہ اپنے دیگر محارم سے ملاقات کرسکتی ہیں اور شوہر کو روکنے کا حق حاصل نہ ہوگا کیوں کہ یہ ان کا بنیادی حق ہے۔

"فلا تخرج إلا لحق لها او عليها أولزيارة أبويها كل جمعة مرة أولمحارم كل سنة" (دُرِّمختار: ۱/ ۲۰۲)، قیدیوں کو قید خانہ سے فرار ہونے کے خوف سے نکلنے کی اجازت تو نہ ہوگی البتہ فون پر بات چیت یا سلاخوں سے رشتہ داروں سے ملاقات سے نہیں روکا جائے گا، اسی طرح حکومت کو چاہئے کہ اخلاقی امور کی طرف بطور خاص توجہ دے، مثلاً مردوں اور عورتوں کو الگ الگ قید خانے میں رکھیں تاکہ دونوں کے باہم اختلاط کے سبب مسائل پیدا نہ ہوں، اسی طرح بالغ اور نابالغ بچوں کے قید خانے بھی الگ کئے جائیں کہ جنسی استحصال وہراسانی کی شکایت کا موقع نہ ہو، یہ تمام امور، یعنی مذہبی امور، عام سماجی حقوق، جسمانی ضروریات وغیرہ انسانی حقوق میں شامل ہیں جن کی فراہمی کی شریعت نے نہ صرف اجازت دی ہے بلکہ مختلف نوعیتوں سے ان کی تاکید کی گئی ہے، چونکہ انسان کو آزادی جیسی عظیم نعمت سے محروم رکھنا ہی ایک سخت سزا ہے، قید فی نفسہ بہت سے حقوق سے بے انتہاء محرومی کا نام ہے، اسی لئے شریعت نے مخصوص حالات ہی میں قید وبند کی سزا کی اجازت دی ہے، جب یہ سزا دے دی گئی تو قیدیوں کے لئے یہی سزا کافی ہے، اب مزید حقوق انسانی یا بنیادی آزادی سے محروم رکھنے کی نہ

ضرورت ہے اور نہ ہی شرعا جائز ہے۔

۱- اصل تو یہی ہے کہ ثبوت جرم کے بعد قید کیا جائے لیکن ثبوت فراہم ہوتے ہوتے اگر مجرم کو فرار ہونے کا خوف ہو تو بطور احتیاط پہلے بھی قید کیا جا سکتا ہے، اس کے لئے مدت کی تعیین کے سلسلے میں میرا رجحان ہے کہ حکومت اور محکمۂ جرائم کو اس کا اختیار دے دیا جائے اگر چہ بعض لوگوں نے ایک مہینہ کی مدت متعین کی ہے: "**واختلفوا في مقدار الحبس في التهمة هل هو مقدر أو مرجعه إلى اجتهاد الإمام على قولين ذكرهما القاضي أبو يعلى والقاضي الماوردي وغيرهم وقيل: هو مقدر بشهر**" (فتاوی لابن تیمیہ ۳۵/۳۹۹)۔

۲- قیدیوں کو مذہبی امور، اخلاقی امور، عام سماجی حقوق اور جسمانی تمام ضروریات کی تکمیل کا حق حاصل ہوگا کہ انسانی حقوق اور بنیادی آزادی سے ان کو علیحدہ رکھنا درست نہیں ہے۔

۳- قیدیوں سے سچی بات اگلوانے کے لئے غیر انسانی مار مارنا جائز نہیں اور نہ ہی بے لباس کرنا، الکٹرک شاٹ لگانا، کتے چھوڑنا جائز ہے۔ (تفصیل اوپر آ چکی ہے)

۴- قیدیوں کو زنجیروں میں جکڑنا، ہاتھ میں ہتھکڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں ڈالنا بضرورت جائز ہے۔

۵- کسی خصوصی جرم کے پیش نظر قید تنہائی دی جا سکتی ہے، یہ سزا غیر انسانی نہیں۔

۶- قیدیوں کی وسعت کے بقدر ان سے جبراً کام لیا جا سکتا ہے اور وہ اجرت کے مستحق نہیں ہوں گے، ضروریات زندگی قید خانہ سے ان کو حاصل ہونے کے سبب جیسا کہ بیوی کو نفقہ ملنے کے سبب وہ شوہر سے کام کی اجرت طلب نہیں کر سکتی۔

۷- جن قیدیوں کا مقدمہ ابھی زیر سماعت ہے ان کے ساتھ سلوک بہتر کیا جانا چاہئے کہ ان کا جرم ابھی ثابت نہیں ہوا ہے، قید خانہ میں ڈالنا یہ خود ایک بڑی سزا ہے، دونوں میں فرق ہوگا۔

۸- زیر سماعت قیدیوں کو جتنا جلد ہو سکے چھوڑنے کی کوشش کرنی چاہئے، تا آنکہ جرم ثابت ہو جائے اور عدالت کا کوئی فیصلہ سامنے آجائے۔

۹- اگر ملزم کو بعد میں عدالت نے بری کر دیا تو زمانۂ قید میں ہونے والی ذہنی اذیت اور مالی ہرجانہ طلب کر سکتا ہے۔

۱۰- قیدی کو مکمل حق حاصل ہے کہ وکیل سے رابطہ کر کے اپنی صفائی پیش کرائے، شریعت نے شہادت کا سلسلہ اسی وجہ سے رکھا ہے۔

۱۱- خواتین کو اپنے ساتھ شیر خوار بچوں کو جیل میں رکھنے کا حق حاصل ہے، آپ ﷺ نے ایسے شخص پر لعنت کی ہے جو غلام اور اس کی ماں میں یا محرم میں تفریق کر دے، اس کی علت قطع رحمی ہے، ماں اور بیٹا کا مسئلہ اس سے زیادہ اشد ہے۔

قیدیوں کے حقوق

مولانا ابرار حسن ایوبی ندوی ☆

۱- قانون اسلامی اس سلسلہ میں تمام قدیم وجدید قوانین سے ممتاز ہے کہ وہ انسان کو من حیث الانسان جب تک اس کا جرم ثابت نہ ہو جائے بری اور بے گناہ سمجھتا ہے، انسان کی تکریم وتعظیم کے پیش نظر اس کا مشہور قاعدہ ہے: "الأصل براءة الذمة" (القواعد الفقہیۃ ر ۳۱۸، للأستاذ علی أحمد الندوی)، اس نے انسان کی جان ومال اور عزت وآبرو کی حفاظت کا پورا سامان کیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اس نے ملزمین (فقہ اسلامی کی اصلاح میں متہم) کی ان کے حالات کے لحاظ سے درجہ بندی کی ہے، تاکہ معصوم پر آنچ نہ آئے اور مجرم قانون کی گرفت سے بچ نہ سکے، الزام جس کو فقہاء کی اصلاح میں "دعاوی" کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے، کی دو قسمیں ہیں: (۱) دعوی تہمت (۲) دعوی غیر تہمت۔

(۱) دعوی تہمت: ملزم کی طرف ایسے اعمال کو منسوب کرنا جن کا کرنا اس کے لئے حرام ہو اور موجب سزا ہو جیسے قتل، ڈاکہ زنی، چوری وغیرہ یا اس کے علاوہ ایسا حرام کام کرنا جس کو چھپ کر انجام دیا جاتا ہو اور گواہی کا اس پر قائم کرنا دشوار ہو (دیکھئے: مجموعہ فتاوی ابن تیمیہ ۳۵ر۳۹)۔

دعوی کی دوسری قسم دعوی غیر تہمت ہے، یہ دعوی مختلف قسم کے عقود بیع، قرض، رہن اور ضمان کے تعلق سے ہو سکتا ہے یا ایسے افعال کے تعلق سے ہو سکتا ہے جس کا کرنا حرام نہ ہو، مثلاً بیع

☆ مرکز الامام ابی الحسن علی الحسنی الندوی للبحوث والدعوۃ والفکر الاسلامی، دار عرفات تکیہ کلاں رائے بریلی۔

یا قرض یا مہر کی وجہ سے کسی کے ذمہ میں دین کا ثابت ہونا وغیرہ۔

فتاوی ابن تیمیہ میں ہے: "وغیر التهمة أن يدعي دعوى عقد من بيع أو قرض أو رهن أوضمان أو دعوى لا يكون فيها سبب فعل محرم مثل دين ثابت في الذمة من ثمن بيع أو قرض أو صداق وما إلى ذلك" (مجموع فتاوی ابن تیمیہ ۳۹۰/۳۵)۔

سوال نامہ کا ظاہر بتاتا ہے کہ سوالات کا تعلق قسم اول سے ہے قسم ثانی سے نہیں اور یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ ملزمین جن پر تہمت لگائی گئی ہے اور جرم ابھی ثابت نہیں ہوا ہے ان کو متہم اور اس قسم کے الزامات کو " دعاوی متهم " کہا جاتا ہے۔

ایسے اشخاص کے متعلق کوئی بات مطلق طور پر نہیں کہی جاسکتی، بلکہ دینداری اور بے دینی اور جرائم میں تلوث یا عدم تلوث کے لحاظ سے ان کی تین قسمیں کی جاسکتیں ہیں:

۱- ایسے لوگ جو تقوی وطہارت اور دینداری میں مشہور ومعروف ہوں اور جرائم سے ان کا دامن داغ دار نہ ہو۔

۲- ایسے لوگ جن کی نیکی یا بدی کی جہت واضح نہ ہو، یعنی مجہول الحال ہوں۔

۳- ایسے لوگ جو فسق وفجور میں مشہور ہوں اور ماقبل میں کوئی جرم ثابت بھی ہو چکا ہو (دیکھئے: مجموع فتاوی ابن تیمیہ ۳۹۷/۳۵-۳۹۹، ۲۳۶/۳۴)۔

مذکورہ بالا افراد کے سلسلہ میں قید یا عدم قید کے احکامات: قسم اول سے تعلق رکھنے والے افراد (معروف بالورع والتقوی) کو بالاتفاق نہ تو قید کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی کوئی سزادی جا سکتی ہے، بلکہ بعض فقہاء کے مطابق تو ان سے قسم بھی نہیں لی جاسکتی ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر جس نے ان کی آبرو کو داغ دار کرنے اور تاذی کے لئے الزام لگایا ہے اسے سزادی جائے گی۔

دوسری قسم (مجہول الحال) سے تعلق رکھنے والے افراد جن کی دین داری یا بے دینی، اسی طرح جرائم میں تلوث یا عدم تلوث واضح نہ ہو، قرائن کی بنیاد پر ایسے لوگوں کو قید کیا جاسکتا ہے اور ان کی پوزیشن واضح ہونے کے بعد ہی ان کے ساتھ اگلا اقدام کیا جائے گا۔

تیسری قسم (معروف بالفسق والفجور) سے تعلق رکھنے والے افراد کو بالاتفاق جرم کے ثابت ہونے سے پہلے قید و گرفتار کرنے کی اجازت ہے، اس لئے کہ جب مجہول الحال لوگوں کو گرفتار کرنے کی اجازت ہے تو معروف بالفسق والفجور افراد کو قید کرنے کی بدرجہ اولی اجازت ہوگی (دیکھئے: مجموع فتاوی ابن تیمیہ ۳۵/۳۹۷-۴۰۰)۔

سنن ابوداؤد میں متہم کو (جو ظاہر ہے دوسری یا تیسری قسم کے افراد ہوں گے) نبی اکرم ﷺ کی طرف سے قید کئے جانے کی صراحت موجود ہے۔ **"عن بهز بن حكيم عن أبيه عن جده أن النبي ﷺ حبس في تهمة"** (سنن ابی داؤد، حدیث نمبر: ۳۶۳۰)۔

قید احتیاطی کی مدت

قید احتیاطی کی مدت کی تعیین کے سلسلہ میں فقہاء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے، کوئی حتمی قول اس سلسلہ میں منقول نہیں ہے، بعض احادیث میں ایک دن اور ایک رات قید احتیاطی میں رکھنے کی بات پائی جاتی ہے اور ثمامہ بن اثال حنفی کو تین دن تک قید میں رکھا گیا یہ واقعہ مشہور اور معروف ہے، لیکن احقر کے خیال میں وہاں تو خود ان کو اپنے جرم کا اعتراف تھا احتیاطی قید کی کوئی بات نہیں تھی، فقہاء کا اختلاف اس سلسلہ میں کسی نص صریح کے نہ ملنے کی وجہ سے ہے، بعض فقہاء نے اس کی مدت ایک ماہ، بعض نے چھ ماہ اور بعض نے سال بھر بتائی ہے، لیکن جمہور کی رائے اس سلسلہ میں یہ ہے کہ مدت کی تحدید کا انحصار قاضی یا حاکم وقت کی صوابدید پر ہے، بس شرط یہ ہے کہ اصول شریعت اور عدل کی رعایت کے ساتھ ساتھ ان کی ولایت شرعی کا جو مقتضی ہو اس کے لحاظ سے فیصلہ کریں۔

سنن ابی داؤد میں اس طرح کی روایتیں موجود ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ملزم کو ثبوت جرم سے پہلے قرائن کی بنیاد پر قید کیا گیا اور ایک دن اور ایک رات قیدی بنا کر رکھا گیا، لیکن اس مدت کو حتمی مدت نہیں کہا جا سکتا۔

مقام کدید کے رہنے والے لوگوں (بنو الملوح) پر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو حملہ کرنے کا حکم دیا، صحابہ نے راستہ میں ان کے ایک فرد حارث بن البرصاء اللیثی کو گرفتار کرلیا، وہ کہنے لگے کہ میں تو اسلام قبول کرنے کی نیت سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جارہا تھا، لیکن صحابہ نے انہیں چھوڑا نہیں بلکہ کہا کہ ہم بھی واپس ہونے والے ہیں، حقیقت حال رسول اللہ ﷺ کے سامنے واضح ہوجائے گی، اگر تمہاری بات سچی ہوگی تو ایک دن اور ایک رات تمہارا قید میں رہنا کوئی نقصان دہ نہیں ہوگا اور اگر معاملہ اس کے برخلاف ہوگا تو تم آزاد نہیں ہوسکو گے، اس اسلامی فوج کے سربراہ حضرت جندب بن کعبؓ نے فرمایا تھا: "إن تكن مسلماً لم يضرك رباطنا يوماً وليلة وإن تكن غير ذلك نستوثق منك فشددناه وثاقاً" (سنن ابی داؤد ۲۶۷۸/۱)۔

خلاصہ جوابات

۱- جو حضرات دینداری اور تقوی وطہارت میں مشہور ومعروف ہوں انہیں بالاتفاق قید نہیں کیا جاسکتا۔

۲- مجہول الحال اور معروف بالفسق والفجور اشخاص کو قرائن کی بنیاد پر ثبوت جرم سے پہلے قید کیا جاسکتا ہے۔

۳- قسم ثانی وثالث کے جو افراد قید کئے جائیں گے نصوص صریحہ سے ان کی قید کی زیادہ سے زیادہ مدت متعین نہیں ہے، بلکہ اسے حاکم وقت کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے، اسی شرط کے ساتھ کہ اصول شریعت اور عدل کے تقاضوں کا خیال رکھیں۔

۲- مذہبی، جسمانی، سماجی اور اخلاقی امور کے تعلق سے قیدیوں کے حقوق

الف- حبس شرعی کا مفہوم کسی تنگ جگہ میں قید کرنا نہیں بلکہ ملزم کو اس کے ذاتی تصرفات سے روکنا ہے، اس لئے جو چیزیں ذاتی تصرفات کے قبیل سے ہوں ان سے تو روکا جاسکتا ہے،

مثلاً کوئی تجارتی کاروبار وغیرہ، لیکن عبادت، مذہبی کتابوں کے مطالعہ اور قیدیوں کے درمیان دعوت دین سے نہیں روکا جاسکتا اور محبوس کے مذہبی تعلیمات کے مطابق اس کے لئے غذا فراہم کی جائے گی (دیکھئے: مجموع فتاوی ابن تیمیہ ۳۵/ ۳۹۸)۔

ضروریات خواہ خالص انسانی ہوں یا مذہبی وسماجی جہاں تک مفسدہ نہ پیدا ہوتا ہو نصوص شریعت سے ٹکراتا نہ ہو اور مصلحت جس کے خلاف نہ ہو اجازت دی جائے گی (دیکھئے: فتاوی ہندیہ ۳/ ۴۱۶، موسوعۃ الفقہ الاسلامی المعاصر: عبدالحلیم عویس ۳/ ۲۷۰)۔

محبوس جس مذہب کا متبع ہے اس کی نیز اس کی مقدس شخصیات کے اور مقدس کتابوں کی بے حرمتی جائز نہیں ہے، قرآن کریم میں اللہ تعالی کا صاف حکم ہے: "**ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدواً بغیر علم**" (سورہ انعام: ۱۰۸)۔

ب- جسمانی ضروریات

مناسب غذا، صاف پانی اور علاج وغیرہ جیسی چیزیں فراہم کی جائیں گی، اس لئے کہ ان ساری چیزوں سے زندگی کی بقا متعلق ہے اور زندگی کو باقی رکھنا واجب ہے۔ "**مالم یتم الواجب إلا بہ فھو واجب**" (القواعد الفقہیہ/ ۳۴۵: مولانا علی احمد ندوی)۔

صحابہؓ نے غزوہ بدر کے قیدیوں کے ساتھ جو سلوک کیا وہ ہمارے لئے اسوہ اور نمونہ ہے (سیرۃ النبی ۱/ ۳۲۹)۔

لیکن دوسری طرف یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ ان کے ساتھ ایسا سلوک کیا جائے گا کہ انہیں اپنے جرائم کا خیال آتا رہے، وہ بالکل مطمئن اور بے پرواہ نہ ہو جائیں، جیسا کہ فتاوی ہندیہ میں ہے: "**وفی السغناقی قالوا: وینبغی أن یحبس فی موضع خشن لا یبسط لہ فراش ولا وطاء ولا أحد یدخل علیہ لیأنس لیضجر قبلہ**" (الفتاوی الہندیہ ۳/ ۴۱۹)۔

ورزش وتفریح

اگر بقاء زندگی کے لئے ورزش وتفریح ناگزیر ہوجائے (جیسا کہ اطباء آج کل بعض بیماریوں کے علاج میں چہل قدمی لازمی بتاتے ہیں) تو ایسی صورت میں بقدر ضرورت ورزش وتفریح کی اجازت دی جاسکتی ہے، تفریح محض کی اجازت بہر حال نہیں دی جاسکتی۔

بیوی سے تعلق

اگر قید خانہ میں ایسی جگہ ہے کہ پورے تستر اور شرعی آداب کے ساتھ تعلقات زن وشو قائم کئے جاسکتے ہوں تو اس کی اجازت دی جاسکتی ہے، مجمع الانہر میں ہے: "قال الزيلعي وغيره: إن احتاج إلى الجماع لا يمنع من دخول امرأته أو جاريته عليه إن كان في السجن موضع سترة لأن اقتضاء شهوة الفرج كاقتضاء شهوة البطن" (مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر ۳/ ۲۲۸، نیز دیکھئے: فتاوی ہندیہ ۳/ ۴۱۸)۔

انتہائی تنگ وتاریک جگہ میں قیدیوں کے رکھنے کا مسئلہ

مذکورہ سزائیں مخصوص حالات میں اور محدود مدت تک کے لئے دینے کی اجازت تو دی جاسکتی ہے لیکن اس طرح سزا دینا کہ اعضاء تلف ہوجائیں، انسان کا دماغ اور اس کے قوائے حسیہ ناکارہ ہوجائیں بالکل جائز نہیں (دیکھئے: المغنی ۱۰/ ۳۴۸)۔

اخلاقی امور

اخلاق واعمال کی اصلاح کا اسلام نے ہر قدم پر خیال رکھا ہے اور اسی کے پیش نظر فقہ اسلامی میں اس بات کی وضاحت ملتی ہے کہ مردوں اور عورتوں کو الگ الگ قید خانہ میں رکھا جائے تاکہ فتنہ سے امن رہے، اندرونی دیکھ بھال کا کام خود عورتیں سنبھالیں، ہاں باہر سے حفاظت کی

ذمہ داری اہل تقوی مردوں کی ہو۔

نیز یہ غایت درجہ احتیاط کی بات ہے کہ مخنثین کے لئے بھی علیحدہ قید خانہ کا نظم کرنے کا حکم دیا گیا ہے کہ نہ تو ان کو مردوں کے ساتھ رکھنے کی اجازت ہے اور نہ ہی عورتوں کے بیچ، بلکہ ان کو بالکل علاحدہ رکھنے کا حکم ہے۔

جہاں تک بالغوں اور نابالغوں کے الگ الگ قید خانوں کا تعلق ہے تو یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ فقہاء نابالغ بچوں کو اصلاً جیل وغیرہ میں قید کرنے کے قائل نہیں ہیں اور جو حضرات قائل ہیں بھی ان کا کہنا ہے کہ حبس کی سزا تادیباً ہوگی معاقبۃً نہیں اب اگر تادیباً ہی سہی بچوں کو جیل میں رکھا جاتا ہے تو اس بات کا خیال کیا جائے گا کہ فتنہ کا اندیشہ ہے یا نہیں؟ اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو بچوں کو بھی علیحدہ ہی رکھا جائے گا (دیکھئے: فتاوی ہندیہ ۳/ ۴۱۴، رد المحتار ۸/ ۱۲۳)۔

لیکن اس سلسلہ میں اصل اختیار قاضی کو حاصل ہوگا امن من الفتنہ والے اصول کو سامنے رکھتے ہوئے۔ مجمع الانہر میں ہے: "**وتعيين مكان الحبس للقاضي**" (مجمع الانہر ۳/ ۲۲۴)۔

عام سماجی حقوق

اعزہ واقرباء سے ملنے کے سلسلہ میں دو طرح کے اقوال پائے جاتے ہیں:

۱- اجازت ہے لیکن زیادہ نہیں ٹھہر سکتے۔

۲- کسی کو قیدی کے پاس جانے ہی نہیں دیا جائے گا تا کہ اسے اپنی غلطی کا احساس ہو سکے۔

فتاوی ہندیہ میں ہے: "**ولا يمنع المسجون من دخول أهله وجيرانه ولكن لا يمكنون أن يمكثوا هناك طويلاً وفي السغناقي ولا أحد يدخل عليه ليأنس ليضجر قلبه**" (فتاوی ہندیہ ۳/ ۴۱۹)۔

اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ اگر کوئی مفسدہ پیدا ہونے کا اندیشہ نہیں ہے تو اعزہ واقرباء سے فون پر مختصر بات کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

قیدیوں کے آپس میں میل ملاپ سے اگر اس بات کا خدشہ ہو کہ شر کے لئے وہ گروہ بندی یا جتھا بازی کریں گے یا اس طرح کے کاموں کے لئے پلاننگ کریں گے تو ملاقات سے روکا جائے گا، لیکن اگر معمولی قسم کی ملاقات ہو اور اس طرح کے مواقع نہ دیئے جائیں تو بہر حال ملاقات کی اجازت ہو گی۔

اخبارات پڑھنے اور ریڈیو سننے سے روکا جائے گا، اس لئے کہ یہ امور حوائج ضروریہ میں سے نہیں ہیں، تعلیم اور ہنر سیکھنے میں اگر جیل کے مصالح میں کوئی حرج نہ پڑ رہا ہو تو اس کی اجازت دی جاسکتی ہے۔

۳- قیدیوں سے سچی بات اگلوانے کے لئے دھمکانے اور سزا دینے کا مسئلہ

قیدیوں سے سچی بات قبول کروانے کے لئے مار پیٹ کی بھی اجازت ہے اور دھمکانے کی بھی، بے لباس کرنے کی نہیں، البتہ بے لباس کر دینے کی دھمکی دی جاسکتی ہے، لیکن الکٹرک شاک لگانا، قیدیوں پر کتے چھوڑنا، سخت ٹھنڈک میں برف کی سلوں پر ڈالنا قطعاً جائز نہیں اور نہ ہی اس کو اس طرح جگے رہنے پر مجبور کرنا درست ہے کہ اس کا کوئی عضو تلف ہو جائے۔

جن حالات میں سزا دینے کی اجازت ہے وہاں پر اس بات کی بھی تاکید ہے کہ ایسا کوئی کام نہیں کیا جائے گا جو تکریم انسانی کے خلاف ہو (دیکھئے: الرسول القائد: محمود شیت خطاب: ۱۲۶، موسوعۃ الفقہیہ الاسلامی المعاصر ۳/ ۳۴۴، فتاوی ہندیہ ۳/ ۴۱۶، مسند احمد، حدیث: ۲۳۴۱۸، المغنی ۱۰/ ۳۴۳، بخاری، حدیث: ۳۰۰۷، ابوداؤد، حدیث: ۲۶۷۳)۔

جہاں تک ایسی سزائیں دینے کا تعلق ہے کہ قیدی مسلسل جاگتا رہے سو نہ سکے تو اسے عارضی اور وقتی سزا کے طور پر استعمال کر سکتے ہیں، اس لئے کہ غزوہ بدر کے قیدیوں کو جس طرح جکڑا گیا یہاں تک حضرت عباسؓ کی کراہ کی آواز آتی رہی، اسی طرح ابو یزید سہیل بن عمرو کا ہاتھ ان کی گردن میں ملا کر باندھ دیا گیا تو ظاہر ہے کہ یہ حضرات سو نہیں سکے ہوں گے، لیکن یہ سزا

محدود وقت اور مخصوص حالات کے پیش نظر تھی (دیکھئے: ابوداؤد، حدیث: ۲۶۸۰)۔

لیکن یہ سزائیں اس حد تک دینا کہ اعضاء شل ہو جائیں اس کی اجازت قطعاً نہیں دی جاسکتی (تفصیل کے لئے دیکھئے: المغنی ۱۰/۳۴۸)۔

۴- قیدیوں کو زنجیروں میں جکڑنا، ہتھکڑی پہنانا اور بیڑی ڈالنا

عام حالات میں نہ تو قیدیوں کو زنجیروں میں جکڑا جائے گا نہ ہی ان کو ہتھکڑی پہنائی جائے گی اور نہ ہی بیڑی ڈالی جائے گی، ہاں اگر بھاگ نکلنے کا یا کوئی اور مفسدہ پیدا ہونے کا خطرہ ہو تو ایسا کرنا درست ہوگا۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

"لا ينبغي للقاضي أن يضرب محبوسا في دين ولا غيره ولا يصفد ولا يقيد ولا يغل ولا يمد ولا يجرد وإذا خاف على المحبوس في السجن أن يفر من حبسه حوله إلى محبس اللصوص" (فتاوی ہندیہ ۳/۴۱۴، نیز دیکھئے: مجمع الانہر ۳/۲۲۴)۔

۵- مجرم کو قید تنہائی کی سزا دینا؟

کسی مجرم کو خصوصی جرم کے پس منظر میں قید تنہائی کی سزا دینے کا انحصار قاضی کی صوابدید پر ہے، اگر اس کی موجودگی دوسروں کے لئے فتنہ وفساد اور شر کا ذریعہ ہو تو ایسی صورت میں اس کو معاشرہ سے الگ کر دینا ہی بہتر ہے۔

امام ابن تیمیہ نے اس سلسلہ میں بڑی نفیس بحث کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی نے انسانوں کو ایک دوسرے کے تعاون کا محتاج بنایا ہے، دینی اور دنیاوی بہت سی ضرورتیں ایک دوسرے کے ذریعہ تکمیل کو پہنچتی ہیں، اب اگر کوئی شخص ایسا ہو کہ اس کا وجود بجائے نفع بخش ہونے کے نقصاندہ ثابت ہونے لگے اور خیر کے بجائے شر کا ذریعہ ہو تو اس کو علاحدہ کر دینا ہی بہتر ہوگا

(دیکھئے: مجموع فتاوی ابن تیمیہ ۱۵/ ۳۱۰)۔

اس سے یہ ثابت ہوا کہ کسی مجرم کو خصوصی جرم کے پس منظر میں قید تنہائی کی سزا دی جاسکتی ہے۔

٦- جیل میں قیدیوں سے جبراً کام لینا اور اس کی اجرت کا استحقاق؟

اگر حاکم وقت یا قاضی مناسب سمجھیں اور ضرورت ہو تو قیدیوں سے جبراً کام لیا جاسکتا ہے، لیکن اس میں قیدی کی حیثیت اور اس کے حالات کا لحاظ کرنا ضروری ہے، ایسا نہیں ہونا چاہئے کہ طاقت سے زیادہ کا بوجھ اس پر ڈالا جائے یا یہ کہ ایسا کام اس سے کروایا جائے جو اس کی حیثیت سے فروتر ہو اور اگر کام لیا گیا تو بہر حال قیدی اجرت کے مستحق ہوں گے۔

بدر کے بعض قیدی جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے انہیں مسلمانوں کے بچوں کو تعلیم دینے کے لئے مکلّف کیا گیا اور اس کے بدلہ میں ان کی گردنوں کو آزاد کردیا گیا، یہ واقعہ سیرت و حدیث کی تقریباً تمام ہی کتابوں میں مذکور ہے (دیکھئے: غزوۃ بدر الکبری: محمد احمد باشمیل / ۲۳۶، مسند احمد، حدیث: ۲۲۱٦، الرسول القائد / ۱۲٦)۔

۷- جن قیدیوں کا مقدمہ ابھی زیر سماعت ہے اور جن کے بارے میں سزائے قید کا فیصلہ ہو چکا ہے، قید خانوں میں سلوک کے اعتبار سے کیا ان دونوں میں فرق کیا جاسکتا ہے؟

ان دونوں قسم کے افراد کے درمیان وہی فرق ہے جو کہ مجرم اور متہم کے درمیان ہے، لہذا جس کے بارے میں فیصلہ ہو چکا ہے اس کے ساتھ جرم کی نوعیت کے اعتبار سے سلوک ہوگا، اور جس کا مقدمہ ابھی چل رہا ہے اس کے ساتھ عام معمول کے مطابق سلوک کیا جائے گا۔

احقر کے مطالعہ میں اس فرق کو واضح کرنے کے لئے کوئی دلیل تو نہیں مل سکی البتہ

حضرت ماعز اسلمی اور غامدیہ کے واقعہ سے استدلال کر سکتے ہیں، اس طور پر کہ حضرت ماعز کے اقرار سے ان کا جرم ثابت ہو گیا تھا اس لئے نبی ﷺ نے ان پر حد جاری کرنے کا حکم صادر فرمایا، لیکن عورت کا جرم آپ کی مجلس میں ثابت نہیں ہوا تھا اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا: "واغد یا انیس إلی امرأۃ ھذا فإن اعترفت فارجمھا" یہاں پر اقامت حد کو اعتراف پر معلق کر دیا، تو ایک میں صریح فیصلہ فرمانا اس لئے تھا کہ ان کا جرم ثابت تھا اور دوسرے میں صریح فیصلہ نہ فرمانا یوں تھا کہ اب تک ان کا جرم ثابت نہیں ہوا تھا۔

۸- زیر سماعت قیدیوں کو اصل سزا سے کتنے دنوں تک قید میں رکھا جا سکتا ہے؟

بلا وجہ اور قصداً کسی کو جرم کی اصل سزا کے بقدر قید میں رکھنا ظلم ہے اور صحیح نہیں ہے، البتہ کبھی ایسا ہو سکتا ہے کہ متہم مجہول الحال تھا جیسا کہ سوال نمبر ا کے جواب میں گذر چکا ہے، اس کو قید میں ڈال دیا گیا اور اس کے مقدمہ کا تصفیہ ہونے میں اس کے جرم کی سزا سے زیادہ زمانہ یا اس کے بقدر زمانہ لگ گیا تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں۔

موجودہ دور میں ایسی قید کو عدالتی ریمانڈ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے اور ایسا اس لئے ہو سکتا ہے کہ متہم کو قید کرنا ناگزیر ہو گیا ہو اور قاضی ابھی دوسرے مقدمات جو اس کے پاس پہلے سے چل رہے ہیں ان کے تصفیہ میں مشغول ہو تو بہرحال متہم کو انتظار کرنا ہوگا، اور ایسی صورت میں ممکن ہے کہ زیر سماعت قیدی کو اصل سزا کے بقدر یا اس سے زائد زمانہ تک قید میں رہنا پڑے۔

امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: "ثم الحاکم قد یکون مشغولاً عن تعجیل الفصل وقد یکون عندہ حکومات سابقة فیبقی المطلوب محبوساً معوقاً من حین یطلب إلی حین یفصل بینه وبین خصمه وھذا حبس بدون التھمة ففی التھمة أولی" (مجموع فتاوی ابن تیمیہ ۳۵/ ۳۹۸)۔

۹-ملزم کا عدالت سے براءت کے بعد ہرجانہ کا مطالبہ کرنا:

قانون اسلامی اس مسئلہ کو احترام انسانیت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اس لئے کہ انسان کی کرامت وشرافت کوئی ایسی چیز نہیں کہ اہل قوت کو اختیار دے دیا جائے کہ کھلے ہوئے جانوروں کی طرح جہاں چاہیں چریں کھائیں اور جس کی چاہیں آبرواور عزت وانسانیت سے کھلواڑ کریں۔

مادی ومعنوی جس قسم کا ضرر بھی محبوسین کو ناحق پہنچایا جائے شریعت نے اس کا عوض حاصل کرنے کا حکم دیا ہے۔

قرآن کریم میں ہے:"فمن اعتدى عليكم فاعتدوا عليه بمثل ما اعتدى عليكم" (بقرہ:۱۹۴)،"وإن عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به" (نحل:۱۲۶)،"وجزاء سيئة سيئة مثلها" (شوریٰ:۴۰)۔

نیز حدیث میں ہے:"لا ضرر ولا ضرار" (ابن ماجہ/۲۳۴۰)۔

مذکورہ دلائل کی روشنی میں ایک اہم فقہی قاعدہ اس سلسلہ میں سامنے آتا ہے:

"وجوب تعويض المضرور عن ضرره على حساب من سبب هذا الضرر" (موسوعۃ الفقہ الاسلامی المعاصر ۳/۳۴۸)۔

۱۰-قیدی کو وکیل سے رابطہ کا حق

خصومات میں توکیل کی اجازت یا تو حسی موانع یا معنوی رکاوٹوں کی بنیاد پر حاصل ہوتی ہے، جس کو ہم عجز وعذر کے الفاظ سے تعبیر کر سکتے ہیں اور قیدی بھی ایک طرح معذور ہی ہوتا ہے اور خصومات میں توکیل کو اس لئے مشروع کیا گیا ہے کہ اگر موکل اپنا دفاع نہ کر سکے یا یہ کہ قاضی کی مجلس میں حاضر نہ ہو سکے تو اس کے حقوق کا ضیاع نہ ہونے پائے اور یہی بات قیدی میں بھی پائی جارہی ہے، لہذا قیدی کو وکیل سے رابطہ اور صفائی پیش کرنے کے پورے حقوق حاصل ہوں گے (دیکھئے: بدائع الصنائع ۷/۳۳۲، المغنی ۵/۲۷۰)۔

عالم اسلام کے مشہور فقیہ ڈاکٹر وہبہ زحیلی فرماتے ہیں: "أما الوكالة بالخصومة كالمحاماة اليوم، فتجوز في حقوق الناس لما روي عن عليؓ ولأن الحاجة تدعو إلى التوكيل فيها، إذ قد لا يحسن المرء الدفاع عن حقوقه أو يكره أن يتولى الخصومة بنفسه" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/۴۰۷۷)۔

ان دلائل سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ قیدی کو وکیل سے رابطہ اور صفائی پیش کرنے کا پورا پورا حق حاصل ہے۔

۱۱-قیدی خواتین کا شیر خوار بچوں کو اپنے ساتھ رکھنا

خواتین قیدیوں کو اپنے ساتھ شیر خوار بچوں کو جیل میں رکھنے کا حق حاصل ہے، اس لئے کہ دونوں کو جدا کرنے میں یا بچہ کو ساتھ نہ رکھنے دینے میں دونوں کو ضرر شدید پہنچے گا اور یہ ضرر بلا وجہ ہوگا جو درست نہیں ہے، اللہ کے رسول ﷺ کے زمانہ میں جب عورتیں قید کرکے لائی جاتی تھیں تو آپ ﷺ ان کے بچوں کو ان سے جدا کرنے سے سخت طریقہ سے منع فرماتے تھے (دیکھئے: المغنی ۱۰/۴۶۸)۔

الدر المنضود میں مغنی المحتاج کے حوالہ سے نقل کیا ہے: "ويحرم التفريق بين الأم والولد حتى يميز وفي قول حتى يبلغ" (الدر المنضود شرح سنن ابی داؤد ۴/۲۲۵: مولانا عاقل سہارنپوری)۔

لہذا یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ خواتین قیدیوں کو اپنے ساتھ جیل میں شیر خوار بچوں کو رکھنے کا حق حاصل ہے۔

قیدیوں کے حقوق

مولوی محمد مغفور باندوی ☆

اسلامی تعلیمات عدل و انصاف پر مبنی ہیں۔ اس میں تمام بنی نوع انسان کے لئے عدل وانصاف کا پیمانہ ایک ہی متعین کیا گیا ہے۔ ہر طبقہ کو اس کا حق ضرور دیا گیا ہے۔ کسی فرد سے اس کا انسانی حق چھینا نہیں گیا ہے۔ قیدیوں کے لئے بھی اسلامی شریعت نے عدل وانصاف پر مبنی بہترین احکام پیش کئے ہیں جو قیدیوں کے مزاج اور حالات سے ہم آہنگ ہیں اور دنیا کے لئے نمونہ اور مثال کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ذیل میں قیدیوں کے حقوق سے متعلق سوال نامہ کے جوابات فقہ اسلامی کی روشنی میں پیش کئے جارہے ہیں۔

(۱) جمہور فقہاء کے نزدیک کسی شخص کو اس کا جرم کے ثبوت فراہم کئے بغیر محض تہمت اور شک کی بنیاد پر قید کیا جا سکتا ہے۔ البتہ اس کے لئے ضروری ہے کہ اس سلسلے میں قوی قرینہ موجود ہو جو اس کے مجرم ہونے کی طرف اشارہ کر رہا ہو۔ ان حضرات کی دلیل اللہ کے رسول ﷺ کا عمل ہے کہ آپ نے قبیلہ غفار کے ایک شخص کو دو اونٹوں کی چوری کی تہمت کی وجہ سے قید میں ڈال دیا پھر آپ ﷺ نے ان کو چھوڑ دیا۔ چھوڑنے کی وجہ غالباً یہی رہی ہوگی کہ اس پر جرم ثابت نہیں ہو پایا ہوگا۔

"حدثنا علی بن سعید الکندی...... عن بھز بن حکیم عن أبیه عن

☆ متعلم المعہد العالی للتدریب فی القضاء، پٹنہ۔

جده أن النبی ﷺ حبس رجلاً فی تهمة ثم خلی عنه، وفی الباب عن أبی هريرةؓ، حديث بهز.... حديث حسن" (رواہ الترمذی فی کتاب الدیات، باب فی الحبس فی التھمہ ۱/۲۶۱، نیز ابوداؤد فی کتاب الجہاد، باب فی الدین ھل تحبس ۲/۵۱۱)۔

اور حضرت علیؓ کا ایک عمل بھی ان کی دلیل ہے کہ حضرت علیؓ نے بعض ایسے افراد کو قید کردیا جن پر کسی کا الزام نہ تھا۔ قید ہونے کے بعد ان لوگوں نے اس جرم کا اقرار کرلیا تھا۔ "وعن عليؓ أنه حبس متهمين حتى أقروا" (۲/۲۳۱)۔

علامہ شامی نے اس کا ذکر کیا ہے۔

"وذهب جمهور الفقهاء إلى مشروعية التهمة واعتبروا من السياسة العادلة إذا تأيدت التهمة بقرينه قوية أو ظهرت أمارات الريبة على المتهم أوعرف بالفجور" (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/ ۳۱۳)۔

جب کہ فقہاء احناف نے تہمت کی وجہ سے قید کئے جانے کے سلسلے میں تھوڑی تفصیل کی ہے، اگر کسی شخص پر چوری، قتل یا کسی ایسے جرم کا الزام ہو جس کا تعلق حدود وقصاص سے ہے تو ایسے شخص کو محض تہمت کی بنیاد پر قید کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اگر کسی شخص پر تعزیرات کے قبیل کے جرائم (جیسے مالیات کے جرائم وغیرہ) کا الزام ہے تو اس کو محض تہمت کی بنیاد پر بغیر ثبوت فراہم کئے ہوئے قید نہیں کیا جاسکتا ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے: علامہ بابرتی کی عنایۃ ۵/ ۳۳۵، ۳۳۶)۔

اسی طرح صاحب فتح القدیر نے بھی اس کو ذکر کیا ہے (فتح القدیر ۵/ ۳۳۶)۔

اب تہمت کی بنا پر اگر کسی شخص کو قید کیا گیا تو اس قید کی مدت کیا ہوگی۔ اس سلسلے میں فقہاء کے مختلف اقوال ہیں۔ واضح ترین قول یہ ہے کہ قید کی مدت کی تعیین حاکم کی صواب دید پر موقوف ہوگی۔

"وأما قدر مدة الحبس فيختلف باختلاف أسبابه وموجباته وحبس التعزير راجع إلى اجتهاد الحاكم بقدر ما يرى أنه ينزجر به. وقال أبو عبدالله

الزبیری من الشافعیة: یتقدر بشهر للا ستبراء والکشف ولستة أشهر للتأدیب والتقویم" (تبصرۃ الحکام ۲/۲۴۰، ۲۴۱)۔

"وتقدیر مدة الحبس راجع إلی الحاکم کذا فی البحر الرائق" (ھندیہ ۲/۱۶۸)۔

جب کہ صاحب معین الحکام علامہ طرابلسی نے بھی ملزم کی حالت کے اعتبار سے قید کی مدت کو حاکم کی صوابدید پر محمول کیا ہے۔

"إذا حبس شهرین أو ثلاثة یسأل عن حاله هذا إذا کان أمره مشکلاً"۔ آگے چل کر وہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ قاضی کی صوابدید پر منحصر ہے: "والصحیح أنه مفوض إلی رأی القاضی" (معین الحکام/۱۹۸)۔

۲- (الف)۔ مذہبی امور میں قیدیوں کو آزادانہ حقوق حاصل ہوں گے۔ وہ قید خانہ میں اپنے مذہب کے مطابق عبادت کر سکتے ہیں۔ قید خانے کے اندر اپنی مذہبی کتابوں کا مطالعہ بھی کر سکتے ہیں۔ اس کے اندر اس مذہب کی دینی شخصیات اور دینی کتابوں کی بے حرمتی سے بھی اجتناب کیا جائے گا، اور تبلیغ کے سلسلے میں ان کو ایک دائرے کے اندر آزادی حاصل ہوگی۔

ب- قیدیوں کے لئے قید خانے میں مناسب غذا اور صاف پانی کا بھی انتظام کیا جائے گا۔ قیدی کے بیمار ہونے کی صورت میں اس کے علاج اور صحت کی حفاظت کا خیال رکھا جائے گا۔ البتہ بیوی سے جماع کے سلسلے میں فقہاء نے یہ بات لکھی ہے کہ اگر شوہر اس چیز کا مطالبہ کرے اور قید خانے میں ایسی جگہ میسر ہو جہاں ان کو پردہ مہیا کیا جا سکتا ہو اور ان کو کوئی نہ دیکھے تو اس کی بیوی کو قید خانے میں بھیج دیا جائے گا تا کہ وہ اپنی خواہش کی تکمیل کر سکے۔

"لو احتاج إلی الجماع فدخل علیه امرأته أو جاریته حتی جامعها لکن فی موضع لا یطلع أحد فإن لم یجد مکاناً خالیاً لا یجامع" (معین الحکام/۱۹۸)۔

"یمکن من وطأ جاریته لو فبه خلوة" (ردالمحتار ۸/۵۶)۔

اسی طریقہ سے قیدیوں کو اتنی تنگ جگہ میں بھی نہیں رکھا جائے گا جہاں رہنے میں پیر

پھیلانے میں دشواری ہو۔

" اعلم أن الحبس الشرعي ليس هو في مكان ضيق" (معین الحکام/۱۹۶)۔

ج- البتہ ان کو ایسے حقوق حاصل نہ ہوں گے جن سے قیدی کا مقصد فوت ہو جائے، اس لئے کہ قید خانے کا مقصد یہ ہے کہ قیدی کے دل میں بے چینی ہو اور اس کو دلی تکلیف ہو۔

"ولا يبسط له فرش ولا غطاء ولا يدخل عليه أحد ليستأنس" (معین الحکام/۱۹۶)۔

"وصفته أن يكون بموضع ليس به فراش ولا وطاء لينضجر" (الدر المختار مع الرد ۸/۵۵)۔

"وينبغي أن يحبس في موضع خشن ولا يبسط له فراش ولا وطاء ولا أحد يدخل عليه ليستأنس لينضجر قلبه" (ہندیہ ۳/۴۱۹)۔

قید کے مقصد کے پیش نظر انہیں غیر ضروری چیزوں کی اجازت نہیں ہوگی جو ان کے لئے دلی تسکین کا باعث ہو، لہذا اس کو ریڈیو سننے، اخبار پڑھنے یا دوسری چیزوں کی اجازت نہیں ہوگی۔

د- اخلاقی امور میں بھی ان چیزوں کا خاص خیال رکھا جائے گا کہ مردوں، عورتوں اور نابالغوں کے لئے علیحدہ علیحدہ قید خانے تعمیر کئے جائیں۔

"فرع في البحر عن المحبط ويجعل للنساء سجن على حدة نفيا للفتنة" (الدر مع الرد ۸/۵۸)۔

۳- کسی قیدی سے سچی بات اگلوانے کے لئے ایسے طریقے کا استعمال جو اس قیدی کی شدید ذہنی یا جسمانی تکلیف کا باعث ہو درست نہیں۔ چاہے شدید ضرب ہو، الکٹرک شاٹ لگانا ہو، ان پر کتے چھوڑنا ہو یا تارچر وغیرہ کرنے کی کوئی بھی شکل ہو شریعت میں ان کی گنجائش

نہیں ہے۔

"ولا ينبغي للقاضي أن يضرب محبوساً في دين ولا غير ولا يصفد ولا يقيد ولا يغل ولا يمد ولا يجرد ولا يقيمه في الشمس" (ہندیہ ۳/ ۴۱۴)۔

البتہ اگر مجرم کی طرف سے زیادتی پائی جارہی ہے اور وہ بار بار قید خانے سے فرار ہونے کی کوشش کرتا ہے تو ایسی صورت میں اس کو ضرب میں چند کوڑے لگائے جاسکتے ہیں۔ لیکن محض جرم کا اقرار کرانے اور اس سے سچ اگلوانے کے لئے کسی طرح کی شدید ذہنی اور جسمانی تکلیف دینا جائز نہ ہوگا۔

"وإن كان هذا المحبوس لايزال يهرب من السجن يؤذيه القاضي بأسواط" (ہندیہ ۴/ ۴۱٦)۔

"وليس للطالب أن يقيم في الشمس أو على الثلج أوموضع ليضر كذا في الخلاصة" (ہندیہ ۴/ ۴۱٦)۔

"ولا يضرب المحبوس إلا في ثلاثة إذا الممتنع من كفارة الظهار والانفاق على قريبة والقسم بين النساء" (الطحطاوی علی الدر ۴/ ۱۸٦)۔

۴- جب تک قیدی کے فرار ہونے کا اندیشہ نہ ہو اس وقت تک اس کو ہتھکڑی یا بیڑی وغیرہ نہیں پہنائی جائے گی۔ البتہ اگر قیدی کے فرار ہونے کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں اس کو ہتھکڑی وغیرہ پہنائی جاسکتی ہے۔

"ولا يغل إلا إذا خاف فراره فيقيد أو يحول لسجن اللصوص" (ردالمحتار ۸/ ۵۸)۔

"ولا يصفد ولايقيد ولا يغل.... واذا خاف القاضي على المحبوس في السجن أن يفر من جسه حوله إلى حبس اللصوص" (ہندیہ ۳/ ۴۱۴)۔

" ولا يغل إلا إذا خاف فراره فيقيد أو يحول إلى سجن اللصوص" (حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار ۴/ ۱۸۷)۔

۵- عہد نبوی اور عہد صدیقی میں باضابطہ کوئی قید خانہ نہیں تھا اور نہ کوئی ایسی جگہ تھی جو خاص طور سے قیدیوں کے لئے بنائی گئی ہو۔ عہد فاروقی میں باضابطہ طور پر قید خانے کی شکل وجود میں آئی اور ایک خاص جگہ کو قید خانہ کے لئے متعین کر دیا گیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ تمام قیدی بحیثیت قیدی کے برابر ہیں۔ لیکن فقہاء نے اس بات کی گنجائش رکھی ہے کہ اگر کسی شخص کو کسی خاص جرم کی وجہ سے قید تنہائی دی جائے تو اس کی گنجائش ہے۔

"الظاهر من كلام الفقهاء أن الأصل في الحبس كونه جماعياً وقالوا: لايجوز عند أحد من المسلمين أن يجمع الجمع الكثير في موضع ضيق عنهم..... ويجوز للحاكم عن السجن وحبسه منفرداً في غرفة يقفل عليه بابها إن كان في ذلك مصلحة" (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/ ۳۱۹)۔

" ويحبس في موضع وحش" (معین الحکام/ ۱۹۷)۔

۶- قید خانے میں قیدی کام کرنے کا مکلّف نہیں ہے۔ اس لئے قیدیوں سے جبراً کام نہیں لیا جا سکتا۔ اگر وہ قید خانے میں اجرت پر کوئی کام کریں جس سے ان کو مالی نفع بھی حاصل ہو تو ایسی صورت میں ان کے لئے دوکان اور جیل برابر ہو جائے گی۔ لیکن اگر وہ اپنی مرضی سے قید خانے میں کوئی محنت کا کام کریں یا اس سے زبردستی کام لیا جائے تو ایسی صورت میں وہ اجرت کے مستحق ہوں گے اور ان کو مطالبہ کا حق حاصل ہوگا۔

" ولا يخوفو لايجرد ولايقام بين يدى صاحب الحق اهانة ولا يؤاجر" (معین الحکام/ ۱۹۷)۔

"ولا يجرد ولا يؤاجر وعن الثاني يؤجر لقضاء دينه" (حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار ۴/ ۱۸۶)۔

" وفي ظاهر الرواية عن أصحابنا لايؤاجر إلا رواية عن ابی یوسف ولكن إن اجر نفسه وأخذ الأجرة يترک له قوة یومه وعياله"(ہندیہ ۴۲۲/۳)۔

۷-فقہاء کرام نے تین طرح کے قید خانوں کی صراحت فرمائی ہے،ایک وہ قید خانہ جو اہل فجور (اخلاقی برائیوں کے حامل افراد) کے لئے ہو۔ دوسرا جو چوری اور اسی طرح کے کام کرنے والوں کے لئے ہو۔ تیسرا جو جنایات وغیرہ (دوسروں پر ظلم اور قتل) کا ارتکاب کرنے والوں کے لئے،لہذا اتنی بات معلوم ہوگئی کہ قیدیوں کے ساتھ جو سلوک ہوگا ان کے جرائم کے اعتبار سے ہوگا۔ لہذا وہ شخص جس کا مقدمہ ابھی زیر سماعت ہے،اس کے ساتھ عام قیدیوں والا سلوک نہیں کیا جائے گا۔

"صنف الفقهاء سجون الجرائم إلى ثلاثة أصناف أهل الفجور والمفاسد الخلقية وأهل التلصص والسرقات ونحوها وأهل الجنايات الاعتداء على الأبدان وجعل أبو يوسف القاضي هذا التقسيم عنوان أفضل افراده فی کتابه"(الموسوعۃ الفقہیہ ۳۱۹/۱۶)۔

۸-کسی ملزم شخص کو مقدمہ کی سماعت تک تو قید کرنے کی اجازت ہے،اس سے زیادہ اس کو قید کرنے کی اجازت فقہاء نے نہیں دی ہے۔

"ونقل عن قاضي لامش أنه كان يحبسها في وقت قضائه لمصلحة رأى في ذلک وهو صيانتها عن الفجور"(معین الحکام ۱۹۷)۔

لیکن زیر سماعت قیدیوں کو اتنے دنوں تک قید میں رکھنا جو اس جرم کی اصل سزا ہے بالکل جائز نہیں ہے،اور یہ حاکم کی جانب سے اس پر ظلم وزیادتی تصور کی جائے گی۔

۹-ملزم پر اگر جرم ثابت نہ ہو سکا اور اس کو حکومت نے بری کر دیا تو نقصان کے تلافی حکومت پر ہوگی یا نہیں؟ شریعت میں تہمت کی بنیاد پر قید کرنے کی اجازت ہے،اسی طرح سے

اس کو زیر سماعت مقدمہ میں کسی مصلحت کی بنا پر بھی قید کیا جا سکتا ہے، اور اس کو مدت قید میں تجارت وغیرہ کی اجازت نہیں ہے، لہذا وہ صرف قید ہونے کی وجہ سے اس مدت کا مالی ہرجانہ طلب نہیں کر سکتا۔

البتہ فقہاء نے قیدی کو کسی بھی طریقے کی ذہنی وجسمانی تکلیف پہنچانے کی گنجائش نہیں دی ہے۔

لہذا اگر اس کو مدت قید میں جسمانی یا ذہنی تکلیف دی گئی اور اس پر جرم ثابت نہ ہو سکا تو اس کو جسمانی تکلیف کا معاوضہ طلب کرنے کی اجازت ہوگی۔

"وذهب جمهور الفقهاء إلى مشروعية التهمة واعتبروا من السياسة العادلة إذا تأيدت التهمة بقرينة" (رد المحتار)۔

" الحبس هو تعويق الشخص ومنعه من التصرف بنفسه حيث شاء" (تبصرۃ الحکام ۲/ ۲۳۲)۔

۱۰-شریعت کا اصول یہ ہے کہ جس کسی شخص پر کسی قسم کا الزام عائد ہو تو وہ خود ہی اس کی صفائی کرے، ہاں اس کو اس سلسلے میں ایسے شخص سے مشورہ وغیرہ کا حق حاصل ہوگا جو اس کے رشتہ دار یا اقرباء وغیرہ میں سے ہو۔ لیکن اگر ملزم کے بار بار آنے میں دشواری ہو اور وہ بار بار نہ آ سکتا ہو یا خود اپنی صفائی پیش کرنے سے عاجز ہو تو ایسی صورت میں اس کو وکیل بنانا جائز ہوگا، اور وکیل کو تمام حقوق حاصل ہوں گے جو کہ اس شخص کو حاصل تھے۔

"إذا ادعى على محبوس حقاً يخرجه القاضي بسماع الدعوى عليه والإجابة عنها ثم يرد إلى الحبس ولا يوكل عنه أحداً في الخصومة عند غير المالكية فإن تعذر على المحبوس الخروج جاز له استحساناً توكيل من يجيب عنه" (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/ ۳۲۶)۔

"ولا يمكن أحد أن يدخل عليه للاستيناس إلا أقاربه وجيرانه وله المشورة" (طحطاوی علی الدر المختار ۴/۱۸۶)۔

۱۱- وہ عورت جو مقید ہو اس کے بچے کو اس کے ساتھ رکھنے کے سلسلے میں اقوال فقہاء سے اس کی اجازت معلوم ہوتی ہے جیسا کہ ابو داؤد سجستانی نے اپنی کتاب سنن ابی داؤد میں ایک باب التفریق بین السبی کے عنوان سے قائم کیا ہے، اور بطور دلیل حضرت علیؓ کی ایک روایت ذکر کی ہے جس میں انہوں نے باندی اور غلام کے درمیان تفریق کر دی تھی۔ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت علی کو ان کے اس فعل سے منع فرمایا اور بیع کو ختم کرنے کا حکم دیا: "حدثنا عثمان ابن الجد شيبة.... عن على أنه فرق بين جارية وولدها فنهى النبى ﷺ عن ذلك ورد البيع" (سنن ابو داؤد، ج ۲)۔

محشی ابو داؤد فرماتے ہیں کہ فقہاء کی رائے اس سلسلہ میں یہ ہے کہ چھوٹے بچے کو اس کی ماں سے جدا نہیں کیا جائے گا۔ اور جدا کرنا جائز نہیں ہے۔ البتہ صغر کی حد بندی میں اختلاف ہے، اصحاب رائے فرماتے ہیں کہ اس کی حد احتلام ہے۔

"قلت لم يختلف أهل العلم فى أن التفريق بين الولد الصغير وبين أمة غير جائز إلا أنهم اختلفوا فى الحد بين الصغير الذى لايجوز معه التفريق وبين الكبير الذى يجوز معه قال أصحاب الرأى الحد ذلك الاحتلام" (موسوعۃ السنۃ، الکتب الستۃ وشرحہا ۹/ ۱۴۴، باب التفریق بین السبی)۔

اسی طرح علامہ شامیؒ نے عورت کے ساتھ اس کے شوہر کو قید خانہ میں رکھنے کی گنجائش ذکر کی ہے، البتہ اس میں فتنہ کی قید لگائی ہے، اس سے بھی ماں کے ساتھ اس کے بچے کو قید خانہ میں رکھنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے (دیکھئے: رد المحتار ۸/ ۵۶، مطبوعہ زکریا)۔

چوتھا باب

مختصر مقالات

قیدیوں کے حقوق کا مسئلہ

قاضی عبدالجلیل قاسمی ☆

اسلام میں قید و بند کسی مخصوص جرم میں بطور سزا مقرر نہیں ہے۔ مثلاً فلاں جرم میں تین ماہ جیل میں رکھا جائے گا، فلاں جرم میں مثلاً ایک سال یا پانچ سال یا دس سال جیل میں رکھا جائیگا۔ جیسا کہ آج کل حکومتوں کا دستور ہے۔

جن لوگوں کو جیل میں رکھا جائے گا کتب فقہ میں ان کی تفصیلات موجود ہیں۔

مثلاً اگر کسی پر دین ہو اور وہ ادا کرنے کے لائق بھی ہو لیکن ادا نہ کر رہا ہو تو اس کو اس وقت تک جیل میں رکھا جائے گا جب تک کہ دین ادا نہ کر دے۔ جیسے ہی دین ادا کرے گا اس کو رہا کر دیا جائے گا۔ اگر وہ ادا کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہے تو قاضی اپنی صوابدید کے مطابق اس کو جیل میں رکھے گا۔ جب محسوس کرلے گا کہ اگر اس کے پاس مال ہوتا تو ادا کر دیتا اور اس کے پاس مال نہیں ہے تو اس کو رہا کر دے گا۔

اسی طرح اگر کسی شخص کی وجہ سے معاشرہ میں برائی کے پھیلنے کا اندیشہ ہو تو اس کو جیل میں بند کیا جائے گا، لیکن جب اطمینان ہو جائے گا تو پھر اس کو رہا کر دیا جائے گا۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے ظہار کرلے اور کفارہ ادا نہ کرے تو قاضی اس کو جیل میں بند کر دے گا۔ لیکن جب کفارہ ادا کر دے گا تو رہا کر دیا جائے گا۔

☆ قاضی شریعت امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ۔

البتہ بعض مجرمین کے بارے میں بعض فقہاء کی رائے ہے کہ ان کو ہمیشہ کے لئے جیل میں رکھا جائے گا۔ مثلاً کوئی شخص لواطت کا عادی ہو یا بدعت کا داعی ہو یا بار بار جرم کا ارتکاب کرتا ہو یا دو بار چوری کی حد نافذ ہونے کے بعد بھی چوری کرے یا لوگوں کو کثرت سے ایذاء پہونچاتا ہو یا شراب نوشی کا عادی مجرم ہو۔

۱- متہم کی تین قسمیں ہیں:

اول: متہم اس قسم کی تہمت سے بری ہو مثلاً نیک صالح مشہور ہو تو ایسے شخص کو قید نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ الزام ثابت نہ ہونے پر مدعی کو سزا دی جائے گی۔ تاکہ بدمعاش لوگ شرفاء کو تنگ نہ کریں۔

"أن يكون المدعى عليه بذلك بريا ليس من أهل تلك التهمة كما لو كان رجلا صالحا مشهوراً فهذا النوع لاتجوز عقوبته اتفاقاً... أما المتهم له فيعاقب صيانة لسلطة أهل الشر والعدوان على أعراض البراء الصلحاء" (معین الحکام/۱۷۸)۔

"فإذا لم يكن من أهل تلك التهمة ولم تقم قرينة صالحة على اتهامه فلا يجوز حبسه ولا عقوبته اتفاقاً (الموسوعة الفقهيه ۱۶/ ۲۹۳)۔

دوم: متہم جو مجہول الحال ہو تو اس کو قید کیا جائے گا یہاں تک کہ اس کے حال کی تحقیق ہو سکے۔

"أن يكون المتهم مجهول الحال عند الحاكم والوالي لايعرفه ببر ولا فجور، فإذا ادعى عليه تهمة فهذا يحبس حتى ينكشف حاله، هذا حكمه عند عامة علماء الإسلام والمنصوص عند أكثر الأئمة أنه يحبسه القاضي والوالي" (معین الحکام: ۱۸۰-۱۷۹)۔

"وإن كان المتهم مجهول الحال لا يعرف ببر ولا فجور فهذا يحبس حتى ينكشف حاله عند جمهور الفقهاء"(الموسوعہ ۱۶/ ۲۹۳)۔

سوم: جو تہمت اس پر لگائی گئی ہے اس میں وہ شخص مشہور و بدنام ہو۔ تو اس کو بدرجہ اولی جیل میں بند کیا جائے۔

"وهو المتهم بالفجور كالسرقة وقطع الطريق والقتل والزنى وهذا القسم لابد أن يكشفوا"(معین الحکام:۱۷۸)۔

"وإن كان المتهم معروفا بالفجور والسرقة والقتل ونحو ذلك جاز حبسه بل هو أولى ممن قبله" (الموسوعہ ۱۶/ ۲۹۳)۔

متہم کی حالت کے اعتبار سے قید و بند کی مدت متعین کی جا سکتی ہے۔ مجہول الحال کے قید و بند کی مدت کم ہوگی، اور جو بدنام ہوگا اس کی بدنامی و شہرت کے اعتبار سے اس کی مدت متعین ہوگی۔

آج کل جو رواج ہو گیا ہے کہ الزام کے بعد اس پر مقدمہ قائم کئے بغیر سالہا سال تک اس کو قید و بند میں رکھا جا سکتا ہے، ایسا کرنا ہرگز جائز نہ ہوگا۔ اس لئے کہ انصاف میں تاخیر خود ہی ایک قسم کا ظلم ہے۔ ایسے لوگوں کے قید و بند کا مقصد ان پر عائد کردہ الزام کی تحقیق کرنا ہے۔ اس لئے اس کی مدت ایک دو ماہ سے زائد ہرگز نہ ہونی چاہئے: "قال بعض الفقهاء: إن أكثر مدة يحبس فيها المتهم المجهول الحال يوم واحد، وحددها قوم بيومين وثلاثة وأجاز آخرون بلوغها شهرا۔ أما المتهم المعروف بالفجور والفساد فأكثر مدة حبسه بحبس ما يقتيضه ظهور حاله والكشف عنه" (الموسوعہ:۱۶/ ۲۹۴-۲۹۵)۔

۲-الف: قیدی کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کا پورا حق ہوگا۔ اس کو یا اس کے اسلاف کو گالی گلوج کرنا یا ان کے احترام کے خلاف کوئی قول و فعل ممنوع ہوگا۔

"لایجوز للإمام أوغیرہ التادیب باللعن والسب الفاحش وسب الآباء والأمهات ونحو ذلک"(الموسوعۃ:۱۶/۲۳۸)۔

"ینبغی تمکین المحبوس من الوضوء والصلوۃ ولا تجوز معاقبته بالمنع منهما"(الموسوعہ ۱۶/۳۲۷)۔

ب- جسمانی ضروریات میں مناسب غذا، صاف ستھرا پانی، علاج اور ورزش وغیرہ کی سہولت دی جائے گی۔ البتہ بیوی سے وطی کا موقع دینے کے بارے میں فقہاء کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض نے اجازت دی ہے۔ بعض نے منع کیا ہے، بعض نے قاضی کی رائے پر موقوف رکھا ہے۔ میرے نزدیک مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قاضی کی صوابدید پر موقوف ہونا چاہئے۔

"القول الأول: لایمنع المحبوس من وطاء زوجته فی الحبس إذا کان فیه موضع لایطلع علیه أحد وإلا منع..... القول الثانی: یمنع المحبوس من وطاء زوجته؛ لأن من غایات الحبس إدخال الضیق والضجر علی قلبه لردعه وزجرہ..... القول الثالث: الاصل فی وطاء المحبوس زوجته انه حق من حقوقه المشروعة ولا یمنع منه إلا إذا اقتضت ذلک المصلحة ورآہ القاضی"
(الموسوعہ ۱۶/ ۲۴-۳۲۳)۔

البتہ اس کو ایسی تنگ جگہ میں نہیں رکھا جائے گا جہاں کھڑا ہونا، پاؤں پھیلا کر لیٹنا، دیوار کے باہر کسی چیز کا دیکھنا ممکن نہ ہو۔

"قال ابن القیم الجوزیة الحنبلی: اعلم أن الحبس الشرعی لیس هو الحبس فی مکان ضیق وإنما هو تعویق الشخص ومنعه من التصرف بنفسه حیث شاء سواء کان فی بیت أو مسجد"(معین الحکام:۱۹۶)۔

ج- عام سماجی حقوق کے بارے میں قاضی اپنی صوابدید کے مطابق برتاؤ کرے گا،

اگر مصلحت کے خلاف نہ ہو تو اجازت دے گا ورنہ منع کر دے گا۔

د-مردوں اور عورتوں اور نابالغ بچوں کے الگ الگ قید خانے بنائے جائیں گے۔

"نص الفقهاء على أن يكون للنساء محبس على حدة إجماعاً ولا يكون معهن رجل لوجوب سترهن وتحرزا من الفتنة..... إذا حبس الخنثٰى المشكل فلا يكون مع الرجال ولا النساء بل يحبس وحده أو عند محرم" (الموسوعہ ۱۶/ ۳۱۷)۔

جہاں تک بچوں کے جیل میں رکھنے کا مسئلہ ہے تو ان کو تعزیر کے طور پر جیل میں نہیں رکھا جا سکتا ہے۔ اس لیے کہ مکلف نہیں ہیں، البتہ تادیب کے طور پر رکھا جا سکتا ہے۔ خاص طور پر اس صورت میں جیل میں رکھنا بہتر ہو گا جب کہ تادیب کے لئے جیل میں رکھنا اس کو آزاد چھوڑ دینے سے بہتر ہو اور اس میں اس کی اصلاح کی امید ہو، ان کو مردوں وعورتوں سے الگ رکھا جائے گا۔

۳-قیدیوں سے سچی بات اگلوانے کے لئے معمولی مار پیٹ کی سزا دی جا سکتی ہے۔

متہم اگر مجہول ہو تو معمولی سزا دی جائے گی۔ اور اگر تہمت میں مشہور ہو تو اس کو کچھ زیادہ سزا دی جا سکتی ہے۔ لیکن سچی بات اگلوانے میں اور اقرار پر مجبور کرنے میں بہت فرق ہے۔ متہم کو اقرار کرنے پر مجبور کرنے کے لئے سزا دینا جائز نہ ہو گا۔

جیسا کہ ایک بار حضرات صحابہ نے ایک شخص کو پکڑا اور اس سے حضرت ابوسفیان کے بارے میں پوچھنا شروع کیا جب وہ جواب دیتا کہ چھوڑ دو میں بتا دوں گا۔ پھر جب چھوڑ دیتے تو کہتا کہ ابوسفیان کے بارے میں مجھے کچھ علم نہیں ہے۔ اسی طرح بار بار ہوتا رہا۔ نبی کریم ﷺ نماز پڑھ رہے تھے اور یہ سب سن رہے تھے، پھر نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ جب تک وہ سچ بولتا رہے گا تم لوگ اس کو مارتے رہو گے اور جب جھوٹ بول دے گا تو چھوڑ دو گے۔ اس سے

معلوم ہوتا ہے کہ محض اقرار کرانے کے لئے سزا دینا اور مار پیٹ کرنا جائز نہ ہوگا۔

البتہ قیدیوں کو بے لباس کرنا، ان پر کتے چھوڑنا، انہیں الکٹرک شاٹ لگانا، ٹھنڈک میں برف کی سل پر ڈال دینا، دھوپ میں کھڑا کرنا، ان کی جائے رہائش میں تیز روشنی یا تیز آواز کا انتظام کرنا جائز نہ ہوگا۔ (دیکھئے: الموسوعہ الفقہیہ: ۱۶/ ۲۸-۳۲۷)۔

۴- اگر کسی قیدی کے فرار ہونے کا اندیشہ ہو تو اس کے حالات کے اعتبار سے ہتھکڑی پہنائی جاسکتی ہے، یا بیڑی ڈالی جاسکتی ہے۔ اگر فرار کا اندیشہ نہ ہو تو ایسا نہیں کیا جائے گا۔

"وفی کفالة الأصل: لایضرب المدیون ولایغل ولا یقید إلا أن یخاف فراره" (معین الحکام/ ۱۹۷)۔

۵- کسی مجرم کو اس کے خصوصی جرم کے پس منظر میں قید تنہائی دی جاسکتی ہے۔

"ویجوز للحاکم عزل السجین وحبسه منفردا فی غرفة یقفل علیه بابها إن کان فی ذلک مصلحة" (الموسوعہ ۱۶/ ۳۱۹)۔

۶- اگر قیدی سے کام لینا قاضی مناسب سمجھے تو کام لیا جاسکتا ہے۔ کام لیا جائے گا تو اس کو اجرت ملے گی۔

"بترک تمکین المحبوس من العمل فی حبسه لتقدیر الحاکم واجتهاده" (الموسوعہ ۱۶/ ۳۲۲)۔

۷- جن قیدیوں کے بارے میں سزائے قید کا فیصلہ ہو چکا ہو۔ یہ سوال قابل غور ہے۔ اس لئے کہ شریعت میں جرم کی سزا قید میں رکھنا نہیں ہے۔ جن وجوہات کی وجہ سے کسی کو قید میں رکھا جاتا ہے ان وجوہات کے دور ہونے پر اس کو رہا کر دیا جائے گا۔ بہر حال حق کی عدم ادائیگی کی وجہ سے قید میں رکھا گیا ہو یا اس پر جو تہمت لگائی گئی اس کی تحقیق کے لئے اس کو قید میں رکھا گیا ہو۔ اوپر علامہ ابن القیم سے حبس شرعی کی تعریف معین الحکام کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے۔ اس

سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں میں کوئی فرق نہیں کیا جائے گا۔

۸- اسلام میں کسی جرم کی سزا متعینہ مدت تک جیل میں رکھنا نہیں ہے۔ اس لئے یہ سوال ہی بے کار ہے کہ اصل سزا کے بقدر فیصلہ سے قبل اس کو جیل میں رکھا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اوپر گزر چکا ہے کہ متہم اگر مجہول الحال ہو تو زیادہ سے زیادہ اس کو ایک ماہ جیل میں رکھا جاسکتا ہے۔ اگر فتنہ وفساد میں معروف ومشہور ہو تو اس کے قید وبند کی مدت تحقیق کے لئے کچھ زیادہ ہوسکتی ہے۔

۹- اوپر کی بحث سے واضح ہوا کہ صرف اسی متہم کو قید وبند میں رکھا جائے گا جو مجہول الحال یا فتنہ وفساد میں معروف ہو۔ اور حبس شرعی کی تعریف کی اوپر گزر چکی ہے۔ اس لئے اس کو قید وبند میں رکھنا ناحق نہیں ہے، اس لئے اس مدت کا ہرجانہ طلب کرنا صحیح نہ ہوگا۔ البتہ اگر جیل میں اس کو ناحق اذیت دی جائے تو اذیت دینے والوں کو سزا دیئے جانے کا مطالبہ کرسکتا ہے۔ ثابت ہونے پر اذیت پہنچانے والوں کو سزا دی جائے گی۔

۱۰- قیدی کو اپنی طرف سے صفائی پیش کرنے کا پورا حق ہوگا۔ دوسرے لوگوں کی طرح اس کو بھی وکیل بنانے کا حق ہوگا۔

۱۱- شیر خوار بچہ کا ماں کے پاس رہنا صرف ماں کا حق نہیں ہے، بلکہ خود بچہ کا بھی حق ہے۔ لہذا اگر کسی وجہ سے ماں کو جیل میں رکھا جائے تو اس سے بچہ کا حق متاثر نہیں ہونے دیا جائے گا، اس لئے بچہ کو ماں کے ساتھ رکھا جائے گا۔

قیدیوں کے حقوق

مفتی سید صادق محی الدین☆

اسلام دین عدل واعتدال ہے اس میں انتہا پسندی، جبر وتشدد، ظلم وزیادتی، کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اس اعتدال کی بنیاد جس قانون اسلام پر قائم ہے اس قانون کا ایک اہم دفعہ احترام نفس ہے، اور اسلام کا بنیادی اور آفاقی پیغام انسانیت کا احترام ہے۔ولقد کرمنا بنی آدم۔

نوع انسانی کو حرمت نفس کی تعلیم جس محسن اعظم ﷺ نے دی اس نے اپنی زندگی میں کتنی ہی جنگیں لڑیں، دشمنوں پر فتح حاصل کی اور انہیں اپنا اسیر بنایا، لیکن کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہ ملے گا کہ جس میں مخالف قوم اور دشمنوں کے ساتھ بدسلوکی، جبر وتشدد یا ظلم وزیادتی کی ہو یا انہیں انتہا درجہ کی اذیتیں پہونچائی ہوں۔

آپ ﷺ جب مکہ مکرمہ میں فاتح کی حیثیت میں داخل ہوئے تو اپنا سر مبارک عاجزی سے جھکائے ہوئے ''لا تثریب علیکم الیوم'' کی صدا بلند کی، اور اہل مکہ کے ساتھ معافی ودرگزر کا سلوک فرمایا اور ان کے لئے نرمی ورحمت کے پہلو کو بچھا دیا، اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو یہ حکم دیا کہ ان قیدیوں کے ساتھ فیاضی کا برتاؤ کریں، اس حکم کی تعمیل میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ان قیدیوں کے ساتھ جو برتاؤ کیا اس کی نظیر نہیں ملتی، اگر چہ کہ اس وقت مسلمانوں کے حالات انتہائی تنگ دستی کے تھے، لیکن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین

☆ دار الافتاء جامعہ نظامیہ۔

نے اپنے سے اچھا کھانا انہیں کھلایا اور اپنے سے عمدہ کپڑا ان کو پہنائے۔

حضرت نبی پاک ﷺ قیدیوں سے کبھی فدیہ لے کر اور اکثر بغیر فدیہ لئے ان کو آزاد فرمادیا کرتے تھے، نبی رحمت ﷺ نے جنگ حنین کے موقع پر بنو عبد المطلب کے قیدیوں کو بلا کسی معاوضے کے رہا فرمادیا، آپ کی پیروی میں انصار و مہاجرین نے بھی ایسا ہی عمل کیا، البتہ بنو سلیم اور بنو فزارہ کا یہ خیال تھا کہ حملہ آور دشمن جو خوش قسمتی سے زیر ہو گیا ہے آزاد کر کے ان پر لطف و کرم کیوں کیا جائے، اس لئے انہوں نے آزاد نہیں کیا تو نبی پاک ﷺ نے انہیں طلب فرمایا اور ہر قیدی کی قیمت طے کروائی تو ہر قیدی کی قیمت چھ اونٹ طے پائی تو آپ ﷺ نے یہ قیمت خود ادا فرمادی، اس طرح سارے قیدیوں کو آزادی مل گئی، پھر ان قیدیوں کو حضور پاک ﷺ نے لباس مہیا فرما کر رخصت فرمایا۔ اللہ سبحانہ وتعالی کا ارشاد ہے: ''**ويطعمون الطعام على حبه مسكيناً ويتيماً وأسيراً**'' (سورہ انسان:٨)، اللہ سبحانہ وتعالی کی محبت میں وہ غریب، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔ قیدی دو طرح کے ہیں ایک وہ جو ظلماً قید کر لئے گئے ہوں، دوسرے وہ جو ظلم کی سزا میں قید ہوئے ہوں۔ ظلماً قید ہونے والے قیدیوں کی مدد اور ان پر احسان تو ایک فطری عمل ہے، لیکن ثبوت ظلم کی سزا میں قید ہونے والے قیدیوں کے ساتھ بھی اسلام احسان وسلوک کی تعلیم دیتا ہے، اس میں مسلم وغیر مسلم کی بھی کوئی قید نہیں، اسلام نے ان قیدیوں کو کھانا کھلانے کی ذمہ داری از روئے قانون اسلامی حکومت پر عائد کی ہے، اگر اسلامی ملک کے باشندے ان قیدیوں کو کھانا کھلا کر حسن سلوک کرتے ہیں تو گویا ان کا یہ کام اسلامی حکومت اور بیت المال کا معاون ہوتا ہے، دراصل ابتدائے اسلام میں قیدیوں کی بنیادی ضروریات کھانے پینے اور ان کی حفاظت عام مسلمانوں کی تفویض کو جاتی تھی۔

پھر ان میں بھی قیدی دو طرح کے ہوتے ہیں: ایک وہ جو دو ملکوں کی لڑائی اور جنگ کی صورت میں گرفتار ہوتے ہیں، اسلام نے ایسے قیدیوں کے ساتھ احسان وسلوک کی ایک بے نظیر

تاریخ بنائی ہے، قیدیوں کے ساتھ رأفت ورحمت کا برتاؤ کر کے اس دنیا کو جو ظلم کی خوگر ہے احترام انسانیت کا عظیم درس دیا ہے۔

دوسرے وہ قیدی جو کسی جرم کے الزام میں کسی بھی ملک میں گرفتار ہوتے ہیں اور اسی ملک کے قید خانے میں محبوس ہوتے ہیں، ان میں بھی دو طرح کے قیدی ہوتے ہیں: ایک وہ جن پر الزام ہوتا ہے، لیکن جرم ثابت نہیں ہوتا، ان کے متعلق مقدمات زیر دوراں رہتے ہیں اس لئے وہ قید و بند کی صعوبتیں جھیلتے رہتے ہیں، دوسرے وہ قیدی ہیں جن پر ثبوت وشہادت کے ساتھ جرم ثابت ہو چکا ہوتا ہے اور ملکی عدالت ان کے لئے سزا تجویز کرتی ہے، حسب فیصلہ وہ قید خانے میں اپنی سزا کی میعاد پوری کرنے کے لئے قید رہتے ہیں۔

اب رہے وہ قیدی جن پر صرف الزام ہو اور ان کا جرم ثابت نہ ہو سکا ہو اور وہ قیدی ثبوت جرم سے پہلے قید میں رہے ہوں، اگرچہ بعد میں ان پر جرم ثابت ہو گیا ہو، ان ہر دو طرح کے قیدیوں پر عدالت کے فیصلہ سے قبل غیر انسانی طرز پر دی جانے والی سزائیں خود قابل جرم ہیں، قیدیوں کے ساتھ غیر انسانی سلوک روا رکھنے والے خود قابل سزا ہیں۔ اس تناظر میں درج ذیل سوالات کا جائزہ لیا جائے تو ان کے جوابات یہ ہوں گے۔

۱- جرم کے ثبوت کے بغیر اول تو قید کیا جانا ہی صحیح نہیں، اگر واضح اشارات کی بنا پر شکوک وشبہات کو تقویت پہونچ رہی ہو تو ان کو تحقیق کی خاطر قید کیا جا سکتا ہے، لیکن یہ قید طویل نہ ہو، بلکہ مختصر عرصہ میں نتیجہ پر پہونچ کر کما حقہ ثبوت فراہم نہ ہو تو ان کو رہائی دے دی جائے، اگر جرم کے ثبوت کو تقویت مل رہی ہو کہ جس سے جرم ثابت ہونے کا یقین ہو تو اس کو قید رکھ کر عدالت میں جلد سے جلد فیصلہ کی کوشش کرتے ہوئے حسب فیصلہ اس کو سزا دی جانی چاہئے۔

۲- دستور وقانون کے مطابق دنیا کے سارے ممالک میں انسانوں کو مذہبی آزادی حاصل ہے اس لئے سوال نمبر ایک میں درج مذہبی، جسمانی، سماجی واخلاقی امور بطور حقوق

قیدیوں کو بھی ضرور دیے جائیں۔ البتہ وہ قیدی جن پر جرم ثابت ہو کر حسب جرم وہ سزا کاٹ رہے ہوں ان کے ساتھ حسب فیصلہ ان کی سہولتوں میں کمی بیشی کی جاسکتی ہے۔ بہر حال ہر صورت میں احترام انسانیت ملحوظ خاطر رہے۔

۳- سچ اگلوانے کے لئے قیدیوں کو دھمکانا پڑے تو ایسے قیدیوں کو جن پر الزام کمزور بنیادوں پر لگا ہو ان کو ہلکے پھلکے انداز میں دھمکایا جاسکتا ہے، اور جن پر الزام ثبوت جرم کے شواہد فراہم کرنے کے موقف میں ہو تو ان کو حقیقت حال جاننے کے لئے قابل برداشت حد تک دھمکایا جاسکتا ہے، لیکن الف، ب، ج، د، ہ، و میں درج سزائیں دینے کا کوئی جواز فراہم نہیں ہوسکتا، یہ ساری سزائیں بے انتہاء انسانیت سوز اور گھناؤنی ہیں، عدالت کے فیصلہ سے قبل اس طرح کی سزا دینے والے خود عبرت ناک سزاؤں کے مستحق ہیں کیوں کہ دنیا کی کوئی عدالت جو احترام انسانیت کے انسان قانون کی علم بردار ہے اس بات کی اجازت نہیں دیتی۔

۴- قیدیوں کو حفاظت کی غرض سے ہتھکڑی پہنائی جاسکتی ہے، قیدی کی چالاکی اور اس کی تدبیر سے اس بات کا خطرہ ہو کہ وہ ہتھکڑی سے آزاد ہو کر فرار ہو جائے گا تو دوسرے درجہ میں حفاظت کی غرض سے پیر میں بیڑی ڈالی جاسکتی ہے، یہ بھی ثبوت جرم میں ممد و معاون ہونے کی حیثیت سے ان کو اختیار کیا جاتا ہے، اب رہا زنجیروں میں جکڑ دینا یہ ایک دردناک پہلو ہے جو انسانیت سوز ہے اس لئے اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

۵- قید تنہائی ایک کرب ناک سزا ہے جس کا ایک انسان متحمل نہیں ہوسکتا، عدالت کو چاہئے کہ جرم کی مناسبت سے سزا تجویز کرے، اور وہ جرائم جن کی سزائیں اسلام نے مقرر کی ہیں وہ اس قابل ہیں کہ دنیا کی ساری عدالتیں تعصب سے اونچے اٹھ کر ان کی حقیقتوں کو تسلیم کر کے جاری کرنے کا فیصلہ کرلیں تو انسانیت پر غیر ضروری ظلم وستم کا خاتمہ ہوسکتا ہے۔ اسلام کا قانون جرم کو ناپسند کرتا ہے، لیکن مجرم سے نفرت نہیں سکھاتا، مجرم کو ثبوت جرم پر اسلام اور دوسروں کو اس

کی عبرت ہو۔

۶- عدالت کے فیصلہ سے قبل قیدیوں پر کوئی مشقت ڈالی جائے یا کسی طرح کی سزا دی جائے تو دنیا کا کوئی قانون اس کی اجازت نہیں دیتا، اس لئے وہ قیدی جن کے جرم کی مناسبت سے عدالت نے قید بامشقت طے کی ہو تو ان سے کوئی کام ان کی برداشت کے مطابق لیا جا سکتا ہے۔

۷- نمبر سات میں دریافت امر نمبر ایک کے ضمن میں بیان ہو چکا ہے، یقیناً ان دونوں کے درمیان میں فرق رہے گا، جو قیدی جرم کی سزا میں عدالت کے فیصلہ کے بعد سزا کاٹ رہے ہوں ان کو بشرط انصاف وہی سزا ملنی چاہئے جس کو عدالت نے جرم کی مناسبت سے تجویز کیا ہے، وہ قیدی کہ جن کا جرم ابھی عدالت سے ثابت نہیں ہوا، ان کو کسی طرح کی سزا دینے کے قید خانے کے ذمہ دار شرعاً قانوناً مجاز نہیں۔

۸- زیر سماعت قیدیوں کو طویل عرصہ تک قید و بند میں رکھنا یہ خود انسانیت پر دردناک ظلم ہے، اس لئے مقدمات کی سماعت میں تیزی لانی چاہئے تاکہ کم سے کم مدت میں انسانوں کو انصاف مل سکے۔ اسلام فوری انصاف کی ہدایت کرتا ہے، اس پر عمل نہ کیا جائے تو اکثر ایسی صورت حال ظاہر ہوتی ہے جس کا نمبر آٹھ میں ذکر کیا گیا ہے۔

۹- نمبر نو میں جو بات ذکر کی گئی ہے کہ اگر قیدی بڑی مدت تک جیل کاٹنے کے بعد باعزت بری کر دیا گیا ہو تو وہ زمانہ قید میں ہونے والی ذہنی اذیت و جسمانی تکلیف وغیرہ کے ضمن میں دنیا کا قانون تو ہرجانا طلب کرنے کی اجازت دیتا ہے، لیکن اس سے اس کو دی گئی تکلیف کا قطعی ازالہ نہیں ہو سکتا، کیوں کہ صدمات ذہنی و روحانی کرب اور عمر عزیز کا ایک بڑا قیمتی حصہ جو جیل کی نذر ہو رہا ہے اس کی کوئی قیمت دنیا جہاں کی دولت بھی بطور بدل ثابت نہیں ہو سکتی، اسی لئے اسلام احترام انسانیت کے پیش نظر حدود و قصاص اور دیگر جرائم سے متعلق جو ہدایات ان کے لئے دیتا ہے اور جو قوانین انسانوں کے لئے پیش کرتا ہے اس کو دستور و قانون سے حیثیت سے

تسلیم کیا جائے تو انصاف کے تقاضے پورے ہو سکتے ہیں۔

١٠- ہر انسان کو اپنی صفائی پیش کرنے کا حق حاصل ہے، اگر کوئی قیدی اپنے مافی الضمیر کو ادا کرنے کا اہل نہ ہو تو اس کو قانوناً یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے مقدمات کے سلسلہ میں وکیل سے رابطہ رکھے اور اس کی خدمات حاصل کرے۔

١١- خواتین صنف نازک کہلاتی ہیں، اسلام نے حالت جنگ میں بھی عورتوں اور بچوں کی حفاظت کے لئے خصوصی احکامات دیئے ہیں، اگر وہ جرائم کی مرتکب ہوں، اور جرم کے ثبوت پر سزا کاٹ رہی ہوں اور ان کا بچہ دودھ پی رہا ہو تو شیر خوار بچے کو ماں کے ساتھ جیل میں رکھنے کا حق حاصل رہے گا۔ اسلام پر یہ الزام ہے کہ وہ سخت سزائیں دیتا ہے، حالانکہ اسلام نے جو سزائیں جرائم کی مناسبت سے طے کی ہیں اس میں مجرم پر بھی احسان کی صورت رکھی گئی ہے۔

قیدیوں کے حقوق-اسلام میں

مولانا محمد اسماعیل بھڈ کودروی ☆

الجواب:١- کسی ملزم کو اس پر جرم کا شک وشبہ ہونے کی وجہ سے اس کی تحقیق وتفتیش کے لئے قید کیا جا سکتا ہے، اور اگر بطور احتیاط قید کیا جائے تو اس کے متعلق ضروری ہے کہ جلدی سے اس کی تحقیق کی جائے، اور جب کسی جرم کا ثبوت فراہم نہ ہو تو فوراً ہی اس کو با عزت رہا کر دیا جائے، "**وقد حبس رسول الله ﷺ رجلاً فی تهمة**" (المبسوط للسرخسی ٣٦/٤، فقہ السنة ٢٦٦/٣)۔

"**قال جماعة من الفقهاء بمشروعية الحبس بدليل أن النبی ﷺ حبس رجلاً فی تهمة ثم خلی عنه وهذا هو الحبس الاحتياطی**" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ١٩٨/٦)۔

الجواب:٢-الف- قیدیوں کو مذہبی امور انجام دینے سے روکنا جائز نہیں، البتہ ایسے مذہبی امور جن کی ادائیگی قید خانہ سے نکلے بغیر ممکن نہ ہو ایسے مذہبی امور سے روکنے کی اجازت ہوگی مثلاً جمعہ، جماعت میں حاضری، حج کی ادائیگی، جنازہ میں شرکت وغیرہ، البتہ اپنے اصول وفروع کے جنازہ میں کسی کو اپنا کفیل بنا کر شریک ہونے کی اجازت

☆ دار العلوم کنتھاریہ، بھروچ، گجرات۔

ہوگی۔ مذہبی کتابوں کے مطالعہ، دوسرے قیدیوں میں دعوت دین اور حلال پاکیزہ غذا فراہم کرنا قیدیوں کا حق ہے، یہ حق اس سے چھینا نہیں جا سکتا، اور چونکہ مذہب کی مقدس شخصیتوں اور کتابوں کا احترام تمام مذاہب میں مسلّم ہے لہذا ان کی بے احترامی سے گریز کرنا لازم ہوگا، "یاصاحبی السجن أأرباب متفرقون خیر أم الله الواحد القهار" (سورۂ یوسف/٣٩)۔

"ولا یخرج لجمعة ولا جماعة ولا لحج فرض ولا لحضور جنازة ولو کان بکفیل، زیلعی وفی الخلاصة یخرج بکفیل لجنازة أصوله وفروعه لا غیرهم وعلیه الفتوی" (الدر المختار علی ہامش الشامی نعمانیہ ٤/ ٣١٤، البحر الرائق ٦/ ٢٨٣)۔

ب- جن قیدیوں کا جرم ثابت ہو چکا ہے جسمانی ضروریات کے لحاظ سے ان کی زیادہ رعایت نہیں کی جائے گی بلکہ ان کو معمولی قسم کا بستر، کھانا پانی دے دیا جائے، اور بیماری کی وجہ سے حتی المقدور قید خانہ ہی میں ان کا علاج کیا جائے، قید خانہ سے باہر علاج کے لئے جانے کی اجازت نہ ہوگی، الا یہ کہ قید خانہ میں علاج ومعالجہ ممکن نہ ہو تو قید خانہ سے باہر علاج معالجہ کے لئے جانے کی اجازت ہوگی، نیز بیوی کے ساتھ تعلق کی بھی اجازت ہوگی، البتہ حفظان صحت کے لئے ورزش وتفریح کی اجازت نہیں دی جائے گی لیکن ان کو اتنی تنگ جگہ میں رکھنا کہ ان کے لئے اٹھنا بیٹھنا دشوار ہو جائے درست نہیں۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے: شامی ٤/ ٣١٣، فصل فی الحبس)

اور جن کا جرم ابھی ثابت نہیں ہوا یا ان کے متعلق اب تک کوئی فیصلہ نہیں ہوا ان کو ہر قسم کی سہولت دی جائے گی، رہائشی اعتبار سے ان کو وسیع جگہ میں رکھا جائے گا، نان ونفقہ اور کسوہ دیا جائے گا، اور ان کی مار پیٹ جائز نہ ہوگی، غرض یہ کہ ان کے ساتھ ہر اعتبار سے احسان کا معاملہ کیا جائے گا۔

"وینبغی أن یکون الحبس واسعاً وأن ینفق علی من فی السجن من

بيت المال وأن يعطي كل واحد كفايته من الطعام واللباس" (فقہ السنۃ ۳/ ۴۶۷)۔

"والأسير من أسرى المشركين لابد أن يطعم ويحسن إليه حتى يحكم فيه فكيف برجل مسلم قد أخطأ أو أذنب يترك يموت جوعاً" (کتاب الخراج للامام ابی یوسف/ ۱۴۹)۔

"وكسوتهم في الشتاء قميص وكساء وفي الصيف قميص وإزار ويجرى على النساء مثل ذلك وكسوتهن في الشتاء قميص ومقنعة وكساء وفي الصيف قميص وإزار ومقنعة" (کتاب الخراج للامام ابی یوسف/ ۱۵۰)۔

ج- قیدیوں کو قید میں رہتے ہوئے بعض سماجی حقوق ادا کرنے کی بھی اجازت ہوگی جیسے تعلیم وتعلم، دوسرے قیدیوں سے ملاقات وحسن سلوک، نیز مختصر وقت کے لئے اپنے رشتہ داروں کی ملاقات سے نہ روکا جائے، اسی طرح فون پر مختصر سی بات چیت، خیر خیریت پوچھنے کی اجازت دی جائے گی جس پر ہمارے اسلاف کے جیل خانوں کے واقعات سے روشنی پڑتی ہے۔

"ولا يمكن أحد أن يدخل عليه للاستئناس إلا أقاربه وجيرانه لاحتياجه للمشاورة ولا يمكثون عنده طويلاً" (در) قوله ولا يمكثون عنده طويلاً اى بحيث يحصل له الاستئناس بهم بل بقدر ما يحصل به المقصود من المشاورة" (شامی نعمانیہ ۴/ ۳۱۳، فصل فی الحبس)

د- مردوں اور عورتوں کا الگ قید خانہ رکھا جائے گا، اسی طرح بالغ ونابالغ کا قید خانہ بھی فتنہ کے اندیشہ سے الگ رکھنا چاہئے، "وفي المحيط يجعل للنساء سجن علاحدة نفيا لوقوع الفتنة" (البحر الرائق ۶/ ۲۸۳)۔

الجواب: ۳- قیدیوں سے سچی بات اگلوانے کے لئے کسی حد تک دھمکانے کی اجازت ہے جیسا کہ حضرت علیؓ نے اس عورت کو جس کو حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ نے کفار مکہ کے نام ایک

خط دیا تھا، اس عورت نے اصرار کے باوجود خط نہ نکالا تو حضرت علیؓ نے اس کو بے لباس کرنے کی دھمکی دی: "عن علیؓ قال بعثني رسول الله ﷺ وأبا مرثد والزبير وكلنا فارس قال انطلقوا حتى تأتوا روضة خاخ فإن بها امرأة من المشركين معها كتاب من حاطب إلى المشركين فأدركناها تسير على بعير لها حيث قال رسول الله ﷺ فقلنا: الكتاب؟ فقالت: ما معنا كتاب، فأنخناها فالتمسنا فلم نر كتاباً فقلنا: ما كذب رسول الله ﷺ لتخرجن الكتاب أو لنجر دنك الخ" (بخاری شریف ٢/ ٥٦٧، مکتبہ دیوبند)۔

مگر اس مقصد کے لئے قیدیوں کو حقیقتہً بے لباس کر دینا، اسی طرح کسی جرم کے ثبوت سے پہلے ان کو مار پیٹ کرنا اور ان پر کتے چھوڑنا جائز نہیں ہے، نیز ان کو سخت ٹھنڈک میں برف کی سلوں پر ڈال دینا، ان کے رہنے کی جگہ پر تیز روشنی و تیز آواز کا اذیت دینے کے غرض سے انتظام کرنا، اور ان کو مسلسل بیداری پر مجبور کرنا جائز نہیں ہے، کیوں کہ اس کی وجہ سے ہلاک ہونے یا اعضاء کی اکثر یا کل منفعت فوت ہو جانے کا اندیشہ ہے، رہی بات الکٹرک شاٹ کی تو چونکہ یہ بھی آگ کی ایک قسم ہے، اور جس طرح آگ سے جل جانے والی چیز سکڑ جاتی ہے اسی طرح الکٹرک شاٹ سے ہوتا ہے، اور حضرت نبی اکرم ﷺ نے کسی جاندار کو آگ سے عذاب دینے کی ممانعت فرماتے ہوئے کہا کہ اللہ کے علاوہ کسی بھی بندہ کو آگ کے ذریعہ عذاب دینے کا کوئی حق نہیں ہے۔

"عن أبي هريرةؓ أنه قال: بعثنا رسول الله ﷺ في بعث فقال: إن وجدتم فلانا وفلانا فأحرقوهما بالنار، ثم قال رسول الله ﷺ حين أردنا الخروج: إني أمرتكم أن تحرقوا فلانا وفلانا وأن النار لا يعذبها إلا الله فإن وجدتموهما فاقتلوهما" (بخاری شریف ٢/ ٤٢٣ کتاب الجہاد، باب لایعذب بعذاب اللہ، الخ

البرہانی: کتاب الکراہیۃ، الفصل الثالث والعشرون)۔

"وقد روى أن رسول الله ﷺ قال في بني قريظة: لا تجمعوا عليهم حر هذا اليوم وحر السلاح ولا تمثلوا بهم، لقوله عليه الصلاة والسلام في وصايا الأمراء ولا تمثلوا" (بدائع الصنائع ۷/۱۲۰، کتاب السیر، مطلب وأما مفاداۃ الاسیر فحکمہ)۔

الجواب: ۴- قیدیوں کو زنجیروں میں جکڑنا اور ہتھکڑیاں پہنانا، نیز بیڑیاں ڈالنا جائز ہے جیسا کہ حضرت ثمامہ بن اثال ؓ کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے، "عن الليث قال حدثني سعيد ابن سعيد سمع أبا هريرة ؓ قال: بعث النبي ﷺ خيلاً قبل نجد فجاءت برجل من بني حنيفة يقال له ثمامة بن أثال فربطوه بسارية من سواري المسجد" (بخاری شریف ۲/۶۲۷ مکتبہ دیوبند)۔

"عن جندب بن مكيث قال: بعث رسول الله ﷺ عبد الله بن غالب الليثي في سرية وكنت فيهم وأمرهم أن يشنوا الغارة على بني الملوح بالكديد فخرجنا إذا كنا بالكديد لقينا الحارث بن البرصاء الليثي فأخذناه فقال: إنما جئت أريد الإسلام وإنما خرجت إلى رسول الله ﷺ فقلنا: إن تكن مسلما لم يضرك رباطنا يوما وليلة وإن تكن غير ذلك نستوثق منك فشددنا وثاقا (اى ربطاً شديداً)" (ابوداؤد شریف ۲/۳۶۳، باب فی الاسیر یوثق)۔

الجواب: ۵- نبی اکرم ﷺ کے زمانہ مبارکہ میں غزوہ تبوک کے موقع پر تین صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پیچھے رہ گئے جس کی وجہ سے تمام مسلمانوں نے ان سے پچاس دن تک مقاطعہ کیا، اس سے معلوم ہوا کہ کسی مجرم کو اس کے خصوصی جرم کی وجہ سے قید تنہائی دی جاسکتی ہے۔

الجواب: ۷- جن قیدیوں کا جرم ثابت ہو چکا ہو اور سزا تجویز کی جا چکی ہو انہیں مجوزہ سزا دی جاسکتی ہے، مگر جن قیدیوں کا جرم ابھی ثابت نہیں ہوا محض شبہ کی وجہ سے ان کو حراست میں رکھا

گیا ہے تو ان کے ساتھ نرمی کا معاملہ کیا جائے گا، ان کو کسی قسم کی سزا دینے کی کوئی گنجائش نہیں ہے، خلاصہ یہ ہے کہ دونوں قسم کے قیدیوں کے درمیان فرق کیا جائے گا۔

"ولا يحل إقامة حد على من لم يستوجبه كما لا يحل إبطاله عمن استوجبه بغير شبهة فيه" (کتاب الخراج للامام ابی یوسفؒ ۱۵۲)۔

الجواب:۸— جن قیدیوں کا مقدمہ ابھی زیر سماعت ہے انہیں اپنے اوپر عائد فرد جرم کی اصل سزا سے زائد مدت تک بلکہ اس سے کم بھی رکھنا جائز نہیں، کیوں کہ ان کے بارے میں حکم یہ ہے کہ جلد از جلد ان کے متعلق فیصلہ کیا جائے اور جو سزا تجویز کی جائے دیدی جائے۔

"لا تدعنّ في سجونكم أحداً من المسلمين في وثاق لايستطيع أن يصلي قائماً ولا تبيتنّ في قيد إلا رجلا مطلوبا بدم" (کتاب الخراج للامام ابی یوسف/۱۵۰)۔

"ولا يحل حبس أحد بدون حق ومتى حبس بحق يجب المسارعة بالنظر في أمره فإن كان مذنبا أخذ بذنبه وإن كان بريئا أطلق سراحه" (فقہ السنہ ۳/۴۶۶)۔

الجواب:۱۰– قیدی کو وکیل یا جج، اسی طرح کسی اور سے رابطہ قائم کرکے اپنی صفائی پیش کرنے کا پورا حق حاصل ہے جیسا کہ حضرت یوسفؑ کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ہر مرتبہ عزیز مصر کے سامنے اپنی برائت ظاہر کرنے کی پوری کوشش فرمائی۔

الجواب:۱۱– اگر شیر خوار بچہ کا جیل سے باہر شیر خواری کا بآسانی انتظام ہو جاتا ہے اور دوسری کسی عورت کا دودھ قبول کر لیتا ہے نیز ماں سے علیحدہ رہنے میں اس کو کوئی خطرہ نہیں ہے تو خواہ مخواہ اس کی ماں کے ساتھ اس کو قید خانہ میں نہ بھیجا جائے، کیوں کہ ماحول کا اثر انسانی فطرت کو متاثر کرتا ہی ہے۔

قیدیوں کے حقوق

مولانا ابوالبقاء ندوی☆

۱- جرم کا ثبوت فراہم ہوئے بغیر بھی محض شک وشبہ اور تہمت کی بنا پر قید کرنا جائز ہے، بشرطیکہ شک کو تقویت بخشنے والا کوئی قرینہ پایا جائے۔ مدت قید کا تعین حاکم کی صوابدید پر موقوف ہے، البتہ اگر ملزم مشہور مجرم اور فسادی نہ ہو تو جتنی جلد ممکن ہو سکے اسے رہا کر دیا جائے، بعض فقہاء نے ایسے ملزم کی مدت قید زیادہ سے زیادہ تین دن اور بعض نے ایک مہینے مقرر فرمائی ہے۔

مندرجہ ذیل نصوص فقہیہ سے اس سوال کے حل میں مدد لی جاسکتی ہے۔

"ذهب جمهور الفقهاء إلى مشروعية حبس التهمة واعتبروه من السياسة العادلة إذا تأيدت التهمة بقرينة قوية أو ظهرت أمارات الريبة مع المتهم أو عرف بالفجور" (حاشیہ ابن عابدین ۴/۷۶)۔

أن النبي ﷺ حبس رجلاً في تهمة" (اخرجہ ابوداؤد ۴/۴۷، ترمذی ۴/۲۸)۔

أن النبي ﷺ حبس أحد رجلين من غفار اتهما بسرقة بعيرين وقال للآخر: اذهب فالتمس، فذهب وعاد بهما" (اخرجہ عبدالرزاق فی المصنف ۱۰/۲۱۶)۔

"لا حد لأقل مدة الحبس أما أكثره فيرجع فيه إلى اجتهاد الحاكم حتى ينكشف حال المتهم وقد نسب ابن تيمية هذا القول إلى مالك

☆ جامعۃ الفلاح، بلریا گنج۔

وأصحابه وأحمد ومحققي أصحابه وأصحاب أبي حنيفة، وقال بعض الفقهاء إن أكثر مدة يحبس فيها المتهم المجهول الحال يوم واحد وحددها قوم بيومين وثلاثة وأجاز آخرون بلوغها شهرا" (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/ ۲۹۵)۔

۲- الف- قیدیوں کو شرعاً بھی اور ہر جمہوری ملک کے قانون کی رو سے بھی ہر قسم کی مذہبی آزادی حاصل ہے، لہذا اپنے مذہب کے مطابق عبادت کرنے، مذہبی کتابوں کا مطالعہ کرنے، دوسرے قیدیوں کے درمیان اپنے مذہب کی تبلیغ کرنے کا حق ان کو حاصل ہے۔ ان کو مذہبی تقاضوں کے مطابق غذا فراہم کی جائے، ان کی مذہبی شخصیات اور مذہبی کتابوں کی بے حرمتی سے گریز کیا جائے۔

درج ذیل فقہی عبارت سے اس پر روشنی پڑتی ہے:

"ينبغي تمكين المحبوس من الوضوء والصلاة" (الدر المختار مع حاشیۃ ۵/ ۳۷۸)۔

ب- جسمانی ضروریات

قیدیوں کو وہ تمام امور مہیا کئے جائیں جو ان کی جان اور صحت وتندرستی کی بقا کے لئے لازم ہیں، ایسی کوئی شکل اختیار کرنا جس سے ان کی صحت وتندرستی پر مضر اثرات پڑ سکتے ہوں ان کے بنیادی انسانی حقوق کے خلاف ہے۔ لہذا انھیں مناسب غذا، علاج اور حفظان صحت کے لئے ورزش وتفریح کا موقع فراہم کیا جائے، ایسی تنگ جگہ میں رکھنا جہاں روشنی اور ہوا کا گذر نہ ہو قطعاً درست نہیں ہے۔

البتہ بیوی سے تعلق کے سلسلہ میں فقہاء کرام کی مختلف رائیں پائی جاتی ہیں، راجح یہ ہے کہ اسے حاکم کی صوابدید پر چھوڑ دیا جائے، وہ قید خانے کی صورت حال، مجرم یا ملزم کے مقدمے کی نوعیت وغیرہ کا جائزہ لے کر مناسب فیصلہ صادر کریں (دیکھئے: ہدایہ، حاشیہ ابن عابدین، الموسوعۃ الفقہیہ)۔

ج- عام سماجی حقوق

قیدی حضرات بھی اصلاً سماج اور معاشرہ کا حصہ ہیں، انہیں اپنی تعزیری سزا پوری کرنے کے بعد سماج ہی میں واپس آنا ہے، اس لئے دنیوی حالات سے باخبر رہنے اور احباب واقارب سے ملاقات اور فون پر بات کرنے کا ان کو حق حاصل ہے۔ البتہ خصوصی مجرمین کی ٹیلیفونی گفتگو ریکارڈ کی جاسکتی ہے تاکہ وہ سماج اور معاشرہ کے لئے مفید بننے کے بجائے خطرہ نہ بن جائیں، قیدیوں کے لئے تعلیم اور ہنر سکھانے کا بھی نظم کیا جانا چاہئے تاکہ رہائی کے بعد وہ باعزت طریقے سے معاشرہ میں رہ سکیں۔

"للفقهاء ثلاثة أقوال في تمكين المحبوس من العمل في الحبس: الأول: لا يمنع، الثاني: يمنع، الثالث: يترك تمكين المحبوس من العمل في الحبس لتقدير الحاكم واجتهاده" (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/۳۲۲)۔

د- اخلاقی حقوق

عدالتی حراست میں قیدیوں کو ڈالنے کا بنیادی مقصد ان کی اصلاح اور تادیب ہے، لہٰذا ایسی شکل اختیار کرنا جس سے ان کے اخلاق کے بگڑنے کا اندیشہ ہو جائز نہیں ہے، پس مردوں اور عورتوں کے قید خانے الگ الگ، اسی طرح نابالغ بچوں کے قید خانے الگ ہونے چاہئیں۔

درج ذیل فقہی نصوص اس سلسلہ میں ہماری رہنمائی کرتی ہیں:

"نص الفقهاء على أن يكون النساء محبس على حدة إجماعاً ولا يكون معهن رجل لوجوب سترهن وتحرزا من الفتنة، تدل أكثر النصوص على أن يكون حبس الحدث في بيت أبيه أو وليه على أنه يجوز حبسه في السجن إلا إذا خشي عليه ما يفسده فيوجب حبسه عند أبيه لا في السجن" (الدر المختار

ملخصا ۴/ ۲۵۳)۔

۳-الف- قیدیوں کو بے لباس کرنا جائز نہیں ہے، "تحرم المعاقبة بالتجريد من الثياب لما في ذلك من كشف العورة" (حاشیہ ابن عابدین ۴/ ۱۳)۔

ب-قیدیوں کی اس طرح پٹائی کرنا کہ اس کی جان جانے یا کسی عضو کے تلف ہونے کا اندیشہ پیدا ہو جائے درست نہیں ہے۔

"لا يجوز للحاكم التأديب بما فيه الإهانة والخطر كضرب الوجه وموضع المقاتل" (الموسوعۃ الفقہیہ)

ج- انہیں آگ یا اس کے مانند کسی اور چیز کی سزا دینا جائز نہیں ہے، "يحرم التأديب بإحراق الجسم أو بعضه بقصد الإيلام والتوجيع" (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/ ۳۲۷)۔

د- ان پر کتا یا کوئی اور درندہ جانور چھوڑنا بھی جائز نہیں ہے، "وكذا إغراء الحيوان كالسبع والعقرب بالمحبوس ليؤذيه" (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/ ۳۲۸)۔

ہ- ان کو برف کی سلوں پر ڈالنا بھی درست نہیں ہے، "لا يجوز الحبس في مكان بارد، فإن مات فالدية على الحابس" (فتح القدیر ۵/ ۴۷۱)۔

و-ان کو مسلسل جگے رہنے پر مجبور کرنا بھی درست نہیں ہے کیونکہ ایسا کرنے میں ان کی عقل کے زائل ہونے کا اندیشہ ہے۔

"وفي الجملة لا تجوز معاقبة المحبوس بقصد إتلاف كله أو بعضه" (فتح القدیر ۵/ ۴۷۱)۔

۴-قیدیوں کو زنجیروں میں جکڑنا درست نہیں ہے، البتہ اگر فرار ہونے کا اندیشہ ہو تو انہیں ہتھکڑی پہنائی جا سکتی ہے اور بیڑی ڈالی جا سکتی ہے۔

”ولا يغل السجين بوضع الغل في عنقه إلا إذا خيف فراره فيوضع القيد في رجله“ (الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید)۔

۵- کسی مجرم کو خصوصی جرم کے پس منظر میں قید تنہائی دی جاسکتی ہے۔ علامہ ابن عابدین نے اس کی تصریح فرمائی ہے:

”ويجوز للحاكم عزل السجين وحبسه منفرداً في غرفة يقفل عليه بابها إن كان في ذلك مصلحة“ (حاشیہ ابن عابدین ۵/ ۳۷۷)۔

۶- قیدیوں سے جبراً کام لیا جانا چونکہ تعزیری سزا کا حصہ اور لازمہ نہیں ہے اس لئے ایسا کرنا ان کے بنیادی حقوق کی خلاف ورزی ہے، اگر ان سے جبراً کام لیا جائے تو انہیں اس کی مناسب اجرت دی جائے۔

۷- جن قیدیوں کا مقدمہ زیر سماعت ہے وہ قانون اور شریعت کی نگاہ میں معصوم اور بے گناہ ہیں، اس لئے اولاً تو ان کا قید خانہ ہی الگ ہونا چاہئے لیکن اگر یہ ممکن نہ ہو تو ان کے ساتھ سلوک میں نرمی اور آسانی برتی جانی چاہئے۔

”والمعمول به في القديم تمييز حبس الوالي الذي يضم أهل الريبة والفساد عن حبس القاضي الذي يضم المحكومين ويختلف سجن الوالي عن سجن القاضي“ (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/ ۳۱۸)۔

۸- اگر قیدی فجور وفساد میں معروف ومشہور ہو تو مقدمہ کی کارروائی مکمل ہونے تک اسے قید میں رکھا جاسکتا ہے اگرچہ یہ مدت اس کے اوپر عائد فرد جرم کی اصل سزا کے مساوی ہو جائے، البتہ اگر وہ متہم محض ہو تو ایک مہینے سے زیادہ قید میں رکھنا درست نہیں ہے۔

”أما المتهم المعروف بالفجور والفساد فأكثر مدة حبسه بحسب ما يقتضيه ظهور حاله والكشف عنه ولو حبس حتى الموت، وهذا هو الظاهر في مذاهب فقهاء

الأمصار من الحنفية والمالكية والشافعية والحنابلة" (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/ ۲۹۵)۔

"وقال بعض الفقهاء إن أكثر مدة يحبس فيها المتهم المجهول الحال يوم واحد وأجاز آخرون بلوغها شهراً" (حاشیہ ابن عابدین ۴/ ۸۸)۔

۹- الزام اور تہمت کی بنیاد پر قید کرنا چونکہ ایک فعل مشروع ہے اس لئے عدالت سے پروانہ براءت ملنے کے بعد مالی ہرجانہ طلب کیا جانا درست نہیں ہے۔

"مثل ما وقع لابن أبي الحقيق حين أخفى كنزا يوم خيبر وادعى ذهابه بالنفقة، فحبسه النبي ﷺ ورد عليه بقوله: العهد قريب والمال أكثر" (الموسوعۃ الفقہیہ)۔

۱۰- قیدی کو وکیل سے رابطہ قائم کرنے اور اپنے اوپر لگائے گئے الزامات کے حوالہ سے صفائی پیش کرنے کا حق حاصل ہے۔

"حق الدفاع حق أصيل ينشأ منذ اللحظة التي يواجه فيها الشخص بالاتهام، والاتهام بطبيعته يقتضي الدفاع فهو ضرورة منطقية له" (دراسات فی الفقہ الجنائی الاسلامی/ ۱۰۵)۔

۱۱- خواتین قیدیوں کو اپنے ساتھ شیر خوار بچوں کو جیل میں اس وقت تک رکھنے کا حق حاصل ہے جب تک وہ بچے دودھ نہ چھوڑ دیں۔

اس سلسلہ میں حضرت غامدیہؓ کے واقعہ سے استدلال کیا جاسکتا ہے کہ اعتراف زنا کے بعد فوراً ان کو رجم کی سزا نہیں دی گئی بلکہ انہیں حکم دیا گیا کہ پہلے وہ بچہ کو جنم دیں اور دو سال تک دودھ پلائیں، چنانچہ بچے نے دودھ چھوڑ کر جب روٹی کھانی شروع کردی تب انہیں رجم کی سزا دی گئی۔

دوسری بات یہ ہے کہ ایسا نہ کرنے میں بچے کی حرمت جان اور تحفظ نفس کے حق کی خلاف ورزی لازم آتی ہے جس کی قطعاً اجازت نہیں دی جاسکتی۔

قیدیوں کے حقوق - شریعت میں

مولانا سلطان احمد اصلاحی ☆

۱- ہاں ملزم کو جرم کا ثبوت فراہم ہوئے بغیر بھی احتیاطی طور پر قید کیا جاسکتا ہے، اس قید کی مدت مقرر کی جاسکتی ہے، کوشش کی جائے کہ یہ مدت کم سے کم ہو اور ضرورت سے زیادہ اس کو قیدی بنا کر نہ رکھا جائے، بعض یا بسا اوقات حکومت اور انتظام کی مصلحتیں اس کی مقتضی ہوتی ہیں کہ ثبوت فراہم ہونے سے پہلے ملزم کی نقل وحرکت کو موقوف کر دیا جائے، ظاہر ہے اس کی اجازت بہ تقاضائے ضرورت ہی ہوسکتی ہے اور ضرورت کا اصول معلوم ہے کہ اس کو بقدر ضرورت سے زیادہ نہ ہونا چاہئے۔ "والضرورة تقدر بقدرها"۔

۲- اس سوال کے تحت شق اول (الف) مذہبی امور کے تحت مذکور تمام حقوق قیدی کو حاصل ہونے چاہئیں، یہ سب اس کے جائز اور مسلمہ حقوق ہیں جن سے اسے محروم کئے جانے کے لئے کوئی وجہ جواز نہیں ہے، قید کے دوران دعوت دین کا ثبوت قرآن کی صراحت سے اسوۂ یوسفی سے فراہم ہوتا ہے۔

ب- کے تحت جسمانی ضروریات میں غذا، پانی، علاج اور ورزش وتفریح کی سہولت اسے مناسب طور پر حاصل ہونی چاہئے، قید کی مدت اگر چار ماہ سے زائد ہوتی ہے تو اسے بیوی

☆ علی گڈھ۔

سے تعلق قائم کرنے کا موقع بھی ملنا چاہئے، اس سے اندرون قید خانہ جنسی جرائم کو کم کرنے میں بھی مدد ملے گی۔ قیدیوں کو تکلیف دہ تنگ جگہ میں رکھنے کی گنجائش اقبال جرم کی مخصوص ضرورت سے ہی ہوسکتی ہے جس کے وقفہ کو کم سے کم رکھا جانا ضروری ہے۔ آخری محمدی شریعت میں جرم ثابت ہوجانے پر مجرم کو اس کی سزا جلد ملنی چاہئے اور اقبال جرم کے لئے قیدی کو اذیت بقدر ضرورت ہی دی جاسکتی ہے۔ معاصر سیکولر عدالتی نظام میں قید کی سزا کو غیر ضروری طور پر بلکہ نقصان دہ حد تک طویل کردیا گیا ہے۔ آخری اسلامی شریعت کی ترجیح اس معاملہ میں اس سے مختلف ہے۔

ج- سماجی حقوق میں قیدی کو اخبار پڑھنے، ریڈیو سننے، اسی طرح دوسرے قیدیوں سے ملاقات اور اس کو تعلیم وہنر سیکھنے کی تو اجازت ہوسکتی ہے، البتہ فون سے احباب واقارب سے گفتگو کی اجازت مطلق نہیں دی جاسکتی، اس کی نگرانی ہونی چاہئے، جس سے مجرم فون کی سہولت کا ناجائز فائدہ نہ اٹھاسکے۔

د- اخلاقی امور کے تحت عورتوں کے قید خانے کو لازمی طور پر مردوں سے الگ ہونا چاہئے اور اس کے انتظام وانصرام کو خاتون پولیس عملہ کے سپرد ہونا چاہئے۔ مرد قیدیوں میں بالغوں اور نابالغوں کی بیرکوں کو ایک دوسرے سے الگ ہونا چاہئے اور اس کا کڑا انتظام ہونا چاہئے کہ بالغ قیدیوں کے ذریعہ نابالغ قیدیوں کا کسی طرح کا جسمانی اور جنسی استحصال نہ ہو۔

۳- مجرم/ملزم قیدیوں سے اقبال جرم کے لئے بقدر ضرورت ان کو صرف مارا ہی جا سکتا ہے، اس کے علاوہ جیسا کہ معاصر دنیا میں خاص طور پر امریکہ کی زیر سرپرستی عراق، افغانستان اور گوانتانا موبے کی قیدوں میں ہورہا ہے، قیدیوں کو بے لباس کرنے، ان کو الکٹرک شاک لگانے اور ان کے اوپر کتے چھوڑنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی، وطن عزیز کی قیدوں میں بھی اگر ایسا ہورہا ہو تو اس پر فوری نظر ثانی ہونی چاہئے، سخت ٹھنڈک میں قیدیوں کو برف کی سلوں پر لٹانے کی بھی اجازت نہیں دی جاسکتی، جس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس سے ملزم/مجرم کی جان جانے کا

خطرہ ہوسکتا ہے۔

۴- ضرورت کے تقاضہ سے قیدی کو ہتھکڑی پہنائی جا سکتی ہے، اسی طرح اس کو زنجیر اور بیڑی میں بھی جکڑا جا سکتا ہے، لیکن یہ تینوں چیزیں ایسی ہونی چاہئیں کہ ان سے ناگزیر تکلیف سے زائد تکلیف نہ ہو، مزید اس کے وقفہ کو بھی کم سے کم ہونا چاہئے اور ضرورت کے دائرہ سے اس کو آگے نہیں بڑھنا چاہئے۔

۵- ہاں مخصوص صورت میں مجرم کو قید تنہائی کی سزا دی جا سکتی ہے، البتہ اس صورت میں اس کو سوال نمبر ۲ کے تحت ملنے والی سہولتوں اور رعایتوں سے محروم نہ رکھا جائے۔

۶- جیل میں قیدی سے جبری کام لیا جا سکتا ہے، یہ قید با مشقت کا ایک حصہ ہے جس کی گنجائش ہے، اندریں صورت اس کو اجرت کا استحقاق تو نہ ہوگا، البتہ بہتر ہوگا کہ اس کو کام کے معاوضہ سے بالکل محروم نہ رکھا جائے۔

۷- تفصیلات بالا کا لحاظ رکھتے ہوئے ان دونوں طرح کے قیدیوں کے درمیان سلوک میں فرق کیا جا سکتا ہے۔

۸- ملزم کو جرم کی سزا سے زائد مدت کے لئے قید میں رکھا جا سکتا ہے، لیکن اس کو حد درجہ محدود اور مخصوص ہونا چاہئے، عارضی زیر التوا معاملات کا فیصلہ جلد سے جلد ہونا چاہئے اور مجرم کو لٹکا کر رکھنے کے سلسلہ کو کم سے کم ہونا چاہئے۔

۹- نہیں، بری کیا گیا ملزم قید میں ہوئی ذہنی اذیت اور مالی نقصان کا ہرجانہ طلب نہیں کر سکتا، معمول کی صورت میں معاشرہ میں امن و امان بنانے کے لئے اس طرح کی حراست ایک ضرورت ہے، جسے تسلیم نہ کرنے سے اس سے بڑے نقصان کا اندیشہ ہے، سو اس بڑے نقصان کے لئے اس چھوٹے نقصان کو گوارا کیا جائے گا، ہاں ملزم کے حالات کو دیکھتے ہوئے

عدالت بربنائے احسان اس کو کچھ معاوضہ پیش کرے تو یقیناً استحسان کی نظر سے دیکھا جائے گا۔

۱۰-قیدی کو عدالت میں اپنا کیس رکھنے کے لئے وکیل رکھنے کا حق حاصل ہوگا۔

۱۱-ہاں ان کو یہ حق حاصل ہے اور جیل کی انتظامیہ کو اس کا انتہائی معقول اور اطمینان بخش انتظام کرنا چاہئے۔

قیدی کے حقوق

مفتی انور علی اعظمی ☆

۱- جرائم شرعی ممنوعات ہیں۔ اللہ نے ان کے اوپر زجر و توبیخ کی ہے، حد کے ذریعہ بھی اور تعزیر کے ذریعہ بھی، جرائم کبھی صرف تہمت کے درجہ میں ہوتے ہیں اور کبھی ثبوت کی حد تک پہونچ جاتے ہیں۔ اگر جرائم تہمت کی حد تک ہوں تو ایسی صورت میں امیر کو یہ حق حاصل ہے کہ تہمت کی تحقیق کے لئے اور حقیقت حال کی تفتیش کے لئے اس متہم شخص کو قید کر دے۔ البتہ مدت حبس میں اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ کے اصحاب میں عبداللہ زبیری نے استبراء اور کشف کی غرض سے حبس کو ایک مہینہ کے ساتھ محدود کیا ہے، اور دوسرے علماء نے یہ کہا کہ اس مقصد کے لئے کوئی مدت متعین نہیں، امام اپنی رائے اور اجتہاد کے مطابق ایک ماہ سے زیادہ بھی قید میں رکھ سکتا ہے، اور یہی قول زیادہ بہتر ہے: "والثالث أن للأمير أن يجعل حبس المتهوم للكشف والاستبراء واختلف في مدة حبسه لذلك فذكر عبد الله الزبيرى من أصحاب الشافعي أن حبسه للاستبراء والكشف مقدر بشهر واحد لا يتجاوزه وقال غيره بل ليس مقدر وهو موقوف على رأى الإمام واجتهاده وهذا أشبه وليس للقضاة أن يجسوا أحداً إلا بحق وجب" (الاحکام السلطانیہ للماوردی/ ۲۲۰)۔

☆ دار العلوم مئو۔

۲- (الف) عالمی معیار آزادی مذہب کے حق کو تسلیم کرتا ہے۔ اس لئے تمام اہل مذاہب کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کی اجازت ہونی چاہئے۔ ہمارے فقہاء نے بھی اس مسئلہ میں صراحت کی ہے کہ کسی قیدی کو وضو، نماز اور اس جیسے کاموں سے نہیں روکا جا سکتا۔ موسوعہ میں مالا یجوز تادیب المحبوس بہ کے تحت: والمنع من الوضوء الصلاۃ ونحوھا کی صراحت موجود ہے۔ (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/۲۷-۳۲۶)۔

تو جیسے مسلمان قیدی کو اس کی عبادت سے نہیں روکا جا سکتا اسی طرح دوسرے اہل مذاہب کو بھی ان کے مذہب کے مطابق عبادت کرنے کی چھوٹ دی جائے گی۔

ب- ریاست کی ایک بہت ہی اہم ذمہ داری یہ ہے کہ وہ تمام قیدیوں کو معقول غذا اور صاف پانی مہیا کرائے تا کہ وہ بھوک اور قلت خوراک سے پیدا ہونے والی بیماریوں کا شکار نہ ہوں۔

موسوعہ میں مالا یجوز تادیب المحبوس بہ کے تحت جن چیزوں کو شمار کرایا گیا ہے۔ اس میں **التجویع والتعریض للبرد ونحوہ** کو بھی ذکر کیا ہے۔ اس سلسلہ میں قرآن پاک نے صحابہ کرام کی تعریف کی ہے کہ قیدیوں کو کھانا کھلانا اللہ تعالی کے نزدیک ایک مستحسن عمل ہے۔ قرآن میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "**ویطعمون الطعام علی حبہ مسکیناً ویتیماً وأسیراً**" (سورہ دہر..........) اللہ کے نبی ﷺ سے بھی مروی ہے، آپ نے اپنے اصحاب سے گرم دن میں کہا: "**أحسنوا إسارھم واسقوھم وقال: لا تحجوا علیھم حر ھذا الیوم وحر السلاح**" (الموسوعۃ الفقہیہ ۴/۱۹۸)۔

قرآن وحدیث کی یہ تعلیمات ہمیں اس بات کی دعوت دیتی ہیں کہ ہم قیدیوں کے ساتھ نرمی کا معاملہ کریں۔ ان کے لئے کھانا اور پانی کا اچھا بندوبست کریں۔ اسی طرح سے ضرورت کے کپڑے ان کو مہیا کریں اور بحیثیت انسان ہونے کے ان کے ساتھ انسانی کرامت کا

معاملہ کریں۔

ج- جہاں تک اخبارات پڑھنے، ریڈیو سننے، فون پر احباب و اقارب سے گفتگو کرنے کا سوال ہے، اس کی گنجائش قیدیوں کے لئے ہونی چاہیے تا کہ ان قیدیوں کو معاشرہ میں باوقار زندگی گزارنے کا اہل بنایا جاسکے۔ عالمی قانونی دستاویزوں میں قیدیوں کو یہ حق دیا گیا ہے تا کہ قیدی کا باہری دنیا سے تعلق اور رابطہ باقی رہے بلا وجہ قیدیوں کو ان بنیادی حقوق سے محروم کرنا اچھا نہیں۔

اگر کوئی قیدی قید میں رہ کر تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہے یا کوئی ہنر سیکھنا چاہتا ہے تو اس کی بھی گنجائش دینا بالکل مناسب ہے۔ تا کہ وہ قید سے خلاصی کے بعد معاشرہ میں آسانی سے ضم ہو سکے اور ایک اچھے انسان کا کردار پیش کرے۔ اگر قیدی بچوں کے زمرے میں آتا ہے تو اس کے لئے تعلیم کا موقع فراہم کرنا انتہائی اہمیت رکھتا ہے۔

د- عالمی قانون کے تحت بچوں کو بڑوں سے الگ رکھنا چاہیے۔ اس سلسلہ میں جو اصول وضوابط بطور خاص کمسن بچوں کے لئے بنائے گئے ہیں ان میں سے یہ بھی ہے کہ زیر حراست بچوں کو بالغ قیدیوں سے الگ رکھنا چاہیے۔ اور حتی الامکان فوری طور پر عدالتی کارروائی کے لئے پیش کیا جانا چاہیے۔ اسی طرح خواتین قیدیوں کو جسمانی وجنسی زیادتیوں سے محفوظ رکھنے کے لئے انہیں الگ رکھنے کی ضرورت ہے، اور ان کے لئے خواتین ملازمین کا بندوبست کرنے کی بھی ضرورت ہے۔

۳- قیدیوں سے سچی بات اگلوانے کے لئے ان کو بے لباس کرنا۔ الیکٹرک شاٹ لگانا۔ ان کے اوپر کتے چھوڑنا۔ سخت ٹھنڈک میں برف کی سلوں پر ڈالنا۔ انہیں مسلسل جگے رہنے پر مجبور کرنا یا ان کی جائے رہائش میں تیز روشنی یا تیز آواز کا انتظام کرنا یہ سب ناجائز ہے۔ اور انسانی حقوق کی پامالی ہے۔ فقہاء نے اس سلسلہ میں صراحت کی ہے: "لا یجوز تأدیب

المحبوس به: التمثيل بالجسم، وضرب الوجه ونحوه، والتعذيب بالنار ونحوها، والتجويع والتعريض للبرد ونحوه، والتجريد من الملابس وأمور أخرى تحرم معاقبة بها (موسوعہ فقہیہ ۱۶/ ۲۷-۳۲۶)۔

اس سلسلہ میں حضرت علیؓ کا ایک قول بھی ہمارے لئے بہترین نمونہ ہے، انہوں نے جنگ جمل کے دن کہا: "**لايقتل أسير ولا يكشف ستر ولا يؤخذ مال وهو القدوة في هذا الباب** (ہدایہ ۲/ ۵۸۹)۔

جہاں تک اس مقصد کے لئے قیدی کو مارنے کا تعلق ہے تو ایسی مار نہیں ماری جاسکتی جس سے اس کا مثلہ ہو جائے۔ اسی طرح چہرے پر مارنے سے بھی منع کیا گیا ہے۔ البتہ تعزیراً اتنی پٹائی کی جاسکتی ہے جو حد سے کم ہو اور وہ فقہاء کے یہاں ۳۹ کوڑے ہیں۔

۴- شرعاً قیدیوں کو زنجیروں میں جکڑنے کی، ہتھکڑی پہنانے کی اجازت ہے، اسی طرح انہیں بیڑی بھی ڈالی جاسکتی ہے جیسا کہ قرآن پاک کی اس آیت سے معلوم ہوتا ہے: "**حتى إذا أثخنتموهم فشدوا الوثاق فإما منًّا بعد وإما فداءً**" (سورہ محمد: ۴)، لیکن زنجیروں میں جکڑنے یا بیڑی ڈالنے کا یہ عمل سارے قیدیوں کے ساتھ نہیں ہونا چاہئے، خطرناک قیدیوں کو قابو میں رکھنے کے لئے آخری تدبیر کے طور پر ان بندھنوں کا استعمال ہونا چاہئے، جیسے ہی اس انسان کا پرتشدد رویہ ختم ہو جائے ان بندھنوں کو ہٹادینا چاہئے۔

۵- کیا کسی مجرم کو اس کے خصوصی جرم کے پس منظر میں قید تنہائی دی جاسکتی ہے؟ اگر جرم کسی خاص نوعیت کا ہو اور ارباب حل وعقد اسے قید تنہائی میں رکھنا بہتر سمجھتے ہوں تو اس میں کوئی شرعی رکاوٹ نہیں۔ البتہ اس قیدی کے مذہبی، سماجی اور جسمانی حقوق کا لحاظ کرنا ہوگا۔ جس طرح دوسرے قیدی ان حقوق کے حقدار ہیں یہ قیدی ان کا اس سے زیادہ مستحق ہے۔ تنہائی میں وقت گزارنے کے لئے کتابوں کا مطالعہ، اخبارات ورسائل کی فراہمی اور اس طرح کے دوسرے امور

کی رعایت ہونی چاہئے۔

۶- کیا جیل میں قیدیوں سے جبراً کام لیا جا سکتا ہے۔ اگر کام لیا جائے تو کیا قیدی اس کام کی اجرت کے مستحق ہیں؟

اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ قیدی جن کا مقدمہ زیر سماعت ہے اور ابھی ان کا جرم ثابت نہیں ہوا ہے، ایسے قیدیوں کو کام پر مجبور نہیں کرنا چاہئے۔ اور اگر ان سے کام لیا جائے تو انہیں ان کے کام کا معاوضہ بھی ملنا چاہئے۔ اور وہ قیدی جن کے مقدمہ کا فیصلہ ہو چکا ہے اور جرم ثابت ہے اگر ان سے کام لیا جائے تو کام لینے میں ان پر بہت زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے، اور انہیں بھی عمل کی اجرت ملنی چاہئے۔

طویل المیعاد قیدیوں کے ساتھ برتاؤ کی ضابطہ بندی کی خاطر (عمر قید کے تعلق سے اقوام متحدہ کی سفارشات) ایک بنیادی عالمی دستاویز ہے۔ ان سفارشات کے موافق ریاست کی ذمہ داری ہے کہ مکالمہ، مذہبی وثقافتی امور کی بجا آوری، کھیل کود اور خالی اوقات کے دوسرے مشاغل کے مواقع ان تمام قیدیوں کو فراہم کرے جو عمر قید کی سزا پا چکے ہیں۔ اسی طرح طویل المیعاد قیدیوں کے متعلق یورپین کونسل کی رپورٹ سفارش کرتی ہے کہ نفع بخش کاموں کے مواقع دیئے جائیں۔

۷- جن قیدیوں کا مقدمہ ابھی زیر سماعت ہے اور جن کے بارے میں سزائے قید کا فیصلہ ہو چکا ہے قید خانوں کے سلوک کے اعتبار سے ان دونوں میں فرق ہونا چاہئے، اس سلسلہ میں سب سے اہم اصول یہ ہے کہ زیر مقدمہ قیدیوں کو دوران سماعت بے قصور تصور کیا جائے۔ اس لئے کہ بہت سے قیدی معاملہ میں چھان بین کے بعد وہ معصوم قرار پاتے ہیں۔ لہذا زیر سماعت قیدیوں کو ایسی قیام گاہوں پر نہیں رکھا جانا چاہئے جہاں ایسے مجرموں کو رکھا جاتا ہے، جن کی سزا کا حکم صادر کیا جا چکا ہے۔ دوسرے یہ کہ زیر سماعت قیدیوں کے لئے کام کرنا لازمی نہیں

نوجوان کے لئے اپنا مستقبل بنانے کا سب سے سنہرا موقع ہوتا ہے وہ اسے قید میں گزارنا پڑتا ہے، بعد میں عدالت اسے ضرور بری قرار دیتی ہے۔ لیکن عدالت اس کا قیمتی وقت اور ذہنی اذیت کا بدل نہیں دے سکتی، اس لئے ایسا شخص اگر ہرجانے کا دعوی کرتا ہے تو اپنے دعوی میں حق بجانب ہے۔ اس کی طرف سے ہتک عزت کا مقدمہ جائز اور درست ہے۔

۱۰- قیدی کو اپنے مقدمات کے سلسلہ میں وکیل سے رابطہ اور صفائی پیش کرنے کے کیا حقوق ہیں؟

اس سلسلہ میں فتاوی عالمگیری میں یہ عبارت مذکور ہے: "وإن كان الموكل محبوسا فی سجن هذا القاضی الذی وقعت الخصومة عنده لا يقبل منها التوكيل وإن كان محبوسا فی سجن الوالی وهو لا يمكنه الخروج للخصومة يقبل منها التوكيل هكذا فی الظهيرية"۔ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر موکل قاضی کی عدالت میں حاضر نہ ہوسکتا ہو تو اس کو وکیل بنانے کا حق حاصل ہے۔ اور اگر وہ بہ نفس نفیس قاضی کی عدالت میں حاضر ہوسکتا ہو تو اس کو حق توکیل نہیں ملے گا۔ لیکن آج کل کے عدالتی معاملات انتہائی دقت آمیز ہوتے ہیں، اور ہر شخص کے لئے قانونی باریکیوں کو سمجھنا آسان نہیں ہے اس لئے قیدیوں کو باصلاحیت قانونی نمائندوں کی خدمات کا حق ملنا چاہئے۔ پہلی بار جو لوگ قید خانہ آتے ہیں وہ اپنی حالت اور دوسری بہت سی چیزوں کے تعلق سے اکثر الجھن اور غیر یقینی صورت حال کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس لئے جو لوگ وکیلوں کے اخراجات برداشت کر سکتے ہیں ان کو وکیلوں تک رسائی ملنی چاہئے اور جو ایسا نہیں کر سکتے ان کے لئے قانونی نمائندگی کا بندوبست کیا جانا چاہئے۔

ہمارے فقہاء کے یہاں اس کی اجازت موجود ہے، چنانچہ آگے عالمگیری میں یہ عبارت بھی مذکور ہے: "إذا علم القاضی بأن المؤكل عاجز عن البيان فی الخصومة

نوجوان کے لئے اپنا مستقبل بنانے کا سب سے سنہرا موقع ہوتا ہے وہ اسے قید میں گزارنا پڑتا ہے، بعد میں عدالت اسے ضرور بری قرار دیتی ہے۔ لیکن عدالت اس کا قیمتی وقت اور ذہنی اذیت کا بدل نہیں دے سکتی، اس لئے ایسا شخص اگر ہرجانے کا دعوی کرتا ہے تو اپنے دعوی میں حق بجانب ہے۔ اس کی طرف سے ہتک عزت کا مقدمہ جائز اور درست ہے۔

۱۰- قیدی کو اپنے مقدمات کے سلسلہ میں وکیل سے رابطہ اور صفائی پیش کرنے کے کیا حقوق ہیں؟

اس سلسلہ میں فتاوی عالمگیری میں یہ عبارت مذکور ہے: "وإن كان الموكل محبوسا فى سجن هذا القاضى الذى وقعت الخصومة عنده لا يقبل منها التوكيل وإن كان محبوسا فى سجن الوالي وهو لا يمكنه الخروج للخصومة يقبل منها التوكيل هكذا فى الظهيرية"۔ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر موکل قاضی کی عدالت میں حاضر نہ ہوسکتا ہو تو اس کو وکیل بنانے کا حق حاصل ہے۔ اور اگر وہ بہ نفس نفیس قاضی کی عدالت میں حاضر ہوسکتا ہو تو اس کو حق توکیل نہیں ملے گا۔ لیکن آج کل کے عدالتی معاملات انتہائی دقت آمیز ہوتے ہیں، اور ہر شخص کے لئے قانونی باریکیوں کو سمجھنا آسان نہیں ہے اس لئے قیدیوں کو باصلاحیت قانونی نمائندوں کی خدمات کا حق ملنا چاہئے۔ پہلی بار جو لوگ قید خانہ آتے ہیں وہ اپنی حالت اور دوسری بہت سی چیزوں کے تعلق سے اکثر الجھن اور غیر یقینی صورت حال کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس لئے جو لوگ وکیلوں کے اخراجات برداشت کر سکتے ہیں ان کو وکیلوں تک رسائی ملنی چاہئے اور جو ایسا نہیں کر سکتے ان کے لئے قانونی نمائندگی کا بندوبست کیا جانا چاہئے۔

ہمارے فقہاء کے یہاں اس کی اجازت موجود ہے، چنانچہ آگے عالمگیری میں یہ عبارت بھی مذکور ہے: "إذا علم القاضى بأن المؤكل عاجز عن البيان فى الخصومة

بنفسه يقبل منه التوكيل كذا في فتاوى قاضي خان"(عالمگیری ۳/ ۲۷۶)۔

۱۱- کیا خواتین قیدیوں کو اپنے ساتھ شیر خوار بچوں کو جیل میں رکھنے کا حق ہے؟ اس سلسلہ میں سنن ابی داؤد میں باب فی التفریق بین السبی کے تحت امام ابوداؤد نے یہ حدیث نقل کی ہے: "عن علي أنه فرق بين جارية وولدها فنهاه النبي ﷺ من ذلك ورد البيع" (بذل المجہود ۴/ ۲۵) (حضرت علیؓ روایت فرماتے ہیں کہ انہوں نے ایک باندی اور اس کے لڑکے کے درمیان بیع میں تفریق کردی تھی تو حضور ﷺ نے اس تفریق کو منع کیا اور بیع کو لوٹانے کا حکم دیا)۔

اس روایت سے یہ معلوم ہوا کہ عورت اور اس کے بچے کے درمیان تفریق درست نہیں ہے، لہذا قیدی خواتین کے ساتھ ان کے شیر خوار بچوں کو رہنے کی اجازت دینی چاہئے یا ایسی خواتین کی سزا مؤخر کردینی چاہئے۔

چنانچہ عالمی قوانین کی روشنی میں بہت سے ملکوں میں یہ اجازت ہے کہ مائیں قید خانہ میں اپنے چھوٹے بچوں کو ساتھ رکھیں، بعض جگہوں پر اٹھارہ مہینے تک ساتھ رکھنے کی گنجائش ہے، اور بعض ملکوں میں چار سال کی عمر تک بچہ اپنی ماں کے ساتھ رہ سکتا ہے۔

مشروعیت حبس

مفتی محمد جعفر ملی رحمانی☆

معاشرہ میں بعض لوگ اپنے جرائم و بدکاری کی پاداش میں عقوبت کے مستحق ہوتے ہیں اور قید کرنا عقوبت کی صلاحیت رکھتا ہے، اس لیے جرائم پیشہ افراد کو قید کرنے کی مشروعیت کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اجماع سے ثابت ہے اور عقل بھی اس کی متقاضی ہے۔

اور اس کے دلائل یہ ہیں:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: أو ینفوا من الأرض (سورہ مائدہ: ۳۳)۔

قرطبی اس کے ذیل میں لکھتے ہیں: **وقال مالک أیضاً والکوفیون: نفیھم سجنھم فینفی من سعة الدنیا إلی ضیقھا فصار کأنه إذا سجن فقد نفی من الأرض إلا من موضع استقرار**" (الجامع لأحکام القرآن ۶/ ۱۵۳)۔

حدیث میں ہے:

"**إن النبی صلی اللہ علیه وسلم حبس رجلا فی تھمة ثم خلّی عنه**" (ترمذی رص ۲۶۱)۔

قیدیوں کے حقوق کی بابت رہنما اصول

قرآن کریم اور احادیث نے قیدیوں کے حقوق سے تمام جزئیات کو تفصیل کے ساتھ

☆ جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم، اکل کوا، مہاراشٹر۔

بیان نہیں کیا، مگر ایسی کلیات اور ضوابط کی وضاحت فرمادی جن کی روشنی میں فقہاء وعلماء امت ان کے حقوق کی تعیین کر سکتے ہیں، وہ یہ ہیں:

۱-قیدیوں کے ساتھ حسن معاملہ

ارشاد خداوندی ہے: یاأیھا النبی قل لمن فی أیدیکم من الأسری إن یعلم اللہ فی قلوبکم خیرا یؤتکم خیرا مما أخذ منکم فیغفر لکم واللہ غفور رحیم" (سورہ انفال: ۷۰)۔

(اے نبی! ان قیدیوں سے کہہ دیجئے جو آپ کے ہاتھ میں ہیں کہ اگر اللہ کو تمہارے قلب میں نیکی کا علم ہوگا تو جو کچھ تم سے (فدیہ میں) لیا گیا ہے اس سے بہتر تمہیں دے گا اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے)

جب اللہ رب العزت ان قیدیوں کے عفو ومغفرت کا وعدہ فرمارہے ہیں، تو انسانوں پر لازم ہے کہ وہ قیدیوں کے ساتھ انتہائی درجہ کی رحمت وانسانیت کے ساتھ پیش آئے۔

۲-قیدیوں کو کھانا کھلانا، انہیں بھوکا نہ رکھنا، قیدیوں کا کھانا عام لوگوں کے کھانے سے جودت (quality) اور کمیت (countity) میں کم نہ ہو، بلکہ اس سے افضل ہو۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ویطعمون الطعام علی حبہ مسکیناً ویتیماً وأسیراً (سورۂ انسان: ۸)۔

(اور کھانا کھلاتے رہتے ہیں مسکینوں اور یتیموں کو اور غریبوں کو اللہ کی محبت سے)۔

بقول محققین یہ آیت مخلوق کے ساتھ حسن سلوک کی تمام صورتوں کو شامل ہے، جس کی ایک اہم فرد کھانا کھلانا ہے (دیکھئے: التفسیر الکبیر للرازی ۱۰/ ۷۴۷، روح المعانی، تفسیر ماجدی)۔

المعجم الکبیر للطبرانی میں ہے:

عن أبی عزیز بن عمیر أخی مصعب بن عمیر قال: کنت فی الأساری

يوم بدر فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "استوصوا بالأسارى خيرا" وكنت في نفر من الأنصار وكانوا إذا قدموا غداءهم وعشائهم أكلوا التمر وأطعموني الخبز بوصية رسول الله صلى الله عليه وسلم إياهم (۲۹۳/۲۲، رقم: ۳۷۷)۔

(حضرت ابوعزیز سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ میں بدری قیدیوں میں شریک تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''قیدیوں کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرو'' اور میں انصاری کی ایک جماعت میں تھا، جب وہ دوپہر اور شام میں کھانا کھاتے تو خود کھجوریں کھاتے اور مجھ کو روٹی کھلاتے، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں ہمارے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرنے کی تاکید فرمائی تھی)۔

۳-قیدیوں کے ساتھ اہانت واذلال کا معاملہ نہ ہو۔

۴-قیدیوں کو ایسے کپڑے مہیا کرنا جو موسم کے مناسب ہو۔

۵-قیدیوں کو زمان قید میں اپنے دین ومذہب کے شعائر پر عمل پیرا ہونے کی اجازت ہو۔

قیدیوں کے حقوق

۱-جس شخص کو ثبوت جرم کے فراہم ہوئے بغیر قید کیا جائے اسے متہم کہتے ہیں، اور متہم دو حال سے خالی نہیں ہوتا، یا تو وہ معروف الحال ہوگا یا مجہول الحال۔ پھر معروف الحال دو سے خالی نہیں، یا تو معروف بالبر والصلاح والتقوی ہوگا (جس کا صلاح وتقوی اور نیکی معلوم ہو) یا معروف بالفسق والفجو رہوگا (جس کا فسق وفجور معلوم ہو)۔

صورت اولی کا حکم: جس شخص کا صلاح وتقوی معلوم ہو ایسے شخص کو محض تہمت کی بنا پر گرفتار کرنا جائز نہیں (دیکھئے: کتاب الخراج لأبی یوسف ر ۳۴۴، الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/ ۲۹۴)۔ اور جس شخص کا فسق وفجور معلوم ہو اسے گرفتار کرنا جائز ہی نہیں بلکہ اولی ہے (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/ ۲۹۳)۔

صورت ثانیہ کا حکم: جس شخص کا صلاح وتقوی اور فسق وفجور معلوم ومشہور نہ ہو اسے

انکشاف حال تک قید میں رکھنا درست ہے (حوالہ سابق)۔

البتہ متہم شخص کو کتنی مدت قید میں رکھا جا سکتا ہے تو اس سلسلے میں اقل مدت کی تو کوئی حد نہیں، مگر اکثر مدت کے بارے میں فقہاء کرام کے مختلف اقوال ہیں: علامہ ابن تیمیہؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ اور ان کے اصحاب اور احناف کی طرف منسوب کرتے ہوئے فرماتے ہیں: متہم مجہول الحال کی اکثر مدت حبس حاکم کے اجتہاد پر مبنی ہے، یعنی متہم شخص کو اس وقت تک قید میں رکھا جائے گا جب تک کہ اس کے حالات ظاہر نہ ہو جائیں (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/ ۲۹۴-۲۹۵)۔

اور بعض فقہاء کرام کے نزدیک اکثر مدت حبس ایک دن، بعض کے نزدیک دو یا تین دن ہیں، اور بعض حضرات نے ایک مہینے کی بھی اجازت دی ہے (حوالہ سابق)۔

رہا متہم معروف بالفجور والفساد تو اس کی اتنی مدت تک قید میں رکھا جا سکتا ہے کہ اس کی حالت ظاہر ہو جائے، اور تحقیق طلب امور مکمل ہو جائیں، خواہ قید کی حالت ہی میں اس کی موت واقع ہو، یہی مذہب فقہائے احناف، مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کا بھی ہے (حوالہ سابق)۔

جسمانی ضروریات

(ب) قیدی کے لئے مناسب غذا، صاف پانی، موسم کے مناسب، علاج معالجہ، بیوی سے ازدواجی تعلق جب کہ اسے اس کی حاجت ہو اور قید خانہ میں اس کے لئے مناسب جگہ کا انتظام ہو، اسی طرح حفظان صحت کے لئے ورزش وتفریح قیدی کے بنیادی حقوق میں داخل ہیں (دیکھئے: التفسیر الکبیر للرازی ۱۰/ ۷۴، الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/ ۳۲۰-۳۲۳، رد المحتار ۵/ ۲۵۸)۔

عام سماجی حقوق

(ج) اخبارات پڑھنا، ریڈیو سننا، فون پر احباب واقارب سے گفتگو کرنا، دوسرے قیدیوں سے ملاقات کرنا، تعلیم وہنر سیکھنے اور ان جیسے دیگر امور، قیدیوں کی اصلاح وفلاح اور

معاشرہ میں شریفانہ زندگی گزرانے کا اہل بنانے کے وسیع مقاصد کو سامنے رکھتے ہوئے عالمی معیار نے یہ طے کر دیا ہے کہ پوری دنیا سے اس کے ربط کو ختم نہیں کرنا چاہئے، اس لئے قیدیوں کو یہ عام سماجی حقوق حاصل ہوں گے، اور انہیں ان حقوق کا حاصل ہونا، قیدیوں کے سلسلے میں نظریۂ شرع اسلامی کے خلاف بھی نہیں ہیں، کیوں کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے: " استوصوا بھم خیرا" جس سے مفہوم ہوتا ہے کہ قیدی ہر طرح کے خیر کے مستحق ہیں (دیکھئے: المعجم الکبیر للطبرانی ۲۲/ ۳۹۳، رقم: ۹۷۷، الہندیہ ۲/ ۲۱۸، بدائع الصنائع ۶/ ۱۸۱)۔

اخلاقی امور

د- مردوں اور عورتوں کے لئے، اسی طرح بالغوں اور نابالغوں کے لئے الگ الگ قید خانے ہونا نہ صرف قیدیوں کے حقوق میں داخل ہیں بلکہ ریاست پر اس کا انتظام لازم وضروری ہے، کیوں کہ ان سب کو ایک جگہ رکھنا مفاسد اور خرابیوں کا سبب ہے (دیکھئے: المقاصد الشرعیۃ للخادمی/ ۴۶، المحیط البرہانی ۱۰/ ۹۴، البحر الرائق ۶/ ۲۷۴، الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/ ۳۱۸)۔

۳- (الف/ ب/ ج/ د/ ھ/ و) قیدیوں سے سچی بات اگلوانے کے لئے سخت ٹھنڈک میں برف کی سلوں پر ڈال دینا، ان کو بے لباس کر دینا، انہیں مسلسل جگے رہنے پر مجبور کرنا، الکٹرک شاٹ لگانا، ان پر کتے چھوڑنا، یہ سب افعال غیر انسانی، غیر اخلاقی اور ظلم وزیادتی پر مبنی ہونے کی وجہ سے غیر شرعی اور حرام ہیں (دیکھئے: التفسیر المنیر ۷/ ۵۳۱، البحر المحیط ۵/ ۶۷۳، الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/ ۳۲۷، البحر الرائق ۶/ ۲۷۴، رد المحتار ۸/ ۵۴)۔

اگر قیدی اس طرح کی سزاؤں کے نتیجے میں اقبال جرم کریں تو شرعاً وہ معتبر نہیں ہوگا، اور نہ اسے بنیاد بنا کر سزاؤں کا فیصلہ کرنا صحیح ہوگا (کتاب الخراج لأبی یوسف/ ۳۴۳، شرح السیر الکبیر ۵/ ۲۳۱، موسوعۃ القواعد الفقہیہ ۱/ ۴۲۷، ۹/ ۴۳۹)۔

۴- عام حالات میں قیدیوں کو زنجیروں میں جکڑنا، ہتھکڑی پہنانا اور بیڑی ڈالنا جائز

نہیں ہوگا(دیکھئے: البحر الرائق ۶/۷۶، المبسوط ۲۰/۹۸، مجمع الانہر ۳/۲۲۴، رد المحتار ۸/۵۴، الہندیہ ۳/۴۱۴)۔لیکن جب اس کے فرار ہونے کا اندیشہ ہو تو شرعاً اس کی اجازت ہوگی(دیکھئے: التفسیرات الاحمدیہ ص ۳۴۳، المصنف لعبد الرزاق ۵/۳۵۳، رقم: ۹۷۲۹)۔

۵-کسی مجرم کو اس کے خصوصی جرم کے پس منظر میں اس طرح قید کرنا کہ پوری دنیا سے اس کے ربط و تعلق کے مواقع ختم ہوں شرعاً جائز ہونا چاہئے (دیکھئے: القرطبی ۶/۱۵۳، البحر الرائق ۶/۷۶، رد المحتار ۸/۵۴)۔

۶-جیل میں قیدیوں سے جبراً کام لینا شرعاً جائز نہیں ہے(دیکھئے: المبسوط ۲۰/۹۸، رد المحتار ۸/۵۴، النہر الفائق ۳/۶۱۲)، اور اگر لیا گیا تو وہ اس کام کی اجرت کے مستحق نہیں ہوں گے، کیوں کہ اگر انہیں مستحق اجرت قرار دیا جائے تو اس صورت میں جبراً عقد اجارہ کی صحت کا قائل ہونا لازم آتا ہے، جب کہ عقد اجارہ کی صحت کے لئے طرفین کی رضامندی شرط ہے، اور یہاں یہ شرط مفقود ہے (دیکھئے: الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/۲۵۸-۲۶۴)، تو جو کام قیدیوں سے جبراً لئے گئے اسے استہلاک منافع کہا جائے گا، اور استہلاک منافع مضمون بالقیمت نہیں ہوتے (دیکھئے: نور الانوار ۴۷، کشف الاسرار ۱/۸۶، موسوعۃ القواعد الفقہیہ ۹/۲۷۱)، اس لئے اس صورت میں قیدی اجرت کے مستحق نہیں ہوں گے۔

۷-جن قیدیوں کا مقدمہ ابھی زیر سماعت ہے اور جن کے بارے میں سزائے قید کا فیصلہ ہو چکا ہے، قید خانوں میں باعتبار سلوک کے ان دونوں میں فرق کیا جانا جائز ہی نہیں بلکہ لازم ہے۔کیوں کہ ثبوت جرم کے فراہم ہوئے بغیر اس کے ساتھ وہ سلوک روا رکھنا جو ان مجرموں کے ساتھ کیا جاتا ہے جن کی سزا حکم صادر ہو چکا، سراسر ظلم و زیادتی اور ناانصافی ہے جو شرعاً ناجائز و حرام ہے۔

وقال تعالی: "إعدلوا هو أقرب للتقوی"(سورہ مائدہ:۸)۔

مافی الحدیث: "عن عبد الله بن عمر رضی الله عنهما عن النبی ﷺ

قال: "الظلم ظلمات يوم القيامة" (صحیح البخاری ۴۳۰۰، رقم الحدیث: ۲۴۴۷، کتاب المظالم، سنن الترمذی ۲/۲۳)۔

"ما في كتاب الخراج لابي يوسف: ولايقام عليه حد إلا ببينة عادلة أو بإقرار من غير تهدد من الوالي له أو وعيد" (ص/۳۴۴ التحذیر من الأخذ بالتھمۃ)۔

۸- جزء نمبر ایک میں ہم نے متہم کی جو قسم کی ہے اس اعتبار سے صرف متہم معروف بالفسق والفجور اور متہم مجہول الحال ہی کو ظہور حال اور تحقیق طلب امور کی تکمیل تک قید خانہ میں رکھ سکتے ہیں، خواہ یہ زمانہ قید اس مدت سے زائد ہو، جو ان کے اوپر فرد جرم کی اصل سزا ہے (دیکھئے: سنن ترمذی ۱/۲۶۱، موسوعہ فقہیہ ۱۶/ ۲۹۲، ۲۹۳)۔

۹- اولاً ملزم کی دو قسمیں ہیں: معروف الحال اور مجہول الحال، پھر معروف الحال کی دو قسمیں ہیں: معروف بالصلاح والتقوی اور معروف بالفسق والفجور۔ اگر قیدی معروف بالصلاح والتقوی ہے تو اسے محض تہمت کی وجہ سے قید خانہ میں رکھ کر ذہنی اذیت دینا یہ اعتداء اور ظلم ہے، اور ظلم وزیادتی کی صورت میں ہرجانہ طلب کرنا اس وقت درست ہوتا ہے جب کہ اعتداء اور ظلم کا تعلق عین سے ہو، جب کہ ذہنی اذیت کا تعلق عین سے نہیں، اس لئے مالی ہرجانہ طلب کرنا صحیح نہیں ہونا چاہئے (دیکھئے: التفسیر المنیر ۱/ ۵۴۲، الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/ ۲۹۲، رد المحتار ۹/ ۲۴، درر الحکام ۱/ ۶۸۶، کشف الاسرار ۱/ ۸۶)۔

۱۰- زیر سماعت قیدیوں کو قانونی صلاح ومشورہ کا حق حاصل ہے، جو قیدی وکیلوں کے اخراجات برداشت کر سکتے ہیں انہیں اپنے وکیلوں تک رسائی ملنی چاہئے، اور جو ایسا نہیں کر سکتے ان کے لئے قانونی نمائندگی کا بندوبست ریاست پر لازم ہونا چاہیے، کیوں کہ جو قیدی ثبوت جرم فراہم ہوئے بغیر قید خانہ میں رکھے گئے ہیں وہ مظلوم ہیں (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/ ۲۹۲)، اور دفع ظلم ہر ایک کا اپنا حق ہے (التفسیر المنیر ۳/ ۳۵۲)، اگر وہ قانونی چارہ جوئی کے ذریعہ اپنے اس حق کو حاصل

کرنا چاہے تو انہیں اس کا حق حاصل ہوگا، اور جو اس حق کو حاصل کرنے سے عاجز ہیں انہیں ان کا حق دلانا ریاست کا فرض ہے (دیکھئے: بخاری ۱۰۲۸/۲، رقم: ۱۹۵۲، مسلم، رقم: ۲۵۸۴، ترمذی، رقم: ۲۲۵۵، ردالمحتار ۵۲/۸)۔

۱۱- خواتین قیدیوں کو اپنے شیر خوار بچوں کو جیل میں رکھنے کا حق حاصل ہے، کیوں کہ ماں اور ولد کو جدا کرنے سے ولد کے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہے، نیز شریعت نے ماں اور ولد کو جدا کرنے سے منع فرمایا ہے (اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "من فرق بين والدة وولدها فرق الله بينه وبين أحبته يوم القيامة" (ترمذی ۲۴۱/۱)۔ "نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يفرق بين الأم وولدها فقيل: يا رسول الله إلى متى؟ قال: حتى يبلغ الغلام وتحيض الجارية" (المستدرک للحاکم ۵۵/۲، دارقطنی ۵۷/۳، نصب الرایہ للزیلعی ۵۴/۴)، لہذا حکومت کو زمانہ حبس میں شیر خوار بچے کو اپنی ماں سے جدا کرنے کا حق حاصل نہیں ہونا چاہئے (دررالحکام ۵۷/۱، النظریات الفقہیہ لمحمد الزحیلی ۲۳۸/۱)۔

قیدیوں کے حقوق، مسائل اور حل

قاضی محمد ہارون مینگل☆

۱-ثبوت جرم کے بغیر کسی ملزم کو قید کرنا

دوران تفتیش متہم کی تعذیب کی گنجائش ہے، پھر یہ تعذیب ضرب اور مارنے کی صورت میں ہو یا حبس اور قید کی شکل میں ہو۔ علامہ ابن قیم جوزی رحمۃ اللہ علیہ "الطرق الحكمية في السياسة الشرعيه" میں لکھتے ہیں:

" ويسوغ ضرب هذا النوع من المتهمين، كما أمر النبي ﷺ الزبير بتعذيب المتهم الذي غيب ماله حتى أقر به، في قصة ابن الحقيق،...... منهم أشهب بن عبد العزيز قاضي مصر فإنه قال: يمتحن بالحبس والضرب، ويضرب بالسوط مجرداً" (ص ۱۱۴)۔

جہاں تک اس قسم کی قید کے لئے مدت مقرر کرنے کا سوال ہے سو یہ عدالت کی صوابدید پر موقوف ہے۔ یہ صوابدید انصاف پر مبنی ہو نہ کہ ظلم اور تعدی کی صورت میں ہو۔

"كذلک والي العرب ووالي الحكم يفعل كل منهما ما اقتضته ولايته الشرعية، مع رعاية العدل والتقيد بالشريعة" (ص ۱۱۵)۔

☆ پاکستان۔

۲- مذہبی امور، جسمانی ضروریات اور عام سماجی و اخلاقی امور سے متعلق قیدیوں کے حقوق:

الف- عبادت کرنا، مذہبی کتابوں کا مطالعہ کرنا، دوسرے قیدیوں کے درمیان دعوت دین کرنا، یہ تمام چیزیں قیدیوں کے حقوق میں سے ہیں، انہیں یہ چیز مہیا کرنا اور انہیں ان امور کے لئے مواقع فراہم کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے۔

(میری اپنی رائے اس بارے میں ذرا مختلف ہے۔ میں قید کو سزا کے طور پر تسلیم نہیں کرتا۔ اسلام میں سزا کے طور پر قید اور حبس کا ذکر نہیں ہے۔ (اس بارے میں میری ایک علیحدہ تحریر ہے)۔

قید میں دعوت دین قرآن کریم سے ثابت ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے قید میں خواب دیکھنے والوں کو تفسیر بتانے سے قبل دین کی دعوت دی تھی۔ اسی طرح قیدیوں کو ان کی مذہبی تعلیمات کے مطابق غذا فراہم کرنا بھی ان کا حق ہے۔ ان کی مذہبی شخصیات اور کتابوں وغیرہ کی بے حرمتی ہرگز جائز نہیں ہے۔

ب- مناسب غذا سے لے کر تفریح تک یہ انسانی حقوق ہیں، یہ قیدیوں کو میسر ہونے چاہئیں، جہاں تک بیوی سے تعلق ہے تو یقیناً موجودہ وقت میں اکثر و بیشتر ممالک میں اس کا انتظام نہیں کیا گیا ہے۔ البتہ بڑی بڑی سیاسی شخصیات کے لئے یہ انتظام بھی ہوتا رہتا ہے، حقوق انسانی میں سے یہ چیز بھی ہے۔ سعودی عرب کی حکومت مہینہ یا ہفتہ میں ایک دو دن کے لئے شادی شدہ قیدیوں کی بیویوں کو ان کے ساتھ رہنے کا موقع فراہم کرتی ہے۔ چاہئے کہ ہر مسلمان حکومت اس قسم کا انتظام کرے کیوں کہ بیوی نے کوئی جرم نہیں کیا ہے کہ اسے شوہر سے نہ ملنے کی سزا دی جائے۔ پاکستان کی اسلامی نظریاتی کونسل نے اس امر کی سفارش کی ہے۔ لہذا یہ سہولت بھی قیدی کو ملنی چاہئے۔ باقی رہی یہ بات کہ قیدیوں کو تنگ جگہ میں رکھا جاتا ہے تو اولاً جیسا کہ میں نے لکھا کہ شرعاً قید بطور سزا میرے نزدیک درست نہیں ہے پس تنگ جگہ میں رکھنا وغیرہ بطور اولی

درست نہیں ہیں۔

ج- یہ سہولتیں بھی اس ترقی یافتہ دور میں قیدیوں کو میسر ہونی چاہئیں، ہر وقت نہیں تو کم از کم کچھ اوقات کے لئے ضروری ہیں۔

د- ایسا ہونا ضروری ہے بلکہ یہ بھی ہونا چاہئے کہ عام جرائم کے مرتکب قیدیوں کو عادی اور سنگین جرائم کے مرتکب قیدیوں سے الگ رکھا جائے، تاکہ وہ ان کے برے اثرات سے محفوظ رہیں۔

۳- سچی بات اگلوانے کے لئے قیدیوں کو دھمکانے کی حد

قیدیوں سے سچی بات اگلوانے کی گنجائش ہے اور یہ ثابت بھی ہے جیسا کہ سوال نمبر ا کے جواب میں بحوالہ کتب ذکر کیا گیا، اور یہ بھی آ گیا کہ تفتیش کے دوران اس طرح کرنا انصاف پر مبنی ہے جبکہ اور شرعی جواز کی شرائط سے تجاوز نہ کیا جاتا ہو۔ ذیلی شقوں کے جوابات مندرجہ ذیل ہیں:

الف- چونکہ شرعاً شرعی ستر کھولنے کی اجازت نہیں ہے، اس لئے جن حصوں کا چھپانا شرعاً لازمی ہے ان کو بے پردہ کرنے کی اجازت تفتیش کی خاطر درست نہیں۔

ب- قیدیوں کو مار پیٹ کرنا۔

ب- قیدیوں کو مار پیٹ کرنے کی اجازت ہے، البتہ اس میں تشریح ہے کہ، "**یضرب بالسوط مجردا**"۔

ج- اگر الیکٹرک شاٹ لگانے کی تکلیف "ضرب سوط" سے زیادہ نہ ہو تو گنجائش ہے، ورنہ اس کی اجازت شرعاً نہیں دی جا سکتی۔

د- قیدیوں پر کتے چھوڑنے کی قطعاً اجازت نہیں دی جا سکتی۔

ھ- قیدیوں کو سخت ٹھنڈک میں برف کی سلوں پر ڈالنا چونکہ ناقابل برداشت سزا ہے اس کی اجازت صرف تفتیش کے دوران سچ کو اگلوانے کے لئے درست نہیں ہے۔

و- چونکہ جگے رہنے میں ناقابل برداشت ایذاء کی کوئی شکل بظاہر نظر نہیں آتی ہے، اس لئے اس کی گنجائش نکل سکتی ہے۔ بشرطیکہ مزید کوئی ناقابل برداشت سزا اس میں شامل نہ ہو۔

۴- قیدیوں کو زنجیر، بیڑی یا ہتھکڑی لگانا

اگر قیدی کوئی عادی مجرم ہو اور خطرناک ہو، سنگین جرائم کا مرتکب ہو، بھاگنے اور فساد کرنے کا اندیشہ ہو، کوئی اور تدبیر کارگر نہ ہو تو اس کے ساتھ ایسا کرنا درست ہے، ورنہ زنجیروں میں جکڑنے اور بیڑی ڈالنے کی گنجائش نہیں اور نہ ہی ایسا کرنا انسانیت کو زیب دیتا ہے۔

۵- قیدی کو قید تنہائی میں رکھنا

اگر جرم کی نوعیت اور مجرم کی حالت کو مدنظر رکھ کر ایسا کرنا عدالت کے نزدیک مناسب ہو تو مجرم کو قید تنہائی میں رکھا جا سکتا ہے۔

۶- قیدیوں سے جبراً کام لینا

شرعاً قیدیوں سے، جبراً کام لینے کی گنجائش نہیں۔ اور اگر قیدی کو مشغول رکھنے کے لئے یا اس کی مالی معاونت کے لئے کام لیا جائے گا، تو قیدی اجرت کے مستحق بن جاتے ہیں، اس کی محنت کی اجرت کسی دوسرے شخص کے لئے جائز نہیں۔

۷- جن قیدیوں کا مقدمہ ابھی زیر سماعت ہے اور جن کے بارے میں سزائے قید کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ بحیثیت انسان دونوں برابر ہیں۔ چونکہ میں قید کو بطور سزا اسلامی احکامات کے خلاف سمجھتا ہوں، اس لئے میرے نزدیک قید میں رکھنا صرف حقیقت حال معلوم کرنے کی حد تک

یا کسی ابہام کو رفع کرنے کی خاطر یا کسی کے حق کو وصول کرنے کے لئے ہے، ایسی صورت میں دونوں قیدیوں میں کوئی فرق نہیں۔ البتہ اگر قید کو سزا تسلیم کر لیا جائے تو ان دونوں اقسام کی قید اور قیدیوں میں یقیناً فرق ہے، اور بڑا فرق ہے، جس قیدی کا مقدمہ ہنوز زیر سماعت ہے وہ قیدی مجرم نہیں، بلکہ صرف ملزم ہے۔ الزام ابھی ثابت نہیں ہے۔ کسی کو جرم ثابت ہوئے بغیر سزا دینا ہرگز درست نہیں ہے۔ لہذا اس سے برے سلوک کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ بخلاف اس کے جس قیدی کو جرم ثابت ہونے پر سزا سنائی گئی ہے وہ مجرم ہے۔ اور مجرم کو جرم کرنے پر سزا دی جا سکتی ہے اور چونکہ قید کو اس کے حق میں سزا قرار دیا گیا ہے اس لئے وہ اس سزا کو بھگتنے کا مستحق ہے۔ اس کی نوعیت یقیناً اس پہلے والے قیدی سے مختلف ہوگی جس کا تعین عدالت نے کیا ہوگا۔

۸- زیر سماعت قیدیوں کو اتنے دنوں تک فیصلے سے پہلے ہرگز قید میں نہیں رکھا جا سکتا ہے جو ان کے اوپر عائد فرد جرم کی اصل سزا ہے، ورنہ عدالت میں مقدمہ چلانے کی ضرورت کیا ہے۔

۹- اگر ملزم کو قید میں رکھا گیا ہو اور بعد کو عدالت نے اسے بری قرار دیا تو وہ زمانۂ قید میں ہونے والی ذہنی اذیت کا مالی ہرجانہ از روئے انصاف طلب کر سکتا ہے، مگر کس سے، اور کس قدر: کیوں کہ فوجداری مقدمات میں مدعی حکومت ہے اور قید میں رکھنے والی عدالت ہے، اور پھر اس اذیت اور ذہنی کوفت کے مالیت ہرجانہ کا تعین کس بنیاد پر کیا جا سکتا ہے، جب کہ شرعاً ذہنی کوفت اور اذیت کے تعیین کی گنجائش نہیں ہے۔

۱۰- قیدیوں کو وکیل سے رابطہ کرنے اور صفائی پیش کرنے کے وہ تمام حقوق اور سہولت میسر ہونی چاہئے جو کسی بھی آزاد شخص کو حاصل ہے، اور قانوناً اس وقت بھی حاصل ہے، اگر کوئی حکومت یہ حقوق دینے کے لئے مواقع فراہم نہیں کرتی تو یہ اس کی سرزوری اور قوانین کو پامال کرنے کے مترادف ہے۔

۱۱- خواتین قیدیوں کو اپنے ساتھ شیرخوار بچوں کو رکھنے کا حق حاصل ہے۔

قیدیوں کے حقوق اور احکام

مفتی ظہیر احمد قاسمی ☆

۱- اگر ملزم کے بارے میں ظن غالب ہو کہ اس نے ارتکاب جرم کیا ہے تو ثبوت جرم کے بغیر بھی ملزم کو قید کیا جا سکتا ہے۔

"حیث ذکر عبد الرحمن إبراهيم في كتابه القضاء ونظامه أن النبي صلى الله عليه وسلم حبس رجلا في تهمة ثم خلى عنه وفي لفظ البيهقي حبس رجلا في تهمة ساعة من النهار (القضاء ونظامه / ۵۵۱، بحوالہ الترمذی/۵/۴۳۵، ابوداؤد ۲/ ۲۸۲)۔

"وفي الشامي: فإن غلب على ظنه أنه سارق وأن المسروق عنده عاقبه (شامی ۱۴۷/۶) وكذا جاء في الدر المختار: لأن الحبس للتهمة مشروع" (۵۷۷/۷، الدر مع شامی، کتاب الکفالہ، وکذا فی الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷/ ۵۵۹۲)۔

جہاں تک مدت حبس کا تعلق ہے تو اس میں ملزم کے احوال اور اس پر عائد الزامات کی نوعیت کو مدنظر رکھتے ہوئے قاضی طے کرے گا۔

بعض لوگوں نے اس کی مدت ایک ماہ مقرر کی ہے جیسا کہ شامی میں ہے:

فيحبس حتى يكشف مره وقيل شهرا" (الشامی ۱۴۷/۶)۔

☆ مدرسہ اشاعت العلوم کانپور۔

۴-اسلام میں انسان تو انسان حیوانات تک کے حقوق رکھے گئے ہیں۔ان کی رعایت نہ کرنے پر انسان کو عذاب کا مستحق گردانا جاتا ہے۔جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک عورت کو محض اس وجہ سے عذاب دیا گیا کہ اس نے بلی کو بھوکے پیاسے قید کیا یہاں تک کہ وہ مرگئی۔

"عن عبد الله بن عمر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: عذبت امرأة في هرة حبستها حتى ماتت جوعا فدخلت فيها النار" (القضاء ونظامہ/ ۵۵۸)۔

لہذا اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ جب کوئی جانور کو بھوکا رکھنے میں جہنم کا مستحق ہو سکتا ہے تو پھر انسانوں کو بھوکا رکھنے میں کتنا سخت عذاب ہوگا۔(دیکھئے: القضاء ونظامہ/ ۵۵۸، وکذا فی الہدایۃ ۲/ ۴۴۹)

ا-قیدیوں کو قید کے دوران مذہبی اجازت حاصل ہوگی۔

لا إكراه في الدين- لكم دينكم ولي دين وغيره، یہ آیات اس پر دلالت کرتی ہیں جو عام ہیں۔

ب-جسمانی ضروریات کی فراہمی بھی شرعاً قیدیوں کا حق ہے۔ اسی طریقہ سے ان کو رہنے کے لئے مناسب جگہ کی فراہمی بھی ضروری ہے (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷/ ۵۳۲۵)۔

لیکن بیوی سے ملنے کے سلسلہ میں اختلاف ہے گو کہ راجح اجازت کا ہونا ہے۔

وفي النهر إذا احتاج للجماع دخلت عليه زوجته أو أمته إن كان فيه موضع سترة..... وقيل يمنع۔"

ج-عام سماجی حقوق بھی اس کو فراہم کئے جانے چاہئیں، ملزم اور مجرم کی قید میں فرق ملحوظ رکھا جانا چاہئے۔اور ساتھ ہی ملزم اور مجرم کے جرم کے احوال اور جرم کی نوعیت کا بھی لحاظ کیا جانا ضروری ہے۔

اگر مجرم خطرناک ہے یا ملزم کو اس طرح کی رعایت دینا نقصان پہونچا سکتا ہے تو ان

میں کمی یا ان سے محروم کرنے کا حق قاضی کی صدابدید پر ہوگا۔

۳-ملزم کے احوال اور اس پر عائد الزامات کے لحاظ سے اس سے سچ اگلوانے کے طریقے قاضی اپنی صدابدید کے مطابق اختیار کرسکتا ہے۔ جب کہ اس کے ارتکاب جرم کا ظن غالب ہو (شامی ۶/ ۱۴۷)۔

الف-اگر ملزم کے بارے میں ارتکاب جرم کا یقین یا ظن غالب ہو تو ملزم کو بے لباس کردینا تو جائز نہیں کیوں کہ ستر واجب ہے البتہ اس کی دھمکی دی جاسکتی ہے، جیسا کہ حاطب بن ابی بلتعہ کے خط کو نکلوانے کے لئے بعض صحابہ نے اس عورت کو بے لباس کردینے کی دھمکی دی تھی جس عورت کو حاطب بن ابی بلتعہ نے خط دیا تھا۔ جس کا تذکرہ سورۂ ممتحنہ میں ہے، (انظر الفقہ الاسلامی ایضاً ۷/ ۵،۴۵/ ۵۳۱۷)۔

ب-اگر ظن غالب ہو تو اس کو مارا پیٹا بھی جاسکتا ہے: "عن ابن العز الحنفي صح أنه عليه الصلوة والسلام أمر الزبير بن العوام بتعذيب بعض المجاهدين حين كتم كنز حي بن أخطب ففعل فعدلهم على المال، قال: وهو الذى يسع الناس وعليه العمل" (الدر المختار مع شامی ۶/ ۱۴۶)۔

شامی میں ہے: قوله فيه جواز ذلك اى جواز ضرب المتهم۔ (شامی ۶/ ۱۴۹)

ج-اگر اس طرح تکلیف پہنچائی جائے کہ اس سے عضو معطل نہ ہو تو اس کی گنجائش خطرناک ملزم کے حق میں ہوسکتی ہے بشرطیکہ اس کے ارتکاب جرم کا ظن غالب ہو۔ چونکہ متہم کے ضرب کا ثبوت اوپر اول سے ہو چکا ہے اور ضرب کی علت دلالۃ النص کے طور پر ایلام ہے (اصول الشاشی/ ۲۶)۔

البتہ ایسی ایذاء اور ایلام نہ ہو جس سے اس کے جسم کا کوئی عضو تلف ہو جائے "نهى النبي صلی اللہ علیہ وسلم عن المثلة"۔

وحرم تعزير بحلق اللحية وقطع طرف وجرح" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ٧/٥٦٠٠)۔

جب یہ تعزیراً حرام ہے جو کہ جرم کے ثابت ہونے کے بعد دی جاتی ہے تو ملزم کے حق میں بدرجہ اولی اس طرح سزا دینا کہ اس کا کوئی عضو معطل ہو جائے درست نہ ہوگا۔

د- اس کی اجازت نہیں ہوگی چونکہ اس میں اس کے زخمی ہو جانے کا قوی امکان ہے۔ اور یہ حرام ہے جیسا کہ شیخ وہبہ الزحیلی کی عبارت سے واضح ہے۔

"وحرم تعزير بحلق اللحية وقطع طرف وجرح" (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ٧/٥٦٠٠)۔

لیکن کتوں سے دھمکایا جا سکتا ہے اگر وہ خطرناک ملزم ہو، چونکہ دھمکانے میں ذہنی ایلام ہے جسمانی ایلام نہیں۔ اور ذہنی ایلام دیا جا سکتا ہے اگر ملزم کے بارے میں ظن غالب ہو کہ اس نے جرم کا ارتکاب کیا ہے۔

ھ- اگر عضو کے بیکار ہو جانے یا جان جانے کا خطرہ نہ ہو تو سزا بھی دی جا سکتی ہے بشرطیکہ اس کے ارتکاب جرم کا ظن غالب ہو، کیوں کہ اس میں ایلام جسمانی ہے جو کہ ضرب میں بھی پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ اوپر گذرا۔

و- علی وجہ الا یلام یہ بھی درست ہو سکتا ہے بشرطیکہ ملزم کے ارتکاب جرم کا ظن غالب ہو۔ سابقہ دلائل کی روشنی میں۔

ایک اشکال کا جواب: سچی بات اگلوانے کے سلسلہ میں ضرب اور دھمکانے کی صورت میں اشکال ہو سکتا ہے کہ یہ تو زبردستی اقرار کرانے کے مترادف ہوگا اور اس صورت میں اس کا اقرار معتبر نہ ہونا چاہئے۔

درمختار میں ہے: "لا يصح إقراره بطلاق وعتاق مكرها" (کتاب الاقرار ٤/

۴۴۸)۔

جواب: ڈرانے دھمکانے اور ضرب وغیرہ کی صورت میں محض اقرار کی بنیاد پر ملزم کو سزا نہیں دی جائے گی جب تک کہ اس کے ساتھ مزید اور قرائن وشواہد موجود نہ ہوں، مثلاً اس نے اقرار جرم کرنے کے ساتھ ساتھ فلاں فلاں کا نام لیا اور انہوں نے اس کی تصدیق کی۔ اسی طرح اس کے اقرار کے مطابق کارروائی کرنے پر مطلوبہ شئی برآمد ہوئی تو اس سے ثابت ہوا کہ واقعی وہ مجرم ہے، نہ کہ محض اس کے اقرار کرنے ہی پر۔

۴-عمومی احوال میں ان کا استعمال ٹھیک نہیں لیکن اگر ملزم یا مجرم کے بھاگ جانے کا قوی اندیشہ ہو تو اس کو زنجیروں میں جکڑا بھی جا سکتا ہے۔ یہی حکم ہتھکڑی اور بیڑی کا ہے۔

درمختار میں ہے: **ولا يغل إلا إذا خاف فراره فيقيد** (الدر المختار مع الشامی ۸/ ۵۸ کتاب القضاء)۔

"وذكر الشيخ وهبة الزحيلي:أنه لا غل وله تجريد ولا تصفيد ولا تمثيل في الإسلام وإن للسجين الحق على الدولة في الغذاء والكساء والماوى الملائم ومنع التعذيب الوحشي وغير ذلک من أصول الحفظ على الكرامة الإنسانية"(الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۷/ ۵۳۱۷)۔

۵-قید تنہائی شرعاً دی جاسکتی ہے: **حيث ذكر العلامة الحصكفي في كتابه الدر المختار: وهل يطين الباب؟ الرأى عنه للقاضي. ثم ذكر العلامة ابن عابدين تحت قوله المذكور "قيل يطين عليه الباب ويترک له ثقبة يلقى له الخبز والماء وقيل الراى فيه للقاضي"**(الشامی ۸/ ۵۸)۔

۶-قاضی کی رائے پر مفوض ہوگا اگر قاضی اس کو مناسب سزا تصور کرتا ہے تو ان سے جبریہ کام بھی لیا جا سکتا ہے۔ اور اس میں چاہے وہ بالکل اجرت نہ دے یا کم دے دونوں طرح

درست ہوگا، ویسے بطور سزا کے اجرت مثل سے کم ہی دیا جانا چاہئے، شامی میں ہے: ولا یکتسب فیه وقد صرح فی البحر وغیره بأن الأصح المنع لأن الحبس مشروع لیضجر وفی تمکن من الاکتساب لایضجر فیکون السجن له بمنزلة الحانوت" (الشامی ٨/ ٥٧ کتاب القضاء)۔

تاہم قاضی کے صوابدید پر موقوف ہوگا، وہ مجرم کے احوال اور جرم کو اور اس کی سزا کی مدت کو پیش نظر رکھتے ہوئے مناسب فیصلہ کرسکتا ہے۔

٧- دونوں کے مابین فرق کیا جانا لازم ہے۔ ظاہر ہے ایک پر الزام ہے دوسرے پر جرم ثابت ہو چکا ہے تو دونوں کے مابین قید خانوں میں سلوک کے اعتبار سے فرق کیا جانا لازم ہے، جب کہ دونوں کا تعلق ایک ہی جرم سے ہو۔

"لأن الأصل فی المتهم البراء ة حتی تثبت إدانته" (الفقه الاسلامی وادلته ٧/ ٥٣٦٤)۔

٨- آج کل کی عدالتوں میں ایسا ہو رہا ہے مگر ایسا نہیں ہونا چاہئے۔ تفتیش اور سماعت کی مدت اصل سزا کی مدت سے بہت کم ہونی چاہئے۔ علامہ شامی نے ایک قول تفتیش کے لئے ایک ماہ نقل کیا ہے۔ وإما أن یکون مجهول الحال فیحبس حتی یکشف أمره قیل شهراً وقیل باجتهاد ولی الأمر" (٦/ ١٤٧ کتاب السرقہ)۔

٩- عمومی احوال میں مالی جرمانہ طلب کرنا درست نہیں، کیوں کہ کسی بھی ذمہ دار سے اگر غلطی ہو جاتی ہے تو اس کا معاوضہ یا اس کو ضامن قرار نہیں دیا جاتا (بدائع الصنائع ٧/ ٣٠٥ تبیین الحقائق ٣/ ٢١١ القضاء ونظامه ٥٥١)۔

البتہ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ اس کو بلا وجہ تعصب یا دشمنی نکالنے کے لئے گرفتار کیا گیا تھا یعنی تعدی پائی جائے تو اس صورت میں اس کا تاوان دلایا جانا چاہئے۔ گو کہ حنفیہ کے ہاں مالی

جرمانہ اور منفعت کا ضمان عموماً واجب نہیں ہوتا، لیکن ایسے موقع پر جہاں تعدی پائی جائے وہاں پر منافع کو مال تصور کرتے ہوئے اس کا بدلہ دلایا جانا چاہئے۔ احناف کے یہاں بھی منافع مال کی طرح ہیں۔ علامہ کاسانی کہتے ہیں: لأن هذه المنافع أموال أو الحقت بالأموال" (بدائع الصنائع ۲/۲۲۸)۔

البحر الرائق میں ہے لوتزوجها علی منافع سائرالأعیان فی سکنٰی داره ...... ونحوذلک فی منافع الأعیان مدة معلومةصحت التسمیة لأن هذه المنافع أموال أو الحقت بالأموال" (البحر الرائق ۳/۱۵۲)۔

اسی طرح ہدایہ میں ہے: ثم علی قول محمد تجب قیمة الخدمة لأن المسمی مال إلا أنه عجز عن التسلیم لمکان المناقضة" (الهدایة ۲/۲۸)۔

ان عبارات سے واضح ہوتا ہے کہ عندالاحناف بھی منافع مال ہیں یا حکماً مال کے درجہ میں ہیں، لہٰذا ان کا تاوان بھی دلایا جا سکتا ہے۔

۱۰- لفظ وکیل ہی سے معنی واضح ہو جاتا ہے کہ وہ تمام کارروائی کرنے کا مجاز ہے جس کا موکل نے اس کو کرنے کا حکم دیا ہے۔ یا جو مؤکل کاروائی کر سکتا ہے وہ وکیل بھی کر سکتا ہے۔ لہٰذا جتنے حقوق مؤکل کے ہیں وہ تمام حقوق وکیل کے ہوں گے اس کے نائب ہونے کی حیثیت سے۔ آپ ﷺ نے بھی اپنا وکیل متعین فرمایا ہے۔

قال جابر بن عبد الله أردت الخروج إلی خیبر فأتیت النبیﷺ وقلت: إنی أردت الخروج إلی خیبر فقالﷺ: إذا أتیت وکیلی فخذ منه خمسة عشر وسقاً فإن ابتغی منک آیة فضع یدک علی ترقوقه" (القضاء ونظامہ/ ۴۶۲)

قیدیوں کے حقوق-شرعی تناظر میں

مولانا اشتیاق احمد اعظمی ☆

1-کیا کسی ملزم کو اس کے جرم کا ثبوت فراہم ہوئے بغیر قید کیا جا سکتا ہے اور اگر بطور احتیاط قید کیا جائے تو کیا اس کے لئے کوئی مدت مقرر کی جا سکتی ہے؟

جرائم کبھی صرف تہمت کی حد تک ہوا کرتے ہیں اور کبھی ثبوت کی حد تک پہنچ جاتے ہیں، اگر جرائم صرف تہمت کی حد تک ہوں، ثبوت فراہم ہو سکے تو امیر کو یہ حق حاصل ہے کہ تہمت کی تحقیق اور حقیقت حال کی تفتیش کے لئے متہم شخص کو حبس میں رکھ دے۔ البتہ اس صورت میں حبس کی مدت کیا ہو؟ اس میں اختلاف ہے، امام شافعی کے اصحاب میں عبد اللہ زبیری کی رائے ہے کہ کشف حال اور استبراء کی غرض سے ایک ماہ تک متہم کو حبس میں رکھا جا سکتا ہے، جبکہ دیگر علماء نے اس صورت میں قید کی مدت متعین نہیں کی ہے، امام وقت اپنے اجتہاد سے ایک ماہ سے زیادہ بھی قید میں رکھ سکتا ہے اور یہی قول زیادہ بہتر ہے۔

علامہ ماوردی رقم طراز ہیں: والثالث أن للأمير أن يعجل حبس المتهوم للكشف والاستبراء واختلف في مدة حبسه لذلك فذكر عبد الله الزبيري من أصحاب الشافعي أن حبسه لاستبراء والكشف مقدر بشهر واحد لايتجاوز وقال غيره: بل ليس بقدر وهو موقوف على رائ الإمام واجتهاده وهذا أشبه

☆ استاد دار العلوم مئو ناتھ بھنجن، یوپی۔

وليس للقضاة أن يحبسوا أحداً إلا بحق وجب (الأحكام السلطانية: ٢٢٠)۔

الغرض ملزم کو ثبوت جرم کے بغیر قید کیا جا سکتا ہے، اس سلسلہ میں قاضی ابویعلی نے الاحکام السلطانیۃ میں ایک روایت نقل کی ہے جو یہ ہے: عن بهزبن حكيم عن أبيه عن جده: أن النبي صلى الله عليه وسلم حبس في تهمة (بحوالہ أبوداؤد وترمذی والنسائی)۔

قاضی ابویعلی نے ایک دوسری روایت بھی ذکر کی ہے جس سے تہمت میں قید کرنے کی مدت کا ایک دن اور رات کا ہونا معلوم ہوتا ہے، وہ نقل کرتے ہیں: عن أبي هريرة أن النبي صلى الله عليه وسلم حبس في تهمة يوماً وليلةً استظهاراً واحتياطاً (ص ٢٤٢ الأحكام السلطانية للقاضي أبي يعلى: ٢٤٢)۔

اس سے معلوم ہوا کہ متہم کی احتیاطاً اور استظہار حال کی لئے ایک دن ورات کی مدت تک قید میں رکھا جا سکتا ہے۔

بعض فقہاء نے مجہول الحال ملزم اور معروف بالفسق والفجور ملزم کے قید کے درمیان فرق کیا ہے، مجہول الحال ملزم کی مدت قید میں اختلاف ہے، کسی کے یہاں ایک دن ہے اور کسی کے یہاں دو اور تین دن، کچھ فقہاء نے ایک ماہ بھی کہا ہے، لیکن ملزم معروف بالفجور ہو تو جب تک اس کے معاملہ کی تحقیق وتفتیش نہ ہو جائے اسے حبس میں رکھا جا سکتا ہے، خواہ یہ مدت حبس موت تک کیوں نہ طویل ہو جائے۔

موسوعہ میں ہے: وقال بعض الفقهاء: إن أكثرمدة يحبس فيها المتهم المجهول الحال يوم واحد وحددها قوم بيومين وثلاثة وأجاز آخرون بلوغها شهراً۔ أماالمتهم المعروف بالفجور والفساد فأكثر مدة حبسه ما تقتضيه ظهور حاله والكشف عنه ولو حبس حتى الموت وهذا هو الظاهر من مذاهب فقهاء الأمصار من الحنفية (موسوعہ فقہیہ ص ١٦/ ٢٩٥)۔

(الف) مذہبی امور سے متعلق قیدیوں کے حقوق

عالمی معیار آزادی، مذہبی حق کو تسلیم کرتا ہے، اس کی روشنی میں تمام مذاہب کے لوگوں کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کی اجازت ملنی چاہئے، موسوعہ فقہیہ کے اندر مالا یجوز تأدیب المحبوس به کے زیر عنوان: ''والمنع من الوضوء والصلاة'' کو ذکر کیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ مسلمان قیدی کو اس کی عبادت سے نہیں روکا جاسکتا تو اسی طرح دیگر اہل مذاہب کو بھی ان کے مذہب کے مطابق عبادت کرنے، مذہبی کتابوں کا مطالعہ وغیرہ اس کی مذہبی ہدایات کے مطابق اس کے لئے غذا فراہم کرنا اور جس مذہب پر وہ عقیدہ رکھتا ہے، اس مذہب کی مقدس شخصیتوں اور کتابوں وغیرہ کی بے احترامی سے گریز کرنا ضروری ہوگا۔

(ب) جسمانی ضروریات

ریاست کی ایک بہت ہی اہم ذمہ داری یہ ہے کہ وہ تمام قیدیوں کو معقول غذا اور صاف پانی مہیا کرائے تاکہ وہ بھوک اور قلت خوراک سے پیدا ہونے والی بیماریوں کا شکار نہ ہوں، موسوعہ فقہیہ میں مالایجوز تادیب المحبوس کے تحت ''التجویع'' کو بھی ذکر کیا گیا ہے، یعنی قیدی کو بھوکا رکھنا جائز نہیں ہے اور انسانی مروت کے خلاف کام ہے۔

دوسری جگہ موسوعہ میں قیدیوں کے حقوق سے متعلق ہمیں ان الفاظ میں تذکرہ ملتا ہے:

''مبادی الإسلام تدعو إلی الرفق بالأسری وتوفیر الطعام والشراب والکساء لهم واحترام آدمیتهم لقوله تعالی: ویطعمون الطعام علی حبه مسکیناً ویتیماً وأسیراً، وروي أن النبی صلی الله علیه وسلم قال لأصحابه فی یوم صائف: أحسنوا إسارهم وقیّلوهم واسقوهم قال: لاتجمعوا علیهم حرهذا الیوم وحرالسلاح'' (موسوعہ ۴/ ۱۹۸)۔

معلوم ہوا کہ اسلام ہمیں قیدیوں کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرنے کی دعوت دیتا ہے، ان کے لئے کھانا پانی اور ضرورت کے لباس فراہم کرنے کی ترغیب دیتا ہے اور ان کی آدمیت کے احترام کی بھی دعوت دیتا ہے، قرآن صحابۂ کرام کی تعریف کرتے ہوئے بیان کرتا ہے کہ وہ خود کھانے کے خواہش مند ہونے کے باوجود، مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلانے والے ہیں، حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں سے حسن سلوک کرنے، ان کو قیلولہ کرنے کا موقعہ دینے اور پانی پینے دینے کے حق کو بیان کیا اور فرمایا کہ ان قیدیوں کے اوپر موسم کی شدت حرارت اور اسلحوں کی گرمی کو اکٹھا مت ہونے دو۔

(ج) عام سماجی حقوق

جہاں تک اخبارات پڑھنے، ریڈیو سننے، فون پر احباب واقارب سے گفتگو اور دوسرے قیدیوں سے ملاقات کا سوال ہے تو قیدیوں کو ان امور کی گنجائش ملنی چاہئے تا کہ یہ قیدی معاشرہ میں باوقار زندگی گزارنے کے اہل بن سکیں، عالمی قانونی دستاویزوں میں قیدیوں کو یہ حق دیا گیا ہے تا کہ قیدی کا باہری دنیا سے تعلق اور رابطہ باقی رہ سکے۔

اگر کوئی قیدی تعلیم حاصل کرنا چاہے یا کوئی ہنر سیکھنا چاہے تو اس کی بھی گنجائش دینی چاہئے تا کہ وہ قید سے نکلنے کے بعد معاشرہ میں آسانی سے ضم ہو سکے اور ایک اچھے انسان کا کردار نباہ سکے، اگر قیدی بچہ ہو تو اس کے لئے تعلیم کا موقع فراہم کرنا انتہائی اہم امر ہے۔

(د) اخلاقی امور

عالمی قانون کے تحت بچوں کو بڑوں سے الگ رکھنا چاہئے، اس سلسلہ میں جو اصول وضوابط بطور خاص کمسن بچوں کے لئے بنائے گئے ہیں، ان میں سے یہ بھی ہے کہ زیر حراست بچوں کو بالغ قیدیوں سے الگ رکھا جانا چاہئے اور حتی الامکان فوری طور پر عدالتی کارروائی کے لئے پیش

کیا جانا چاہیے، اسی طرح خواتین قیدیوں کو جسمانی وجنسی زیادتیوں سے محفوظ رکھنے کے لئے انہیں الگ رکھنے کی ضرورت ہے اوران کے لئے خواتین ملازمین کا بندوبست کرنے کی بھی ضرورت ہے۔

۳- قیدیوں سے سچی بات اگلوانے کے لئے ان کو بے لباس کرنا، مارپیٹ کرنا، الیکٹرک شاٹ لگانا، ان کے اوپر کتے چھوڑنا، سخت ٹھنڈک میں برف کی سلوں پرڈال دینا اورانہیں مسلسل جگے رہنے پرمجبور کرنا یاان کی جائے رہائش میں تیز روشنی یا تیز آواز کا انتظام کرنا، یہ سب امور بالکل ناجائز ہیں اورحقوق انسانی کی پامالی ہے۔موسوعہ فقہیہ میں مالایجوز تأدیب المحبوس به کے تحت ان امورکوشمار کرایا ہے: التمثیل بالجسم ۲۔ضرب الوجه ونحوه۔

۲- التعذیب بالنار ونحوها۔

۴-التجویع والتعریض للبرد ونحوه۔

۵-التجرید من الملابس أخری تحرم المعاقبة بها (۱۶/۲۷-۳۲۶)۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگ جمل کے دن فرمایا تھا: لا یقتل أسیرولا یکشف ستر ولا یوخذ مال وهو القدوة فی هذا الباب (ھدایۃ ۲/۵۸۹)۔

جہاں تک اس مقصد کے لئے قیدی کو مارنے پیٹنے کا تعلق ہے تو انہیں ایسی مارمارنا جس سے ان کا مثلہ ہوجائے، ممنوع ہوگی، جیسا کہ چہرہ پر مارنا صحیح نہیں، البتہ تعزیراً اتنی پٹائی ہوسکتی ہے جو حد سے کم ہواوروہ طرفین ۔کےنزدیک زیادہ سے زیادہ ۳۹ کوڑے ہیں اورامام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ۷۵ کوڑے ہیں، چنانچہ شیخ عبدالقادر لکھتے ہیں: ویری أبوحنیفة ومحمد أن الحد الأعلی فی التعزیر تسعة وثلاثون سوطاً بینما یری أبویوسف أنه خمسة وسبعون سوطاً (التشریع الجنائی الاسلامی:۲/۶۹۰)۔

۴۔قیدیوں کو از روئے شرع زنجیروں میں جکڑنا اور ہتھکڑیاں پہنانا جائز ہے، جیسا کہ انہیں بیڑیاں بھی ڈالی جاسکتی ہیں، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **حتی إذا أثخنتموهم فشدوا الوثاق فإما منا بعد وإما فداء** (سورہ محمد/۴)، لیکن ظاہر ہے کہ زنجیروں میں جکڑنے یا بیڑی ڈالنے کا یہ عمل تمام قیدیوں کے ساتھ نہیں کیا جانا چاہئے ،صرف خطرناک قیدیوں کو قابو میں کرنے کے لئے آخری تدبیر کے طور پر ان بندھنوں کا استعمال ہونا چاہئے۔موسوعہ میں ہے: **وللآسر أن يشد وثاقه إن خاف انفلاته أولم يأمن شره كما يجوز عصب عينيه أثناء نقله لمنعه من الهرب** (موسوعہ فقہیہ:۴/۱۹۷)۔

۵۔کیا کسی مجرم کو اس کے خصوصی جرم کے پس منظر میں قید تنہائی دی جاسکتی ہے؟

اگر مجرم کے جرم کی نوعیت بالکل انوکھی اور خاص قسم کی ہو اور ارباب حل وعقد اسے قید تنہائی کی سزا دینا طے کرتے ہوں تو شرعاً اس میں کوئی محظور نہیں، البتہ قید تنہائی کی صورت میں اس کے دیگر مذہبی، سماجی اور جسمانی حقوق کی پامالی کسی طرح درست نہ ہوگی، دوسرے قیدیوں کی طرح اسے بھی یہ سارے حقوق ملنے چاہئیں، بلکہ یہ ان حقوق کا دیگر قیدیوں سے زیادہ مستحق ہوگا، تنہائی میں مونس کے طور پر کتابوں، اخبارات وغیرہ کی فراہمی، نیز باہری دنیا سے جڑے رہنے کے لئے ریڈیو وغیرہ کی سہولیات بھی اسے فراہم کی جانی چاہئے۔

٦۔کیا جیل میں قیدیوں سے جبراً کام لیا جاسکتا ہے؟ اگر کام لیا جائے تو کیا قیدی اس کام کی اجرت کے مستحق ہیں؟

ایسے قیدی جن کا مقدمہ ابھی زیر سماعت ہے اور ابھی ان کا جرم ثابت نہیں، انہیں کام کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا اور اگر ان سے کام لیا بھی جائے تو انہیں کام کا معاوضہ ملنا چاہئے اور جن قیدیوں کے مقدموں کا فیصلہ ہو چکا ہے اور جرم ثابت ہے، ان سے کام لینے کی صورت میں ان پر کام کا اتنا بوجھ نہ ڈالا جائے جو ان کی بساط سے باہر ہو اور انہیں بھی کام کی اجرت ملنی

چاہئے۔

طویل المیعاد قیدیوں کے ساتھ برتاؤ کی ضابطہ بندی کی خاطر (عمر قید کے تعلق سے اقوام متحدہ کی سفارشات) ایک بنیادی عالمی دستاویز ہے، ان سفارشات کے موافق ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ معاشرتی تعامل اور اتصال ورابطہ کے مواقع، نیز اجرت کے ساتھ کام کرنے، مطالعہ، مذہبی وثقافتی امور کی بجا آوری، کھیل کود اور خالی اوقات کے دوسرے مشاغل کے مواقع، ان تمام قیدیوں کو فراہم کرے جو عمر قید کی سزا پا چکے ہیں، اسی طرح طویل المیعاد قیدیوں کے متعلق یورپین کونسل کی رپورٹ سفارش کرتی ہے کہ نفع بخش کاموں کے مواقع دیئے جائیں۔

۷۔ جن قیدیوں کا مقدمہ ابھی زیر سماعت ہے اور جن کے بارے میں سزائے قید کا فیصلہ ہو چکا ہے، قید خانوں کے سلوک کے اعتبار سے ان دونوں میں فرق کیا جانا چاہئے، اس بارے میں سب سے اہم اصول یہ ہے کہ زیر مقدمہ قیدیوں کو دورانِ سماعت بے قصور تصور کیا جائے، کیونکہ بہت سے معاملہ میں چھان بین کے بعد وہ معصوم قرار پاتے ہیں، لہٰذا زیر سماعت قیدیوں کو ایسی قیام گاہوں پر نہیں رکھا جانا چاہئے، جہاں ان مجرموں کو رکھا جاتا ہے جن کی سزا کا فیصلہ ہو چکا ہے، دوسرے یہ کہ زیر سماعت قیدیوں کے لئے کام کرنا لازمی نہیں ہونا چاہئے، البتہ اپنی خوشی سے کام کرنا چاہیں تو انہیں اس کا موقع ملنا چاہئے۔

۸۔ کیا زیر سماعت قیدیوں کو اتنے دنوں تک فیصلے سے پہلے قید میں رکھا جا سکتا ہے جو ان کے اوپر اصل فرد جرم کی سزا ہے؟

اس سلسلہ میں علامہ ماوردی کی تحریر سے استفادہ کیا جا سکتا ہے، وہ تحریر فرماتے ہیں:

والثالث أن للأمير أن يعجل حبس المتهوم للكشف والاستبراء واختلف في مدة حبسه لذلک، فذكر عبد الله الزبيرى من أصحاب الشافعی أن حبسه للاستبراء والكشف مقدر بشهر واحد لا يتجاوزه وقال غيره: بل ليس بقدر

وهو موقوف على رأى الإمام واجتهاده وهذا أشبه وليس للقضاة أن يحبسوا أحداً إلا بحق وجب (الأحکام السلطانیۃ: ۲۲۰)۔

مذکورہ بالا عبارت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تحقیق و تفتیش کے لئے متہم شخص کو جیل میں رکھا جاسکتا ہے، عبداللہ زبیری کی تحقیق کے مطابق یہ مدت ایک مہینہ سے زیادہ نہیں ہونی چاہئے، جبکہ دیگر فقہاء نے اس مدت کو امام کے اجتہاد اور رائے پر چھوڑ دیا ہے، لیکن اتنی بات تو سیاق وسباق سے مترشح ہورہی ہے کہ کشف واستبراء کے لئے قید کئے جانے کی مدت اس قدر طویل نہیں ہونا چاہئے جو ان کے اوپر عائد اصل فرد جرم کی سزا سے بھی زائد ہو یا اس کے برابر ہو۔

۹۔ اگر ملزم کو قید میں رکھا گیا اور بعد کو عدالت نے اسے بری قرار دیا تو کیا وہ زمانہ قید میں ہونے والی ذہنی اذیت اور مالی ہرجانہ طلب کرسکتا ہے؟

اس کا جواب اثبات میں ہے کہ وہ ہرجانہ طلب کرسکتا ہے، کیونکہ فی زمانہ بہت سارے بے قصور اور سیدھے سادے لوگوں کو بے بنیاد مقدمات میں پھنسایا جاتا ہے اور بعض مرتبہ مدعی، سوچی سمجھی سازش کے تحت کسی شریف آدمی کو نقصان پہنچانے کے لئے اس کا کاروبار برباد کرنے کے لئے ایسا کرتا ہے، بہت سے ذہین، باصلاحیت نوجوانوں کو جھوٹے مقدمات میں پھنسا کر ان کی تعلیمی ترقی کی بہترین عمریں ضائع کردی جاتی ہیں، عمر کا وہ مخصوص حصہ جو ایک نوجوان کے لئے اپنا مستقبل سنوارنے کے واسطہ سنہرا موقع ہوا کرتا ہے، اسے وہ قید میں گزارنے پر مجبور ہوتا ہے، بعد میں عدالت اسے ضرور بری قرار دیتی ہے، لیکن عدالت اس کا قیمتی وقت اور ذہنی اذیت کا بدل نہیں دے سکتی، اس لئے ایسا شخص اگر ہرجانہ کا دعوی کرتا ہے تو وہ اپنے دعوی میں بالکل حق بجانب ہے۔

۱۰۔ قیدی کو اپنے مقدمات کے سلسلہ میں رابطہ اور صفائی پیش کرنے کے کیا حقوق حاصل ہیں؟ اس سلسلہ میں فتاوی عالمگیری میں یہ عبارت ملتی ہے: وإن كان الموكل محبوساً في

سجن هذا القاضي الذى وقعت الخصومة عنده لا يقبل منها التوكيل وإن كان محبوساً في سجن الوالي وهو لايمكنه الخروج للخصومة يقبل منها التوكيل هكذا في الظهيرية، اس سے معلوم ہوا کہ اگر موکل، قاضی کی عدالت میں حاضر نہ ہوسکتا ہو تو اس کو وکیل بنانے کا حق حاصل ہے اور اگر وہ بہ نفس نفیس قاضی کی عدالت میں حاضر ہوسکتا ہے تو اس کو حق توکیل نہیں ملے گا، لیکن آج کل کے عدالتی معاملات انتہائی دقت آمیز ہوتے ہیں اور ہر شخص کے لئے قانونی باریکیوں کو سمجھنا آسان نہیں ہے، اس لئے قیدیوں کو باصلاحیت قانونی نمائندوں کی خدمات کا حق ملنا چاہئے، پہلی بار جو لوگ قید خانہ جاتے ہیں وہ اپنی حالت اور دوسری بہت سی چیزوں کے تعلق سے اکثر الجھن اور غیر یقینی صورتحال کا شکار ہوجاتے ہیں، اس لئے جو لوگ وکیلوں کے اخراجات برداشت کرسکتے ہیں، ان کو وکیلوں تک رسائی ملنا چاہئے اور جو ایسا نہیں کرسکتے، ان کے لئے قانونی نمائندگی کا بندوبست کیا جانا چاہئے۔

فقہاء احناف کے یہاں بھی اس کی اجازت موجود ہے، چنانچہ عالمگیری میں یہ تحریر موجود ہے: إذا علم القاضي بأن الموكل عاجز عن البيان في الخصومة بنفسه يقبل منه التوكيل كذا في فتاوىٰ قاضي خان (عالمگیری: ۲۷۶/۳)۔

۱۱- کیا خواتین قیدیوں کو اپنے ساتھ شیرخوار بچوں کو جیل میں رکھنے کا حق حاصل ہے؟

سنن ابی داؤد میں باب فی التفریق بین الصبی کے تحت امام ابوداؤد نے یہ حدیث نقل کی ہے: عن علي أنه فرق بين جارية وولدها فنهاه النبي صلى الله عليه وسلم ورد البيع (بذل المجہود ۲۵/۴) حضرت علیؓ روایت فرماتے ہیں کہ انہوں نے ایک باندی اور اس کے لڑکے کے درمیان بیع میں تفریق کردی تھی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کی اس تفریق سے منع کیا اور بیع کو لوٹانے کا حکم دیا۔

اس روایت کی روشنی میں یہ معلوم ہوا کہ عورت اور اس کے بچہ کے درمیان تفریق درست

نہیں، لہٰذا قیدی خواتین کے ساتھ ان کے شیر خوار بچوں کو بھی رہنے کی اجازت دی جانی چاہئے۔

چنانچہ عالمی قوانین کی روشنی میں بہت سے ملکوں میں ماؤں کو قید خانہ میں اپنے نوزائیدہ بچوں کو رکھنے کی اجازت ہے، کچھ قید خانوں کی انتظامیہ اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ ماں اپنے بچے کو نو یا اٹھارہ مہینہ کی عمر تک اپنے ساتھ رکھے، لیکن اگر بچہ کے لئے رہنے کی کوئی جگہ نہ ہو تو چار سال کی عمر تک اپنی ماں کے ساتھ رہ سکتا ہے۔

قیدیوں کے حقوق

مولانا افتخار احمد مفتاحی ☆

۱- جب کسی پر کسی طرح کا ظلم ثابت ہو جائے تبھی قید کرنا چاہئے، فقہاء کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب مدعی کا حق ثابت ہو جائے تو قاضی مدعا علیہ کو حق کی ادائیگی کا حکم کرے گا، پس اگر ادائیگی حق سے انکار کرے گا تو قاضی اس کو قید کرے گا اس لئے کہ قید ظلم کا بدلہ ہے (البحر الرائق ٦/٢٧٦)۔

اگر حاکم فتنوں کے سد باب اور تحقیق حال کے لئے اور ثبوت فراہم ہونے سے پہلے احتیاطاً قید کرنا چاہے تو کر سکتا ہے، فقہاء کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر امام وقت، حاکم وقت کو معلوم ہو جائے کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جو فتنہ وفساد پھیلانے کے لئے حکمت عملی مرتب کر رہے ہیں تو ان کے فتنہ وفساد میں ملوث ہونے کی تحقیق کے لئے انہیں قید کر سکتا ہے۔

"إن علم الإمام أن البغاة (الخوارج) يشهرون السلاح ويتأهبون للقتال فينبغي له أن يأخذهم ويحبسهم حتى يقلعوا عن ذلک ويحدثوا توبة لأنه لو ترکهم لسعوا في الأرض بالفساد" (بدائع الصنائع، کتاب السیر ٦/١٢٧)۔

لیکن چونکہ تحقیق حال اور ثبوت کی فراہمی کے لئے احتیاطاً قید کر رہا ہے اس لئے حاکم کو چاہئے کہ جتنی جلد ممکن ہو تحقیق حال کر لے، اگر وہ بے قصور پایا جاتا ہے تو قید سے آزاد کر دے،

☆ استاذ جامعہ مفتاح العلوم مئو، یوپی۔

مدت کا تعین حاکم کی صوابدید ہی پر رکھا جائے گا۔

۲-الف-فقہ کی عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ قیدیوں کو تصرفات شرعیہ سے روکا نہیں جائے گا، اس لئے کہ قیدیوں کا حق ہے کہ وہ اپنے مذہب کے مطابق عبادت کریں، مذہبی کتابوں کا مطالعہ کریں، دوسروں کو دین کی دعوت دیں اور قید کے حکام کو چاہئے کہ ان قیدیوں کے سامنے ان کی مذہبی مقدس شخصیتوں اور کتابوں وغیرہ کی بے احترامی سے احتراز کریں، "ولا يمنع من التصرفات الشرعية" (بدائع الصنائع ۶/۱۸۰)۔

ب- قیدیوں کو غذا، صاف پانی کی فراہمی ضروری ہے، شریعت کی نگاہ میں یہ مستحسن امر ہے جیسا کہ قرآن میں ان لوگوں کا تذکرہ بطور تعریف کے کیا گیا ہے جو اللہ کی محبت کے جوش میں اپنا کھانا باوجود خواہش اور احتیاج کے نہایت شوق اور خلوص سے مسکینوں، یتیموں اور "قیدیوں" کو کھلاتے ہیں (قیدی عام ہے مسلم ہو یا کافر) "ويطعمون الطعام على حبه مسكيناً ويتيماً وأسيراً" (سورہ دہر)۔

حدیث میں ہے کہ بدر کے قیدیوں کے متعلق حضور ﷺ نے حکم دیا کہ جس مسلمان کے پاس کوئی قیدی ہو وہ اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے، چنانچہ اس حکم کی تعمیل میں صحابہ قیدیوں کو اپنے سے بہتر کھانا کھلاتے تھے حالانکہ وہ قیدی مسلمان نہ تھے۔

قیدیوں کو ضرورت وحاجت کے تحت بیوی سے تعلق کی اجازت ملنی چاہئے۔

"ولا يمنع من الجماع إن احتاج إليه فتدخل امرأته أو جاريته عليه إن كان فيه موضع سترة" (البحر الرائق ۶/۲۷۴)۔

حفظان صحت کے لئے علاج، ورزش کا بھی نظم ہونا چاہئے، ایسی تنگ جگہوں میں قیدیوں کو نہ رکھا جائے جہاں کھڑا ہونا، پاؤں پھیلا کر لیٹنا ممکن نہ ہو سکے۔

ج- عام سماجی حقوق، اخبارات پڑھنے، ریڈیو سننے، فون پر احباب واقارب سے

گفتگو کرنے، دوسرے قیدیوں سے ملاقات، تعلیم اور ہنر سیکھنے وغیرہ کی اجازت ہونی چاہئے۔

"ولا يمنع من دخول أقاربه عليه" (بدائع الصنائع ۱۸۱/۶)، "ولا يمكن أحد أن يدخل عليه للاستئناس إلا أقاربه وجيرانه" (البحر الرائق)۔

د- مردوں اور عورتوں کے لئے، بالغوں اور نابالغوں کے لئے الگ الگ قید خانے فتنہ کے سد باب کے پیش نظر بنائے جائیں، "ويجعل للنساء سجن علاحدة نفياً لوقوع الفتنة" (البحر الرائق؛ کتاب القضاء ۲۷۶/۶)۔

۳- الف- قیدیوں سے سچی بات اگلوانے کے لئے تعزیراً ایسی سزاؤں کے دینے کا اختیار قاضی کو ہوگا جو انسانیت سوز نہ ہوں جیسے قیدیوں کو بے لباس کرنا، تو شرعی نقطہ نظر سے (کشف العورۃ) کی اجازت نہ دی جائے گی، بقیہ بدن سے کپڑے بوقت ضرورت اتارے جاسکتے ہیں جیسا کہ حدود کے بارے میں کہا گیا، "وينزع عنه ثيابه معناه دون الإزار لأن التجريد أبلغ في إيصال الألم إليه وهذا الحد مبناه على الشدة في الضرب وفي نزع الإزار كشف العورة فليتوقاه" (ہدایہ)۔

ب- قیدیوں کو ایسی معمولی ضرب لگائی جاسکتی ہے جس کا اثر اندر تک نہ پہنچے۔

ج- معمولی الکٹرک شاٹ لگائی جاسکتی ہے کیونکہ اس سے غالباً جسم کی مشنریوں پر اثر نہیں پڑتا، لیکن اگر مہلک ہوں تو اس کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

د- قیدیوں پر کتے چھوڑنے کی اجازت قطعاً نہیں دینی چاہئے کیونکہ یہ انسانیت سوز سزا ہے۔

۴- قیدیوں کی حفاظت بھی ایک اہم مسئلہ ہے، اس لئے قیدیوں کے فرار ہونے کے خدشہ کے باعث زنجیروں میں جکڑنا، ہتھکڑی پہنانا، یا بیڑی ڈالنا درست ہونا چاہئے، لیکن اگر فرار ہونے کا خدشہ نہیں ہے تو ان قیدیوں کو ان چیزوں سے آزاد رکھا جائے۔

٥-کسی مجرم کو اس کے خصوصی جرم کے پس منظر میں قید تنہائی دی جا سکتی ہے۔

٦-قیدیوں سے جیل میں جبراً کام نہیں لیا جا سکتا ہے، "و لا یکتسب فیہ". اگر اس سے کام لیا گیا تو قیدی کو اس کی اجرت دینی چاہئے اور کام کے اوقات حد سے متجاوز نہ ہوں اور کام بھی قیدی کی طاقت سے باہر نہ ہو۔

٧-جن قیدیوں کا مقدمہ ابھی زیر سماعت ہے اور جن کے بارے میں سزائے قید کا فیصلہ ہو چکا ہے سلوک کے اعتبار سے دونوں میں فرق کیا جا سکتا ہے بلکہ کیا جانا چاہئے۔

٨-شریعت کا نقطہ نظر یہ ہے کہ قاضی کو حکم ہے کہ فیصلہ میں تاخیر نہ کریں جتنی جلد ممکن ہو سکے فیصلہ کریں، اگر بالقصد قاضی فیصلہ میں تاخیر کرتا ہے تو اسے معزول کیا جا سکتا ہے، اس لئے زیر سماعت قیدیوں کو اتنے دنوں تک فیصلے سے پہلے قید میں نہ رکھا جائے جو ان کے اوپر عائد فرد جرم کی اصل سزا ہے۔

٩-اصل تو یہی ہے کہ جیل میں قیدیوں سے کام نہ لیا جائے، لیکن اگر کسی ملزم کو قید میں تحقیق حال کے لئے رکھا گیا اور قیدی حکام نے ان سے کام لیا بعد میں عدالت نے اسے بری کر دیا تو قیدی مالی ہرجانہ وصول کر سکتا ہے۔

١٠-صلاح و مشورہ کے لئے قیدی کو اپنے اعزہ و اقارب، پڑوسی اور گھر کے لوگوں کے ساتھ ساتھ وکیلوں سے ملاقات کے حقوق حاصل ہوں گے، مزید حاکم وقت کے پاس بھی اپنی صفائی کے لئے جا سکتا ہے، وکیلوں پر کسی قسم کی بندش نہیں ہونی چاہئے۔

١١-چونکہ ماں کو حق حضانت حاصل ہے اور بچوں کی تربیت بھی اسی کے سپرد ہے اس لئے اگر شیر خوار بچہ ہو تو ماں کو یہ حق ہوگا کہ جب تک وہ بچہ خود خورد و نوش اور دیگر انسانی ضروریات پر قادر نہ ہو جائے وہ اپنے ساتھ قید میں رکھے۔

قیدی کے حقوق

مولانا محمد فاروق قاسمی ☆

قیدی کے حقوق سے متعلق سوالات کے جوابات حسب ذیل ہیں:

۱-حبس وقید کی دو قسمیں ہیں: حبس عقوبت، حبس استظہار واستکشاف، اور یہ دونوں طریقے حبس کے مشروع ہیں، چنانچہ حبس استظہار میں تہمت جرم اور شبہ کی وجہ سے حبس کیا جاتا ہے، تاکہ حالات کا استکشاف کیا جاسکے، پھر اگر جرم ثابت ہوجائے تو اسے حبس عقوبت کے طور پر مدت معینہ تک علی حالہ محبوس چھوڑ دیا جائے، یا کوئی جرم ثابت نہ ہوسکے تو اسے رہا کر دیا جائے، جیسا کہ ابوداؤد، ترمذی، اور نسائی نے بہز بن حکیم کی یہ روایت ذکر کی ہے کہ آپ ﷺ نے ایک شخص کو تہمت کی وجہ سے مسجد میں محبوس کر دیا (ابوداؤد: ۳۶۳۰، الترمذی: ۱۴۱۷، نسائی)۔

عن بهز بن حكيم عن ابيه عن حده: أن النبي ﷺ حبس رجلا في تهمة ساعة من نار ثم خلى عنه"۔

علامہ خطابی اس حدیث پاک کی شرح میں فرماتے ہیں: "في هذا دليل على أن الحبس على ضربين، حبس عقوبة، وحبس استظهار، فالعقوبة لا تكون إلا في واجب وأما ما كان في تهمة فإنما يستنظر بذلك ليستكشف به مما وراءه" (بذل المجہود ۴؍۳۲۰، قدیم)۔

☆ جامعہ دار الاحسان، بارڈولی، سورت۔

۲- اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ حبس کی دو قسمیں ہیں: حبس عقوبت اور حبس استظہار، تو ظاہر سی بات ہے کہ حبس استظہار میں جب تک جرم کا ثبوت ہو نہ جائے اس وقت تک اس محبوس کی حیثیت ایک مجرم اور مستحق عقوبت کی نہیں ہے، لہذا اس کے ساتھ کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا جا سکتا، بلکہ جملہ امور میں سہولیات کا خیال رکھا جائے گا۔

برخلاف حبس اگر عقوبت کے طور پر ہو تو اس کا مقصد قلبی ودماغی پریشانی میں مبتلا کرنا ہے تا کہ ظلم سے امتناع ممکن ہو خواہ ادائیگی حقوق کے ذریعہ ہو یا تائب ہونے کے ذریعہ ہو، تو اس صورت میں اس کے ساتھ قابل استیناس امور کی سہولت فراہم نہیں کی جا سکتی، جیسا کہ فتاوی ہندیہ میں ہے: "وينبغي أن يحبس في موضع خشن لايبسط له فراش ولا وطاء ولا أحد يدخل عليه ليستأنس ليضجر قلبه" (ہندیہ ۳/۴۱۹)۔

لہذا کتابوں کا مطالعہ، اخبارات بینی، ریڈیو سننا، فون پر احباب واقارب سے بات چیت کرنا، دوسری جگہوں پر موجود قیدیوں سے ملنا، تعلیم وہنر سیکھنا، ورزش وتفریح کرنا وغیرہ اعمال کی اجازت نہیں ہوگی، کیوں کہ ان تمام امور میں استیناس موجود ہے، جو حبس عقوبت کی غرض کے منافی ہے۔

البتہ محرمات سے اجتناب چوں کہ ہر حال میں ضروری ہے اس لئے ان کے ارتکاب کی گنجائش نہیں ہوگی، چنانچہ قیدی جس مذہب پر عقیدہ رکھتا ہے اس مذہب کی شخصیتوں اور کتابوں کی بے احترامی جائز نہیں، اسی طرح مذہبی تعلیمات کے مطابق اس کے لئے غذا فراہم کرنا بھی ضروری ہوگا۔

بات رہی بیوی سے تعلق کی، تو تستر وخلوت مہیا ہونے کی صورت میں بیوی سے جماع کی گنجائش ہوگی، لیکن وہاں زیادہ دیر تک ٹھہرنے کی اجازت نہیں ہوگی: قال الشامي وفي النهر إذا احتاج للجماع دخلت عليه زوجته أو أمته إن كان فيه موضع سترة،

وفیہ دلیل علی أن زوجتہ لا تحبس معہ، (إلی قولہ) إذ فی حبسھا معہ غایة الاستئناس لہ مع کون المقصود من ذلک الضجر الخ" (شامی ۸/ ۵۲)۔ اسی طرح تنگ جگہوں میں قیدیوں کو رکھنا مفوض الی رائی القاضی ہے، اگر قاضی اس سزا کو جرم کے مناسب سمجھے تو یہ سزا دے سکتا ہے: "وفی الشامیة إذا کان متعنتا لا یؤدی المال، قبل یطین علیہ الباب ویترک لہ ثقبة یلقی لہ الخبز والماء، وقیل الرای فیہ للقاضی الخ" (شامی ۸/ ۵۴)۔

۳- شریعت غراء نے قیدیوں کو حالت قید میں ہوتے ہوئے ڈرا دھمکا کر کسی قسم کے اقرار کرنے یا کوئی سچی بات کہلوانے کی اجازت نہیں دی ہے، بلکہ نفس قید میں رہنا ہی باعث ضجر واضطراب ہے جو دھمکی کے لئے کافی ہے، اس دوران اس کے جرم کی تحقیق وتفتیش قاضی وحاکم کی ذمہ داری ہے، اگر جرم کا ثبوت ہوتا ہے تو وہ عقاب کے بعد رہا کا، ورنہ ابتداءً رہا کا حقدار ہے، جیسا کہ درمختار میں موجود ہے: "وأما المحبوسون فی سجن الوالی فعلی الإمام النظر فی أحوالھم فمن لزمہ أدب أدبہ وإلا أطلقہ، وفی الشامیة عن کتاب الخراج لابی یوسف فمن کان منھم من أھل الدعارة والتلصص والجنایات ولزمہ أدّب أدبہ، ومن لم یکن لہ قضیة خلّی سبیلہ" (الدرالمختار مع الشامی ۸/ ۴۳)۔

لہذا قیدیوں سے سچی بات لینے کے لئے بے لباس کرنا، زدوکوب کرنا، شاٹ لگانا، کتے چھوڑنا، برف کی سلوں پر رکھنا، سونے کے مانع اسباب کا انتظام کرنا، درست نہیں، بلکہ اکراہ ہے، جو جائز نہیں، وفی الدرالمختار اقرار المکرہ باطل (ایضا ۸/ ۳۵۰)۔ اسی طرح کسی صاحب حق کے لئے بھی یہ جائز نہیں ہے کہ وہ مدیون کو اپنے حق کی وصولیابی کے لئے کوئی ظاہری اذیت رسانی کرے، کما فی الھندیة لیس للطالب أن یقیم فی الشمس أو علی الثلج أوفی موضع یضرّبہ" (ہندیہ: ۳/ ۴۱۶)۔

۴- قیدی اگر قید خانہ میں بھاگنے یا فرار اختیار کرنے کے ذریعہ تعنت نہیں کرتا اور نہ اس طرح کی حرکت کا جیلر کو اندیشہ ہو تو اس کو زنجیر میں جکڑنا، ہتھکڑی پہنانا، یا بیڑی ڈالنا درست نہیں، البتہ اگر قید خانہ سے فرار اختیار کرنے کا اندیشہ ہو تو اس کو مقید کیا جاسکتا ہے، اسی طرح اگر قیدی سفاک وخونریز ہونے کی وجہ سے گرفتار ہو تو بیڑی ڈالی جاسکتی ہے، جیسا کہ صاحب درمختار فرماتے ہیں: "ولا یغل إلا إذا خاف فراره فیقید" (۸/۵۴)۔ "ولا یلبث أحداً فی قید إلا رجلا مطلوبا بدم" (۸/۴۳)۔

۵- ایسا قیدی جو عقوبۃً قید وبند کی زندگی گذار رہا ہو، اس کو اس کے جرم کے مطابق قید تنہائی دی جاسکتی ہے، اور یہ قاضی وحاکم کی رائے پر موقوف ہے، لیکن اگر وہ قیدی کسی صاحب حق کے حق کیوجہ سے قید کیا گیا ہو، تو ایسی صورت میں مکان حبس کی تعیین صاحب حق کو ہوگا، قاضی وحاکم کو نہیں ہوگا، "لأن القاضی: یعین مکان الحبس عند عدم إرادة صاحب الحق أما لو طلب صاحب الحق مکانا فالعبرة فی ذلک له" (شامی ۸/۴۳)۔

٦- جیل خانہ میں کسی بھی قیدی سے جبراً کوئی کام نہیں لیا جاسکتا، اور اگر کام لیا جائے اور وہ قیدی عقوبۃً گرفتار ہوا ہو تو اس صورت میں وہ حقدار اجرت نہیں ہوگا، کیوں کہ مقصد حبس، ذہنی وقلبی پریشانیوں میں مبتلا کرنا ہے، اور مستحق اجرت ہونا مقصد حبس کے منافی ہے، کیوں کہ قیدی یہ سمجھے گا کہ وہ کسی کارخانہ یا دکان کا ملازم ہے: "وفی الدر المختار ولا یوجر، وفی الشامیة لأن الحبس مشروع لیضجر، ومتی تمکن من الاکتساب لایضجر فیکون السجن بمنزلة الحانوت" (شامی ۸/۵۴)، البتہ حضرت امام ابویوسف فرماتے ہیں کہ اگر قیدی کسی دین کی وجہ سے محبوس ہے تو اس سے مزدوری کرائی جائے گی تا کہ اس کے دین کی ادائیگی ہوسکے، کما فی الدر المختار وعن الثانی یؤجره لقضاء دینه" (ایضا)۔

۷- جن قیدیوں کا مقدمہ ابھی زیر سماعت ہے، حقیقت میں وہ ابھی عقوبت کے حقدار

ہی نہیں ہیں، لہٰذا ان کے ساتھ سزا کے حقدار محبوسوں جیسا برتاؤ نہیں کیا جائے گا، بلکہ دونوں کے حقوق تکمیل ضرورت کے اعتبار سے الگ الگ ہوں گے۔

۸- زیر سماعت قیدیوں کو اس وقت تک قید کرنے کا حق ہے جب تک کہ استکشاف حال نہ ہو جائے، لہٰذا اگر حالات کے تتبع وتلاش میں اس کے اوپر "عائد فرد جرم" کی اصل سزا کی مدت بھی گزر جائے تو اس کی گنجائش ہوگی، کیوں کہ اختلاف قاضی وحاکم سے یہ مدت کبھی دراز بھی ہو سکتی ہے، اس لئے کہ ایک قاضی کی تفتیش اور سبب حبس دوسرے قاضی کے لئے حجت نہیں، بلکہ ہر نئے قاضی پر واجب ہے کہ وہ خود حالت کی تفتیش کر کے فیصلہ کرے، **كما في الشامية ثم يسأل عن حبسهم ولابد أن يثبت عنده سبب وجوب حبسهم، وثبوته عند الأول ليس محجة يعتمدها الثاني في حبسهم لأن قوله لم يكن حجة كذا في الفتح**" (شامی ۸؍۴۳)، البتہ تحقیق حالت میں ذمہ دار کی جانب سے اگر کوتاہی ہو، اور خواہ مخواہ کا ٹال مٹول ہو تو خود ذمہ دار ظالم ہوں گے۔

۹- اگر کسی ملزم کو اس کے جرم متحقق کی بنیاد پر یا کسی شبہ کی بنیاد پر استکشاف حال کے لئے قید میں رکھا گیا، پھر مدت عقوبت ختم ہوگئی یا اس سے قبل ہی عدالت نے بری کر دیا، تو ایسا قیدی زمانہ قید کے ہرجانہ کا حق دار نہیں ہوگا، کیوں کہ تحقیق جرم کے بعد اگر زمانہ قید کا ہرجانہ دیا جائے تو عقوبت ہی کیا ہوگی؟ یہ تو مزید اس کے جرم پر جری ہونے کا ذریعہ ہوا، جو مقصد حبس وقید کے بالکل منافی ہے۔

اسی طرح جس کو شبہ کی بنیاد پر قید کیا گیا، لیکن کسی جرم کے عدم ثبوت کی وجہ سے رہا کر دیا گیا، اور مزید اس کو قید میں باقی نہیں رکھا تو یہ بھی ہرجانہ کا حقدار نہیں ہوگا، کیوں کہ اس طرح کا حبس مشروع ہے، اور حبس مشروع میں ہرجانہ مقصد شرع کے خلاف ہے، ہاں اگر قیدی کا بری الذمہ ہونا ثابت ہو چکا، پھر بھی محبوس رکھا گیا تو اس کو ہرجانہ دینا ہوگا، تا کہ اس کے ظلم کی تلافی ہو سکے۔

١٠- اگر قیدی کسی غیر واقعی معاملہ کی وجہ سے محبوس ہے تو اسے اپنے مقدمات کے سلسلے میں وکلاء سے رابطہ قائم کرنا، اور رہائی کے جملہ اسباب حاصل کرنے کی گنجائش ہے، بلکہ حاکم کے اس ظلم سے بچنے کے لئے اگر مادی صرفہ بھی اٹھانا پڑے تو کر لینا چاہئے، جیسا کہ علامہ شامی فرماتے ہیں: "ودفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسه وماله ولاستخراج حق له ليس برشوة" (شامی ٥٢١/٩)۔

تاہم جو قیدی کسی جور وظلم یا معاصی کی بنیاد پر مقید ہو اور وہ ایسا ہو جس سے لوگوں کو اذیت پہنچتی ہو تو اس کے لئے وکلاء سے رابطہ قائم کرنے اور سزا سے خلاصی کی کوشش کرنے کی اجازت نہیں، اور نہ وکیل کے لئے جائز ہے کہ اس کی پیروی کرے، البتہ اگر وہ معاصی کا خوگر نہ ہو بلکہ ایک وقتی غلطی کی وجہ سے مقید ہو تو اس کی سفارش کرنے، کروانے کی اجازت ہی نہیں بلکہ مستحب ہے، جیسا کہ ملا علی قاری فرماتے ہیں: "وقد أجمعوا على تحريم الشفاعة في الحد بعد بلوغه إلى الإمام لهذا الحديث، وعلى أنه يحرم التشفيع فيه، فأما قبل البلوغ فقد أجاز فيها أكثر العلماء إذا لم يكن المشفوع فيه صاحب شر وأذى للناس، وأما المعاصي التي يجب فيها التعزير فيجوز الشفاعة والتشفيع فيها سواء بلغت الإمام أم لا، لأنها أهون بل هي مستحبة إذا لم يكن المشفوع فيه صاحب أذى" (مرقاۃ ١٨٠/٧)۔

١١- خواتین قیدیوں میں سے جو سزاءً مقید ہوں، انہیں شیر خوار بچہ کو جیل میں رکھنے کا حق حاصل نہیں، کیوں کہ یہ استیناس کا سبب ہے جو سزاءً قید کے منافی ہے، البتہ جو تہمت وشبہ کی وجہ سے مقید ہوں انہیں شیر خوار بچوں کو، ساتھ رکھنے کی اجازت ہے: "في فتح القدير ولا يبسط له الفراش ولا وطاء ولا يدخل له أحد ليستأنس به" (فتح القدیر ٣٦٠/٧)۔

قیدیوں کے حقوق کا شرعی پہلو

مولانا نعیم اختر قاسمی ☆

قید و بند اور جیل خانہ کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ انسانی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سزا کی ایک قسم کے اعتبار سے قید و بند کا تصور کسی نہ کسی صورت میں ہر زمانہ میں رہا ہے۔ حضرت یوسفؑ کے جیل خانہ میں جانے اور اس کے اندر قیدیوں کی ایک معتد بہ تعداد سے ملنے کی واضح شہادت موجود ہے۔

اسلام میں قیدیوں کے لئے جیل خانہ کی تعمیر سب سے پہلے حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں ہوئی (الفاروق ۲/۲۷ بحوالہ مقریزی)، اس سے پہلے قیدیوں کے لئے کوئی مخصوص جگہ نہ ہوتی تھی، اس کے بعد حضرت علیؓ نے بھی ایک جیل خانہ بنوایا تھا (شامی ۴/۳۱۳)۔

دراصل حبس اور قید تعزیر کی چند صورتوں میں سے ایک صورت ہے۔ "فإن الحبس من أنواع التعزير (شامی ۴/۲۶۱ کتاب الکفالۃ)۔

کسی آدمی کو قید کب کیا جا سکتا ہے؟

کتب فقہ میں کسی شخص کو قید کرنے کی دو صورتیں بیان کی گئی ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ کسی آدمی پر جرم کا الزام لگایا گیا ہو۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس پر وہ الزام ثابت ہو گیا ہو۔ جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

☆ مدرسہ مصباح العلوم کوپا گنج، مئو۔

۱-قید بطور احتیاط

اگر کسی آدمی پر ایسے جرم کا الزام لگایا گیا ہو جس کا تعلق حدود وقصاص سے ہو یعنی جس کے ثابت ہونے پر اس سے قصاص لیا جائے یا اس پر حد جاری کی جائے تو ایک عادل یا دو مستور شخص کی گواہی پر آخری فیصلہ ہونے تک اسے قید میں رکھا جاسکتا ہے، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

"ولا یحبس فیهما حتی یشهد شاهدان مستوران أوشاهد عدل یعرفه القاضی"(ہدایہ ۳/ ۱۱۵ کتاب الکفالۃ)۔

(حدود وقصاص میں جب تک دو مستور یا ایک ایسا عادل گواہی نہ دے جس کو قاضی جانتا ہو تب تک اسے قید نہیں کیا جائے گا)۔

گویا یہ دفعہ غیر ضمانتی ہے۔

البتہ حضرات صاحبین کے نزدیک اگر کسی آدمی پر موجب حد قذف یا موجب قصاص جرم کا الزام لگایا گیا ہو تو چوں کہ ایسا ملزم ان کے نزدیک اپنی طرف سے کسی کو وکیل بالنفس بنا سکتا ہے اس لئے ایسے ملزم کو آخری فیصلہ ہونے تک قید کرنا درست نہیں بلکہ ضمانت پر رہا کیا جا سکتا ہے۔

"وذکر فی أدب القاضی أن علی قولهما لا یحبس فی الحدود والقصاص بشهادة الواحد لحصول الاستیثاق بالکفالة"(حوالہ سابق)۔

(ادب القاضی میں ہے کہ صاحبین کے قول پر حدود (حد قذف) وقصاص میں ایک آدمی کی گواہی پر قید نہیں کیا جائے گا کیوں کہ مضبوطی تو کفالہ سے حاصل ہو ہی جاتی ہے)۔

محض تہمت اور الزام کی بنا پر وقتی طور پر گرفتار کرنا حدیث سے بھی ثابت ہے۔ ترمذی کی روایت ہے:

"أن رسول الله ﷺ حبس رجلاً فی تهمة ثم خلی عنه"(ترمذی ۱/ ۱۷۰)۔

(آنحضرت ﷺ نے ایک الزام کے تحت ایک آدمی کو گرفتار کیا اور پھر اسے چھوڑ دیا)۔

حافظ ابن قیم جوزیہ لکھتے ہیں:

"ولو حلفنا كل واحد منهم وأطلقناه مع العلم باشتهاره بالفساد في الأرض وكثرة سرقاته وقلنا لا نأخذ إلا بشاهدي عدل كان مخالفاً للسياسة الشرعية" (شامی ۳/۱۸۸، باب التعزیر)۔

(اگر ہر اس ملزم سے جس کا زمین میں فساد برپا کرنا اور کثرت سے چوری کرنا مشہور ہو ہم قسم لے کر چھوڑ دیا کریں اور اس بنا پر اسے گرفتار نہ کریں کہ دو عادل آدمی کی گواہی ہمیں حاصل نہیں ہے تو یہ شرعی حکومت کے منافی ہوگا)۔

اسی لئے فقہاء لکھتے ہیں: "وللقاضي تعزير المتهم وإن لم يثبت عليه" (در مختار علی الرد ۳/۱۸۷)۔

۲- قید بطور تعزیر

وہ جرم جس کا تعلق تعزیر سے ہو تو اس کے اندر حجت کاملہ یعنی دو گواہوں کی گواہی کے بعد ہی قید کیا جاسکتا ہے یعنی مکمل جرم ثابت ہونے کے بعد، اس سے پہلے نہیں۔

"بخلاف الحبس في باب الأموال لأنه أقصى عقوبة فلا يثبت إلا بحجة كاملة" (ہدایہ ۳/۱۱۵)۔

(برخلاف اموال کے باب میں قید کرنے کے کیوں کہ حبس آخری سزا ہے لہذا حجت کاملہ کے بغیر ثابت نہیں ہوگا)۔

گویا یہ مطلقاً ضمانتی دفعہ ہے۔

قید کی مدت

قید کرنا اگر تعزیراً ہو تو اصلاً اس کی کوئی مدت مقرر نہیں بلکہ وہ حاکم کی صوابدید پر منحصر

ہے کہ جب حاکم مجرم کے اندر ندامت اور توبہ کے آثار دیکھے اسے رہا کر دے، مندرجہ ذیل فقہی عبارتوں سے یہی ثابت ہو رہا ہے:

"وتقدير مدة الحبس راجعة إلى الحاكم كما لا يخفى" (البحر الرائق ۵/۴۳)۔

"والصحيح أن التقدير مفوض إلى رأى القاضي لاختلاف أحوال الأشخاص فيه" (عنایہ ۳/۱۳،۷ فصل فی الحبس)

"ويخلد في الحبس إلى أن يظهر التوبة أى أماراتها" (منحۃ الخالق علی البحر ۵/۴۲)۔

البتہ ایک بڑے ملک کے اندر جس کے جیلوں میں سزا کاٹنے والے مجرموں کی ایک بڑی تعداد رہتی ہو وقتاً فوقتاً اس بات کا پتہ لگانا کہ کن کن مجرموں کے اندر توبہ کے آثار ظاہر ہوئے ہیں یہ انتہائی مشکل کام ہوگا، اس لئے آسانی کے واسطے الگ الگ قسم کے جرم کے لئے الگ الگ قسم کی سزاؤں کے ساتھ قید کی مدت بھی مقرر کی جاسکتی ہے۔ جرم اور مجرم کی کیفیت کے پیش نظر ریاستی قوانین میں بھی اس قسم کی لچک ہوتی ہے کہ فلاں جرم کی سزا میں مثلاً پانچ سال سے لے کر دس سال تک کی سزا ہو سکتی ہے۔ دونوں مدتوں کے درمیان کی مدت کی تعیین حاکم اور جج کی صوابدید پر منحصر ہوتی ہے۔

اور اگر محض جرم کے الزام میں اسے احتیاطاً قید کیا گیا ہو تو اس کی قید کے مدت بیان نہیں کی جاسکتی۔ جرم کی نوعیت کو دیکھتے ہوئے اگر اسے ضمانت مل گئی تو اس کا مقدمہ آہستگی سے چلتا ہے۔

اور اگر ملزم کی طرف سے درخواست ضمانت کے باوجود اس کی ضمانت منظور نہ کی جاسکی تو اس کے مقدمہ کی کارروائی میں تیزی لائی جاتی ہے اور ایسا کرنا شرعاً اخلاقاً اور قانوناً ناگزیر ہوتا ہے، مبادا وہ ملزم بری ہو تو اسے حبس بے جا سے جلد از جلد رہائی مل جائے گی۔ اور اگر مقدمہ کا

فیصلہ اس کے حق میں نہ ہوا بلکہ اسے مجرم قرار دے دیا گیا تو دوران سماعت قید کی مدت اس جرم کی اصل مدت سزا سے قانوناً منہا کر دی جاتی ہے، اور ایسا کرنا ہی انصاف کا تقاضہ ہے۔

رہ گئی وہ صورت جس میں زیر سماعت قیدی کی مدت حبس اس کے اوپر عائد فرد جرم کی اصل سزا سے زیادہ ہو جائے یہ صورت بہت نادر ہے، کیوں کہ ابھی یہ بات گزری کہ جس کی ضمانت کی درخواست نامنظور ہو جاتی ہے اس کے مقدمہ کی فائلوں کی گردش قانوناً تیز کر دی جاتی ہے اور اس کے مقدمہ کا تصفیہ جلد از جلد کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، اور اگر ایسا ملزم درخواست ضمانت ہی پیش نہیں کرتا تو گویا وہ خود جیل میں رہنا گوارہ کر رہا ہے، ایسی صورت میں کسی کو اس کے قید کی مدت لمبی ہونے سے کیا غرض ہو سکتی ہے؟

زمانۂ قید میں ہونے والے مالی نقصان کا ہرجانہ طلب کرنا

جیسا کہ بعض لوگوں کے ذریعہ معلوم ہوا کہ اگر کسی ملزم کی درخواست ضمانت نامنظور کر دی جائے اور بعد کو وہ جرم سے بری قرار دیا جائے تو زمانہ قید کی ذہنی اذیت کا تو کوئی بدل نہیں ہو سکتا اس لئے کسی بدل کا مطالبہ درست نہیں، البتہ زمانہ قید میں ہونے والے مالی ہرجانہ کا مطالبہ کر سکتا ہے، تاہم اس کے لئے قانون کی پیچیدگیوں سے گزرنا پڑتا ہے اور یہ بہت مشکل اور دشوار گزار عمل ہے، اسی لئے ایسا دیکھنے اور سننے کو نہیں ملتا۔ رہی اس مسئلہ کی شرعی حیثیت تو اس تعلق سے کوئی جزئیہ نہیں ملا۔

قیدیوں کو حاصل ہونے والے مختلف قسم کے حقوق

صاحب درمختار نے ''حبس'' پر مستقل ایک فصل قائم کی ہے جس میں مکان قید اور اس کی کیفیت پر تھوڑی روشنی ڈالی ہے، فرماتے ہیں:

"صفته أن يكون بموضع ليس به فراش ولا وطاء ليضجر..... ولا

يمكن لأحد أن يدخل عليه للاستيناس إلا أقاربه وجيرانه لاحتياجه للمشاورة ولا يمكثون عنده طويلا" (درمختار علی الرد ۴/ ۳۱۴)۔

(قید خانہ ایسی جگہ ہونا چاہئے جہاں نہ کوئی بستر ہو اور نہ کوئی دری تاکہ اسے کلفت ہو۔ اس کے رشتہ دار اور پڑوسیوں کے علاوہ کسی اور کو انس حاصل ہونے کے واسطے اس کے پاس جانے نہ دیا جائے گا۔ رشتہ داروں اور پڑوسیوں سے مشورہ کرنے کا چونکہ وہ محتاج ہوتا ہے اس لئے اجازت ہے مگر وہ بھی ضرورت سے زیادہ اس کے پاس نہیں ٹھہریں گے)۔

اس کے علاوہ اور بھی چند چیزوں کا بیان ہے مثلاً جیل خانہ میں تجارت و کمائی کا کوئی کام نہیں کرے گا۔ بیوی سے صحبت کرنے یا نہ کرنے کے تعلق سے دونوں طرح کی روایتیں ہیں (درمختار علی الرد ۴/ ۳۱۴)۔

علامہ شامیؒ ایک جگہ فرماتے ہیں:

"والمحبوس يسمى منفياً من الأرض لأنه لا ينتفع بطيبات الدنيا ولذاتها ولا يجتمع بأقاربه وأحبابه (ردالمحتار ۳/ ۲۱۲، باب قطع الطریق)۔

(قیدی کو "منفی من الارض" بھی کہتے ہیں کیونکہ وہ دنیا کی آسائشوں اور لذتوں سے نفع نہیں اٹھاتا اور اپنے دوستوں اور رشتہ داروں سے ملاقات نہیں کرتا)۔

ان فقہی عبارتوں سے اصلاً یہ معلوم ہوتا ہے کہ قید جو کہ سزا کی ایک قسم ہے اس کی کیفیت کچھ ایسی ہونی ضروری ہے جس میں قیدی کو کلفت کا سامنا کرنا پڑے، اگر وہ ساری سہولتیں اور آسائشیں دوران قید اسے بھی حاصل ہو جائیں جو ایک آزاد شخص کو حاصل ہوتی ہیں تو اسے پھر اس قید میں رکھنے کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔

یہ بات ایک حد تک صحیح ہے تاہم قید اور جیل خانہ کی کیفیت چونکہ منصوص نہیں ہے اس لئے اس میں عرف کا لحاظ کر کے کچھ دوسری مصلحتوں کی رعایت بھی ضروری ہے۔ کسی مجرم کو قید کرنے کا مقصد جس طرح اسے سزا دینا ہوتا ہے اسی طرح اس کا دوسرا بڑا مقصد اس مجرم کی

اصلاح ہونے تک آزاد اور صالح معاشرہ کو اس کی تخریب کاریوں اور شرارتوں سے محفوظ رکھنا بھی ہوتا ہے۔

نیز موجودہ زمانہ میں زندگی کے اندر اس قدر تنوع پیدا ہو گیا ہے اور اس قدر چیزیں انسانی ضرورت میں شامل ہو گئی ہیں کہ قیدی کو عام حالات میں ہر قسم کی سہولتوں سے محروم کرنے کو آزاد معاشرہ بھی ایک قسم کی زیادتی تصور کرے گا اور خود قیدی کے اندر اصلاح کے بجائے باغیانہ خیالات جنم لے سکتے ہیں، اور پھر قید کا مقصد ''ظہور اثر توبہ'' فوت ہو سکتا ہے۔ اس لئے موجودہ زمانہ میں قیدیوں کے ساتھ برتاؤ کا جو عالمی معیار مقرر کیا گیا ہے اسے اپنانے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہونی چاہئے اور قیدی کو ہر قسم کے مذہبی، اخلاقی اور سماجی حقوق حاصل ہونے چاہئیں۔ نیز جسمانی ضروریات بھی پوری ہونے کا خیال ہونا چاہئے، اسی طرح اپنے مقدمات کے سلسلہ میں اپنی براءت کے اظہار کے لئے وکیل سے رابطہ پیدا کرنے کے سارے حقوق ملنے چاہئیں، شریعت کی طرف سے اس کی کوئی ممانعت نہیں ملتی۔

دونوں قسم کے قیدیوں میں فرق

جن قیدیوں کا مقدمہ ابھی زیر سماعت ہے ان کی قید اصلاً بطور سزا کے نہیں ہوتی بلکہ احتیاط پیش نظر ہوتی ہے اور مقدمہ کا فیصلہ ہونے تک قانون کی نگاہ میں وہ معصوم اور بے گناہ ہوتے ہیں اور معصوم کو سزا نہیں ہوتی اس لئے جیل کے اندر ان کی قید کی کیفیت اور رہائش کا معیار کچھ اس قسم کا ہونا ضروری ہے کہ وہ اسے اپنے ناکردہ جرم کی سزا تصور نہ کریں، یہ اور بات ہے کہ عام طور پر اس معاملہ میں دونوں قسم کے قیدیوں کے درمیان امتیاز نہیں برتا جاتا۔

قیدیوں سے جبراً کام لینا

فقہی اعتبار سے تعزیر کا تعلق چونکہ حاکم کی صوابدید پر منحصر ہوتا ہے اور سزا کی نوعیت کا

فیصلہ بھی اسی کو کرنا ہوتا ہے اس لئے اگر وہ سزاءً بعض قیدیوں کو کسی کام پر لگا دے تو اس کا یہ اقدام درست ہونا چاہئے مگر ایسی صورت میں وہ اجرت کے بھی مستحق ہوں گے۔ موجودہ وقت میں وہ اجرت اس کی خوارکی کے طور پر وصول شدہ سمجھی جاتی ہے، درمختار میں ہے:

"ولا یؤاجره وعن الثاني یؤجره لقضاء دینه" (درمختار علی الرد ۴/ ۳۱۵)۔

(اسے اجیر نہیں بنائے گا، امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے کہ اس کے دین کی ادائیگی کے لئے اجیر بنائے گا)۔

زنجیر، بیڑی، ہتھکڑی وغیرہ کا استعمال

درمختار میں ہے:

"ولا یغل إلا إذا خاف فراره فیقید" (درمختار علی الرد ۴/ ۳۱۵)۔

(اس کے گلے میں طوق نہیں ڈالے گا مگر جب اس کے فرار ہونے کا اندیشہ ہو تو بیڑی ڈال دے گا)۔

اس سے معلوم ہوا کہ بعض خاص حالات میں کچھ خطرناک قسم کے مجرموں پر اس کا استعمال درست ہے۔ صرف رسماً استعمال کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔

قید تنہائی

شامی میں ہے: "إذا کان متعتنا لا یؤدی المال قیل یطین علیه الباب ویترک له ثقبة یلقی له الخبز والماء" (ردالمحتار ۴/ ۳۱۵)۔

(اگر مال کی ادائیگی کرنے میں وہ زیادتی کرنے والا ہو تو جیل کا دروازہ بالکلیہ مسدود کر کے صرف ایک سوراخ رہنے دیں گے جس کے ذریعہ کھانا اور پانی اندر پہنچائیں گے)۔

اس سے معلوم ہوا کہ بعض مجرم کو اس کے خصوصی جرم کے پس منظر میں قید تنہائی بھی دی

جا سکتی ہے۔ نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ سامری کو دی جانے والی "لامساس" کی سزا سے بھی اس کا اشارہ ملتا ہے واللہ اعلم۔

سچی بات اگلوانے کی صورتیں

یہ مسئلہ انتہائی حساس نازک اور پیچیدہ ہے۔ کیوں کہ قانون راز اور سچی بات اگلوانے کے لئے کسی قیدی پر کسی بھی قسم کے جسمانی تشدد کی اجازت نہیں دیتا، لیکن قیدیوں کے حق میں بنا ہوا یہ قانون دنیا میں کہیں بھی معمول بہ نہیں بلکہ اس کے برعکس بعض خطرناک مجرموں کی زبان کھلوانے کے لئے وہ سارے حربے اور جسمانی تشدد کے وہ سارے طریقے آزمائے جاتے ہیں جن میں سے صرف چند کا ذکر سوالنامہ میں کیا گیا ہے۔

دراصل جرم کی نوعیت، مجرم کی سفاکیت اور مقدمہ کی نزاکت وسنگینی کو دیکھتے ہوئے ملزم پر اگر کسی بھی قسم کا تشدد نہ کیا جائے تو بڑے بڑے جرائم راز سربستہ ہی رہ جائیں اور مجرموں کے گروہ تک رسائی اور ان کے نیٹ ورک کا پتہ ہی نہ لگ سکے، اس لئے بعض خاص حالات کے تعلق سے اس مسئلہ کو ذمہ داروں کی صوابدید پر چھوڑ دینا ہی مناسب معلوم ہوتا ہے، اگر چہ ایسی صورت میں ظلم وناانصافی اور بے جا تشدد کا پورا اندیشہ موجود ہے تاہم اس کے علاوہ کوئی چارہ کار بھی نہیں۔ البتہ اس بات کا پابند بنانے کی ضرور کوشش ہونی چاہیے کہ ملزم کو اس قسم کے ٹارچر اور تشدد کا نشانہ نہ بنایا جائے جو انسانیت سوز تصور کیا جاتا ہو۔

قیدیوں کے حقوق

مولانا محمد قمر عالم☆

یہ ایک نا قابل انکار حقیقت ہے کہ اسلام کی تعلیمات اور اس کے تمام اوامر ونواہی عدل وانصاف پر مبنی ہیں، اس میں اپنوں، غیروں، دوستوں، دشمنوں کے درمیان کوئی فرق نہیں رکھا گیا ہے اور نہ ہی ذات و برادری کے اعتبار سے کسی ناروا امتیازی سلوک کو جائز رکھا گیا ہے، اس وقت ہمارے ملک میں خصوصاً اور پوری دنیا میں عموماً قیدیوں خاص طور پر ایک خاص فرقے اور مذہب کے ماننے والے قیدیوں کے ساتھ جو ناروا اور روح فرسا سلوک کیا جاتا ہے اسے سن کر رونگٹے ہی کھڑے نہیں ہوتے بلکہ روح بھی کانپ جاتی ہے۔

ان حالات میں ہمارا فرض منصبی ہے کہ ہم دنیا والوں کے سامنے قیدیوں کے حقوق کے سلسلے میں اسلام کی منصفانہ تعلیمات پیش کریں، تاکہ دنیا والے قیدیوں پر ہونے والے مظالم سے گریز کریں۔

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کی جانب سے قیدیوں کے حقوق کے سلسلے میں چند سوالات ہیں جن کے جوابات تحریر کئے جارہے ہیں۔

۱۔ کسی بھی ملزم کو اس کے جرم کا ثبوت فراہم کئے بغیر تفتیش کے لئے احتیاطاً قید کیا جا سکتا ہے اور جتنا جلد ہو سکے تفتیش کر کے کوئی صحیح فیصلہ کر لیا جائے یعنی اگر وہ بے قصور ہے تو بلا تاخیر

☆ مدرسہ حسینیہ رانچی۔

فوراً چھوڑ دیا جائے اور اگر اس کا جرم ثابت ہو جائے تو حسب جرم وموافق قانون اس کی مناسب سزا مقرر کر دی جائے۔ اس قید کے لئے مدت کی تعیین بہتر ہوگا ورنہ تو قیدی سالہا سال تک تفتیش کے نام پر جیل کی تاریک وہولناک کوٹھریوں میں سڑتا رہے گا۔

۲-(الف) مذہبی امور: سے متعلق قیدیوں کو قید خانہ میں آزادی ہونی چاہئے، کیوں کہ عالمی معیار آزادی مذہب کے حق کو تسلیم کرتا ہے، عالمی قانون کا کہنا ہے کہ تمام مذہبی نمائندوں کو قیدیوں کی مذہبی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے قید خانہ میں آنے کی اجازت ملنی چاہئے، اسی طرح اپنے مذہب کے مطابق عمل کرنا، مذہبی کتابوں کا مطالعہ کرنا، اپنے مسلک ومذہب کی تبلیغ کرنا، مذہب کے مطابق عبادات کرنا، اس کے مذہب کے مطابق غذا فراہم کرنا بھی حکومتوں اور قید خانہ کے ذمہ داروں کے لئے ضروری ہے۔ نیز جس مذہب سے وہ تعلق رکھتا ہے اس مذہب کی مقدس شخصیتوں اور کتابوں وغیرہ کی بے حرمتی سے احتراز ضروری ہے۔

ب- جسمانی ضرورت: مناسب غذا، صاف پانی، کھلی فضا، ورزش کا بہتر انتظام، صاف ستھرا بستر، سونے کی جگہ الگ، علاج ومعالجہ کا معقول نظم اور ڈاکٹروں تک بلا واسطہ رسائی تمام قیدیوں کے لئے ضروری ہے۔ بیوی سے تعلقات کی بھی اجازت ہونی چاہئے، چنانچہ لاطینی امریکہ کے بہت سے قید خانوں میں مرد قیدیوں کو سنیچر اتوار کے دن فیملی وزٹ کی اجازت ہوتی ہے، کچھ جگہوں پر خواتین قیدیوں کو بھی اس کی اجازت دی گئی ہے، اس طرح کی ملاقاتوں کے دوران کچھ حد تک خلوت وتنہائی کی فضا قائم کرنے کے لئے چادر وغیرہ پردے کے لئے لٹکا دیے جاتے ہیں۔ جناب سالار محمد خان ایڈوکیٹ صاحب نے اپنے ایک مقالہ میں اس کی وضاحت کی ہے۔ آگے لکھتے ہیں کہ راجستھان اور ہندوستان کی کچھ دوسری ریاستوں میں کھلے جیلوں پر کام شروع ہوگیا ہے جہاں طویل میعاد قیدی جو اپنی سزا کا ایک حصہ کاٹ چکے ہیں وریہ ثابت کر چکے ہیں کہ ان سے کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوسکتا وہ ان قید خانوں میں اپنے اہل خانہ کے ساتھ انفرادی

رہائش گاہوں میں رہ سکتے ہیں، ایسے قیدی آس پڑوس کے کھیتوں میں یا دیگر مفید کاموں میں مصروف رہتے ہیں۔

ج- عام سماجی حقوق: پوری دنیا سے قیدیوں کو ربط وتعلق کے مواقع کو ختم نہیں چاہئے، لہذا ان کی رسائی اخبارات ورسائل اور ریڈیو وغیرہ تک ہونی چاہئے، اسی طرح فون پر خویش واقارب سے گفتگو اور دوسرے قیدیوں سے ملاقات کی بھی اجازت ہونی چاہئے، نیز تعلیم اور ہنر سکھانے کا معقول نظم قید خانہ میں ہونا چاہئے تاکہ قید خانہ کی زندگی سے چھٹکارا پانے کے بعد معاشرہ میں شریفانہ زندگی گزار سکے۔

د- مردوں اور عورتوں کے قید خانے بالکل الگ الگ ہونے چاہئیں، جنسی وجسمانی زیادتیوں سے محفوظ رکھنے کے لئے خواتین قیدیوں کی نگرانی بھی خواتین ملازمین کے ذریعہ کرانا ضروری ہے، دوران قید استحصال وتشدد وامتیاز وتفریق کی تمام شکلوں سے تحفظ کو یقینی بنانا قید خانہ کے انتظامیہ پر لازم ہے۔ اسی طرح بالغوں اور نابالغوں کے لئے بھی الگ الگ قید خانے کا ہونا ضروری ہے اور حتی الامکان نابالغ قیدیوں کو فوری طور پر عدالتی کارروائی کے لئے پیش کیا جانا چاہئے، اسی طرح اپنے اہل خانہ سے ملنے اور ان سے مراسلت کے تمام ذرائع کے استعمال کی اجازت کمسن نابالغ اور چھوٹے قیدیوں کو ہونا چاہئے۔ تعلیم وتربیت اور نظم وضبط سے متعلق اصول وضوابط ایسے ہوں جن سے بچوں کے اندر صحیح اخلاق واطوار، عدل وانصاف، عزت نفس اور حقوق انسانی کے جذبے کو ترقی ملے اور ان سے ان کی عزت ووقار اور احترام میں کوئی فرق نہ آئے۔

۳- قیدیوں سے سچی بات اگلوانے کے لئے انہیں بے لباس کرنا، مار پیٹ کرنا، الیکٹرک شاٹ لگانا، ان پر کتے چھوڑنا، سخت ٹھنڈک میں برف کی سلوں پر ڈال دینا اور انہیں مسلسل جگے رہنے پر مجبور کرنا اور اس کے لئے اس کی جائے رہائش میں تیز روشنی یا تیز آواز کا انتظام کرنا یہ سب از روئے شرع حرام اور ناجائز ہیں اور حقوق انسانی کی پامالی اور ان کے ساتھ

مذاق کے مرادف ہے، کیونکہ ان کے ساتھ وحشیانہ برتاؤ صرف اس لئے نہیں کیا جا سکتا کہ انہوں نے کوئی جرم کیا ہے، یا ان پر مجرم ہونے کا الزام لگایا گیا ہے، قیدیوں کے ساتھ برا سلوک ہمیشہ ہی مذہب میں قانوناً ممنوع رہا ہے لہذا تعذیب وتشدد اور بالقصد بے رحم غیر انسانی یا ذلت آمیز رویہ پر سختی سے پابندی لگنی چاہئے، اس ممانعت کا صرف یہی مطلب نہیں ہے کہ براہ راست جسمانی وذہنی ظلم وستم نہیں ہونا چاہئے بلکہ اس میں ہر وہ چیز شامل ہے جس کا سرا کسی نہ کسی صورت میں قیدیوں کے حقوق سے ملتا ہے۔

۴- جسمانی بندھنوں جیسے ہاتھوں میں ہتھکڑی ڈالنا، یا پاؤں میں بیڑی ڈالنا یا جسم کو لوہے کی زنجیروں میں جکڑ دینا یہ درست نہیں ہے مگر یہ کہ وہ قیدی نہایت ہی خونخوار قسم کا ہو یا ان بندھنوں کے استعمال کے بغیر وہ قیدی قابو میں نہیں آ سکتا تو ایسی صورت میں ان کا استعمال کیا جا سکتا ہے۔ مگر جیسے ہی اس قیدی کی حالت نارمل ہو جائے ان بندھنوں کو ہٹا دینا چاہئے۔

۵- کسی بھی مجرم کو اس کے خصوصی جرم کی وجہ سے مسلسل الگ تھلگ رکھنا درست نہیں ہے، ہاں! اگر چند دنوں کے لئے ہو تو اس میں مضائقہ نہیں۔

۶- اگر جج نے اس سے جبراً کام لینے کا فیصلہ لکھا ہے تو روا ہے ورنہ نہیں، اور کام کی اجرت کا استحقاق وعدم استحقاق کا تعلق بھی جج کے فیصلہ پر منحصر ہے۔

۷- زیر سماعت قیدیوں کو ایسے مقام پر نہیں رکھنا چاہئے جہاں ایسے مجرموں کو رکھا گیا ہے جن کی سزائے قید کا فیصلہ ہو چکا ہے، خواتین قیدیوں کو اپنے ساتھ شیر خوار بچوں کو جیل میں رکھنے کا حق حاصل ہے۔

پانچواں باب

تحریری آراء

قیدیوں کے حقوق شرعی نقطہ نظر

مولانا فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی

اسلام میں کسی کی حرکت خود اختیاری پر پابندی کا نام حبس یا قید ہے، امام ابن قیم جوزیہؒ نے قید کی یہی تعریف کی ہے، نبی کریم ﷺ کی سیرت اور ہدایات سے قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم ملتی ہے۔

۱- کسی ملزم کو عام حالات میں جرم ثابت ہوئے بغیر قید نہیں کیا جا سکتا، اگر ملزم فاسق وفاجر ہو اور مختلف جرائم میں شہرت رکھتا ہو تو اس کو الزام کی بناء پر بھی قید رکھا جا سکتا ہے جب تک وہ آئندہ کے لئے توبہ نہ کر لے۔

۲- الف- قیدی کو مذہبی امور کی آزادی حاصل ہو گی یعنی وہ اپنے مذہب کے مطابق عبادت کر سکے گا، اس کی مذہبی تعلیم کے مطابق اس کو غذا دی جائے گی اور اس کے مذہب کی مقدس شخصیتوں اور کتابوں کے بے حرمتی نہیں کی جائے گی۔

ب- اس کی جسمانی ضروریات کا خیال رکھا جائے گا یعنی اس کو مناسب غذا، صاف پانی، رہنے کی کھلی جگہ جہاں وہ لیٹ بیٹھ سکے۔

ج- اس کو عام سماجی حقوق بھی حاصل ہوں گے۔

د- اخلاقی امور کا لحاظ رکھا جائے گا یعنی مردوں کو عورتوں سے الگ، اسی طرح بالغوں اور نابالغوں کے لئے الگ الگ جگہوں کا ہونا۔

۳- قیدیوں سے سچی بات اگلوانے کے لئے ان کو اس طرح سزائیں دینا قطعی جائز نہیں ہے کہ ان کو بے لباس کر دیا جائے، مار پیٹ کی جائے، الکٹرک شاٹ لگائے جائیں، ان پر کتے چھوڑے جائیں، برف کی سلوں پر لٹایا جائے، انہیں مسلسل جاگنے پر مجبور کیا جائے وغیرہ۔

۴- امام زیلعیؒ نے اپنی کتاب شرح متن الکنز میں لکھا ہے:

قید کی حقیقت کیا ہے۔ یہ کہ قیدی ایسی جگہ ہوگا جہاں کوئی فرش یا بستر نہ ہوگا، کسی رشتہ دار کو اندر جانے کی اجازت نہ ہوگی، تا کہ وہ ان سے مل کر خوش نہ ہو سکے، اگر بیمار ہو جائے اور جیل کے اندر علاج ممکن ہو تو اندر ہی علاج کیا جائے گا اور ضرورت ہوگی تو علاج کے لئے جیل کے باہر لے جایا جائے گا (۴/ ۱۸۲)۔

اس سے یہ بات سمجھی جا سکتی ہے کہ سزائے قید کی اصل غرض مجرم کی آزادی اور حریت پر قدغن لگانا ہے اور اس کے ساتھ اسے قدرے جسمانی اذیت دینا بھی مقصود ہے۔

لیکن اسلامی قانون میں تعزیر کا مقصد اصلاح ہے تا کہ مزید جرم سے بچایا جا سکے، لہذا اگر جرم خطرناک ہو تو ہتھکڑی بھی پہنائی جا سکتی ہے اور بیڑی بھی ڈالی جا سکتی ہے۔

۵- خصوصی جرم کے پس منظر میں قید تنہائی کی بھی گنجائش ہوگی تا کہ مجرم کو اپنے جرم کا احساس ہو۔

۶- جیل میں قیدیوں سے مشقت لی جا سکتی ہے مگر یہ مشقت مجرم کی شخصیت اور اس کے جرم کی نوعیت کے مطابق اور مناسب ہو، کیوں کہ یہ مشقت سزا کے طور پر ہے، اس لئے وہ اجرت کے مستحق نہیں ہوں گے۔

۷- جب کہ مقدمہ ابھی زیر سماعت ہے تو فیصلہ ہونے تک ان کو مجرم نہیں سمجھا جائے گا اور جن کے بارے میں سزائے قید کا فیصلہ ہو چکا ہے، زیر سماعت قیدی اور ان کے درمیان سلوک میں فرق ہونا چاہیے۔

۸- زیر سماعت قیدی جن کا جرم ابھی ثابت نہیں ہوا اس کو جرم سے پہلے سزا دینا غیر انسانی ہے۔

۹- زیر سماعت قیدی کو اگر بری قرار دے دیا گیا تو قید کی مدت میں ہونے والی ذہنی اذیت اور مالی نقصان کا ہرجانا اس کو ملنا چاہئے۔

۱۰- قیدی کو اپنے مقدمات کے سلسلہ میں وکیل کی خدمات اور صفائی پیش کرنے کا پورا پورا حق ہے اور اگر وہ ان اخراجات کر برداشت نہ کرے تو حکومت پر لازم ہے کہ وہ بیت المال سے اس کے اخراجات ادا کرے۔

۱۱- خواتین قیدیوں کو اپنے ساتھ شیر خوار بچوں کے رکھنے کا حق ہے اور جب تک وہ قید میں ہوں ان کے اخراجات بیت المال کو ادا کرنے ہوں گے۔

قیدیوں کے حقوق-شرعی پہلو

مفتی محبوب علی وجیہی ☆

۱- اسلام نے شریعت مطہرہ کے موافق عمل کرنے والے کی تعریف بیان کی ہے اور اسے آخرت میں ثواب کا مستحق قرار دیا ہے، دوسری طرف اس کی خلاف ورزی کرنے والے اور حدود شرعیہ سے تجاوز کرنے والے پر سزا مقرر فرمائی ہے اور ہر جرم کی سزا شریعت میں الگ الگ ہے اور بعض جگہوں پر شریعت میں تعزیری سزا بھی بیان کی گئی ہے لیکن چونکہ ہندوستان میں اسلامی حکومت نہیں ہے کہ جس میں شرعی اعتبار سے سزا دی جائے، بلکہ قانون ہند میں مجرم کے لئے جو سزا مقرر کی گئی ہے وہی دی جائے گی، لہذا شرعی اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو ملزم کو بغیر اس کا جرم ثابت ہوئے قید کرنا درست نہیں ہے، مگر مجرم کے بھاگ جانے یا غائب ہو جانے کا خطرہ ہو تو اس کو قید کرنا جائز ہے، مگر جب تک جرم ثابت نہ ہو جائے اس سے کام نہ لیا جائے۔

۲- قیدیوں کو مذہبی امور سے روکنا درست نہیں ہے اور نہ ان کے مذہب یا مقدس شخصیتوں اور کتابوں کی توہین کرنا چاہئے، اور حکومت پر لازم ہے کہ ان کے مذہب کے مطابق غذا فراہم کرے۔ اور علاج ومعالجہ وحفظان صحت سے متعلق ضروری چیزوں کا خیال رکھے، اور حکومت پر یہ لازم ہے کہ مردوں کو عورتوں سے الگ اور بالغ لڑکوں کو نابالغ بچوں سے الگ قید خانے میں رکھے۔

☆ امام جامع مسجد رام پور۔

۳- قیدیوں سے سچی بات حاصل کرنے کے لئے ان کو مار پیٹ کرنا صحیح ہے بشرطیکہ ہلاکت کا اندیشہ نہ ہو، باقی بے لباس کرنا یا الیکٹرک شاک لگانا اور ان پر کتے چھوڑنا صحیح نہیں ہے۔ بے لباس کرنا تو حیاء انسانی کے خلاف ہے، اور بجلی کے شاک لگانے یا کتے چھوڑنے میں قیدی کی جان کے ہلاکت میں پڑ جانے کا خطرہ ہے اس لئے یہ عمل ان کے ساتھ درست نہیں ہے، اسی طرح برف کی سل پر رکھنا اور جاگنے پر مجبور کرنا وغیرہ یہ بھی درست نہیں ہے۔

۴- صورت مذکورہ میں قیدی کو جس طرح بھی قید کرنے میں سہولت ہو اس طرح اسے قید کرنا جائز ہے خواہ وہ زنجیروں میں ہو یا ہتھکڑی میں یا بیڑی ڈال کر، اور جب اس کے بھاگنے کا خطرہ ختم ہو جائے تو پھر بیڑی وغیرہ نکال دینا چاہئے۔

۵- کسی مجرم کو اس کے خصوصی جرم کے پس منظر میں قید تنہائی دی جا سکتی ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۶- جیل میں ان قیدیوں سے جبراً کام لیا جا سکتا ہے جن کا جرم ثابت ہو چکا ہے اور عدالت نے بامشقت قید کی شرط لگا دی ہے۔ اس کام پر وہ اجرت کے مستحق بھی نہیں ہوں گے مگر ہر قیدی سے کام لینا درست نہیں ہے۔ اگر ایسے قیدی سے کام لیا گیا جس کا جرم ثابت نہ ہو اور عدالت نے اسے بری کر دیا تو پھر وہ قیدی اجرت کا مستحق ہوگا۔

۷- جن قیدیوں کا مقدمہ ابھی زیر سماعت ہے اور جن کی سزا کا فیصلہ ہو چکا ہے دونوں کے حق میں سلوک کے اعتبار سے حکومت کی طرف سے فرق ہونا چاہئے، دونوں کے حق میں یکساں سلوک کرنا صحیح نہیں ہے۔

۸- زیر سماعت قیدیوں کو فیصلے سے پہلے وہ سزا دینا جو ان پر عائد ہوتی ہے جائز نہیں ہے۔ صرف انہیں قیدی بنا کر رکھا جائے گا انہیں سزا دینا درست نہیں ہے، ممکن ہے شبہ کی بنا پر اسے قید کیا گیا ہو اور اس کا جرم ثابت نہ ہو سکے۔

۹-صورت مذکورہ میں وہ ہرجانہ طلب کرنے کا مستحق نہیں ہے، کیوں کہ اسے حکومت نے جو قیدی بنا کر رکھا وہ صرف اس وجہ سے رکھا کہ وہ کہیں حکومت کے قبضہ سے نکل نہ جائے اور بھاگ نہ جائے اس لئے وہ ہرجانہ طلب کرنے کا مستحق نہیں ہوگا۔

۱۰-حکومت کو چاہئے کہ قیدی کو وکیل سے اپنے بات کہنے اور صفائی پیش کرنے کی مہلت دے اور کسی طرح کا اس پر دباؤ نہ ڈالے کہ جس سے وہ ڈر کر وکیل سے رابطہ قائم نہ کرے اور صفائی پیش نہ کرسکے۔ اسی طرح قیدی کو اس کے رشتہ داروں وغیرہ سے ملنے کا حق حاصل ہونا چاہئے۔

۱۱-خواتین کو اپنے شیر خوار بچہ کو جیل میں رکھنے کا حق حاصل ہوگا کیوں کہ شیر خوار بچہ اپنی ماں کے دودھ کے بغیر کمزور بھی ہوسکتا ہے اور بعض وقت مر بھی سکتا ہے اور ایک جان کے ساتھ دوسری جان کو تکلیف دینا اور سزا دینا جائز نہیں ہے، اس لئے خواتین کو اپنے ساتھ شیر خوار بچہ کے رکھنے کا حق حاصل ہوگا۔

قیدیوں کے حقوق - اسلامی نقطہ نظر

مولانا ابوسفیان مفتاحی☆

۱- کسی شخص نے کسی کو ملزم بنایا تو اس کے ذمہ اس کے جرم کو ثابت کرنا ضروری ہے۔ ثبوت جرم کے بغیر قید نہیں کیا جا سکتا، اور احتیاط کے طور پر ایسے شخص کو قید کیا جا سکتا ہے جو اپنے جرم میں مشہور زمانہ ہے مثلاً فتنہ سازی اور فسادی ہے اور ڈاکہ زنی اور چوری وغیرہ، تو ایسے شخص کو بطور احتیاط قید کیا جا سکتا ہے، اور اس کی قید کے لئے مدت حاکم کی صوابدید پر ہوگی، واللہ اعلم۔

۲- الف- قیدیوں کو مذہبی امور کے حقوق حاصل رہیں گے مثلاً عبادت کرنا، مذہبی کتابوں کا مطالعہ کرنا، دوسرے قیدیوں کے درمیان دین کی دعوت دینا، اس کے مذہب کے مطابق اس کے لئے غذا فراہم کرنا اور اس کے مذہب کی مقدس کتابوں اور شخصیتوں کی عزت واحترام کرنا یہ وہ حقوق ہے جو اسے حاصل رہیں گے، کیوں کہ عالمی معیار آزادی مذہب کے حق کو تسلیم کرتا ہے، اس لئے تمام اہل مذاہب کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کی اجازت ہونی چاہئے۔ عالمی قانون کا اصرار ہے کہ تمام مذہبی نمائندوں کو قیدیوں کی مذہبی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے قید خانہ ہی میں آنے کی اجازت ملنی چاہئے۔ عالمی معیار کے مطابق یہ مذہبی سہولتیں دنیا کے مشہور ومعروف مذاہب کے ماننے والے کے لئے ہی نہیں بلکہ تمام چھوٹے بڑے مذاہب کے ماننے والے کے لئے ہیں۔ قید خانہ میں کسی مخصوص مذہب کی طرف داری نہیں ہونی چاہئے۔ واللہ اعلم۔

☆ جامع مفتاح العلوم مئو۔

ب- جسمانی ضروریات کے لئے مناسب غذا، صاف پانی، علاج اور حفظان صحت کے لئے ورزش کی اجازت ہونی چاہئے۔ ایسی تنگ جگہوں میں قیدیوں کو نہ رکھا جائے جہاں کھڑا ہونا یا پاؤں پھیلا کر لیٹنا ممکن نہ ہو سکے۔ اور بیوی سے تعلق کی اجازت نہ دی جائے۔ عالمی اصول وضوابط کے مطابق جیل بھیجے جانے والے افراد پر ایک ہی سزا نافذ کی جاتی ہے اور وہ ہے آزادی سے محرومی۔ قیدیوں کو قید خانہ کے ملازمین اور دوسرے قیدیوں کی طرف سے بھی جسمانی، جذباتی ایذا رسانی طبعی حالات یا بے توجہی کے سبب سخت بیماری یا موت سے محفوظ رکھنا ضروری ہے۔ واللہ اعلم۔

ج- عام سماجی حقوق کے لئے اخبارات پڑھنے، ریڈیو سننے اور فون پر احباب واقارب سے گفتگو کرنے کا موقع جو قید خانہ میں نہیں ہیں۔ واللہ اعلم۔

د- اخلاقی امور میں ہے کہ مردوں اور عورتوں کو ایک ہی قید خانہ میں نہ رکھا جائے بلکہ الگ الگ قید خانہ میں رکھا جائے۔ نیز بالغوں اور نابالغوں کو بھی الگ الگ قید خانہ میں رکھا جائے۔ اور حراست میں لئے گئے بچوں کے ساتھ اس طرح پیش آنا چاہئے کہ ان کے احساس ووقار اور عزت کو فروغ ملے لازمی اسکولی عمر کے بچوں کو تعلیم اور پیشہ ورانہ تربیت دی جائے، اور جن اداروں میں بچوں کو رکھا گیا ہے وہاں ہتھیار نہ لایا جائے۔ واللہ اعلم۔

۳- قیدیوں سے سچی بات اگلوانے کے لئے حاکم اپنی صوابدید کے مطابق سزا تجویز کر سکتا ہے کہ قیدی جس سے ڈر کر سچی بات ظاہر کردے، لیکن جان لیوا سزا تجویز نہ کرے۔ واللہ اعلم۔

۴- قیدیوں کو زنجیروں میں جکڑنا جائز ہے، اور ہاتھوں میں ہتھکڑی پہنانا بھی جائز ہے، اور پیروں میں بیڑی بھی ڈالنا جائز ہے، واللہ اعلم۔

۵- کسی مجرم کو اس کے خصوصی جرم کے پس منظر میں قید تنہائی دی جاسکتی ہے، واللہ اعلم۔

۶- جیل میں قیدیوں سے بغیر جبر واکراہ بامقصد کام لیا جانا جائز ہے، اور قیدی اس کام کی اجرت کا مستحق ہوگا، لیکن کام کے اوقات حد سے متجاوز نہ ہوں۔ واللہ اعلم۔

۷- جن قیدیوں کا مقدمہ ابھی زیر سماعت ہے اور جن کے بارے میں سزائے قید کا فیصلہ ہو چکا ہے، قید خانہ میں سلوک کے اعتبار سے دونوں میں فرق رکھا جائے گا، یعنی زیر سماعت قیدیوں کو ایسے قیامگاہوں پر نہیں رکھا جانا چاہئے جہاں ایسے مجرموں کو رکھا گیا ہے جن کی سزا کا حکم صادر کیا جا چکا ہے، ان کی حراست کی کیفیت سزا یافتہ قیدیوں کی حراست کی کیفیت سے کم تر ہونا چاہئے، قبل سماعت قیدیوں کے لئے انفرادی اصول وضوابط ہونے چاہئیں، ان کے لئے کام لازم نہ ہو البتہ اپنی خوشی سے کام کرنے کا موقع ملنا چاہئے۔ واللہ اعلم۔

۸- زیر سماعت قیدیوں کو اتنے دنوں تک فیصلہ سے پہلے قید میں رکھنا درست ہے جو ان کے اوپر عائد فرد جرم کی اصل سزا ہے۔ واللہ اعلم۔

۹- ملزم کو قید میں رکھا گیا اور بعد کو عدالت نے اسے بری کر دیا تو زمانۂ قید میں ہونے والی ذہنی اذیت پر مالی ہرجانہ طلب کر سکتا ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۰- قیدی کو اپنے مقدمات کے سلسلہ میں اس کے گھر کے لوگ یا دوست واحباب کو وکیل سے رابطہ رکھنے اور اور صفائی پیش کرنے کے حقوق حاصل ہیں، چونکہ انہیں آزاد قانونی صلاح ومشورہ کا مستحق سمجھا جاتا ہے۔ جو وکیلوں کے اخراجات برداشت کر سکتے ہیں ان کو ان تک رسائی ملنی چاہئے، اور جو ایسا نہیں کر سکتے ان کے لئے قانونی نمائندگی کا بندوبست کیا جانا چاہئے۔ واللہ اعلم۔

۱۱- خواتین قیدیوں کو اپنے ساتھ شیر خوار بچوں کو جیل میں رکھنے کا حق حاصل ہوگا۔ خواتین کے تعلق سے نوزائیدہ اور شیر خوار بچوں کا مسئلہ کافی اہمیت کا حامل ہے، بہت سے ملکوں میں ماؤں کو قید خانہ میں اپنے نوزائیدہ بچوں کو رکھنے کی اجازت ہے، شیر خوار بچوں کو ان کی ماؤں سے جدا کرنے کی مناسب عمر کیا ہے یہ متعین کرنا بڑا مشکل ہے۔ کچھ قید خانہ کی انتظامیہ ماؤں کو اپنے بچوں کو نو یا اٹھارہ مہینوں کی عمر تک اپنے ساتھ رکھنے کی اجازت دیتی ہے۔ اگر بچے کے لئے رہنے کی کوئی اور جگہ نہ ہو تو چار سال کی عمر تک وہ اپنی ماں کے ساتھ رہ سکتا ہے۔ واللہ اعلم۔

قیدیوں کے حقوق اور شرعی احکام

مفتی جمیل احمد نذیری☆

۱- کسی ملزم کو اس کے جرم کا ثبوت فراہم ہوئے بغیر بھی قید کیا جا سکتا ہے، اسے حبس بسبب التہمۃ کہتے ہیں، اس آیت سے اس کا جواز ملتا ہے: **"تحبسونهما من بعد الصلاة"** (مائدہ:۱۰٦) (دونوں کو نماز کے بعد روکو)۔

رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ غفار کے دو اشخاص میں سے ایک شخص کو دو اونٹوں کی چوری کی تہمت کی وجہ سے محبوس کیا تھا، اور چھوڑ دیا تھا (مصنف عبدالرزاق ۱۰/ ۲۱۷)، حضرت علیؓ سے بھی متہمین کو محبوس کرنے کا ثبوت ملتا ہے (تبصرۃ الحکام ۲/ ۱۴۰)۔

اس کی کوئی مدت مقرر نہیں، حاکم کی صوابدید پر منحصر ہے، مگر اس کے معاملہ کو بلا وجہ طول نہ دیا جائے، بس اتنے دن تک رکھا جائے، جتنے میں الزام کے متعلق صحیح صورت حال سامنے آجائے (شامی ۴/ ۸۸، الموسوعۃ الفقہیہ ۱٦/ ۲۹۴)۔

۲- الف: مذہبی امور جن کا سوال میں تذکرہ ہے، قیدی کو ان کا حق ملنا چاہئے۔

ب- جسمانی ضروریات بھی اسے فراہم کی جانی چاہئیں، بیوی سے بھی مقاربت کا موقع ملنا چاہئے، (**السجون بين الشريعة والقانون**: (دکتور حسن عبدالغنی ابوغدہ، مکتبۃ الرشد الریاض رص ۴۸۷)۔

☆ مہتمم جامعہ عربیہ عین الاسلام، مبارک پور۔

ایسی تنگ جگہ میں قیدیوں کو رکھنا جائز نہیں جہاں کھڑا ہونا یا پاؤں پھیلا کر لیٹنا یا دیوار کے باہر کسی چیز کا دیکھنا ممکن نہ ہو، یہ قیدیوں کے ساتھ انسانیت سوز ظلم ہے۔

ج- عام سماجی حقوق بھی اسے حاصل رہیں گے، البتہ اس میں حسب صوابدید حکام تعیین وغیرہ کا حق رہے گا، یہ حقوق بہت عمومی حیثیت سے نہیں دیئے جائیں گے جن سے قید کرنے کا مقصد فوت ہونے لگے۔

د- اخلاقی امور: مردوں اور عورتوں کے الگ الگ قید خانے، اسی طرح بالغ ونابالغ کے الگ الگ قید خانے ہونے چاہئیں (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/ ۲۱۷)۔

۳- بالکل جائز نہیں ہیں۔

۴- جرائم کے اعتبار سے ان کی گنجائش رہے گی (السجون بین الشریعۃ والقانون/ ۵۵۱) اس میں اصل حاکم کی صوابدید ہے۔

۵- بعض قیدیوں کے ساتھ ایسا کرنے کی گنجائش ہے، مثلاً مرتد، مخنث، محبوس بالدین جو ادائیگی قرض سے انکار کرے اور سرکشی دکھائے (کتاب مذکور/ ۵۵۶)۔

۶- اگر بطور سزا کے کام لیا گیا ہے تو اس کی کوئی اجرت واجب نہ ہوگی، لیکن اگر قیدیوں سے کہا گیا کہ خالی وقت میں فلاں کام کر دیا کرو، اتنی اجرت ملے گی، تو وہ اجرت کے مستحق ہوں گے۔

۷- جی ہاں، فرق کیا جائے گا، زیر سماعت قیدیوں کے ساتھ مجرموں والا سلوک نہیں کیا جاسکتا۔

۸- صرف الزام کی بنیاد پر، اس سزا کی مدت کے بقدر، قید خانے میں نہیں رکھا جاسکتا، کیونکہ یہ تو ملزم کو پہلے ہی سے مجرم قرار دینا ہوا، جبکہ اس کا معاملہ ابھی زیر سماعت ہے۔

۹- اگر اس کے ساتھ مجرموں جیسا برتاؤ کیا گیا، جبکہ ابھی وہ صرف ملزم ہے، نیز اسے

لمبی مدت تک رکھا گیا جبکہ اس الزام کی تحقیق وتفتیش اس سے کم مدت میں ممکن تھی، اور حکام نے بلا کسی معقول عذر کے معاملہ کو طول دیا ہے تو زمانہ قید میں ہونے والی ذہنی اذیت کا مالی ہرجانہ طلب کرسکتا ہے، لیکن اگر اس کے ساتھ مجرموں والا برتاؤ نہیں کیا گیا اور قید صرف اس لئے کیا گیا تاکہ بھاگ نہ جائے اور معاملہ کی تفتیش آسان ہو اور اتنی مدت میں قید میں رکھا گیا جتنی اس کے معاملہ کی تفتیش کے لئے عام اصول کے مطابق ضروری تھی تو زمانہ قید کی ذہنی اذیت کا مالی ہرجانہ طلب کرنے کا حق نہ ہوگا، کیونکہ متہم ہوجانے کی وجہ سے شریعت نے اسے قید کرنے کی اجازت دے دی ہے، اور قید خانہ میں ذہنی اذیت تو ہوگی ہی، شریعت کی اجازت کے بعد ذہنی اذیت کے لئے مالی ہرجانہ کے مطالبہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۱۰- قیدی کو اپنے مقدمات کے سلسلہ میں وکیل سے رابطہ اور صفائی پیش کرنے کا پورا حق ہے، کیونکہ معاملہ زیر سماعت ہے، وہ ملزم ہے مجرم نہیں، اسے اس قسم کے مشوروں اور رابطوں کا پورا حق دیا جانا چاہئے (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/۳۲۶)۔

۱۱- خواتین قیدیوں کو اپنے ساتھ شیر خوار بچوں کو جیل میں رکھنے کا حق ہے، تاکہ وہ مدت رضاعت تک شریعت کے حکم کے مطابق دودھ پلا سکیں، یہ حق نہ دینا ماں اور اس کے بچے کے درمیان جدائی کردینا ہے جو کہ قطع رحم ہے جبکہ وہ بچہ اس عمر میں ماں کا بہت ہی محتاج ہے۔

احقر کے خیال میں اس کی اجازت شوہر کو اپنی بیوی سے مجامعت والے حق سے بڑھ کر ہونی چاہئے، کیونکہ وہاں شوہر و بیوی میں سے کسی کی جان کا خطرہ نہیں، اور یہاں شیر خوار بچے کی ہلاکت کا خطرہ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

قیدیوں کے حقوق

مفتی شیر علی ☆

اسلام میں قانون یہ ہے کہ اگر کسی نے کسی پر جرم کا دعوی کیا تو مدعا علیہ سے پوچھا جائے کہ آیا تونے یہ جرم کیا ہے یا نہیں؟ اگر وہ اقرار کرے تو فوراً سزا دیکر معاملہ وہیں ختم کر دیا جائے، اگر اقرار نہ کرے تو شبہ کی وجہ سے قید کیا جا سکتا ہے، البتہ ایسی سزائیں دینا کہ اس کی آدمیت یا اس کی عقل ختم ہو جائے، مثلاً ان کو ننگا کرنا، الیکٹرک شاٹ دینا، مافوق الطاقت تکلیف دینا، یہ اسلام میں جائز نہیں ہے۔ اسی طرح قید بھی کرنا اور پٹائی بھی کرنا، ڈبل سزا کی بھی اسلام اجازت نہیں دیتا، البتہ مذہبی امور کی ادائیگی میں رکاوٹ بننا جیل خانہ والوں کے لئے مناسب نہیں ہے، نیز عبادت، تبلیغ، تعلیم وتعلم سے بھی نہیں روک سکتے، رشتہ داروں سے ملاقات کی بھی اجازت دینا چاہئے۔

۱- شبہ کی بنا پر قید کیا جا سکتا ہے، مدت حکومت کی رائے پر موقوف ہے، شبہ دور ہونے تک۔

۲- (الف) مذہبی امور کی ادائیگی میں رکاوٹ بننا جیل خانہ والوں کے لئے مناسب نہیں ہے، نیز عبادت وتبلیغ، تعلیم وتعلم سے بھی نہیں روک سکتے، رشتہ داروں سے ملاقات کی بھی اجازت دینا چاہئے۔

☆ دار العلوم فلاح دارین ترکیسر (گجرات)۔

ب-ان کے آرام کا خیال کرنا چاہئے۔

ج-''عام سماجی حقوق'' اس کی بھی اجازت ہونی چاہئے۔

۳-الف- قیدیوں کو بے لباس کرنا۔

ب-قیدیوں کو مار پیٹ کرنا۔

ج-انہیں الیکٹرک شاٹ لگانا۔

د-قیدیوں پر کتے چھوڑنا۔

ہ-قیدیوں کو سخت ٹھنڈک میں برف کی سلوں پر ڈال دینا۔

و-انہیں مسلسل جگے رہنے پر مجبور کرنا، اور اس کے لئے اس کی جائے رہائش میں تیز روشنی، یا تیز آواز کا انتظام رکھنا۔ یہ سب جائز نہیں ہے۔

جواب بابت قیدیوں کے حقوق

مولانا محمد ذکاء اللہ شبلی ☆

۱- جرم کے ثبوت سے قبل قید کرنا درست نہیں، البتہ اگر الزام زیادہ سنگین ہو تو ایسے ملزم کو اس کے گھر یا محلہ میں نظر بند کیا جا سکتا ہے۔

۲- **الف**- قیدیوں کو عالمی و ملکی قانون کے تحت مذہبی امور کی انجام دہی کی اجازت ہے۔

ب- جسمانی ضرورت کے مناسب چیزوں کے استعمال کا اختیار ہے۔

عمر قید کی سزا کاٹ رہے قیدیوں کو ہمارے یہاں کچھ دنوں کے لئے سال پر ان کے اہل خانہ سے ملاقات کا موقع دیا جاتا ہے۔

ج- عام سماجی حقوق و اخلاقی امور کا پاس و لحاظ رکھنا ان کا حق ہے۔

۳- سچ اور صحیح بات معلوم کرنے کے لئے مناسب تدبیر جو انسانیت سے پرے نہ ہو اختیار کرنے کی اجازت ہوگی۔

۴- سخت قسم کے مجرم کے ساتھ یہ نوعیت اختیار کی جا سکتی ہے۔

۵- کسی خاص قسم کے مجرم کو تنہائی کی سزا دی جا سکتی ہے۔

۶- کسی بھی قیدی سے زبردستی کام نہیں لیا جا سکتا۔

☆ اندور، مدھیہ پردیش۔

۷- زیر سماعت مقدمات کے قیدی اور سزا کا فیصلہ ہو جانے والے قیدیوں میں رہائش وقیام وطعام وسلوک کے معاملہ میں فرق ضروری ہے۔

۸- فیصلہ سے پہلے اتنے دنوں قید میں رکھا جا سکتا ہے، لیکن فیصلہ کے وقت اس کی وضاحت ضروری ہے کہ یہ ملزم اتنی سزا قبل فیصلہ کاٹ چکا ہے اس لئے آزاد کیا جاتا ہے۔

۹- اگر ایسے جرم میں جس میں قید کی سزا نہیں ہے، قید کر دیا گیا تو ایسے شخص کو قید خانہ میں ہونے والی اذیت اور اس مدت کا مالی ہرجانہ وصول کرنے کا حق ہوگا۔

۱۰- ہر قیدی کو قانوناً یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی طرف سے ترجمان ووکیل مقرر کرے۔ اور وکیل سے اسے اپنی پوری بات پرسکون ماحول میں کہہ سنانے کا بھی حق ہے۔

۱۱- خواتین قیدیوں سے ان کے شیر خوار بچوں کو جدا نہیں کیا جا سکتا۔

چھٹا باب

مناقشہ

مناقشہ

قیدیوں کے حقوق

مفتی انور علی اعظمی

اس سلسلہ میں ایک بات تو مجھے یہ عرض کرنی ہے کہ ابھی عرض مسئلہ کے سوال ۱۰ کے جواب میں ایک شق رکھی گئی ہے کہ قیدی کو وکیل سے رابطہ کرنے اور اپنی صفائی پیش کرنے کا حق ہے، اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ جو قیدی وکیل کے اخراجات نہ برداشت کر سکے، ان کے لیے قانونی نمائندگی کا بندوبست ریاست یا حکومت پر لازم ہونا چاہیے، عرض مسئلہ میں یہ شق رہ گئی ہے اس کا لحاظ رکھیں۔

دوسری یہ گزارش کرنی ہے کہ ہندوستان میں جہاں ہم رہ رہے ہیں، اس کی حد تک ہم یہ خوب محسوس کرتے ہیں کہ اس وقت جیل میں بہت سارے مسلمان ایسے ہیں جو بے گناہ قید کئے گئے ہیں اور مسلمانوں کے علاوہ بھی اور جو دوسرے بے گناہ قیدی ہیں، ان کے ساتھ جو اخلاقی برتاؤ ہم کر سکتے ہیں اس میں ایک یہ بھی ہے کہ تہوار وغیرہ کے موقع پر ان کے ساتھ خاطر ومدارات کا معاملہ کیا جائے اور ان کو کچھ تحفے، پھل، کھانے پینے کے سامان فراہم کئے جائیں، مسلمانوں کے ساتھ جو زیادتیاں اس وقت ہو رہی ہیں، عام طور پر ان کے مقدمات دیکھنے کے لیے اجتماعی طور پر کوئی کوشش ہونی چاہیے اور بہت سارے نوجوان مسلمان جو جیل میں سڑائے جا رہے ہیں اور جن کی بہترین جوانی کی عمر اور تعلیم حاصل کرنے کا زمانہ ضائع ہو رہا ہے، ان کی

ملازمت برباد ہورہی ہے، تو ایسے بے گناہ نوجوانوں کی زندگی کو بچانے کے لیے اور ان کو جیل سے نکلوانے کے لیے اجتماعی طور پر کوئی کوشش ہونی چاہیے، یہ انتہائی ضروری ہے، اس وقت خاص طور پر ہمارا علاقہ اعظم گڈھ نشانہ پر ہے اور کئی سو ایسے مسلمان لڑکے جیل میں ہیں، جنھوں نے کوئی قصور نہیں کیا تھا، بغیر کسی قصور کے اور بغیر کسی جرم کے انہیں جیل میں رکھا گیا ہے، معلوم نہیں کب تک وہ جیل میں پڑے رہیں گے۔

مولانا عبدالرحیم صاحب کشمیری

نحمده ونصلي على رسوله الكريم، امابعد

سب سے پہلے تو ہم کشمیر سے حاضری پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں اور آپ حضرات کے بھی مشکور ہیں اور اس مؤقر اجلاس میں موقع ملا، اس کے لیے بھی شکر گزار ہیں، یہاں جو سوالات آئے ہیں اور جو بار بار تذکرہ ہوا ہے، گوانتانا موبے وغیرہ کا، تو چوں کہ ہمارا تعلق کشمیر سے ہے تو پچھلے بیس سال کے عرصہ سے جو وہاں پر ہم حالات دیکھ رہے ہیں اور مختلف ٹی وی چینلوں اور وسائل اعلام کے ذریعہ سے دنیا تک وہ باتیں رہ رہی ہیں، لیکن کشمیر میں جو بالکل آپ کے قریب ہے، وہاں جو انسانی حقوق کی پامالیاں ہوئی ہیں، اس وقت دس ہزار سے گیارہ ہزار افراد بالکل ان کا نام ونشان کا پتہ نہیں ہے، ان کی مائیں، ان کی بہنیں اور ان کے اقرباء جو ہیں روزانہ مختلف سڑکوں پر اور مختلف جگہوں پر ان کی تصاویر لے کر احتجاج کرتے رہتے ہیں کہ ہمارے بچوں کا پتہ بتاؤ، حال ہی میں کشمیر میں دو تین مختلف جگہوں پر، مختلف قبریں ہزاروں کی تعداد میں دریافت ہوئی ہیں، ان قبروں میں کون دفن ہے اللہ ہی جانتا ہے، حکومت بھی آج تک جواب نہیں دے پائی ہے۔ تو پہلے تو میری گزارش یہ ہے کہ گوانتانا موبے وغیرہ اتنا دور جانے سے پہلے ذرا ہم اپنے آس پاس کی بھی خبر لے لیں کہ کہیں ہمارے آس پاس ہی اس سے زیادہ مظالم نہ ہو رہے ہوں

اور اس کے متعلق جو کچھ ہم کر سکتے ہیں، کیونکہ اب تو اعظم گڈھ وغیرہ، بٹلہ ہاؤس کا معاملہ بھی سامنے آ گیا ہے، تو یہاں کے مسلمانوں کو جو ہے اس بارے میں تھوڑا سا سنجیدہ ہو کر کوئی متفقہ لائحہ عمل مرتب کرنا ضروری ہے، تاکہ آئندہ یہ مظالم کا سلسلہ جاری نہ رہے اور اس میں ایک بات اور ہے، چونکہ میرا ذاتی اس سے واسطہ پڑا ہے، 13 دسمبر کو پارلیمنٹ پر حملہ ہوا تھا اس کے جو اس وقت ماسٹر مائنڈ بتائے گئے تھے وہ میرے رشتہ میں بھائی ہیں، بڑے بھائی ہیں، سید عبدالرحمٰن گیلانی وہ میرے بڑے بھائی ہیں، ان کی جو اسٹوری ہے جس سے ہم خود گزر رہے ہیں، یہ کوئی سنی سنائی باتیں نہیں کی ہیں، اس کے پس منظر میں کچھ سوالات ابھر رہے ہیں پہلی بات تو انہوں نے یہ کہی کہ جس وقت ان کو گرفتار کیا گیا وہ جمعہ پڑھنے کے لیے جا رہے تھے اور ان کو ٹی وی چینلوں پر ماسٹر مائنڈ ظاہر کیا گیا، پھر الحمدللہ سپریم کورٹ سے وہ باعزت بری بھی ہو گئے اور پھر ان پر حملہ بھی ہوا اور اس وقت گورنمنٹ آف انڈیا نے سی آئی ایس ایف کو ان کی حفاظت پر بھی مامور کر رکھا ہے، وہاں صورت حال یہ ہے کہ انہوں نے پہلی بات یہ کہی کہ جب ہم کو گرفتار کیا گیا تو ہم سے پانچ سادہ پیپرس پر دستخط کروائے گئے اور پانچ سادہ پیپرس پر دستخط کروانے کے بعد جو اس وقت پوٹا قانون نافذ تھا، اس کے تحت کسی بھی ڈی ایس پی کے یہاں اقبالی بیان جو ہے وہ قانونی حیثیت اختیار کر لیتا تھا اب انہوں نے جب دستخط سادہ کاغذ پر کروا لیے، اس کے بعد اس میں جو کچھ چاہو درج کر لو، دستخط تو ملزم سے لے لیے، اب جو مسئلہ ہمارے پاس اٹھتا ہے کہ جب ظالموں کی طرف سے مظلوم پر اتنی انتہا کر دی جاتی ہے کہ جو چاہو اس کے ساتھ الزام لگا دو اور جس طرح سے چاہو اسے بدنام کرو، اخلاقی لحاظ سے، جسمانی لحاظ سے، اس پر جتنا ظلم کرو، کرو تو جو اس کا دفاع کرنے کا معاملہ ہے اور وکلاء کا معاملہ آپ کو معلوم ہے، جس طرح سے وہ ملزم کو پھنسانے کے لئے فرضی گواہ کھڑے کر لیتے ہیں، کیا شریعت اسلامیہ میں ہمارے لیے ایسی گنجائشیں ضرورت اور عموم بلویٰ کی وجہ سے اس معاملہ میں، کیا ہمارے وکلاء حضرات کے لئے اسی

طرح سے جس انداز میں پولیس فرضی مقدمات قائم کردیتی ہے، اسی طرح سے ہمارے وکلاء فرضی گواہوں کو کھڑا کرسکتے ہیں اور اسی طرح سے وہ معاملات کرسکتے ہیں، وہ لوازمات پورے کرسکتے ہیں، جو اگرچہ شرعاً کذب کے دائرہ میں آجائے، شرعاً جو صریح جھوٹ میں بھی آجائے اور قول زور کے دائرہ میں آجائے، شہادۃ زور کے دائرہ میں آجائے، لیکن مسئلہ ہے ایک آدمی کو بچانے کا اس کی جان کے تحفظ کا اور بہت سارے مسائل اس سے جڑے ہوئے ہیں، یہاں ہمارے سوالات میں اس کا کوئی تفصیلی ذکر نہیں ہے اور میں جہاں تک سمجھتا ہوں، جہاں تک ہماری بحثیں ہیں، تو ہماری بحثوں کا شاید ایک دائرہ تو یہ ہے کہ ہماری علمی تحقیق ہے اور دوسرے گراؤنڈ ریالٹی (Ground Reality) جو حقیقت زمین پر اس وقت موجود ہے۔

جو ہمارے یہاں پر تحقیقات ہو رہی ہیں، حکومت تو اس سے استفادہ کرنے سے رہی، ان کا تو اپنا معاملہ ہے وہ جس طرح سے قیدیوں کے ساتھ پیش آئے اور کوئی اسلامی حکومت بھی ایسی نہیں ہے اس وقت جو ہم سے مطالبہ کرے کہ بتاؤ کہ ہمیں قیدیوں سے کیسے پیش آنا ہے، کیسے ہمیں ان کی تربیت کرنی ہے یا ان کی تادیب کرنی ہے یا ہمیں زجر کرنا ہے، اس وقت یہ دیکھنا ہے کہ ہندوستان میں اور جو اقلیتوں پر مظالم ہو رہے ہیں، اس سے چھٹکارے کی صورت کیا ہے؟ بظاہر اس کی صورت یہ ہے، ہمارے ساتھ جو معاملہ ہوا، وہ تو اللہ نے ہمارے ساتھ غیب سے نصرت فرمائی، ہمارے بھائی صاحب کے کیس میں مسٹر رام جیٹھ ملانی جو کرمنل لاء میں بڑے مشہور ہیں، ہندوستان کے اندر جو سپریم کورٹ کے وکیل ہیں، وہ کھڑے ہوگئے، حالانکہ رام جیٹھ ملانی کا میں بتاؤں گا اطلاع کے لیے، انہوں نے خود مجھ سے کہا کہ میں ایک پیشی کا کم سے کم تین لاکھ روپے لیتا ہوں اور ایک مقدمہ کو نپٹانے کی تو بات ہی نہیں، تو ہمارے بس میں نہیں تھا۔ لیکن انہوں نے کہا کہ آپ کا کیس میں انسانی بنیاد پر لڑ رہا ہوں اور الحمدللہ انہوں نے لڑا، اور سپریم کورٹ میں ہمارے بھائی صاحب بری ہوگئے۔ لیکن ہر ایک مسلمان اور ہر ایک غریب کے پاس

اتنی طاقت نہیں ہے کہ وہ ایک پیشی کے تین لاکھ روپے پیش کرے، تو اس وقت ہمارے پاس مسئلہ دوسرا کھڑا ہو رہا ہے کہ کیا ایسی صورت میں سودی رقم یا ایسی رقومات جن کو ہم رفاہ عام پر خرچ کرتے ہیں اور باقی معاملات میں خرچ کرتے ہیں کیا ہمیں فتویٰ جاری کرنا چاہیے اجتماعی طور پر کہ ایسا شخص جو ہے اس سودی رقم کا زیادہ مستحق ہے، بہ نسبت دوسری مدات کے، کیونکہ اس وقت اس کی جان خطرہ میں ہے، تو یہ چند اہم پوائنٹس ہیں جن میں ایک شہادت زور والا معاملہ ہے، فرضی گواہوں کو کھڑا کرنے کا معاملہ۔ ظالم کے مقابلہ میں اور اسی طرح سے اس کے مقدمے کے اخراجات جو ہیں وہ کیا سودی رقم سے پورے کئے جاسکتے ہیں، ان سارے معاملات کو ضرور یہاں پر بحث میں لانا ضروری ہے، تاکہ امت کے سامنے کوئی لائحہ عمل پیش ہو جائے۔

مفتی تنظیم عالم قاسمی، حیدرآباد

قیدیوں کے حقوق سے متعلق جو سوالنامہ دیا گیا تھا، اس میں بیشتر جزئیات کا تعلق اس بات سے ہے کہ قیدیوں کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیے اور ان کے ساتھ قید خانے میں کیسا معاملہ کرنا چاہیے، اس سلسلہ میں حضرات فقہاء نے جو اصولی بحث کی ہے میرے خیال سے اگر وہ اصولی بحث سامنے رکھا جائے تو کافی مسائل میں ہمارے لیے کافی تعاون مل سکتا ہے، تقریباً تمام حضرات فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جرم خواہ کتنا ہی شدید کیوں نہ ہو، اس کی آدمیت باقی رہتی ہے، آدمیت ختم نہیں ہوتی، انسان وہ باقی رہتا ہے خواہ کیسا ہی وہ بڑا جرم کرنے والا کیوں نہ ہو۔ "وما کان من خواص الأدمية في الرقيق لايبطل بل يبقى على أصل حرية۔" وغیرہ وغیرہ لوگوں نے عبارتیں پیش کی ہیں۔ اس سلسلہ میں ظاہری بات ہے کہ آدمی ایسا عمل جو انسانیت کے خلاف ہے جیسے الیکٹرک شارٹ لگانا یا ایسی مار مارنا جس سے انسانیت متاثر ہوتی ہو یا بے لباس کرنا، الیکٹرک شارٹ لگانا، قیدیوں پر کتے چھوڑنا وغیرہ وغیرہ۔

ظاہری بات ہے کہ یہ آدمیت کے خلاف ہے، یہ سزائیں ان کو نہیں دی جاسکتی ہیں، لیکن اس کے علاوہ وہ سزائیں جو آدمیت کے خلاف نہیں ہیں، جیسے مذہبی امور، جسمانی ضروریات، عام سماجی حقوق، اخلاقی امور یہ تمام چیزیں انسان کو حاصل ہوں گی اور یہ بالکل آدمیت کے مطابق ہے، ظاہری بات ہے بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ قید خانے میں اگر ان کو ریڈیو سننے، فون وغیرہ پر بات کرنے کی اجازت دی جائے تو استیناس حاصل ہوسکتا ہے، یعنی ایک طرح سے جو گھٹن محسوس کرنے کا حربہ ہے وہ حاصل نہیں ہوگا، اس پر قابل غور پہلو یہ ہے کہ جب قید خانے میں ایک آدمی کو داخل کردیا جائے تو خود بخود گھٹن کا جو پہلو ہے وہ حاصل ہوگا۔ اس کے لیے الگ سے کہ ان کو ریڈیو سننے یا اس طرح اور دیگر چیزوں کے بارے میں الگ سے اس کی ضرورت نہیں پڑسکتی ہے۔

مولانا ظہیر احمد، کانپور

میرا دراصل سوال پروفیسر عبدالرحیم صاحب سے ہے، انہوں نے یہ بتایا تھا کہ تقریباً سات حقوق ایسے ہیں جو کسی بھی حالت میں مردہ نہیں ہوتے ہیں، وہ ہمیشہ زندہ رہتے ہیں، لیکن انہوں نے جو ذکر کیا، چار تو انہوں نے تو دی پوائنٹ ذکر کئے تھے Freedom, Right of Life, Shavery of Tarchers اور Freedom of Religion لیکن اس کے بعد بقیہ جو ہے وہ شاید رہ گئے ہیں تو میں چاہتا ہوں کہ ان کی بھی پوری وضاحت کردیں۔

مولانا شوکت ثناء قاسمی

میرا بھی سوال دونوں ماہرین سے یہ ہے کہ اگر وہ حقوق جو ذکر کئے گئے قیدیوں کے اور جو قانون کی کتاب میں ہے اگر کوئی ملک اس پر عمل نہیں کرتا ہے یا جیلر اس پر عمل نہیں کرتا ہے تو کیا قیدی اس کا مطالبہ کرسکتے ہیں اور اگر وہ ملک یا جیلر اس کے اس مطالبے کی تکمیل نہیں کرتے تو

وہ کیا کرسکتا ہے؟۔ اس کے لئے کیا وہ کوئی مقدمہ لڑسکتا ہے، یا کہاں جاسکتا ہے، اپنے مطالبات کی تکمیل کیسے کراسکتا ہے؟۔ اس کی بھی تھوڑی تشریح ہو جائے تو مناسب ہے۔

مفتی صباح الدین ملک قاسمی

چند باتیں اس سلسلہ میں عرض کرنی ہے، سب سے پہلی بات یہ ہے کہ جو موضوع ہمیں دیا گیا ہے وہ تو تقریباً خالص نظری موضوع ہے، یعنی اس پہلو سے کہ اسلامی شریعت قیدیوں کے کیا حقوق اپنے پاس رکھتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سوال کا تعلق اسلامی مملکت سے ہے، اسلامی حکومت کہیں قائم ہو تو وہ اپنے قیدیوں کو یا حربی قیدیوں کو کیا حقوق دے گی؟ یہ خالص قرآن وسنت اور جو بھی ہمارے دلائل ادلۂ شرعیہ ہے اس کے مطابق ہم کیا کریں گے یہ ایک پہلو ہے جس پر پورا سوالنامہ مرکوز ہے۔ دوسری طرف عملی پہلو یہ ہے کہ جس کی طرف آپ چاہتے بھی ہیں، ہم بھی چاہتے ہیں، اس مسئلہ کا اور جس کی طرف ہمارے کشمیری بھائی نے اشارہ کیا ہے، تو اس کے لیے میں یہ چاہتا ہوں کہ ظاہر ہے کہ جو کچھ بھی یہ ملک کر رہا ہے ہمارے ساتھ، مسلمانوں کے ساتھ یا عالمی سطح پر، عالمی طاقتیں ہمارے ساتھ کر رہی ہیں، تو ظاہر ہے کہ وہ جو کچھ کر رہی ہیں یا تو خلل ان کے یہاں ان کے قانون میں ہو، وہ قانون ہی غلط ہے جس کے تحت وہ ہمارے ساتھ غلط سلوک رہے ہیں یا دوسری بات یہ ہو کہ قانون تو صحیح ہے، عالمی بھی، ملکی بھی، لیکن عمل میں وہ غلط کر رہے ہیں۔ دونوں سطح پر ہم کو دیکھ کر اپنا ایک ضابطۂ عمل بنانا پڑے گا اور اگر ہم سمجھتے ہیں ایمپلیمینٹیشن میں وہاں قصور ہے، ملکی قانون میں ہم کو تبدیلی کرانے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن ایمپلیمینٹیشن میں قصور ہے تو پھر اس کا باضابطہ مطالعہ کر کے Line of Action یہاں کے دستور اور قانون کی روشنی میں طے کرنا پڑے گا اور جتنی تنظیمیں غیر مسلموں کی این جی اوز اس حق میں ہوں اور ہیں، ہمارے علم میں تو ان کو ساتھ لے کر کے پورا مومنٹ چلانا پڑے گا، انسانی بنیادوں پر

یہاں کے قانون کے مطابق، یہ بات کہنے کے بعد ایک دوسری بات میں کہنا چاہتا ہوں، جو سوالات اٹھائے گئے ہیں، ظاہر ہے کہ اس عمل کا تعلق یعنی قیدیوں کے حقوق کا تعلق نظامِ حکومت سے ہے، نظام حکومت کی بنیادی ذمہ داری جو کسی بھی سول معاشرہ میں طے ہے، وہ یہ ہے کہ ہر فرد کے جو حقوق ہیں جو مانے ہوئے ہیں، ان حقوق کی حفاظت ہو، امن برقرار رہے، ظلم کسی پر نہ ہو، دست درازی کوئی نہ کرے، اسی بنیاد پر جرم کا مسئلہ آتا ہے۔ کرائم بھی دو طرح کے ہیں: یعنی ملکی قانون میں ایک سول ہے اور ایک کرمنل لاء کے تحت آتا ہے پینل کورٹ کے تحت، تو ان دونوں میں بھی بنیادی طور پر فرق ہوگا۔ جس کی طرف ابھی ہم تھوڑا سا اشارہ کریں گے، لیکن ہم یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ نظام حکومت جو بھی حکومت ہو اس کی ذمہ داری ہے امن قائم کرنا، ظلم سے روکنا اور اسی پہلو سے کسی بھی قیدی کو جس کے بارے میں دو شکلیں ہوسکتی ہیں یا تو اس پر شک ہو کہ وہ مجرم ہوگا، تو حوالات میں بند کیا گیا، یہاں تک کہ ثبوت، یعنی شواہد سے وہ ثابت ہوجائے، تو پھر اس کو اس کے جرم کی اصلی سزا دی جائے اور ہوسکتا ہے کہ اصلی سزا میں خود حبس کی سزا ہو تو یہ اس کی دو شقیں بنتی ہیں، لیکن دوسرا پہلو یہ ہے کہ ہر انسان کو یہ حق حاصل ہے براءت کا۔ "الأصل برائة" ہر انسان کو یہ حق ہے کہ وہ بری ہے اور اس کا یہ حق ہر قیمت پر محفوظ ہونا چاہیے۔ حکومت اگر کسی کو شک کے دائرہ میں لاکر، کوئی جرم ہوتا ہے اور شک کے دائرہ میں لاکر کسی کے برأت اصلیہ کے حق سے محروم کرنا چاہتی ہے تو ظاہر ہے وہ اس کا حق ہے محروم نہیں کرسکتی ہے۔ اس کی دادرسی کرے یہ اس کا حق ہے، یعنی مظلوم کا اور ظالم کو ڈھونڈنا ظاہر ہے کہ ظلم ثابت نہیں تو شک آپ جس پر بھی کریں گے تو شک کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دوسرے کے حق کو مجروح کردیں گے، یعنی کسی کو قیدی بنالیں گے اور ان کو فرض کرلیں گے تو دونوں کی رعایت کرنی پڑے گی، یہ قانونی نظریہ جو ہے عدل کا دونوں جانب سے ہے اور اس کا لحاظ کرنا ہوگا۔

تیسری بات یہ کہنا چاہتا ہوں کہ قیدی یعنی ایک قید کی نوعیت زیر سماعت مدت کی ہے

اور ایک قید کی نوعیت یہ ہے کہ ثابت شدہ مجرم کی ہے ان دونوں میں فرق ساتویں سوال میں آیا ہے، جبکہ یہ فرق ہر جگہ ملحوظ ہے، آپ نے جتنی گفتگو کی، اس سے پہلے سوالات اٹھائے گئے ہیں، ساری شقوں میں وہ فرق ملحوظ ہے، دونوں کی نوعیت پر بنیادی فرق ہے، مجھے حیرت ہے کہ بعض لوگوں نے دونوں کو دانستہ ایک کردیا ہے، جس کو صرف شک کی بنیاد پر زیر حراست لیا گیا ہے، ظاہر ہے کہ یہ بھی اس کے ساتھ ایک طرح کا ظلم ہے، حقیقتاً اس پر کچھ ثابت نہیں ہے، لیکن اگر اس کو اس حق کے یعنی جو مظلوم ہے، اس کو حق دادرسی کی خاطر ایسا کرنا پڑ رہا ہے تو یہ بدرجۂ مجبوری ہے اس لئے اس میں وہ تمام حقوق اس کے ملحوظ رکھے جانے چاہئیں، جو کہ ایک عام انسان کو ایک آزاد شہری کو حاصل ہوتے ہیں، ہاں اگر حبس ثابت شدہ مجرم، یعنی فیصلہ ہوجانے کے بعد اگر حبس بطور سزا ہو تو اس کے حقوق مختلف ہوں گے، تمام تر مختلف ہوں گے اور ظاہر ہے کہ وہ حقوق اس کو حاصل نہیں ہوں گے، جو ایک عام آزاد غیر مجرم شہری کو حاصل ہوا کرتے ہیں۔

اور دوسری بات پھر آگے یہ کہ ہماری اس پوری گفتگو میں ضمانت والی بیل، بیل پر جو چھوٹتا ہے آدمی، ضمانت والی بات ابھی تک کہیں نہیں آئی ہے، ضمانت والی بات میرے علم میں جہاں تک ہے وہ ہمارے یہاں پر جو متخصصین ہیں، جواب دیں گے، اگر میری معلومات غلط ہیں۔ میرے علم میں یہ ہے کہ جیسا کہ خیال ہوتا ہے کہ بیل کا جو پہلو آتا ہے وہ ثابت شدہ مجرم کے لیے نہیں ہوتا۔ بلکہ زیر سماعت حوالات میں جب تک رہتا ہے چونکہ وہ احتیاطی قید اور گرفتاری ہے اس میں بیل پر ضمانت کی ایک شق رکھی گئی ہے، ثابت شدہ مجرم کو غالباً بیل پر ضمانت کا حق حاصل نہیں ہوتا ہے۔

ایک بات یہ ہے کہ جیسا کہ ہم سب واقف ہیں۔ "الحدود تندرأ بالشبهات یاالعقوبات تندرأ بالشبهات" تو ظاہر ہے کہ شک اور شبہ جو ہے وہ تو درأ حدود کا باعث بنتا ہے، شک اور شبہ کسی کو مجرم بنانے کے لیے اور اس کے حقوق پر دست درازی بنانے کا کوئی

سبب نہیں بن سکتا، شک کا فائدہ مجرم کو مل جاتا ہے، شک کا فائدہ ایک بری انسان کو مجرم ثابت کرنے کے لیے نہیں مل سکتا، تو ہمارا اصول تو یہ کہتا ہے۔

دوسری بات قیدیوں سے سچی بات اگلوانے والی بات عارض مسئلہ نے اس کو صرف ایک شق میں محصور کر دیا ہے۔

ایک آخری بات وہ یہ ہے کہ ابوغریب اور گوانتاناموبے کے بارے میں، اس کے بارے میں بہت شور ہے حالانکہ اعتراض یہ ہے کہ جو بین الاقوامی قانون کی رو سے جو قیدیوں کو حقوق ملنے چاہئیں ان کی خلاف ورزی کی جارہی ہے، اس وجہ سے اس پر اعتراض آتا ہے، ورنہ اگر وہ ثابت ہو جائے، امریکن یعنی قانون عالمی کے سامنے اگر کوئی بھی افغانستان کا یا جس پر القاعدہ سے تعلق کا الزام ہے اگر وہ امریکن گورنمنٹ کے سامنے ثابت ہو جائے تو سب اس کے قانون کی رو سے جائز ہو جائے گا اور ہمارا اعتراض یہ ہے کہ بنیادی طور پر جن لوگوں کو وہاں رکھا گیا، چھ چھ سال اور اس سے بھی زیادہ حقیقتاً ان کو دفاع کا حق نہیں دیا گیا جو خود ان کے قانون میں موجود ہے، جو خود عالمی قانون اور جنیوا قانون میں موجود ہے تو اعتراض کا نقطہ وہ ہے نہ کہ اعتراض کا نقطہ دوسرا۔



IFA PUBLICATIONS

IFA Publications
161-F, Jogabai, Jamia Nagar,
New Delhi-110025
Tel/Fax: 011-26983728
E-mail: ifapublications@gmail.com